

إِتْمَامُ الْبُرْهَانِ

فی رد

تَوْضِیحِ الْبُکَّیَانِ

﴿مکمل چار حصے﴾

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان مدظلہ
صدر

نزد مدرسہ نصرۃ العلوم
گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

مکتبہ صفائی

ہلے ہن نظر فوق نذر خوب ہے لیکن جوشے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

اِقْسَامُ الْبُرْهَانِ

تَوْضِيحُ فِي سَبِيحِ الْبَيَانِ

علمائے کرام نے قرآن کریم کے مختلف زبانوں میں متعدد تراجم امت مسلمہ کی سہولت کے لئے کئے ہیں، اردو زبان میں بھی کئی تراجم ہیں اور متعدد تراجم میں شعوری یا غیر شعوری طور پر اغلاط بھی موجود ہیں لیکن بریلوی حضرات کے اعلیٰ حضرت نے قرآن کریم کے لفظی ترجمہ میں جو اپنے من یا اور باطل عقائد داخل کئے ہیں اور ان کے لائق ثنا گرد مراد آبادی صاحب نے اپنی تفسیر میں ان تراجم کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ایٹری چوٹی کا جو زور صرف کیا ہے کسی زبان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی ہم نے فرس کفار ادا کرتے ہوئے بعض بہرگور کے حکم اور مشورہ سے تنقید متین بر تفسیر نسیم الدین میں خالص علمی انداز میں ان غلط تراجم اور ان کی خود ساختہ تفاسیر پر گرفت کی تھی جس پر ان کی جماعت کے ایک نام نہاد محقق اور مدق صاحب کی باسی کڑی میں اہل اگیا اور توضیح البیان کے نام سے رطبے یا بس اکٹھا کر کے ایک ضخیم کتاب لکھ رہی اس توضیح البیان کا خالص علمی انداز سے رد اس زیر نظر کتاب اقسام البرهان میں کیا گیا ہے جو کئی سال سے لکھی ہوئی تھی مگر کثرت مشاغل نیز عدالت کی وجہ سے نظر ثانی کا موقع نہیں مل سکا تھا، اس کے کئی حصے ہیں پہلا یہ ہے النشار اللہ الغریبہ جو بیان حق کو اس میں خاصا علمی مواد ملے گا اور ٹھوس حوالوں کو پڑھ کر وہ بڑے مطمئن ہوں گے اس کو پڑھ کر کچھ چہرے ضرور آداس بھی ہوں گے مگر یہ ایک فطری بات ہے جو ہمارے بس کی نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ

احقر

ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ و

صدر مدرس مدرسہ "نصرة العلوم" گوجرانوالہ

۵ شوال ۱۴۱۵ھ / ۱۶ اگست ۱۹۸۱ء

﴿جملہ حقوق بحق مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ محفوظ ہیں﴾

طبع چہارم اپریل ۲۰۰۵ء

نام کتاب..... اتمام البرہان مکمل چار حصے

مصنف..... شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوزہرہ محمد سر فراز خان صفدر مدظلہ

تعداد..... گیارہ سو (۱۱۰۰)

ناشر..... مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

قیمت..... ایک سو پچاس روپے (۱۵۰/-)

﴿ملنے کے پتے﴾

☆ مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ ☆ مکتبہ امدادیہ ملتان

☆ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی ☆ مکتبہ حقانیہ ملتان

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار ☆ مکتبہ مجیدیہ ملتان

☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور ☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار اوپنڈی ☆ اسلامی کتب خانہ اڈاگامی ایبٹ آباد

☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد ☆ مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد

☆ مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیور وڈینگورہ ☆ دارالکتب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ کمی مروت ☆ مدینہ کتب گھر اردو بازار گوجرانوالہ

☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ نزد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ فاروقیہ حفیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوجرانوالہ

☆ کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ لکھنؤ

☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

فہرست

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۷	اور اس کا جواب	۹	سخن گفتنی
۲۸	مطلق غیب کی نفی نادانی ہے	۱۴	فاضل بریلی کے غلط تراجم کی چند مثالیں
۱۵	اور اس کا جواب	۱۵	توضیح البیان کے جواب کی وجہ
۲۹	کیا مطلق غیب بعض امور غیبیہ کے منافی ہے	۱۷	باب اول
۱۸	اور اس کا جواب	۱۸	غیب بتانے والا نبی
۳۰	نبی کے غیب میں کلی غیب شامل ہے	۱۸	مؤلف توضیح البیان کی گزرت
۳۱	اور اس کے جواب	۱۸	نشخا کا حوالہ
۳۳	پہلی وحی کے متبع پر آپ کو ماضی اور مستقبل کا علم حاصل تھا۔	۱۹	اور اس کا جواب
۳۵	باب دوم	۲۰	علماء دیوبند کی فلہنج کا متفقہ فیصلہ
۳۱	استغانت از غیر اللہ تعالیٰ	۲۱	اور اس کا جواب
۳۲	استغانت ہر قسم کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ	۲۱	علم غیب ذاتی اور عطائی کی وجہ سے الزام
۳۳	استغانت کو مختص کرنا تحریف قرآن کریم	۲۲	اور اس کا جواب
۳۴	استغانت کے ساتھ مافوق الاسباب	۲۲	اعلیٰ حضرت پر کلی غیب دانی کے دعوے کا الزام
۳۵	استغانت کے ساتھ مختص	۲۳	اور اس کا جواب
۳۶	استغانت کے ساتھ مختص	۲۴	خالصاحب کے مسترد حوالے
۳۷	ہونے کی مدار استغانت اور عدم استقلال پر ہے۔	۲۴	خالصاحب کا دعویٰ جمیع ماکان وھابیکون کا ہے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۷	ان تمام شقوں کے جوابات	۲۷	مردوں سے استمداد کا ثبوت اور اس کی مثالیں
۵۸	ما فوق الاسباب امور میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استعانت	۲۸	ان کے جوابات
۶۵	اس کی احادیث سے چند مثالیں	۳۳	سرفراز صاحب کی شرک کی بحث میں دوسری غلطی
۶۶	ان کے جوابات	۳۳	کہ وہ زندہ اور پاس ہی موجود شخص کی قید لگاتے ہیں
۶۷	معلق اور کسب	۳۳	اس میں کئی وجوہ سے خرابیاں ہیں
۶۸	افعال عادیہ اور غیر عادیہ میں معلق اور کسب کا فرق کرنا باطل ہے۔	۳۸	شرح عقائد سے شرک کا معنی
۶۹	افعال غیر عادیہ کی نسبت بھی بندوں کی طرف کی گئی ہے۔	۳۸	مؤلف براہین قاطعہ پر بلاوجہ غصہ
۷۰	اس کی چند مثالیں	۳۸	الغیر الکبیر کا حوالہ
۷۱	ان کے جوابات	۳۸	مدار شرک تین چیزیں ہیں غیر اللہ کو واجب الوجود ماننا۔ اسکو مستحق عبادت سمجھنا۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات مختلفہ اس میں تسلیم کرنا۔
۷۲	سرفراز صاحب کی بحث شرک میں پہلی غلطی اگر اختیار سے علی وجہ الایجاد مراد ہے تو یہ شرک ہے اور اگر علی وجہ الکسب ہے تو یہ امور غیر عادیہ ہیں بھی ہے۔	۳۸	سرفراز صاحب اور تفسیر کبیر کا حوالہ
۷۳	حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے ما فوق الاسباب امور میں استعانت کی	۳۹	مشرکین اس لیے شرک لگاتے کہ اللہ کو مستحق عبادت سمجھتے تھے۔
۷۴	سب ولی الیا کر سکتے ہیں تو نبی بطریق اولیٰ کر سکتے ہیں۔	۳۹	صدر الافضل کے ذہن کی ناہمواری کا شکوہ غلط ہے۔
۷۵	سابقہ شرع کا بلاذکر نفل کرنا کہ جسے لے کر حجت	۵۲	ان تمام امور کے مفصل جوابات
۷۶		۵۲	واجب الوجود

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۱	اس کے بارے میں چند حوالے	۷۵	مجوسی دوا واجب الوجودات میں تفسیر کبیر
۹۲	ان کے جوابات	۷۶	اس کا مفصل جواب
۹۳	استمداد کا ثبوت اعلام اُمت سے	۷۸	امام رازی کا حوالہ
۹۴	اشعۃ اللمعات کا حوالہ	۸۰	شرک دو صورتوں میں ہی منحصر نہیں ہے
۹۵	اس کا جواب	۸۰	شیائین کی اطاعت بھی شرک ہے۔ قرآن مجید
۹۶	استمداد کا انکار بدعت ہے۔	۸۱	اللہ تعالیٰ کی مشیت میں کسی کو شرک کرنا بھی شرک ہے۔ حدیث شریف
۹۷	شیخ محقق اور امام رازی سے	۸۱	شرک کی اور صورتیں بھی ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب
۹۸	اس کا جواب	۸۱	مذکورہ اسباب شفا بہت بھی شرک ہے۔ قرآن کریم
۹۹	امام رازی کا حوالہ	۸۲	تفسیر کبیر کا حوالہ
۱۰۰	معجزات اور کرامات کے ذریعہ تصرف	۸۲	صاحب مالہ بدعت کی عبارت سمجھنے میں سرفراز صاحب کی غلطی
۱۰۱	مقدمہ ماہین غلطوں کا حوالہ	۸۳	اور یہ غلطی کئی وجوہ سے ہے
۱۰۲	ارشاد الطاہرین کا حوالہ	۸۳	اس کا جواب کئی وجوہ سے
۱۰۳	معجزہ و کرامت اور سحر و شعبہ بازی میں ماہر الیقینا فرق	۸۴	افراء عظیم کہ مولوی سرفراز صاحب
۱۰۴	دیوبند کے مسلم اکابر سے استعانت کا ثبوت۔	۸۵	حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام کی حیات کے منکر ہیں۔
۱۰۵	اور اس کی چند مثالیں	۸۸	ان کی حیات کے بارے میں چند حوالے
۱۰۶	اس کا جواب	۸۸	اس کا جواب
۱۰۷	فتاویٰ عزیزی کا حوالہ	۸۹	استمداد کا ثبوت احادیث سے
۱۰۸	اہل قبور سے فیض۔	۸۹	
۱۰۹	فتاویٰ عزیزی۔ ارشاد الطاہرین	۸۹	
۱۱۰	تعلیم الیوم اور عاشق فیض الباری	۸۹	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۲۷	ان کے جوابات	۱۱۷	ارشاد الطالبین کے مزید حوالے
۱۲۸	مقیاس حقیقت کا حوالہ کہ رسول غیر اللہ نہیں	۱۱۳ تا ۱۱۴	تفسیر عزیزی کے حوالے
۱۱۵	تفسیر عزیزی کا حوالہ	۱۱۵	ارشاد الطالبین کا حوالہ
۱۲۹	تفسیر عزیزی کا اور حوالہ	۱۱۷ تا ۱۱۸	تفسیر عزیزی کے حوالے
۱۳۰	فیض الباری کا مفصل حوالہ	۱۱۸	تفسیر عزیزی کا مکمل حوالہ
۱۳۱	اللہ تعالیٰ کی صورت پر سونے کا مطلب؟	۱۱۹	بروز کا معنی فتاویٰ عزیزی -
۱۳۲	فیض الباری کا اور حوالہ	۱۱۹	و تعلیم الدین سے
۱۳۳	فتاویٰ عزیزی کا حوالہ	۱۲۰	یہ تصرف اللہ تعالیٰ سے مختص ہے
۱۳۴	فیض الباری کا اور حوالہ	۱۲۰	لطیفہ لفظ سلوف کس کی جمع ہے؟
۱۳۵	حضرت ملا علی القاری کا حوالہ	۱۲۱	قاموس مختار الصحاح سے
۱۳۶	حضرت شیخ عبدالحق کا حوالہ	۱۲۱	المنجد سے
۱۳۷	صدر الافاضل اور شاہ عبدالعزیز دونوں نے استغاثت کی ایک جیسی تفسیر کی ہے۔	۱۲۲	سرفراز صاحب کا وجہ فاسدہ سے
۱۳۸	اس کا جواب	۱۲۲	استدلال اور اس کے جوابات
۱۳۹	تفسیر عزیزی کا اور حوالہ	۱۲۳	کئی وجہ سے
۱۲۵	تفسیر عزیزی کا اور حوالہ	۱۲۳	ان کے جوابات
۱۲۳	تفسیر عزیزی کا اور حوالہ	۱۲۵	منظہ افعال و صفات
۱۲۴	تفسیر عزیزی کا اور حوالہ	۱۲۵	اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے استدلال
۱۲۴	تفسیر عزیزی کا اور حوالہ	۱۲۴	غیر اللہ سے استدلال نہیں
۱۳۵	حیرت اور تأسف	۱۲۴	حدیث فُتِنْتُ سَمِعْتُ الَّذِي الْحَيَاتِ
۱۲۶	تفسیر عزیزی کا مفصل حوالہ	۱۲۵	سے استدلال
۱۲۷	اس کا نتیجہ	۱۲۶	فیض الباری اور تفسیر کبیر کا حوالہ
۱۲۸	استغاثت کی بحث میں حرف آخر	۱۲۷	مرقات کا حوالہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵۵	حضرات انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام	۱۲۸	حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور مولانا ناتوتوی کا حوالہ
۱۵۵	کو بیوک و بیاس لگتی تھی۔	۱۲۸	کبریت احمد اور البیوا قیبت والحواہر کا حوالہ۔
۱۵۶	تفہیمات کا حوالہ۔	۱۲۹	مولانا ناتوتوی کے شعر کا جواب
۱۵۶	روح سے استفادہ کا مطلب؟	۱۵۰	استمداد از روح محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطلب؟
۱۵۷	درمیں کا حوالہ	۱۵۱	تفہیمات کے حوالے
۱۵۷	کبریت احمد اور البیوا قیبت کا حوالہ	۱۵۲	ارشاد الطالبین کے حوالے
۱۵۸	قطب کا معنی	۱۵۳	تعلیم الدین کا حوالہ
۱۵۸	فتوحات مکہ اور کبریت احمر سے	۱۵۳	روح سے استمداد
۱۶۰	چار بیخبر زندہ ہیں، التیالی	۱۵۴	اس سے کیا مراد ہے؟
۱۶۰	روح کا لفظ قرآن کریم پر اطلاق ہوتا ہے	۱۵۵	عقیدہ کا اثبات کس دلیل سے ہوتا ہے
۱۶۱	مؤلف مذکور کی کوتاہ فہمی	۱۱۱	تفہیمات کا حوالہ
۱۶۱	کبریت احمد کی عبادت	۱۱۱	
۱۶۲	قطب کسی کو تطہیر نہیں دے سکتا	۱۱۱	
۱۶۳	تمت بالخیر	۱۱۱	

حضرت العلامة مولانا عبدالربان صاحب کلیم دام مجہم
فاضل دارالعلوم دیوبند و مدرس پشاور یونیورسٹی

باسمہ تبارک و تعالیٰ !

مجہبی و محکمہ مشیخ الحدیث صاحب زید مجہم و عنایتکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج ؟

آپ کو معلوم ہے کہ سنت اور بدعت میرا دل پسند موضوع ہے۔ اس لیے امام البرہان کا مطالعہ بہت ذوق و شوق سے کیا۔ بعض مقامات مکرر کر پڑھے اور ہر تہ نیا کیف حاصل ہوا آپ کی فرمائش نہ بھی ہوتی تو پھر بھی میں اپنا تاثر آپ سے چھپانے کی کوشش ہرگز نہ کرتا۔ کتاب پڑھنے کے بعد جو تاثر میں نے لیا ہے اس کی تفصیل اس لیے لکھ رہا ہوں تاکہ اگر میرا تاثر غلط ہو تو آپ اس کی اصلاح فرمادیں گے۔ کتاب امام البرہان فی رد توذیع البیان موری اعتبار سے خوب اور معنوی اعتبار سے خوب تر کا مصداق ہے معلومات اتنی مفید اور اہم ہیں کہ کتاب کا مطالعہ شروع کرنے کے بعد ختم کیے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ انداز بیان انتہائی دلچسپ، لہجہ متین، استدلال محققانہ، اور نکات عارفانہ ہیں۔ آپ کے حقیقت نگار قلم نے اہل سنت کی حقیت اور اہل بدعت والحاد کی تردید میں دلائل کا انبار لگا دیا ہے جو بات کہی گئی ہے میزان عدل میں تول تول کر کہی گئی ہے۔ اہل بدعت کے مخصوص مسائل پر ایک جانتا مواد امام البرہان چاروں حصوں کے علاوہ شاید ہی کسی اور کتاب میں مل سکے میری نظر میں اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت اور امتیازی وصف یہ ہے کہ فریق مخالف کی اکثر لمبی جہالتیں خود ان ہی کے الفاظ میں اور یا معمولی اختصار کے ساتھ نقد کی کسوٹی پر پرکھ کر تحلیل و تجزیہ کے بعد کھوٹ اور سونا الگ الگ قاری کے سامنے رکھ دیا ہے۔

دائے گرامی مولانا موصوف نے کتابت وغیرہ کی متذلل غلطی کی نشاندہی فرمائی ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ اب درست کر دی گئی ہیں۔ (مفتد) طالب پیغمبر مع الخیر ہے۔ فقط والسلام !
عبدالربان ۱۲ فروری ۱۹۸۶ء

سخن گفتنی

مُبَسِّمًا وَ مُجْمَدًا ۵ اصابہ راقم الحروف نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صرف اجیاد دین کی غرض سے متعدد کتابیں تحریر کی ہیں جو محمد اللہ تعالیٰ کی کئی بار طبع ہو چکی ہیں اور خواص و عوام نے ان سے خوب استفادہ کیا ہے اور ان میں درج شدہ ٹھوس اور واضح دلائل اور مقبول براہین اور صریح عقلی و نقلی حوالوں کی بہت ہی زیادہ قدر کی گئی ہے اور ان کے معرض وجود میں آنے کو جو سراہا گیا ہے اور قدر دان حضرات نے خوب داد بخین دی ہے۔ مگر اہل بدعت حضرات کو ان سے بچد کو منت ہوئی ہے اور ان سے خاصے سیخ پا ہوتے ہیں ایسی مدلل کتابوں سے ان کا پریشانی ہونا ایک نفسیاتی امر ہے۔ خیر ہماری بلا سے کوئی خوش ہو یا ناخوش، ہمارا خانی حقیقی ہم سے راضی ہو جائے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت حقہ سے شرک و بدعت اور رسم و رواج کے دبیز پردے دور ہو جائیں۔ دین اسلام اپنی اصلی شکل میں لوگوں کے سامنے آ جا کر اور محفوظ ہو جائے جس پر وہ کار بند ہو کر دونوں جہانوں میں سرخرو ہو جائیں تو بہ ہمارے لئے سب سے بڑی سعادت ہے۔ آخر بدعات و رسومات کی نشب ظلمت اور تاریکی کتبک فضا پر چھائی رہے گی حکمت خداوندی کے تحت آخر آفتاب ہدایت کا ظہور بھی تو ایک فطری امر ہے۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معجور ہوگا نغمہ توجید سے

فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے جس میں انہوں نے پوری ملت اسلامیہ کے معتبر اور مستند مفسرین کرام کے خلاف اور اسلامی تعلیم کے برعکس کئی مقامات پر اپنے اختراعی عقائد و نظریات کو پیش نظر رکھ کر اور قواعد عربی کو بالکل طاق رکھ کر محض اپنی مرضی کا ترجمہ کیا ہے تاکہ عوام الناس یہ سمجھ لیں کہ یہ اختراعی عقائد و نظریات تو قرآن کریم کے تحت اللفظ ترجمہ سے ثابت ہیں پھر ان کے صحیح اور حق ہونے میں کیا شبہ اور کلام ہو سکتا ہے؟ ہم نے اپنی کتاب تنقید متنبین ص ۲۸۱ تا ۲۸۵ میں ان کے غلط لفظی ترجمہ کی بعض مثالیں عرض کی ہیں ان کو قارئین کرام وہاں ہی ملاحظہ کر لیں۔ مزید چند مثالیں یہاں بھی دیکھ لیں تاکہ حقیقت آشکار ہو جائے۔

① اِنَّا اَسْأَلُكَ اِيَّاكَ الْكِتَابِ اے محبوب! بیشک ہم نے تمہاری طرف بِالْحَقِّ (پہ، النساء: ۱۰۵) یہی کتاب اتاری۔ ص ۱۳۹

اس میں خان صاحب نے اے محبوب کے الفاظ لفظی ترجمہ میں زائد کر کے تحریف کا دروازہ کھولا ہے۔

② فَتَنْظُرُوهُمْ فَتَكُونُ مِنَ الظَّالِمِينَ پھر انہیں تم دور کر دو تو یہ کام انصاف سے (پہ، العام: ۵۲) بعید ہے۔ ص ۱۹۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بالاتفاق معصوم ہے اس میں کوئی نزاع نہیں ہے اور کسی لفظ کی تفسیر میں احسن سے احسن اور بہتر سے بہتر تعبیر اختیار کرنا بھی محل نزاع سے خارج ہے لیکن لفظی ترجمہ میں فَتَكُونُ مِنَ الظَّالِمِينَ کا ترجمہ تو یہ کام انصاف سے بعید ہے بلکہ لفظی ترجمہ نہیں ہو سکتا۔

③ قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا تم فرماؤ میں اپنی جان کے برے بھلے کا نَفْعًا (پہ، یونس: ۳۶) (ذاتی) اختیار نہیں رکھنا ص ۳۱۰

اس ترجمہ میں اگرچہ یہ اختیار مل گیا ہے کہ لفظ ذاتی تو سب میں درج کیا ہے لیکن عوام الناس کے لئے اپنے باطل نظریہ ذاتی اور عطائی کے لئے پور دروازہ تو کھول گئے ہیں کہ اگرچہ آپ ذاتی طور پر نافع اور ضار نہیں مگر عطائی طور پر ہیں۔

④ حَتَّىٰ اِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ (پہ، یوسف: ۱۱۰) یہاں تک کہ جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی

۱۱ امید نہ رہی ص ۳۵۹

یہاں اعلیٰ حضرت نے ظاہری اسباب لفظی ترجمہ میں اپنی طرف سے بڑھائے ہیں۔ تین میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

⑤ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پہ، مریم: ۱۱۰) تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ (ص ۲۴۲)

اس مقام پر ظاہر صورت الخ کے الفاظ خان صاحب نے ترجمہ میں اپنی طرف سے زائد کئے ہیں۔

⑥ اَنْتَ مَا اَدْرٰجِي اِيَّاكَ صِرَتِ الْكِتٰبِ (پہ، عنکبوت: ۲۵) اے محبوب! لے محبوب پڑھو جو کتاب تمہاری طرف وحی کی گئی (ص ۵۸)

یہاں بھی اے محبوب کے الفاظ لفظی ترجمہ میں اپنی طرف سے بڑھائے ہیں۔

⑦ لِيَايْتِيهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا (پہ، الاحزاب: ۳۵) ہم نے نہیں بھیجا حاضر ناظر (ص ۶۱۲)

یہاں نبی کا ترجمہ غیب کی خبریں بتانے والے اور شاہد کا معنی حاضر ناظر کر کے اپنا باطل عقیدہ ثابت کیا ہے۔ حالانکہ پہلی ہی وحی میں آپ نبی بنا دیئے گئے ہیں اور اس وقت متعارف غیب کی کوئی خبر نازل نہیں ہوئی تھی۔

⑧ فَاِنْ يَشْتَا اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ (پہ، الشوری: ۲۸) اور اللہ چاہے تو تمہارے اوپر اپنی رحمت و حفاظت کی مہر کر دے (ص ۳۱۱)

اس جگہ قلب کا لفظی ترجمہ کھا گئے ہیں اور اپنی رحمت و حفاظت کے الفاظ لفظی ترجمہ میں اپنی طرف سے بڑھائے ہیں۔

⑨ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا (پہ، النجم: ۲۱) بیشک ہم نے نہیں بھیجا حاضر ناظر (ص ۴۲)

یہاں بھی شاہد کا ترجمہ حاضر ناظر سے کر کے اپنے ناسد عقیدہ کی ترجمانی کی ہے جو روح اسلام کے سرسرخلات ہے۔

۱۰) فَالْتَجِرُوا إِذَا هَوَىٰ بِهِ الْبُحْمُ: (پتہ: البقم: ۱) اس پیارے چمکنے والے محمد کی قسم جب یہ مروج سے اترے (ص ۶۷)

قارئین کرام غور فرمائیں کہ لفظی ترجمہ میں اعلیٰ حضرت نے یہ کیا کچھ داخل کر دیا ہے اگر اس آیت کا لفظی ترجمہ کر کے یہ الفاظ اس کی تفسیر میں تحریر کرتے تو پھر معاملہ جدا تھا مگر قصد افسوس کہ یہ سب کچھ انہوں نے لفظی ترجمہ میں کیا ہے۔

۱۱) خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَدْنًا (پتہ: الرحمن: ۳۰) انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا۔ ماکان وما یكون البیانہ (پتہ: الرحمن: ۳۰) کا بیان نہیں سکھایا۔

غور فرمائیے کہ انسان کا معنی اعلیٰ حضرت نے انسانیت کی جان محمد کیا اور بیان سے ماکان وما یكون کا بیان لے لیا۔

۱۲) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ (پتہ: الضحیم: ۱) اے نبی! تم اپنے آپ کو حرام کئے لیتے ہو، جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا۔

اس میں خالص صاحب نے لفظی ترجمہ میں اپنے آپ کے الفاظ بڑھاتے ہیں جو ایک قسم کی تحریف ہے۔

۱۳) وَاسْتَعِزَّزْ لِدُنْيَاكَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَرِجَالَهُمْ حَامِلِينَ (پتہ: محمد: ۱۹) اور غور توڑوں کے گناہوں کی معافی مانگ

اس میں اسے محبوب کے الفاظ اور لِدُنْيَاكَ کا معنی اپنے خاصوں کا کر کے خالص صاحب نے لفظی ترجمہ میں نہایت غلط راہ نکالی ہے یہ یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معصوم ہونا اجماعی عقیدہ ہے اس مقام سے ذہن سے خطائے اجتہادی اور لغزش اور خلاف اولیٰ وغیرہ کوئی بات بھی مراد ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ”نزدیکوں را پیش بود جیرانی“ لیکن لفظی ترجمہ جو خالص صاحب نے کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہی تو ہے۔

۱۴) لِيُبْخِرَكَ اللَّهُ مَا نَفَثَ مِنْ دُونِكَ وَمَا نَفَثَ مِنْ دُونِكَ (پتہ: الفتح: ۲) تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہاری اگلوں کے اور تمہارے پھیلوں کے (ص ۶۷)

۱۳) خالص صاحب نے یہاں تک ضمیر خطاب سے تمہارے اگلوں اور تمہارے پھیلوں کا لفظی ترجمہ کر کے اپنی جان پر ظلم کیا ہے

۱۵) عَلِمَ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ غَيْبَ حَانِئٍ وَالْأَنْبِيَاءُ غَيْبٌ بِرُحْمَىٰ كُوسٍ مَسْلُطٍ أَحَدًا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ مِنْ دُونِكَ (پتہ: البقرہ: ۱۷۶) انہیں کرنا سولے اپنے پسندیدہ رسولوں کے اس ترجمہ میں انہار علیٰ غیبیہ کے معنی مسلط کر کے علم غیب کے بارے میں اپنا بیانیہ عقیدہ داخل کیا ہے۔

۱۶) وَوَجَدَكَ ذَا آلا فَهْدَىٰ (پتہ: الضحیٰ: ۷) اور تمہیں اپنی محبت میں خود رشتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔ (ص ۶۷) اس میں اپنی محبت میں اور اپنی طرف کے الفاظ لفظی ترجمہ میں داخل کر کے اپنے غلو کا ثبوت دیا ہے۔

۱۷) إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكَ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكَ (پتہ: المزمل: ۱۵) کہ تم پر حاضر ناظر ہیں (ص ۶۷) اس میں جس خالص صاحب نے شاہد کا معنی اور لفظی ترجمہ حاضر ناظر کر کے محض اپنے بے بنیاد عقیدہ کی پاسبانی کی ہے۔

قارئین کرام! ہم نے خالص صاحب سے قرآن کریم کی متعدد آیات کو یہاں کے غلط تراجم کے چند نمونے باحوالہ عرض کر دیئے ہیں فرصت نہیں کہ ان کے پورے ترجمہ کو بالاستیعاب دیکھا جاسکے اور چند اغلاط کی طرف ہم نے تنقید متین میں اشارہ کیا تھا مثلاً خالص صاحب وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ کا معنی کرتے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لینا ہوں (ص ۱۹) جس کی تفسیر ان کے لائق شاگرد صدر الافاضل مراد آبادی یہ کرتے ہیں نہ میرا دعویٰ ذاتی غیب دانی کا ہے الٰہی ان قال اس آیت سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم عطا کی نفی کس طرح مراد نہیں ہو سکتی الخ (ص ۱۹) اور مثلاً خالص صاحب قُلْ لَا أَمْرًا لِنَفْسِي فَعَمَّا وَلَا أَصْرًا کا معنی ایک مقام میں یہ کرتے ہیں یہ تم فرمادیں اپنی جان کے بھلے برے کا خود شمار نہیں (ص ۲۵) اور ان کے شاگرد رشید مراد آبادی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں

تو حاصل کلام یہ ہوگا کہ اگر میں نفع و ضرر کا ذاتی اختیار رکھتا ہوں (۲۵۳) انکار کریم کی کسی ایک آیت کریمہ کا غلط ترجمہ بھی سنگین جرم ہے لیکن ایسا معلوم ہونا ہے کہ خان صاحب نے اپنے نام غلط عقیدہ مثلاً علم غیب عطائی - ماکان و مایکون کا علم - عطائی اختیارات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا اور حقیقت میں نور ہونے ہوئے ظاہر صورت بشری میں جلوہ گر ہونا وغیرہ وغیرہ قرآن کریم کے لفظی ترجمہ میں گھسیٹ دیئے ہیں اور یہ تمام مشرکانه عقیدے ہیں اس سے بڑھ کر ان قرآن کریم کی تحریف اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور اس سے بڑا ظلم قرآن کریم پر اور کیا ہو سکتا ہے؟ افسوس ہے کہ علماء کرام کی اکثریت اس کی طرف توجہ نہیں دے رہی۔ اگرچہ بعض علماء کرام نے اب بعض اغلاط کی نشان دہی کی ہے مگر آنے والی نسلوں کو تحریف معنوی سے بچانے کے لئے جتنی محنت دیکر رہے وہ نہیں ہوتی اور تہ ہوتی ہے ہمارا مقصد یہاں ان عقائد پر بحث کرنا نہیں ہے کیونکہ بعض اہل علم نے مسئلہ علم غیب پر انازالۃ الریب میں اور مسئلہ حاضر و ناظر پر نیز بد التواظر اور تفسیر الخواطر میں اور مسئلہ مختار گل پر دل کا سرور میں اور مسئلہ نور و بشریت پر عقیدہ متین میں باحوالہ مبسوط بحث کر دی ہے یہاں تو صرف خان صاحب کی بعض اغلاط کی نشاندہی کرنا ہے جو قارئین کرام کے سامنے ہے ہم تو خان صاحب اور ان کے حواریوں سے ایسے بھی کہہ سکتے ہیں کہ ع

خوش را تاویل کنی نے ذکر ما

ہمارا مقصد خان صاحب کے ترجمہ کی اغلاط کا استنباط نہیں اور نہ یہاں سے ایسے کاروگ ہے صرف چند اغلاط کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ انہوں نے لفظی ترجمہ میں اپنے اختراعی اور خود ساختہ عقائد کے اثبات کے لئے کس دیدہ دلیری اور جسارت سے کام لیا ہے اور ان کے لائق ثنا گرد مراد آبادی صاحب کی بعض تفسیری اغلاط کا کچھ نمونہ بھی ہم نے تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین میں عرض کر دیا ہے بجائے اس کے کہ فریق مخالف ان اغلاط کو ٹھنڈے دل سے سوچنا اور آنے والی نسلوں کو اس تحریف معنوی سے بچانے کی فکر کرنا اور خود اس تحریف معنوی سے پیروی کا اظہار کرنا۔ انا انہوں نے اس کی نایت کی ٹھان ہے اور فریق مخالف کے بقول ان کے محقق اور مدقق وکیل نے تو بیخ ابیان نامی ایک کتاب

لکھ ماری ہے جو چار سو تیس صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں وہی پرانی اور فرسودہ باتیں اور تاویلیں پیش کی گئی ہیں جو ان کے بڑے پیش کرتے چلے آئے ہیں جن میں اکثر باتوں کا محسوس اور باحوالہ جواب ہم اپنی متعدد کتابوں میں دے چکے ہیں ایسا لگتا ہے کہ مؤلف تو صحیح ابیان نے ان کو دیکھا اور پڑھا ہی نہیں اور یا کبوتر کی طرح بالکل ان سے آنکھیں ہی بند کر لی ہیں، انہوں نے اپنی کتاب میں تعلق - من ترانی اور جلیغ بازی کے ذریعہ مفت میں ایک سنوار گھائی کو سر کرنے اُرد اپنے ناخواندہ حواریوں کو مغالطہ دینے اور ان سے سستی و اطمینان حاصل کرنے کی بے جا کاوش کی ہے مگر علمی اور تحقیقی میدان میں ان مغالطہ آفرینوں کا کیا مقام ہے؟ اور ان سے اہل علم کب مغالطہ کھاتے اور کھا سکتے ہیں؟ وہ تو ان مغالطات کے دام بھرتگ زمین سے نکلنے کے لئے قطعاً کوئی دشواری محسوس نہیں کریں گے کیونکہ یہ ہے یاد مجھے نکتہ سلمان خوش آہنگ دینا نہیں مردان جفاکش کے لئے تنگ

توضیح ابیان کے سطحی مغالطات کے جوابات کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ ان میں سے بیشتر مغالطات کے جوابات ہم اپنی کتابوں میں دے چکے ہیں جن کا کوئی محقول جواب فریق مخالف نے تاہنوز ہمیں نہیں دیا اور نہ آئندہ کسی صحیح و محقول علمی جواب کی ان سے کوئی توقع ہے۔ دیدہ پایدہ اور بعض ایسے بیجان مغالطات ہیں جن کو عالم اور محقق تو کیا ایک معمولی سمجھ والا آدمی بھی بخوبی دلائل کے سیلاب میں ڈبو سکتا ہے مگر چونکہ عوام الناس بڑے سطحی قسم کے ہوتے ہیں اس شدت کے پیش نظر کہ کہیں وہ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں کہ موٹی ضخیم اور حجم والی کتاب توضیح ابیان کا جواب ہے جی تو اس کا جواب کسی سے نہیں ہو سکا اس لئے ہم نے اس کا جواب دینا ضروری سمجھا ہے ہم اس کتاب میں ان کے قابل قدر اور برتر علم ان کے مشکل اور لائیل مغالطات کو نقل کر کے ان کے اختصار سے جوابات عرض کریں گے جن سے اہل حقیقت بھر کر سامنے آجائے گی اور عامۃ المسلمین حقیقت کی تہ تک پہنچ جائیں گے کیونکہ جب طرفین کے دعاوی اور دلائل سامنے نہ آئیں تو کاروانی ایک طرف رہتی ہے اور حقیقت کھل کر سامنے نہیں آتی اسی لئے تو جمہوری ملکوں میں حزب اختلاف کا

موجود ملکی اور مذہبی مسائل کو حل کرنے کے لئے ضروری تصور کیا جاتا ہے اور جمہوری ممالک میں حزب اختلاف کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

وہی جہاں ہے تیرا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تیری نگاہ میں ہے

اور جب قارئین کرام کو وزنی مخالطات کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تو دیگر عام مخالطات کی حقیقت خود بخود سامنے آجائے گی اور اسکوٹ فی موضع البیان بیان کا علی لطف آجائے گا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ مولف توضیح البیان کو بھی اپنے گلشن کی حقیقت معلوم ہو جائے گی اور شاید ان کو یوں گویا ہونا پڑے کہ حج گلشن میں کچھ بہار کے سامان ہوتے تو ہیں

باب اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی
سَيِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ ۝ وَعَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَهُ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ ۝ عَلٰی الْاِیْمِ ۝ وَآخِیْمِهِ ۝ وَآلِیِّهِ ۝
وَآئِبْتِیْنِهِ ۝ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی ۝ لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ ۝ اِلَّا
مَنْ ظَلَمَ ۝ وَقَالَ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ ۝ هُمْ یَنْتَعِرُونَ ۝ وَقَالَ الرَّسُوْلُ صَلَّی اللّٰهُ
تَعَالٰی عَلَیْهِ ۝ وَسَلَّمَ ۝ اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا ۝ وَقَالَ اَیُّهَا الَّذِیْنَ التَّصْبِحَةُ قُلْنَا
یٰمَنْ قَالَ لِلّٰهِ ۝ وَلِکِتَابِهِ ۝ وَلِوَسُوْلِهِ ۝ وَلَا یُعْتَمِدُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ وَعَاوَنَهُمْ ۝ اَمَّا بَعْدُ ۝ جَمْنَا
مظلوم اس دور میں اسلام ہے شاید ہی اتنا مظلوم کوئی اور ہو جس کی عالم اسباب میں وجہ یہ
ہے کہ اس کا مؤثر محرک اور مدافع کوئی نہیں دنیا میں غلط سے غلط آرڈر اور حکم کی حفاظت کے
لئے سنگینوں کی نوکیں ہر وقت تیار رہتی ہیں لیکن اس مظلوم کی جو من مانی تعبیر اس دور میں کہنی
کرنے کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے سستی کہ غیر اسلامی امور کو خالص اسلام بنانے والے موجود
ہیں مگر ان پر کوئی قدغن نہیں اور ضروریات دین کے منکر اور ماول موجود ہیں مگر ان پر کوئی
پابندی نہیں مگر آہ اس پر بھی ہے

مری حسرت کی نظروں ہی پہ ظالم اس قدر بگڑا
کہیں دور و دگر سے جہنم تر ہوتی تو کیسا ہوتا

اس پیش نظر کتاب میں بعض اہم محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے توضیح البیان کی اصل عبارت
اور کہیں اس کا حاصل یا حوالہ نقل کر کے تردید کریں گے اس کے مفہوم کو اور ہمارے جوابات کو

بنظر غائر و انصاف دیکھنا تاریں کرام کا کام ہے۔

غیب بتانے والے نبی

خالصاحب نے یاتجھا اللہی کے معنی اے غیب

بتانے والے نبی کہتے ہیں ہم نے اس پر تفسیر میں گرفت کی کہ اگر غیب سے بعض خبریں مراد ہے تو بجا ہے لیکن اگر کلی غیب مراد ہے جس میں تمام خبریں شامل ہوں تو یہ درست نہیں (اور خالصاحب غیب سے کلی غیب ہی مراد لیا کرتے ہیں) کیونکہ نبوت تو آپ کو غار حرا میں عطا ہوئی تھی اور پہلی وحی ملنے کے ساتھ ہی آپ نبی تھے مگر آپ کو غیب کی سب خبریں وہاں عطا نہیں کی گئی تھیں تو کیا معاذ اللہ تعالیٰ آپ اس وقت نبی نہ تھے؟ (محصلا ص ۲۰۲) اس پر مولف توضیح البیان گرفت کرتے ہوئے اور بزرگم خویش علی دھاک جھٹلاتے ہوئے موح میں آکر بارہ جوابات دیتے ہیں جن کا خلاصہ مع جوابات درج ذیل ہے۔

اقول۔ علامہ قاضی عیاضؒ نبی کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں (ہم نے عربی عبارت اختصاراً تذکر کردی ہے اور ترجمہ مؤلف توضیح البیان کا ہی ہے اور اس کا بھی ہم اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے عربی عبارات نہیں نقل کریں گے بلکہ ترجمہ برہمی اکتفا کریں گے الا ماشاء اللہ تعالیٰ۔ ص ۲۰۲) نبی اسے کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کر دے اور اسے یہ بتلا دے کہ وہ نبی ہے۔ اور اس وقت نبی فعل یعنی مفعول کے ہو گا یا نبی کا معنی ہے جو ان (امو غیبیہ) کی خبر دے جنہیں اللہ نے اسے دے کر بھیجا ہے اور اس وقت فعل یعنی فاعل ہو گا (شفا ص ۱۰۱) قاضی عیاضؒ کے کلام سے ثابت ہوا کہ نبی کا معنی غیب جاننا بھی ہے اور غیب بتلانا بھی اگر معنی مفعول ہو تو غیب جاننا معنی ہے اور اگر معنی فاعل ہو تو غیب بتلانا اس کا معنی ہے اور یہی قاضی عیاضؒ شفا ص ۱۰۱ پر لکھتے ہیں نبوت غیب پر مطلع ہونے کا نام ہے انتہی یلغظہ (ص ۳۶، ۳۷) توضیح البیان (مروضات)

الجواب: مولف مذکور نے اپنے پیشرو بزرگوں کی طرح علامہ قاضی عیاضؒ کی اس عبارت سے صریح دھوکہ دینے کی بیجا کوشش کی ہے کیونکہ جوابات ہم نے تفسیر میں ہی کی ہے شفا کی یہ عبارات سرسوس کے خلاف نہیں بلکہ میں مطابق ہے کیونکہ ہم نے

یہ کہا تھا کہ غیب سے اگر بعض خبریں مراد ہے تو بجا ہے اور اگر کلی غیب مراد ہے تو یقیناً غلط ہے اور یہی کچھ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کاش کہ مولف مذکور اگر شفا کی دوسری مفصل عبارات کو بھی پیش نظر رکھتے تو معاملہ صاف کھل کر سامنے آ جانا چنانچہ قاضی عیاضؒ تشریح فرماتے ہیں۔

فاما ما تعلق منها باموال دنیا فلا يشترط به حال وہ علوم جن کا تعلق دنیوی امور سے ہے فی حق الابیاء الحمة من عدم معرفة سوان میں سے بعض کے نہ جانتے سے اور الانبیاء ببعضها ادا اعتقادها علی ان کے متعلق خلاف واقعا اعتقاد قائم کر لینے خلاف ما ہی علیہ ولا حرم علیہ حذیبہ سے حضرات انبیاء کو اعم علیہم الصلوٰۃ والسلام اذہمتنہر متعلقة بالآخرة و انبأئھا کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے اور ان امور و اموال الشریعة و قوا نیئھا و اموال دنیا کے نہ جاننے کی وجہ سے ان پر کوئی دھتہ نضادھا الخ (شفا ص ۲۰۲) نہیں آتا کیونکہ ان کی تمام نہت اور نوجہ آفر اور اس کی خبروں اور شریعت اور اس کے قوانین کے ساتھ متعلق ہے اور دنیوی امور ان کے برعکس ہیں۔

علامہ قاضی عیاضؒ کی یہ صریح اور غیر مبہم عبارت صاف طور پر یہ بتاتی ہے کہ نبی کے لئے تمام امور کا علم ضروری نہیں اور نہ یہ نبی کے معنی اور اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ مولف مذکور کے رد کے لئے قاضی عیاضؒ کی یہ عبارت ہی بالکل کافی ہے اس کی مزید تفصیل از اللہ الربیب میں ملاحظہ فرمائیں۔

ووم۔ مولف مذکور لکھتے ہیں کہ علامہ شیخ قاسم اللہ المتوفی ۸۷۹ھ شرح مسائرہ میں نبی کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لفظ نبی فعل یعنی مفعول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی سے امر از غیبیہ کی خبر دی ہے بلطفہ شرح مسائرہ من المسائرہ ص ۲۱۰ (ص ۳۶ مروضات)

الجواب: بہ حوالہ بھی مولف مذکور کو سود مند نہیں ہے کیونکہ نزاع اس امر میں ہے

کہ نبی کے معنی اور مفہوم میں تمام خبروں کا جاننا اور تباہ داخل ہے یا نہیں؟ سو علماء
قطلو بشار کی اس عبارت سے تو یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ نبی کے مفہوم میں تمام خبریں
جاننا اور تباہ داخل ہے وہ خود اس کے خلاف تصریح کرتے ہیں۔

انماھی عن الکلام فی حقیقۃ الروح وہی غیر حقیقت روح کے بارے میں کلام کرنے
معلومۃ للبشر اصلاً بل ہی فی علو لہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور یہ لینئر کو
الذی احاط بكل شئ علماً معلوم نہیں بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم
(شرح المسائره ج ۲ صفحہ طبع مصری) میں ہے جس نے ہر چیز کو علم میں احاطہ کر لیا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ روح کی حقیقت بقول علامہ فاسم کسی بشر کو معلوم نہیں جن میں
اللہ تعالیٰ کے نبی بھی شامل ہیں اگر نبی کے مفہوم اور معنی میں ہر چیز کو جاننا اور اس کی خبر دینا
داخل ہوتا تو ضروری امر ہے کہ روح کی حقیقت کا علم بھی ان کو ہوتا جس کی وہ خبر دیتے بلکہ اس
سے زیادہ صراحت سے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

قال عبد اللہ بن بريدة ان الله تعالى له امام عبد الله بن زبيدة نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
یطلع علی الروح ملکاً مقرباً ولا ینبئہ مسلماً نے روح (کی حقیقت) پر نہ تو کسی مقرب
(ایضاً ج ۲ صفحہ ۱۰۱)

فرشتہ کو اطلاع دی ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو
ان کی ایسی تصریح کی موجودگی میں یہ دعویٰ کرنا اور لوگوں کو یہ باور کرانا کہ نبی کے
معنی اور مفہوم میں ہر چیز کو جاننا اور اس کے بارے میں خبر دینا داخل ہے قطعاً بے بنیاد
امر ہے اور حقیقت سے اس کا ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔ نبوت کے لئے نزول وحی و
قرآن سب سے بڑا اعزاز ہے۔

یہ جلوہ سخی سبحان اللہ یہ نور ہدایت کیسا کہنا،

جس سینے میں قرآن اترتا ہو اس سینے کی عظمت کیسا کہنا

موصوفہ: مولف مذکور لکھتے ہیں کہ دس علماء دیوبند کی فل پنخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نبوت کا
معنی ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام پاکر غیب کی بات تباہ اور نبی کے معنی ہیں اللہ
تعالیٰ کی طرف سے الہام کی بنا پر غیب کی باتیں تباہ والہ لاقات النجدی عن ابیہ ۱۲۲

اگر حضرت نے نبی کے معنی غیب تباہ لایا ہے تو آپ کیوں سچ پاہو گئے ہیں بلکہ شامی
کہا سبکی طرح جل ٹھن کر لگے ہذیان کرنے اپنے جفا دمی مولویوں کے بارے میں کیسا
ارشاد ہوگا (محصلاً ۳۶ معروضات)

الجواب: علماء دیوبند کی فل پنخ کا متفقہ فیصلہ بھی مؤلف مذکور کو ہرگز مفید نہیں اس
کہ علماء دیوبند کا جب نصوص تطبیح کے تحت عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کلی غیب نہیں تو پھر
ان کے مرضی کے خلاف ان کی عبارت سے یہ مطلب اور معنی کشید کرنا کہ وہ کلی غیب مراد
لیتے ہیں قطعاً غلط ہے اور یہ بالکل توجیہ القول بمالہ برضی رہنا کہ کام صدق ہے
ان حضرات نے جو معنی کیا ہے وہی کچھ ہم کہتے ہیں اور وہی کتب اسلام سے ثابت ہے
کہ نبی اللہ تعالیٰ سے ہر چیز وحی اطلاع پاکر غیب کی بعض خبریں بتاتے ہیں لیکن جب
انہوں نے غیب کی ایک خبر بھی نہیں تباہ تھی صرف وحی ہی سے نواسے گئے تھے وہ نبی میں وقت بھی
تھے لہذا معلوم ہوا کہ نبی کے مفہوم میں غیب شامل نہیں بلکہ وہ اخبار غیب سے نوازے گئے۔

چہا موصوفہ: مولف مذکور راقم انیم کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ نے لکھا ہے کہ یہ ٹھیک
ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر احکام خداوندی بتاتے ہیں اور غیب کی خبریں بھی بتاتے ہیں
دیکھئے اس عبارت میں آپ نے نبی علیہ السلام کے لئے عطائی علم غیب مان لیا، حالانکہ
تفقہ نہیں ۱۹۳ پر آپ لکھتے ہیں خالصاً کا یہ بے بنیاد دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کو ذاتی طور پر نہیں بلکہ عطائی طور پر علم غیب حاصل تھا اور دل کا سرور کے سرور کی
پہننت پر اپنی ایک کتاب کے اشتہار میں آپ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کے لئے ذاتی اور عطائی ہر طرح علم غیب ماننا شرک ہے اب بتلا بیٹے کہ آپ کے کلام
میں اور ایک مجنون کی بڑ میں کیا فرق رہ گیا؟ آپ جس شے کو ایک جگہ بے بنیاد اور شرک قرار
دیتے ہیں دوسری جگہ اس کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں (صفحہ ۳ معروضات)

الجواب: مولف مذکور تو دل میں بڑے ہی خوش ہوئے ہوں گے کہ انہوں نے
راقم انیم کے کلام میں بظاہر تعارض قائم کر کے عظیم محاذ فح کو لیا ہے اور ان کے علم و تحقیق سے

کا مصداق ہو جائیں خالص صاحب نے اگرچہ لفظاً اس مفہام پر مکتبی کا ذکر نہیں کیا لیکن وہ عموماً اور ہر مفہام پر لفظ غیب سے جمع ما کا ن و ما کا ب کون ہی مراد لیتے ہیں اور اہل حق سے ان کا اختلاف اور نزاع بلکہ عناد بھی اسی بات میں ہے اس لئے ان کے ذہن کے مطابق یہاں کلی ہی مراد ہے۔ رہا آپ کا یہ کہنا کہ عقیدہ نو امور غیبیہ سے ہے جب آپ کے نزدیک رسول اللہ سے علم غیب منافی ہے تو آپ پر یہ غیب کیسے منکشف ہو گیا؟ سو گذارش یہ ہے کہ آپ کا یہ جملہ مجنونوں کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھنا اس لئے کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ علم غیب اور چیز ہے جس کی نفی ہے۔ اور امور غیبیہ اخبار الغیب اور انباء الغیب اور چیز ہے جس کا دلائل تطبیع سے ثبوت ہے جب نفی اور ثبوت کا محل ایک نہیں تو ان کو آپس میں ٹکرانے کا کیا مطلب؟ بانی آپ کا راقم اہم کو تمام علماء دیوبند سمیت سے یہ جیلنج کرنا کہ آپ کے اعلیٰ حضرت کی کسی عبارت سے یہ بتایا جلتے اور بزعم آپ کے یہ قیامت تک نالکھن ہے تو یہ جیلنج آپ کی اپنے اعلیٰ حضرت کی کتابوں سے جہالت کا رونا ہی نہیں ورنہ بلکہ کھلا نوحہ کر رہا ہے اسوس کہ آپ کو اپنے ہی اعلیٰ حضرت کی مقالات سے پڑنا لیفات ہی کا علم ہوتا تو بھی ایک بات تھی سیر دست ہم آپ کا غرور توڑنے کے لئے چند حوالے عرض کرتے ہیں اگر آپ نے اس کے خلاف قلم اٹھایا تو پھر انشاء اللہ العزیز ہم مزید کچھ عرض کریں گے۔ یا رزندہ صحبت باقی۔

۱) آپ کے اعلیٰ حضرت امام قسطلانی ج کی مواہب لدینیہ (کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے یا اپنا مرسوم عقیدہ کشید کرتے ہوئے صفا) کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں

النبوة هي الاطلاع على الغيب نبوت کے معنی ہی یہ ہیں کہ غیب کا جاننا
(خالص الاعتقاد ص ۲۵)

۲) آپ کے اعلیٰ حضرت حضرت مجاہد کے منافعین سے متعلق ایک بے سند اثر کو (جو درغور ۳ ص ۲۵ وغیرہ میں منقول ہے) قرآن کریم کی آیت کریمہ **وَلَكِنْ مَّا نَسْتَعْتِبُ الْآيَةَ** کا شان نزول قرار دے کر پڑھی موج میں آکر اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہوئے یہ لکھتے ہیں۔

ماں اللہ عزوجل حکم لگا رہا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی

ہے منکر ہو وہ کافر ہے وہ اللہ ورسول سے ٹھٹھا کرتا ہے وہ کلمہ کوئی گمراہ کے مرتد ہوتا ہے۔ الخ (خالص الاعتقاد ص ۲) وما یدرہ بالخبیب؟ کا جملہ حضرت مجاہد کے قول ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد بتا کر یہ لکھنا کہ یہاں اللہ عزوجل حکم لگا رہا ہے الخ خالص صاحب کی بے انتہا ڈوبدہ دلیری ہے قطع نظر اس بات سے ان دونوں حوالوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نبوت کے معنی ہی یہ ہیں کہ غیب کا جاننا اور بقول خالص صاحب جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی سے منکر ہو وہ کافر ہے اس سے بصراحت یہ معلوم ہوا کہ نبوت کے مفہوم میں غیب دانی شامل ہے اور اس کا انکار کفر و ارتداد ہے اب یہ ملاحظہ کیجئے کہ خالص صاحب کے نزدیک جو غیب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ثابت ہے وہ کیسا؟ اور کتنا ہے چنانچہ خالص صاحب لکھتے ہیں۔

۱۳) بیشک حضرت عزت عظمیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نامی اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا شرق تا غرب عرش یا فرش سب انہیں دکھایا ملکوت السموات والارض کا شاہد بنایا، روز ازل سے روز آخر تک کا سب ما کا ن و ما کا ب کون انہیں بتایا اشیا نے مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا علم عظیم حبیب کریم افضل الصلوٰۃ والتسلیم ان سب کو محیط ہوا نہ صرف اجمالاً بلکہ ہر صغیر و کبیر ہر رطب و یابس جو پتہ کرتا ہے زمین کی اندھیر یوں میں جو دانہ کہیں پڑا ہے سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا والحمد للہ حمداً کثیراً بلکہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہرگز ہرگز محمد رسول اللہ کا پورا علم نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی آکہ صحیحہ جمعین و کرم بلکہ علم حضور سے ایک چھوٹا حصہ ہے ہنوز اعطاء علم محمدی میں وہ ہزار در ہزار بے حد و بکینا رہتا رہتا ہے میں جن کی حقیقت وہ جانیں یا ان کا عطا کرنے والا ان کا مالک مولیٰ جل و علا والحمد للہ العلی الاعلی الخ

(انباء المصطفیٰ ص ۳)

فرمائیے جناب! روز ازل سے روز آخر تک کوئی چیز ایسی باقی رہ جاتی ہے جو بقول خالص صاحب کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم نہ ہو بلکہ بقول خالص صاحب کے یہ سب کچھ ایک چھوٹا حصہ ہے جو آپ کے سمندر بے کنار کے ہزار در ہزار حصہ کو بھی نہیں

پہنچا اور لطف یہ ہے کہ یہ سارا کچھ بقول خالص صاحب کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف اجمالاً ہی معلوم نہیں بلکہ نہ ہر ذرہ تفصیلاً معلوم ہے فرمائیے کلی غیب اور کس بلا کا نام ہے؟ اور یہ سب کچھ خالص صاحب کی عبارت سے ثابت ہے

(۴) خالص صاحب نگرہ کے تجزیہ میں واقع ہونے اور لفظ کل کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں تو بجد اللہ تعالیٰ کیسے نص صریح قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ خود جل نے تمام موجودات جملہ ماکان وما یکون الی یوم القیمة جمع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا۔ اور مشرق و غرب و سما و ارض و عرش و فرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ واللہ الحجۃ السامیۃ اھ (ابناء المصطفیٰ ص ۶) جناب! یہ آپ کے اعلیٰ حضرت ہیں جو عبارت کی ٹی وی سے بول رہے ہیں اس سے زیادہ صراحت اور کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور آپ کس جمالت میں مبتلا ہو کر راقم اشیم اور علماء اہل حق علماء دیوبند کو چیلنج کر رہے ہیں؟ معاف رکھنا یہ آپ کے درس کا مخصوص یا فہم و بصیرت سے محروم نلاذہ کا حلقہ نہیں کہ آپ جو بیان کر دیں اس پر وہ سر دھنتے رہیں اور واہ واہ کی صدا بلند کرتے رہیں یہاں بفضلہ تعالیٰ آپ کے مخالطات اور مکائد کو مخفی کونوں سے اُجاگر کرنے والے اور آپ کے مبلغ علم کو طشت از باہم کرنے والے بھی موجود ہیں۔ باقی خالص صاحب جس طرز استدلال کو نص صریح قطعی سے تعبیر کرتے ہیں وہ ان کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے اس کی پوری حقیقت انزالۃ الریب میں ملاحظہ فرمائیں یہ یاد رہے کہ خالص صاحب کا یہ دعویٰ کہ روز ازل سے روز آخر تک کی تمام اشیاء اور ہر ذرہ ذرہ کا تفصیلی علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے ایک نرا کفریہ دعویٰ ہے اس لئے نہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ مساوات لازم آتی ہے۔ (کیونکہ مساوات علم باری کا کسی کے نزدیک وہم و تصور بھی نہیں) اور نہ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بالاستقلال اور ذاتی طور پر بیان مذکورہ اشیاء کا علم ثابت کیا جا رہا ہے (کیونکہ غیر اللہ کے لئے بالاستقلال اور ذاتی علم کا کوئی بھی

قائل نہیں) بلکہ اس لئے یہ نظریہ اور عقیدہ کفریہ ہے کہ اس سے بیشتر انصوص قطعاً فرمائیے گا کہ دیا گم از گم تاویل لازم آتی ہے اور ضروریات دین میں تاویل بھی کفر سے نہیں بچاتی (ملاحظہ ہو عمید الکریم علی الخیالی ص ۲۶ اور نیز بدیع حقیق انزالۃ الریب میں دیکھیں) ہشتتم: مولف مذکور لکھتے ہیں کہ غیب کلی سے کیا مراد ہے۔ جمع معلوما الہیہ؟

اگر یہ مراد ہے تو اعلیٰ حضرت نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور کے علم کو اللہ کے علم کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہوتی ہے (المملفوظ ج ۱ ص ۱۷) اور اگر جمع ماکان وما یکون مراد ہے تو اس کا حصول تدریجی طور پر نبی علیہ السلام کے لئے دلائل قاہرہ سے ثابت ہے لیکن اس سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ نبی کے مفہوم میں کلی غیب کا حاشا داخل ہے اس کی پوری بحث اس کتاب کے باب علم غیب میں آ رہی ہے۔ (محصلاً ص ۳۸ و ۳۹ معروضات)

الجواب: خالص صاحب غیب کلی سے جمع معلومات الہیہ مراد نہیں لے رہے اور نہ ہمارا ان کے خلاف یہ دعویٰ ہے اور نہ یہ الزام ہے وہ علم غیب کلی کا اطلاق جمع ماکان وما یکون پر ہی کرتے ہیں جیسا کہ پہلے ان کی عبارات کے حوالہ سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے لیکن تدریجی طور پر جمع ماکان وما یکون کے علم کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حصول پر آپ کے پاس اور آپ کے خالص صاحب کے پاس کوئی قطعی دلیل موجود ہے؟ ذرا مہربانی فرما کر اس قطعی الدلالت آیت کریمہ یا خبر متوازر یا اجماع قطعی کا حوالہ تو دیں اور اپنی علمی پیاری سے ایسی دلیل نکالیں تو سہی دلائل قاہرہ کا ذکر ہی چھوڑنیے ایک ہی دلیل قاہرہ اور صریح پیش کر دیجئے کہ اس دلیل قاہرہ سے جمع ماکان وما یکون کا علم آپ کے لئے ثابت ہے اور اس کے بعد وحی کا ایک حرف بھی نازل نہیں ہوا (کیونکہ آفرود بھی تو ماکان وما یکون میں داخل ہے) میں آپ کو اور آپ کی پوری جماعت کو چیلنج کرتا ہوں کہ ایسی کوئی قطعی اور صریح دلیل پیش کریں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک آپ پیش نہیں کر سکیں گے دیدہ باید۔ باقی یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ آپ کے خالص صاحب نبوت کے مفہوم ہی میں غیب کا بتانا

ظہیرت کرتے ہیں اور غیب بھی وہ جس کا تذکرہ خود ان کی عبارات سے نفل کیا جا چکا ہے اور خود مؤلف مذکور نے بھی اس عبارت میں جمیع مآکان و مآی کون پر کلی غیب کا اطلاق تسلیم کیا ہے باقی آپ کی پوری بحث جہب باب علم غیب میں آنے کی تو ہم بھی ضرورت پڑی تو انشاء اللہ تعالیٰ وہاں کچھ عرض کر دیں گے کیونکہ بفضلہ تعالیٰ مع کلک مانیز زبانے و میانے وارد

نہم: مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے کہا ہے کہ حضور اکے لئے مطلق غیب نہ ثابت ہے نہ منصب نبوت کے لائق ہے کا اثر آپ نے شرح تہذیب ہی کسی بریلی کے طالب علم سے پڑھی ہوئی تو آپ کو سمجھا دینا کہ مطلق الثئی بتحقق بتحقق فرد ما سرفراز صاحب مطلق غیب تو غیب کے ایک فرد کے نبوت سے بھی ہو جائے گا یا دیوبند کے عشاق رسول کے نزدیک رسول اللہ کے لئے علم غیب کا ایک فرد بھی ثابت نہیں (ص ۳۹)

الجواب: بحمد اللہ تعالیٰ سرفراز توجا لیش سال سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھا پڑھا کر بوڑھا ہو گیا ہے اس کو بفضلہ تعالیٰ اب کوئی کتاب کسی محقق دیوبندی عالم سے بھی پڑھنے کی ضرورت نہیں چر جائیکہ وہ کسی بریلی سے اور پھر منبذی طالب علم سے پڑھے مگر معاف رکھنا، آپ خود علم سے بے بہرہ ہیں اور ہمہ دانی کے جہل مرکب کا شکار ہیں زیادہ مناسب ہے کہ آپ کسی دیوبندی عالم سے بھی کچھ عرصہ استفادہ کریں تاکہ آپ کو علم سے بھی کوئی حصہ حاصل ہو جائے آپ کے معلومات کے لئے عرض ہے کہ ایک ہے الغیب المطلق اور ایک ہے مطلق الغیب بالفاظیہ ایک ہے الثئی المطلق اور ایک ہے مطلق الثئی ان دونوں میں بڑا فرق ہے مطلق الثئی کا تحقق تو ایک فرد کے تحقق سے بھی ہو جاتا ہے لیکن الثئی المطلق عام ہے وہ اپنے جمل افراد کے ایک ایک فرد کے لئے عام ہے اس کا تحقق کسی ایک فرد کے تحقق سے پورا نہیں ہونا اس کا تحقق بھی ہو گا جب اس کے تمام افراد تحقق ہو جائیں آپ اپنے مطالعہ کو ذرہ وسعت دیں اور شرح تہذیب سے آگے نکل کر اعلیٰ کتابیں بھی دیکھیں صرف

آپ کی راہنمائی کے لئے ہم ایک حوالہ یہاں عرض کئے دیتے ہیں آپ حافظ ابن القیم راہنمائی کی کتاب بدائع الفوائد ج ۴ ص ۱۱۱ ملاحظہ کریں جہاں انہوں نے لالہ المطلق اور مطلق المر وغیرہ الفاظ کے علمی طور پر دس فرق بیان کئے ہیں اور بات اپنے کسی لائق اد کہ نہ مشتق اسناد سے (بشرطیکہ دستیاب ہو جائے) دریافت فرمائیں کہ کلی غیب کے جہد کے ساتھ جو لفظ مطلق بولا جاتا ہے اس سے الغیب المطلق مراد ہوتی ہے یا مطلق الغیب؟ بحمد اللہ تعالیٰ علماء دیوبند جو صحیح معنی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشاق ہیں سے ہیں وہ تو اس کا فرق بخوبی جانتے ہیں اور وہ بھی جانتے ہیں کہ مثبت کیا چیز ہے اور منفی کیا چیز ہے؟ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ادراپ کی جماعت کو بھی سمجھ عطا فرمائے تاکہ ضلوا و اضلوا کے چکر سے نکل کر لوگوں کی صحیح راہنمائی کر سکیں کیونکہ سمجھے بغیر کتابیں پڑھنا اور پڑھانا بھل اسفارا کا مصداق تو ہو سکتا ہے لیکن اس سے فہم و بصیرت اور خدا غنی حاصل نہیں ہو سکتی۔

ترے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشف

دہم مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ آپ نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ نبی غیب کی خبر بتاتے ہیں اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مطلق غیب نبی کے لئے ثابت نہیں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مطلق غیب بعض امور غیبیہ کے منافی ہے اگر آپ کو مطلق غیب اور بعض امور غیبیہ کے مطلب کی سمجھ نہیں تو کسی سے سمجھ کر تصنیف شروع کی ہوتی، اگر سمجھ ہی تو پھر کیا نشہ میں ڈوب کر لکھ رہے تھے (ص ۳۹)

الجواب: الحمد للہ تعالیٰ راقم کو تصنیف شروع کرنے سے پہلے ہی ایسی علمی اصطلاحات کی سمجھ تھی کیونکہ جن اساتذہ کرام سے راقم انیم نے پڑھا ہے وہ اپنے وقت کے ماہر اساتذہ تھے البتہ گذارش ہے کہ آپ کو اعتراض کرنے سے پہلے ایسی علمی اصطلاحات کی ضرورت تھی حاصل کہ یعنی چاہتے تھے تاکہ شرمندگی حاصل نہ ہوتی یہاں مطلق غیب سے مطلق الغیب مراد نہیں جس کا تحقق کسی ایک فرد کے تحقق سے ہو جاتا ہے اور جو امور

غیبیہ کو بھی شامل ہے بلکہ یہاں الغیب المطلق کے معنی میں ہے جو کلی غیب کے معنی میں ہے اور یہ امور غیبیہ کے بد مقابل ہے اور دونوں کا بٹا فرق ہے جس کی طرف باحوالہ اشارہ پہلے کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو علمی اصطلاحات سمجھنے کی توفیق بخشے گو بدعت کے ساتھ اس کی توقع نہیں کہ سمجھ سکے۔

یا زدم۔ راقم انیم نے تنقید متین میں لکھا تھا کہ اگر نبی کے مفہوم میں کلی غیب شامل ہو تو جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبوت مل گئی تھی لیکن غیب کلی حاصل نہ تھا تو خالص صاحب کے قاعدہ سے لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ آپ اس وقت نبی نہ تھے مؤلف مذکور اس کا حوالہ دے کر اور پھر آگے اس کا خلاصہ بیان کر کے لکھتے ہیں (سرفراز صاحب کا یہ اعتراض انتہائی خام اور طفلانہ ذہنیت کا حامل ہے۔ شیخ سرفراز صاحب۔ اس وقت بھی نبی علیہ السلام کو بے شمار علوم غیبیہ کا علم تھا ازاں جملہ یہ ہے (۱) جبرائیل عا کا علم ہوا اور وہ عالم غیب سے ہیں (۲) حضور کو وحی کا علم ہوا اور وحی عالم غیب سے ہے (۳) حضور کو ذات حق کا علم ہوا اور ذات حق غیب الغیوب سے ہے (۴) اقرؤ یا سم ربك سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا علم ہے اور صفت ربوبیت عالم غیب سے ہے (۵) الذی خلق سے صفت خالقیت کا علم ہوا اور یہ عالم غیب سے ہے (۶) علما الانسان مالم یعلم میں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ تنبیلاً یا کہ حضرت آدم کو جمع اسماء کا علم عطا فرمایا اور اس کا غیب ہونا واضح ہے (دیکھتے تفسیر خازن ج ۴ ص ۳۹) اور اس کے تحت یہ بھی مفسرین نے ذکر فرمایا ہے کہ الانسان سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے یعنی پہلی وحی کے موقع پر ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ سب کچھ تنبیلاً دیا تھا جس کو آپ نہ جانتے تھے اور یہ سرفراز صاحب اور جمع ذریت دیوبند پر بھاری عذاب ہے (خازن ج ۴ ص ۳۹) انتہی بلفظہ (ص ۳۴)

الجواب: مؤلف مذکور نے یہ جو لکھا ہے ممکن ہے کہ ان کی جماعت کی طفل تسلی اور اثنک شونی تو ہو جائے لیکن علمی دنیا میں اس لفظی شعبہ بازی کا ہرگز

کوئی مقام نہیں ہے۔

اولاً۔ اس لئے کہ نزاع اور اختلاف بے شمار امور غیبیہ میں نہیں ہے بلکہ کلی غیب میں ہے جو آپ کے اعلیٰ حضرت اور آپ کی اصطلاح میں جمیع ماکان و مہا یکون ہے اور اس ابتدائی وحی سے یہ ثابت نہیں ہے۔

وثانیاً آپ نے بلا زور مار کر بے شمار علوم غیبیہ کے معروض ازاں جملہ سے صرف کچھ کا عدد پورا کیا ہے اور کچھ کا عدد قابل شمار ہے بے شمار نہیں۔

و ثالثاً اگرچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور وحی عالم غیب میں سے ہیں اور ان کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہلی وحی کے موقع پر ہوا لیکن آپ کا یہ کہنا کہ ذات حق کا علم بھی آپ کو اسی موقع پر ہوا یہ آپ کا خالص جاہلانہ نظریہ ہے ذات حق کا علم تو مشرکین مکہ کو بھی تھا جو مشرک نامہ شرک میں ڈوبے ہوئے تھے (اس کے دلائل گلدستہ توحید میں ملاحظہ کریں) کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر تک ذات حق تعالیٰ کا علم نہ تھا؟ اگر ایسا ہی تھا تو تنبیلاً سے کہ آپ نبوت ملنے سے قبل غار حرا میں عبادت کس کی کرتے تھے؟ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نبوت سے قبل بتوں کے نام پر فوج کئے ہوئے جانور کا جب گوشت پیش کیا گیا تو آپ نے صاف اور صریح الفاظ میں یہ قبول فرمایا کہ

ولا اکل الا ما ذکر اسم الله عليه
(بخاری ج ۱ ص ۵۵)
میں صرف وہی چیز کھاؤں گا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام بیا گیا ہو۔

اگر آپ وحی ملنے سے قبل ذات حق تعالیٰ کو نہیں جانتے تھے تو آپ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟

دابعاً آپ کا یہ کہنا کہ صفت ربوبیت اور صفت خالقیت کا علم آپ کو ابتدائے وحی کے موقع پر ہوا قطعاً مردود ہے اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت اور خالقیت کا علم مشرکین مکہ کو بھی تھا اور وہ اس کے منکر نہ تھے (دیکھتے گلدستہ توحید) تو نبی معصوم کے بارے میں یہ باطل نظریہ کہ چالیس سال تک آپ کو نبوت ملنے سے قبل صفت ربوبیت

اور خالقیت کا علم نہ تھا ایک مجنون بڑے پیغمبر نبوت ملنے سے قبل بھی اللہ تعالیٰ ہی کو رب اور خالق مانتے ہیں اور ایک لمحہ بھی ان پر ایسا وقت نہیں آتا جس میں مواد اللہ تعالیٰ غیر اللہ کے رب اور خالق ہونے کا وہ تصور کرتے ہوں حافظ ابن العمام الحنفی ۱۲ المتوفی ۸۰۰ قاضی ابوبکر محمد بن الطیب البافلانی المالکی ۲ (المتوفی ۳۰۰ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

انہ لم یبعث من اشرك بالله طرفۃ کسی ایسی شخصیت کو نبوت نہیں عطا کی گئی عین (المسائره مع المسائره ۲ ص ۳۰۰) جس نے اس کو جھپکنے کے اندازہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ہو۔

وخاصاً حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر اس مقام پر بالکل غیر متعلق بات ہے، بات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ابتداء وحی کی ہو رہی ہے علاوہ حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ بھی مؤلف مذکور کو سود مند نہیں ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو ایشیا کے نام بتائے گئے ہیں مثلاً اس کو اڈٹ گتے ہیں اس کو گھوڑا گتے ہیں اس کو بیل گتے ہیں اس کو بکری گتے ہیں وغیرہ وغیرہ ان کے تمام افراد اور افراد کی جملہ کیفیات اڈ ان کے جملہ حالات کی تعلیم کا ذکر کہاں ہے جس سے کلی غیب ثابت کیا جا رہا ہے؟ مزید بحث الیالہ الرب میں دیکھیں۔

سادساً مؤلف مذکور کا موح میں آکر یہ دعویٰ کرنا کہ پہلی وحی کے موقع پر ہی حضور کو سب کچھ بتلادیا جس کو آپ نہ جانتے تھے خالص انفراد اور سفید جھوٹ ہے کیونکہ اگر سب کچھ آپ کو اس موقع پر بتلادیا تھا تو دیگر امور کا نقشہ ہی چھوڑتے قرآن کریم کے اس کے بعد پورے تیس سال میں نزول کے کیا معنی؟ اور اس کے فریو آپ کو وقتاً فوقتاً حالات اور واقعات اور احکام وغیرہا سے آگاہ کرنے کا کیا مطلب؟ خدا کے بند سے مولوی ہو کر انما مزج اور سفید جھوٹ تو نہ بولا کیجئے کچھ تو خالق و خلق سے شرم کیجئے جب آپ کا مفروضہ ہی ایک نری افتراء ہے تو سرفراز اور ذریت پو بند پر یہ کیسے عذاب ہو سکتا ہے؟ علی دنیا میں غفل و خرد کی باتیں کیا کریں بے عقلی کا پیمانہ

کیا واسطہ ہے؟ مگر افسوس کہ

رہے نہ اہل بصیرت تو بے خرد چمکے!
فروغ نفس ہوا عفل کے زوال کے بعد

دوازدہم: سرفراز صاحب نے لکھا ہے کہ پہلی وحی کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مانی اور مستقبل سے متعلق غیب کی خبریں نہیں دیں سوال یہ ہے کہ اس تفسیر کی کیا ضرورت ہے؟ اگر اعلیٰ حضرت نے اس طرح فرمایا ہونا کہ نبی وہ ہونا ہے جو آئندہ یا گذرے زمانے کی خبریں سے تب تو اس تفسیر کا کوئی منشاء ہوتا، لیکن اعلیٰ حضرت نے تو فرمایا ہے کہ یہ غیب بتانے والے کو کہتے ہیں پس اعلیٰ حضرت نے نبوت کے مفہوم میں مطلق غیب جاننے کا ذکر کیا ہے لہذا اس کا رد جب ہوگا حسب آپ بیثبات کر دیں کہ پہلی وحی کے موقع پر حضور کو مطلق غیب کا علم نہ تھا اور ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں کہ حضور کے لئے اس موقع پر غیب کا علم ثابت تھا بلکہ مانی اور مستقبل کا غیب بھی حاصل تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات مانتی مستقبل اور حال تینوں ناموں کو شامل ہیں واللہ الحمد علی ذلک یا ایہا النبی کے ترجمہ پر سرفراز صاحب نے اپنی بے علمی بے مائیگی اور عناد نبوت سے جو اعتراض کیا تھا بحمد اللہ العزیز بارہ دہرے سے ہم نے اس کا حساب بے باق کر دیا ہے اور (۱)

الجواب: پہلے گذر چکا ہے کہ آپ کے مطلق غیب نے نبوت کا معنی غیب کی خبریں بتانا لکھا ہے اتنی بات تو تقریباً اور حضرات بھی لکھتے ہیں لیکن خانصاحب روزانہ سے لے کر روز آخر تک جمع ما کان دھا یكون کا علم تفصیلاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ثابت کرتے ہیں کما مترو لہذا خانصاحب پر بدستور ہمالیہ پہاڑ کی طرح وزنی اعتراض موجود ہے اور آپ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے اور بحمد اللہ تعالیٰ سرفراز کے مضبوط دعاوی اور محکم دلائل اور اٹل براہین کا جواب آپ کے بس کا روک بھی نہیں ہے اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مطلق غیب آپ کو پہلی وحی کے ساتھ ہی حاصل تھا جو مورخین پر انبار غیب اور اخبار غیب کی حد میں ہے اور غیب المطلق

جس کو جمع ماکان وما یکون کا مفصل علم یا کلی علم غیب کہتے ہیں آپ کو زندگی کے آخری لمحے تک بھی حاصل نہ تھا، ماضی اور مستقبل کے علم غیب سے اگر امور غیبیہ مراد ہیں تو وہ محل نزاع نہیں اور اگر جمع ماکان وما یکون مراد ہے تو وہ کسی قطعی اور صریح دلیل سے آپ کو حاصل نہیں باقی اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے ماضی حال اور مستقبل کسی مازہ کا محتاج نہیں اور نہ یہاں ظرف و ظرف کا معاملہ ہے اگر یہ مراد ہے کہ ان زمانوں میں مثلاً اللہ تعالیٰ کی تخلیق و تزیین اجبار و امانت وغیرہ صفات خداوندی کا نلوور ہونا رہتا ہے اور ان صفات کے نلوور کے تمام مظاہر کو ان حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تفصیلاً جانتے ہیں تو یہ بھی قطعاً باطل مردود اور اسوس قطعیہ کے صریح خلاف ہے اور یہی امراہل حق اور اہل بدعت کے درمیان اختلافی ہے مولف مذکور نے اثنا عشریہ سے فارورہ ملائے ہو بارہ وجوہ تو بیان کئے مگر اپنی جہالت اور کم فہمی کی وجہ سے ہمارے اعتراضات کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکے ان کو صرف قرآن کریم کی نصوص قطعیہ احادیث متواترہ اور اجماع امت سے سند ہے جس کی وہ شرک و بدعت میں نلوور انہماک ہے اس لئے جیسے آدھی کی طرح کوئی چیز ان کو اپنی اصلی شکل میں نظر ہی نہیں آ رہی اور نہ آ سکتی ہے ج طرح تو جید و سنت اور شرک و بدعت آپس میں جمع نہیں ہو سکتے اسی طرح شرک و بدعت کے ساتھ علم و بصیرت اور انابت الی اللہ اور اطاعت رسول اور سلامت روی بھی اکٹھی نہیں ہو سکتی۔ تعلیم مذہبی کا خلا صدی ہی تو ہے۔ ع

سب مل گیا اُسے جسے اللہ مل گیا

باب دوم

استعانت از غیر اللہ تعالیٰ ہم نے تنقید متین میں مولوی نعیم الدین صاحب سے آیت اِیَّاكَ كَسْتَعِينُ کی تفسیر میں اس جملہ پر کہ

اِس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے عقیدہ باطل ہے کیونکہ مغربان حق کی امداد امداد الہی ہے استعانت بالغیر نہیں الخ باحوالہ تنقید کی تھی مولف توضیح البیان ہمارے پیش کردہ حوالوں کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکے ہم بالانصاف حضرات کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ وہ تنقید متین میں اس بحث کا ضرور مطالعہ کریں اور انصاف سے فرمائیں کہ مولف مذکور نے ان میں سے کس کا باحوالہ جواب دیا ہے۔ صرف عوام کو کچھ کر دکھانے کی خاطر اور مردہ صر کی باتیں لکھ کر چند صفحات ضرور سیاہ کئے ہیں اور عوام کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ جواب ہو گیا۔ جو باتیں انہوں نے ص ۱۲۱ و ۱۲۲ میں کہی ہیں ان کا نہایت اختصار کے ساتھ اجمالی خاکہ یہ ہے۔

۱۔ مفسرین کرام نے ہر باب میں استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مختص کی ہے خواہ مافوق الاسباب امور میں ہو یا ماتحت الاسباب امور میں مدارک میں ہے استعانت کو مطلقاً ذکر کرنے میں بیہکمت ہے کہ ہر مستعان کو شامل ہو اور مدارک کی عبارت میں مستعان فیہ کے الفاظ میں اسوس ہے کہ مولف توضیح البیان کو مستعان اور مستعان فیہ کا فرق بھی معلوم نہیں لیکن تصنیف کا شوق ضرور ہے ہر قدر اخازن میں ہے تیری عبادت اور باقی امور کی انجام دہی پر نچھ سے طاقت طلب کرتے ہیں جمل میں ہے حذف مفعول سے

استغانت کے تمام امور کو شامل ہونے کا فائدہ حاصل ہوا۔

۲۔ مفسیرین کرام تو بہر قسم کی استغانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص فرما رہے ہیں اور سرفراز صاحب نے صرف مافوق الاسباب امور میں استغانت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کر کے قرآن کریم کی خالص تحریف کی ہے چنانچہ تنقید منہیں صفحہ ۲۷ میں ہے استغانت کی ایک قسم کا نصوص شرعی سے جواز ثابت ہے وہ یہ کہ کوئی شخص کسی زندہ یا پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے جو عادتاً اس کے بس و اختیار میں ہو اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استغانت کہا جاتا ہے انتہی سرفراز صاحب نے مجوسیوں کی طرح تقسیم کار کرنی ہے کچھ کام خدا کے ساتھ خاص کر دیئے اور کچھ بندوں کے ساتھ۔

۳۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے فرمایا کہ استغانت خواہ واسطہ ہو یا بے واسطہ استغانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے بندوں کے ہاتھ پر امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ ان کا خلق اور ایجاد اللہ ہی کا خاصہ اور بندوں کے ہاتھ سے جس قسم کے امور بھی ظاہر ہوں وہ صرف بلحاظ کسب بندوں سے صادر ہوتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استغانت کے اختصا ص اور عدم اختصا ص کا مناط استقلال اور عدم استقلال ہے نہ کہ مافوق الاسباب و ماتحت الاسباب جیسا کہ سرفراز صاحب نے علمی بے مائیگی کی وجہ سے ایسا یقین کر لیا ہے۔

۴۔ استغانت کے جواز عدم جواز کا مدار استقلال اور عدم استقلال ہے مافوق الاسباب و ماتحت الاسباب نہیں خود دیوبند کے محمود الحسن صاحب نے آیاتك فستعجبون کے تحت اپنی تفسیر میں لکھا ہے اگر مقبول بندے کو محض واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استغانت ظاہری اس سے کی جائے تو یہ جائز ہے کہ بلا استغانت و تحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے استغانت ہے انتہی جو بات مولوی نعیم الدین صاحب نے کہی وہی بات تمہارے شیخ نے کہی اور جو فتویٰ کفر و شرک کا ان پر لکھا ہے سوان پر بھی لکھا چاہیے اب تو غلطی سے تو بہر کچھ (محملہ)

الجواب: آپ ترتیب وار ہر ایک شق کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ حضرات مفسیرین کرام نے جو کچھ کہا ہے وہ سب بجا ہے اور ان کی پیش اور بیان کر دے

کوئی بات اور حوالہ ہمارے خلاف نہیں وہ سب ہماری تائید میں ہیں بات صرف سمجھنے کی ہے استغانت ظاہری ہو یا باطنی مافوق الاسباب ہو یا ماتحت الاسباب مستقل ہو یا غیر مستقل خلق کے درجہ میں سب اللہ تعالیٰ سے مختص ہے باطنی معنی کہ ہر چیز کا خالق صرف وہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مکلف مخلوق کو ایک صفت عطا کی ہے جس کا نام حضرات منکلبین کے نزدیک کسب ہے مافوق الاسباب امور ہیں نہ بندے کا خلق کے لحاظ سے دخل ہے اور نہ کسب کے لحاظ سے اور ماتحت الاسباب امور ہیں بندے کے خلق کا تو کوئی دخل نہیں ہاں البتہ اس کے کسب کا دخل ضرور ہے اور اسی اعتبار سے ان کی نسبت بندوں کی طرف کی جاتی ہے ہم نے حضرت دلی اللہ صاحب وغیرہ حضرات کی متعدد عبارتیں اس سلسلہ میں باحوالہ نقل کی ہیں لیکن افسوس کہ مولف مذکور ان کو گیارہویں مرتبہ کا بیٹھا دور سمجھ کر کہنے میں صرف مالا بہ مندہ کی ایک عبارت کا سرسری حوالہ دیا ہے جس کی بقدر ضرورت بحث آگے آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ اور بندوں کے لئے کسب کی اس صفت کو خود مولف مذکور نے توضیح البیان ص ۱۱ میں ان الفاظ سے تسلیم کیا ہے اور بندوں کے ہاتھ سے جس قسم کے امور بھی ظاہر ہوں وہ صرف بلحاظ کسب بندوں سے صادر ہوتے ہیں بلکہ جہاں علامت ماتحت الاسباب اور غیر مستقل کے الفاظ بولتے ہیں ان سے ان کی مراد یہی کسب ہونا ہے یہ مولف مذکور کی نادانی ہے کہ وہ ماتحت الاسباب اور غیر مستقل کو الگ الگ امور تصور کئے بیٹھے ہیں بیشک اللہ انو جہا جہا ہیں لیکن مال و دولت کا ایک ہی ہے حضرات منکلبین نے خلق اور کسب کا فرق بیان کرتے ہوئے ایک فرق یہ بیان کیا ہے کہ۔

ان الکسب واقع بالة و الخلق کسب آله سے واقع ہوتا ہے اور خلقی کا وقوع لا بالة (شرح العقائد ص ۱۷) آله کے بغیر ہوتا ہے۔

آلہ ظاہری ہو جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء یا باطنی ہو جیسے قلب اور عقل وغیرہ اس سے واضح ہوا کہ کسب سبب اور آلہ کا محتاج ہوتا ہے اور خلق کے لئے سبب اور آلہ کی ضرورت نہیں ہوتی الغرض جس چیز کو وہ ماتحت الاسباب سے تعبیر کرتے ہیں

فرق کسب کہلاتی ہے جس کا اقرار خود مؤلف مذکور کو ہے ان کی علمی استعداد اور قابلیت پر بحیرت ہوتی ہے کہ وہ کسب و خلق کی تعبیر کا اقرار تو کرتے ہیں مگر ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب کے الفاظ سے کھبراتے ہیں کاشعور و مستغنیہ و قوت من قسودہ اور ایک فرق یہ بیان کیا ہے۔

والکسب یصم افراد القادر علی الخلق
یصح (شرح العقائد ص ۳۱)
اور اس کی تشریح یوں کی گئی ہے۔

لان قدرة العبد غیر مؤثرة فلا یصل
منه الفعل الا بقدره الله سبحانه
والخلق یصح فان الله سبحانه یخلق
ما شاء بلا حاجة الی کسب العبد
(نبراس ص ۲۷)

کسب و خلق کا پہلا فرق تو یہ تھا کہ کسب سبب آلہ کے ذریعہ ہوتا ہے یعنی ماتحت الاسباب ہے اور خلق اسباب و آلات سے بالاتر ہے یعنی مافوق الاسباب اور اب دوسرا فرق یہ بیان ہوا ہے کہ کسب میں کاسب کی قدرت مؤثر نہیں ہوتی اور وہ اس میں منفرد اور مستقل ہوتا ہے اور خلق میں قادر کی قدرت مؤثر ہوتی ہے اور وہ اس میں منفرد اور مستقل ہوتا ہے گویا جس امر کو حضرات منکلیین کسب و خلق سے تعبیر کرتے ہیں وہی دوسرے الفاظ میں بالاستقلال اور غیر بالاستقلال ہے غرضیکہ مال کے لحاظ سے کسب و خلق، ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب اور مستقل اور غیر مستقل کے عنوان میں کوئی فرق نہیں ہے لہذا مؤلف مذکور کا غیر مستقل کے جملہ پر زور صرف کرنا اور ماتحت الاسباب کے لفظ سے بدکناری جہالت ہے۔

حضرات مفسرین کرام کے جملہ پیش کردہ حوالے ہماری نایب دہانت سے ہیں کہ فہم کی استنانت اللہ تعالیٰ سے شخص بنے خلق کے درجہ میں تو بالکل ظاہر ہے اور کسب کے درجہ

میں باہیں طور کہ بندہ کو اسباب و آلات۔ اعضاء و جوارح وغیرہ عطا کرنا پھر ان میں اثر ڈالنا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور بندہ کو جس قدر اختیار حاصل ہے وہ ماتحت الاسباب غیر مستقل اور کسب ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب (المنقذ ص ۲۹) استنانت کی بحث کرتے ہوئے اس میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں۔

واگر عام است در امور دنیا و دین پس
وجہ این اختصاص آنست کہ ہر کہ غیر
خود را اعانت می کند منتہائے کار او
آنست کہ در دل او داعیہ اعانت
آں غیر می اندازند و این فعل فعل اولیائی
است پس گویا بندہ می گوید کہ غیر ترا اعانت
من ممکن نیست مگر چون او را تو اعانت
فرمائی تا اسباب اعانت بجز رساند باز
در دل او داعیہ اعانت من اندازی پس
من از وسائط قطع نظری کنم و غیر از اعانت
تر نامی بنم (تفسیر عزیزی پ ۱ ص ۳)

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ مخلوق کی اعانت اسباب کے تحت ہوتی ہے جن کو عطا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور مخلوق کے دل میں کسی کی اعانت کا داعیہ اور محرک پیدا کرنا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے اور اسباب کے تحت مخلوق جو کسی کی اعانت کرتی اور کر سکتی ہے تو وہ ظاہری اعانت ہے چنانچہ خود حضرت شاہ صاحب سے بحث کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پس مرد مومن را کہ از شرک سے گریزد
سومرد مومن کو جو شرک سے گریز کرنا ہے

اول وہلہ باید کہ اعانت غیر را کہ تطاہر
اعانت است و در معنی اصل قدرت
ندارد از نظر بندازد و با اعانت قادر
حقیقی انکشاف نماید الخ
(تفسیر عزیزی پ ۳۵)

اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ غیر اللہ کی اعانت صرف ظاہری ہوتی ہے اور
در حقیقت اس کو اس پر کوئی قدرت نہیں ہوتی۔

۲- حضرات مفسرین کرام نے جو کچھ کہا ہے بحمد اللہ تعالیٰ وہی کچھ سرفراز نے کہا ہے
اور وہ قرآن کریم کے عین مطابق ہے اس کی تخریف ہرگز نہیں مگر خود مؤلف مذکور
سورہ فہم اور جبل مرکب کا شکار ہیں جو علی بانس صحیح کی اہلیت ہی نہیں رکھتے، اور
التارقم اٹیم سے کہا جا رہا ہے کہ سرفراز صاحب نے مجوسیوں کی طرح تقسیم کار کر لی ہے
کچھ کام خدا کے ساتھ خاص کر دیئے اور کچھ بندوں کے ساتھ اور خیر سے خود بھی مستقل
اور غیر مستقل اور خلق و کسب کی دو قسمیں تسلیم کر کے بقول خود مجوسیوں کے زموں میں
شامل ہو گئے ہیں کہ کسب بندے کا فعل تسلیم کرتے ہیں اور خلق خدا تعالیٰ کا تعجب ہے
کہ چھاتی کو کوزے کے دو سوراخ تو نظر آتے ہیں لیکن اپنے بی شمار سوراخ نظر نہیں
آنے خود تقسیم کار کر لیں تو درست اور اگر سرفراز کر لے تو معاذ اللہ تعالیٰ جو سیول
میں شامل ہو جائے؟ سبحان اللہ تعالیٰ ع

ایں گناہیبت کہ در شہر شمانیز کنند

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی استمداد کے جائز اور ناجائز طریقوں پر
بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

مدد خواستن و بطوری باشد مدد خواستن
مخلوق سے مدد چاہنا یا طلب
مخلوق سے مدد چاہنا جیسا کہ نوکر اور گدا
نوکر و گدا در مہمت خود دومی جو بند و عوام
اپنی ضرورتوں میں امیر اور بادشاہ سے مدد

الناس از اولیاء دعائی خواہند کہ از جناب
الہی فلان مطلب ما را در خواست
نمائید این نوع مدد خواستن در شرع
از زندہ و مردہ جائز است آدم آسم
بالاستقلال چیزیکہ خصوصیت جناب
الہی وار مثل دادن فرزند یا بارش
باران یا دفع امراض یا طول عمر مانند
ایں چیز مانے آنکہ دعا و سوال از جناب
الہی در نسبت منظور باشند از مخلوق
در خواست نمایند این نوع حرام مطلق
بلکہ کفر است و اگر از مسلمانان کہے
از اولیائے مذہب خود خواہ زندہ باشند
یا مردہ این نوع مدد خواہ از دائرہ مسلمانان
خارج ہے شہودا

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۳۳ و ۳۴)

چاہتے ہیں اور عوام الناس اولیاء کہ ہم سے دعا
کراتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے فلان کام
کے لئے درخواست کریں اس قسم کی مدد چاہنا
شرعیات میں زندہ سے جو یا مردہ سے جائز
ہے دوسری یہ کہ اس چیز میں مستقل ہونا جناب
باری تعالیٰ کی خصوصیت ہو جسے لڑکا دینا
یا پادش برسانا یا امراض کا دور کرنا یا عمر لمبی کرنا
اور ان کی مانند دیگر اشیاء یعنی اس کے کہ نسبت
میں دعا اور سوال جناب الہی سے منظور ہو
مخلوق سے درخواست کرے تو قسم مطلقاً
حرام بلکہ کفر ہے اور اگر مسلمانوں میں سے
کوئی اپنے مذہب کے اولیاء کرام میں سے
خواہ زندہ ہوں یا مردہ اس قسم کی امداد
طلب کرے تو وہ مسلمانوں کے دائرہ سے
خارج ہو جائے گا۔

اس عبارت میں استمداد کی پہلی قسم وہی ہے جو ماتحت الاسباب اور کسب کے
درجہ میں ہے۔ جو بقول حضرت شاد صاحب شرع میں جائز ہے اور دوسری قسم وہ
ہے جو خلق کے درجہ میں ہے جس میں اللہ تعالیٰ مستقل و منفرد ہے جس میں بندے
کا کچھ اثر اور دخل نہیں اور وہ مافوق الاسباب ہے اس قسم کی استمداد مخلوق سے طلب
کرنا حرام بلکہ کفر ہے مؤلف مذکور انصاف سے فرماتے ہیں (اگر ان کے ماں انصاف نام
کی کوئی چیز ہے) کہ جو بات سرفراز نے تنقید منہ میں کہی تھی کہ استعانت کی ایک قسم
کا لخصوص شرعیہ سے جواز ثابت ہے اور کیا یہ وہی نہیں ہے جو حضرت شاد عبدالعزیز
نے فرمائی ہے؟ اور کیا اس تقسیم کار کی وجہ سے آپ حضرت شاہ صاحب پر بھی معاذ اللہ

ثم حاذق اللہ تعالیٰ جو کسی ہونے کا فتویٰ صادر کریں گے یا یہ نہیں پنی سرفراز گنہگار کے لئے ہی وقف ہے؟

۳- ہم نے باحوالہ یہ بات ثابت کی ہے کہ خلق و ایجاد صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے ہم نے اس کا انکار نہیں کیا نہ امور عادیہ میں اور نہ غیر عادیہ میں یہ مؤلف مذکور کی کم فنی ہے کہ جہالت کی وجہ سے وہ کچھ کا کچھ سمجھ رہے ہیں جس کسب کو وہ بندوں کی صفت تسلیم کرنے ہیں ہم بھی صرف اسی کے تحت اور اسی کے مطابق بات کر رہے ہیں اور مؤلف مذکور کا استعانت کے اختصا ص اور عدم اختصا ص کا مدار استقلال اور عدم استقلال پر رکھنا اور مافوق الاسباب و ماتحت الاسباب کا انکار کرنا ان کی جہالت کا زندہ جاوید کرشمہ ہے جس کی بقدر ضرورت بحث پہلے ہو چکی ہے۔

۴- حضرت شیخ الہند نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل بجا اور صحیح ہے اور انہوں نے وہی کچھ فرمایا ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے استدلال کی جائز قسم میں تحریر فرمایا ہے کہ عوام الناس اندر اولیاء و دعائی خواہند انہی استعانت ظاہری۔ غیر مستقل اور ماتحت الاسباب ہے حضرت شیخ الہند کی عبارت میں غیر مستقل کا لفظ دیکھ کر بلا توجہ سمجھے اور بلا وجہ مؤلف مذکور نے خوشی کا اظہار کیا ہے اور خود حقیقت کو نہیں سمجھے مؤلف مذکور کا اخلاقی قرینہ ہے کہ وہ غلط چیز کو ترک کر کے حق کو قبول کر لیں نہ اپنی آخرت برباد کریں اور نہ مخلوق خدا کی راہ ماریں اللہ تعالیٰ توفیق بخشنے۔

تیری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا عجب نہیں کہ یہ چہار سو بدل جائے

مؤلف مذکور نے یہی مافوق الاسباب امور میں رسول اللہ سے استعانت اسرخی قائم کی ہے اور پھر ۱۵، ۱۶ میں غیر متعلق حوالے نقل کر کے عوام الناس کو صریح دھوکہ دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱- سرفراز صاحب امور عادیہ میں ظاہری استعانت کو جائز قرار دیتے ہیں اور غیر عادیہ

میں ناجائز مگر دلائل عقلیہ و نقلیہ دونوں سے یہ باطل و مردود ہے احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ امور غیر عادیہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے استعانت کی اور آپ نے ان کی مدد کی (محصلاً)

۲- مشکوٰۃ ص ۵۳۳ میں بخاری شریف کی روایت ہے کہ غزوہ خیبر میں حضرت سلمہ بن اکوع کی ہنڈی کو چوٹ لگی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے دم فرمایا وہ ٹھیک ہو گئے اور فرماتے ہیں کہ آج تک مجھے تکلیف نہیں ہوئی (محصلاً) مشکوٰۃ ص ۳۱۱ میں بخاری کے حوالہ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ کے پاس چاندی کی ڈبیا میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بال مبارک تھے جب کسی کو نظر لگتی یا کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ حضرت ام سلمہ کے پاس جانا وہ ڈبیا کو پانی میں ڈال کر نکالتیں پس وہ شخص اس پانی کو پیتا (محصلاً)

لطیفہ مؤلف مذکور کی عربی دانی ملاحظہ کریں کہ وہ اذا اصاب الانسان عين او شئى کا معنی بول کرتے ہیں جب کسی شخص کی آنکھ میں یا کسی اور جگہ زخم پہنچتا، ان کو آنا بھی معلوم نہیں کہ اصابۃ عین کا معنی نظر لگنا ہے آنکھ میں زخم نہیں ہے، شاید مؤلف مذکور العین بحق کا معنی آنکھ خن اور سچی ہوتی ہے کر دین مشکوٰۃ ص ۳۷۷ میں مسلم کے حوالہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ کے پاس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک مخصوص جعبہ تھا جو بالآخر حضرت اسماء کے پاس چلا گیا، جب کوئی بیمار ہو جاتا تو وہ حضرت اس کو دھوکہ پلاتے اور اس کے توسل سے شفاء طلب کرتے۔ (محصلاً)

۳- آنحضرت صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پینے ہوئے کپڑوں، آپ کے بالوں اور آپ کی چھوڑک سے لوگ شفا حاصل کرتے تھے یہ مافوق الاسباب امور میں استعانت ہے جڑی بوٹی اور دوائوں کی طرح یہ اسباب عادیہ نہیں کہ ہر ایک کے لباس، چھوڑک اور بالوں سے شفا حاصل ہو۔ (محصلاً)

۴- سرفراز صاحب یقیناً ہیں کہ حضرات صحابہ کرام نے یہ شرک کیوں کیا؟ اور

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ تم میرے پاس ٹوٹی ہوئی ٹانگ لے کر کیوں آئے ہو میں تو کسی کو نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتا تم یہ ٹانگ کسی جراح اور طبیب کے پاس لے جاؤ میں تو بس احکام شرعیہ پہنچانے آیا ہوں (محصلاً)

۵۔ سرفراز صاحب آنکھیں کھول کر ذرہ ہوش میں آکر جواب دو کیا یہ صحابہ کرام نہ مشرک ہوئے یا نہیں! یا رافضیوں کی طرح صحابہ کرام پر بھی ہاتھ صاف کر و گے اور اپنے عناد فطری کی وجہ سے رسول اللہ پر کیا حکم لگا و گے (محصلاً)

الجواب: ایسا محسوس اور معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور کو علم و فہم سے کوئی مس ہی نہیں ہے ان کے نزدیک علم نشاندہ مولو بانہ وضع قطع اور جہہ کو دستا رکا ہی نام ہے آپ علی الترتیب جواب ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ہم نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالہ سے امور عادیہ اور غیر عادیہ کا اور ان میں جواز استعانت اور عدم جواز کافرق واضح کر دیا ہے نیز استعانت ظاہری کا مطلب بھی عرض کر دیا ہے کسی عقلی اور نقلی دلیل سے اور کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرات صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے امور غیر عادیہ میں مدد طلب کی ہو یہ مؤلف مذکور کا ترا مفروضہ اور جام خیالی ہے لاشکے جبر۔

۲۔ جتنے حوالے اور حدیثیں مؤلف مذکور نے پیش کی ہیں اور ان سے انہوں نے اپنے باطل دعویٰ پر جو استدلال کیا ہے وہ سراسر مردود اور باطل ہے اس لئے کہ وہ بپارے غلط فہمی کا شکار ہیں۔

اولاً اس لئے کہ جس طرح دعا ایک سبب ہے اسی طرح دعا اور بزرگوں کے تبرکات (جن سے شفا حاصل ہو جاتی ہے) بھی ایک سبب ہے جس طرح سستی سبب پر کبھی نتیجہ مرتب ہوتا ہے اور کبھی مرتب نہیں ہوتا اسی طرح عا پر بھی جو ایک معنوی اور روحانی سبب ہے کبھی نتیجہ مرتب ہوتا ہے اور کبھی مرتب نہیں ہوتا نفس دعا ایک سبب ہے ہاں اس پر شفا یا مرتب ہو جانا خارق عادت ہے حضرت امام غزالی

(التوفی ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ

فالدعاء سبب لود البلاء ووجود
الرحمة كما ان الترس سبب لدفع
السلح والماء سبب لخروج النبات
من الارض الخ (هاصن بنوا ۵۰)

دعا اور بلا اور وجود رحمت کا سبب ہے جیسے
ڈھال ہتھیار سے پچانے کا سبب ہے
اور پانی زمین سے سبزہ نکلنے کا سبب ہے

اس لحاظ سے دعا مافوق الاسباب امر نہیں اور نہ دعا کرنا یا نہ کرنا غیر عادی امور میں داخل ہے ہاں اس پر شفا کا ترتیب خرق عادت امر ہے (الخیالی ص ۱۶)

وفا نبیاً حضرات صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس لئے تو ہرگز حاضر نہیں ہوتے تھے کہ معاذ اللہ تعالیٰ آپ ان کو شفا دے سکتے تھے اور نہ دیتے تھے ایسا باطل نظریہ حضرات صحابہ کرام کے بارے میں تو کوئی بد مذہب بھی نہیں رکھتا ان حضرات کا آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور پیارے رسول ہیں اور نسبت دوسروں کے آپ کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے آپ ہاتھ اٹھائیں اور دعا فرمائیں تو اللہ تعالیٰ شفا دے گا مرد تو خیر مرد تھے عورتیں بھی جو عموماً ناقصات عقل و دین کی مد میں ہیں ان کا بھی یہی نظریہ تھا چنانچہ بخاری ج ۲ ص ۱۲۱ میں روایت ہے کہ ایک کالے رنگ کی دراز قد بنی (حضرت ام زفر سعیدہ) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ حضرت مجھے مرگی کا دورہ پڑھا تا ہے فادع اللہ لی للحیث آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا فرمائیں۔ دعا میں یہی ہوتا ہے کہ ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں منہ سے دعائیہ کلمات نکالے جاتے ہیں اور یہ سب کچھ ماتحت الاسباب ہے اور امور عادیہ میں سے ہے دعا پر شفا کا نتیجہ مرتب کرنا خرق عادت امر ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اسی طرح آپ کے کپڑوں اور بالوں سے بچکر حاصل کرنا اور ان کی برکت اور نوس سے اللہ تعالیٰ سے شفا طلب کرنا بجا اور درست ہے مگر اس کو مافوق الاسباب یا امور غیر عادیہ سے تعبیر کرنا بالکل غلط ہے یہ چیزی خود خرق

۲۶
 عادت نہیں ہیں اس اختیار کردہ طریقہ پر اثر ترتیب کا فرق عادت سے مگر وہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے یا بن النثری من النثریا کا شکر کہ مولف مذکور اس واضح فرق کو سمجھ لیں گو علم ایک گھر استمدار ہے جس میں غوطہ غوری کے لئے ماہر استادوں سے ضروری ہے

سلسلہ ہستی کا ہے اک بحر ناپیدا کنار
 اور اس دریائے بے پایاں کی ہیں موجیں ہزار

۳۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑوں اور بالوں اور منہ مبارک سے نکلتے وقت پھونک مارنے کو باقیوں کی نسبت اسباب کتنا علم و خرد کا منہ بڑا ہے کیونکہ یہ سب چیزیں عالم اسباب کی ہیں پھر کپڑے بال اور پھونک تو بلا شک کوئی چیز نہیں لیکن جب ان بالوں کپڑوں اور پھونک کی نسبت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی طرف ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس بارے میں نسبت سے یا تو ایک قوی سبب قرار پائے گی یا خود مولف مذکور صحت میں لکھتے ہیں۔ انگلی سے اسنادہ کرنا دماغ کے لئے ہاتھ اٹھانا یا کسب ہے الخ اور ظاہر ہے کہ کسب مانحت اسباب سے نہ کہ فوق اسباب۔ الغرض مبارک نسبت کو بھی ملحوظ رکھئے اور کسب و خلق کو بھی اور عقل و خرد کا خیال بھی کیجئے ادھر اور ادھر کی باتوں میں نہ الجھیے مگر تیرے محیط میں کہیں بھی گوہر زندگی نہیں !
 ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا صدف صدف

۴۔ جب حضرات صحابہ کرام نے شرک کیا ہی نہیں تو سرفراز پر کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ پاک ہستیوں اور نفوس قدسیہ کی طرف شرک کی نسبت کر کے البتہ سرفراز پر ضرور گزارش کرے گا کہ آپ کہیں سے علم نافع حاصل کریں (اور وہ دیوبندیوں ہی سے حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ علم ان کی وراثت اور شرعی قاعدہ ہے کہ وراثت صلیبی اولاد کو ملا کرتی ہے لقیط اور لے پالک کو نہیں ملا کرتی) اور اپنے سوز مزاج کا روحانی علاج کر لیں رہا مولف مذکور کا یہ کہنا کہ آپ نے اس صحابی کو جراح و طبیب کے پاس کیوں نہیں بھیجا۔

۲۷
 اور یہ کیوں نہیں فرمایا کہ میں کسی کو تفع و ضرر نہیں پہنچا سکتا (محصلاً) تو یہ صرف ایک غلط ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علاج کے دونوں طریقے ثابت ہیں دعا کے ذریعہ سے بھی اور دوا کے ذریعہ سے بھی مولف مذکور کو کتب حدیث میں کم از کم کتاب الطب ہی غور سے پڑھ لینا چاہیے اور آپ کا یہ ارشاد بھی یاد رکھنا چاہیے۔

فدا و اذ ان الله تعالى لم يضع داءً
 الا وضع له دواءً (الحديث) (ابو داؤد)
 ج ۲ ص ۱۷۱ واللفظ له والمستدرک ج ۲ ص ۱۹۶
 نہ رکھا ہوا الخ
 علاء کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری
 ایسی نہیں رکھی جس کے لئے اس نے علاج
 دموارد الظمان ط ۳۳

اور مولف مذکور کو یہ روایت بھی پیش نظر رکھنی چاہیے۔

عاد رسول الله صلى الله عليه وسلم
 رجلاً به جرح فقال رسول الله صلى
 الله عليه وسلم ادع له طبيباً بنى فلان
 قال فدعوا فجاءه الحديث (مجمع
 الزوائد ج ۵ ص ۱۷۱ رواه احمد و غيره
 رجال الصحيح)

اس صحیح حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ آپ نے حکیم اور طبیب کی طرف مراجعت کا حکم بھی دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر امتی کی سہولت کے لئے دونوں طریقے بتائے ہیں دعا کا بھی اور طبیب طلب کرنا اس سے علاج و معالجہ کا بھی مولف مذکور کو معلوم ہونا چاہیے کہ شرعی دائرہ میں رہ کر علاج و معالجہ بھی فی الجملہ احکام شرعیہ میں داخل ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو کتب حدیث میں محدثین کرام باب الطب کو کبھی جگہ نہ دیتے یہ مولف مذکور کی کوتاہ فہمی ہے کہ وہ اس سے صرف نظر کرتے ہیں اور یوں گویا ہیں کہ آپ یوں فرماتے کہ میں تو بس احکام شرعیہ پہنچانے آیا ہوں (محصلاً) اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ دے بشرطیکہ ان کو اس کی طلب بھی ہو۔

مثلاً کلیم ہو اگر مگر کہ آزما کوئی !
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاف

۵۔ محمد اللہ تعالیٰ سرفرازی کی آنکھیں تو اس دن سے کھلی ہوئی ہیں جس دن سے اس کو علماء دیوبند سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا ہے اور وہ حضرات صحابہ کرام کے بلند مقام اور دینی کارناموں کو تاریخی طور پر بخوبی جانتا ہے اس کو ان کے خلاف کچھ کہنے کی ہمت ہی نہیں وہ تو ان کے نقش قدم پر چلنا اور ان کی پیروی کرنا اپنے لئے فخر سمجھتا ہے یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ارفع اور اقدس ذات پر معاذ اللہ تعالیٰ کوئی حکم لگانا یا سوء ادب کی ادنیٰ سی نسبت بھی کرنا تو ایسی کسی بے جیا آدمی کی کام ہی ہو سکتا ہے کوئی مسلمان اس کا ادنیٰ تصور بھی نہیں کر سکتا یہ مولف مذکور کی نادانی ہے کہ انہوں نے عوام الناس کے جذبات کو بلاوجہ اُبھارنے کے لئے اس قسم کی تعبیر سے کام لیا ہے ہم تو بانگِ دہل کہتے ہیں کہ

جو اس دنیائے فانی میں طلبِ کارِ ہدایت ہو
وہ سچے دل سے پیغمبر کا پیروکار ہو جائے

خلق اور کسب | مولف مذکور نے یہ عنوان قائم کیا ہے پھر اس کے بارے میں ص ۸۷ میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ اس مقام پر یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ تو نبی کا معجزہ ہے اور معجزہ خدا کا فعل ہے ہے فیضِ دہو کہ وہی کے سوا کچھ نہیں کیونکہ نبی کا معجزہ ہو یا ولی کی کرامت یا عام لوگوں کے افعال سب کا حقیقتہً خالق اور فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے بندوں کی طرف ان افعال کی نسبت خواہ عادیہ ہوں یا غیر عادیہ فیضِ ظاہری اور صوری طور پر ہوتی ہے۔ لہذا افعال عادیہ اور غیر عادیہ میں خلق یا کسب کے لحاظ سے تفریق کرنا بدہمتہً باطل ہے۔

۲۔ افعال عادیہ کی نسبت سرفراز صاحب بندوں کی طرف تسلیم کرتے ہیں ہم وہ آیت پیش کرتے ہیں جن میں افعال غیر عادیہ کی نسبت بندوں کی طرف لگی گئی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے نہیں مضمون قرآن کریم سے نقل کئے ہیں اور ترجمہ حضرت تھالوی سے نقل کیا

ہے نہ کہ بقول مولف مذکور کے فرقی ثانی پر اتمامِ حجت ہو علم ان آیات اور ان کے ترجمہ کا خلاصہ بیان کرتے ہیں جس کے پاس کتاب کا علم تھا، اس نے کہا کہ میں اس کچھ جھپکنے سے پہلے وہ (نخت) تیرے سامنے لا کر کھڑا کر سکتا ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ میں نہا سے رب کا چھبچھا ہوا ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ پھر حضرت عدیسی علیہ السلام کے باذن اللہ تعالیٰ مٹی کی چڑیاں بنا کر ان میں چھونک کر اڑا دینے مردوں کو زندہ کرنے اور زادانہوں کو بینا کر دینے اور جذام والے کو اچھا کر دینے کا تذکرہ کیا ہے (مصلحہ)

۳۔ ان بالا آیات میں افعال غیر عادیہ کی نسبت مخلوق کی طرف لگی ہے حقیقت یہ ہے کہ عام افعال کی طرح معجزات اور کرامات کے ساتھ دو قدریں متعلق ہوتی ہیں۔ ایک انبیاء اور اولیاء کی قدرتِ لمجا فاکسب کے اور ایک اللہ کی قدرتِ بحجت خلق اور ایجاد کے پس نبی علیہ السلام کا دم کرنا، انگلی سے اشارہ کرنا، دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا یہ کسب ہے اور اللہ تعالیٰ کا تکلیف دہ کرنا چاند شفق کو دینا سوچ پلٹا دینا یہ خلق ہے اور ان افعال کی نسبت نبی علیہ السلام کی طرف لمجا فاکسب ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف لمجا خلق ہے اور جس طرح عوام بشر کی قدرت اختیار میں افعال عادیہ ہوتے ہیں اسی طرح توہم بشر اور اولیاء اللہ کی قدرت میں افعال غیر عادیہ ہوتے ہیں سرفراز صاحب کا صرف اور عادیہ میں بندوں سے استعانت جائز رکھنا علمی بے مائیگی اور بصیرتِ محرومی کے سوا کچھ نہیں ہے (مصلحہ)

الجواب: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولف مذکور کو کتب کلام و عقائد اور مختبر علماء کی کتابیں پڑھنے اور دیکھنے کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوئی ورنہ وہ اس قسم کی غلط باتیں مبرگتر نہ کہنے اور نہ غیر متعلق امور کا تذکرہ کر کے عوام کو مغالطہ میں مبتلا کرے ہم ترتیب سے ان کے مغالطات کا رد کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ اہل حق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے معجزہ ہو یا کرامت امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اس میں نہ تو اختلاف ہے اور نہ اختلاف کی کوئی گنجائش ہے لیکن معجزہ اور کرامت میں باوجود اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خلق سے صادر ہوتے ہیں اور ولی کا اختیار نہیں ہوتا۔

تخلاف امور عادیہ کے کہ ان میں بندے کا اختیار ہوتا ہے بالفاظ دیگر معجزہ اور کرامت میں کسب بھی نہیں ہوتا اور باقی افعال میں کسب ہوتا ہے مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ خلق معجزہ کو خدا تعالیٰ کا فعل کہہ کر دھوکہ دہی کے فریب میں یا افعال عادیہ اور غیر عادیہ میں خلق اور کسب کے لحاظ سے تفریق کرنا بجا نہیں باطل ہے۔ خالص جہالت اور بصیرت سے محرومی کی واضح ترین نشانی اور علامت ہے۔ علامہ آمدی وغیرہ نے عقلی اور فنی طور پر صرف علمی انداز میں ہل بیتصور کے جملہ سے یہ بحث تو نقل کی ہے کہ کیا اس کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ معجزہ مقدور رسول ہے یا نہیں! ایک گروہ اس کو مقدور کہتا ہے اور دوسرا منکر ہے لیکن یہ صرف تصوری۔ امکانی اور علمی بحث ہے۔ معجزہ کی تعریف میں وہ بنیادی طور پر یہ تحریر فرماتے ہیں کہ معجزہ کی ساست شریلیں ہیں۔

الاول ان يكون فعل الله تعالى او ما يقوم مقامه من التروك (شرح العقائد العصبية للدواني ج ۱ ص ۹۵ وشرح المواقف ص ۶۹ طبع لکھنؤ) احراق ہے۔ ذبیحہ بحث علمی)

اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہوا کہ معجزہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہوتا ہے اس میں کسی اور کا دخل یا کسب نہیں ہوتا قاضی عیاض (المتوفی ۱۰۲۴ھ) معجزہ کی بحث کرتے ہوئے اور اس کی مثالیں بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں۔

مما لا يمكن ان يفعلہ احد الا الله تعالى فيكون ذلك على يد النبي من فعل الله تعالى (شفاعت طبع مصر) معجزہ ایک ایسی چیز ہے کہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اس کو کوئی اور کر سکے گوہی کہ ناقد پر صادر ہوتا ہے مگر وہ فعل اللہ تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے۔

اور اس کی شرح فتح الصفا میں ہے۔
قال المتكلمون وتختص المعجزه بكونها حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ معجزہ خصوصیت کے

فعل الله تعالى وليست داخله تحت قدرة البشر

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۲ھ) معجزہ پر طویل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بلکہ این مبنی است بر آنکہ معجزہ فعل نبی نیست بلکہ فعل خدائے تعالیٰ است کہ بر دست وے اہل انبیا و اولادہ بخلاف افعال دیگر کہ کسب این از بندہ است و خلق از خدا تعالیٰ و در معجزہ کسب نیز از بندہ نیست (مدارج النبوة ج ۲ ص ۱۱ طبع ناصری دہلی)

اور نیز وہ لکھتے ہیں۔

یہ معجزہ ذکر امت فعل خدا تعالیٰ است کہ ظاہری گردد بر دست بندہ بجهت تصدیق و تکمیل سے نہ فعل بندہ است کہ صادر می گردد بقصد اختیار او مثل سایر افعال (ترجمہ فنون الغیب ص ۲۱)

مؤلف مذکور دیگر حوالوں کو عموماً اور حضرت شیخ عبدالحق صاحب کے حوالوں کو خصوصاً بار بار لکھیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں؟ اور کیا معجزہ کو اللہ تعالیٰ کا فعل کہہ کر دھوکہ نہی کا لے بنیاد الزام ہم پر ہی عائد ہوتا ہے یا حضرات متکلمین اور حضرت شیخ عبدالحق صاحب کو بھی اس سے بچھ حصہ ملے گا؟ مؤلف مذکور کو رعایت اور مصلحت سے بالاتر ہو کر ضرور پوچھ کرنا پڑے گا مگر ہو یا معنی کیونکہ سے

۵۱
ساختہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور یہ بشر کی قدرت میں داخل نہیں ہے

بلکہ یہ اس بات پر مبنی ہے کہ معجزہ نبی کا فعل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو اس نے نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا بخلاف دیگر افعال کے کہ ان میں کسب بندہ سے ہے اور خلق خدا تعالیٰ سے اور معجزہ میں کسب بھی بندہ سے نہیں ہے۔

یہ معجزہ اور کرامت خدا تعالیٰ کا فعل ہے جو بندہ کی تصدیق و تکمیل کے طور پر بندہ کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے یہ بندے کا فعل نہیں ہوتا جو دیگر افعال کی طرح اس کے قصد و اختیار سے صادر ہو۔

صاحب الفاظ کو دفتر سے بھی سبیری نہیں صاحب معنی کو بس اک لفظ کافی ہو گیا!

۵۱

ہم اس سے زیادہ بیان کچھ نہیں کہنا چاہتے اس لئے کہ بفضلہ تعالیٰ ہم نے اپنی راہ ہدایت میں احوال العلوم مفہومین خلدوں مسایرة و مسامرة تہافت الفلاسفہ رشاد اور تفہیمات الہیہ وغیرہ کتابوں سے باحوالہ مبسوط بحث کر دی ہے وہ ای سے ملاحظہ کر لی جائے۔

الغرض یہ بات طے شدہ ہے کہ معجزہ اور کرامت کا حکم ایک ہی ہے وہ یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل اور وہی ہیں اور وہ نبی اور ولی کا فعل نہیں اور نہ وہ کسی اور اختیار میں مندرجہ بالا حوالوں میں یہی تحقیقت بالکل عیاں کی گئی ہے اگر مولف مذکور کو ان سے تسلی اور اطمینان نہیں تو ہم ان کو ان حوالوں کے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کرتے کہ بجز اللہ تعالیٰ ہم علمی میدان میں بڑے وسیع الصدہیں حق بات کو دلیل اور برہان سے تسلیم کرتے اور کرتے ہیں سینہ زوری سے کام نہیں لیتے ہم ان کی تسلی کے لئے ان اعلیٰ حضرت کا سردست ایک حوالہ عرض کرتے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

عرض کسی کی کرامت کسی بھی ہوتی ہے ؟

ادشاد۔ کرامت سب کی وہی ہوتی ہے اور وہ جو کسب سے حاصل ہو بیان کا ناما ثنا ہے لوگوں کو دھوکہ دینا ہے (ملفوظات حصہ چہارم ص ۱۱۱) یونانیٹینڈا لکھنؤ مولف مذکور ہی انصاف سے فرماتے ہیں کہ ہم کہنا کہ کرامت کو وہی تسلیم کر کے اس کو کرامت تسلیم کریں یا کسی اور اختیار سے تسلیم کر کے اس کو بھان متی کا ناما ثنا نہیں اور کیا (معجزہ کی طرح) کرامت کو وہی تسلیم کر کے تحقیقت پسندی کا ثبوت دیں یا کسی مل کر لوگوں کو دھوکہ دیں؟ آپ نے تو یہ کہا ہے کہ معجزہ کو خدا کا فعل کہنا محض دھوکہ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں؟ اور آپ کے اعلیٰ حضرت یہ فرماتے ہیں کہ کرامت کو کسی کہنا دھوکہ ہے اب فرماتے ہیں کہ دھوکہ باز کون ہے؟ حجاب کی ضرورت نہیں لائق ہے محرم راز ہے فرمائیے بات آپ کی صحیح ہے با آپ کے اعلیٰ حضرت کی کچھ تو لکھائی فرمائیے؟ تیری دعا ہے کہ ہو تیرا آرزو پوری میری دعا ہے تیری آرزو بدل جائے!

۲۔ افعال غیر عادیہ میں بندوں کی طرف نسبت سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ ان کے ہاتھ پر وہ افعال صادر ہوتے ہیں تو اس کا کون منکر ہے؟ اور اگر یہ مراد ہے کہ معجزہ اور کرامت وغیرہ افعال غیر عادیہ میں مخلوق کا دخل ہوتا ہے اور یہ ان کسب و اختیار سے صادر ہوتے ہیں تو باحوالہ گذر چکا ہے کہ یہ نظریہ قطعاً غلط ہے اور جو نہیں مضمون آپ نے اپنے اس غلط دعویٰ کے اثبات پر قرآن کریم سے پیش کئے ہیں ان سے آپ کا مدعی ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

۱۱۔ اس لئے کہ مشہور قول کی بنا پر بلقیس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ان کا وزیر حضرت آصف بن برخیا لایا تھا اور خود مولف مذکور نے ص ۱۱ میں یہ لکھا کہ اس کو تسلیم کیا ہے کہ قول مشہور سے انتہی یہ واقعہ ایک قول کے رو سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ اور دوسرے کے رو سے ان کے مومن صحابی اور وزیر کی کرامت سے اور کرامت درحقیقت نبی کا معجزہ ہوتا ہے جو ان کی پہرہ میں حاصل ہوتی ہے اور پیدل گذر چکا ہے کہ معجزہ اور کرامت نبی اور اختیار سے نہیں ہوتے اس لئے آپ کو مفید ہیں اور

دوم اس لئے کہ خود اس آنے والے فرشتے کی تصریح ہے اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ کہ (اے مریم) میں تو تیرے رب کا فرستادہ۔ سفیر۔ قاصد اور ڈاکا ہوں اور قاصد اور ڈاکا از خود کچھ نہیں دیا کرتا وہی کچھ حوالے کیا کرتا ہے جو اس کو پیچھے سے ملاحظہ ہے اس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا کام صرف اتنا تھا کہ انہوں نے حضرت مریم کو بشارت دی اور بتقییر آپ کے صدر الافاضل کے جبرئیل نے ان کے گہریاں میں یا آستین میں یا دامن میں یا منہ میں دم کیا اور وہ قدرت الہی فی الحال حاملہ ہو گئیں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف اس امر کی نسبت صرف اس معنی میں ہے کہ یہ فعل ان کے ہاتھ پر صادر ہوا جس کو حضرت جبرائیل یا حضرت مریم علیہما السلام کی کرامت سے اگر تعبیر کر دیا جائے تو شاید نامناسب نہ ہوگا لیکن عمل غفل اس کا روانی میں قدرت الہی ہی کا تھا لہذا یہ واقعہ بھی آپ کو سو مند نہیں ہے یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری سنائی تھی چنانچہ ارشاد ہے۔

اذ تالَّتِ الْمَلَائِكَةُ يَمْرُؤَئِكَ اللَّهُ
يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ
الْعِيسَىٰ ابْنُ مَرْيَمَ الْآيَةُ

کہہ کی جس کا نام عیسیٰ بن مریم ہے۔

(پ، ال عمران - ۱۵)

علاوہ انہیں جو کام اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سپرد کئے ہیں وہ ماتحت الاسباب ہیں مافوق الاسباب نہیں چنانچہ آپ کے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں۔

”اللہ اکبر حاکم حقیقی عزوجل الہ پاک ہے اس سے کہ کسی سے توسل کرے، وہی اکیلا حاکم اکیلا خالق اکیلا تدبیر ہے سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اس نے عالم اسباب میں ملائکہ کو تدبیر امور پر مقرر فرمایا ہے قال تعالیٰ قَالُوا كَيْفَ يَبْرُئُ اللَّهُ الْأَشْيَاءَ (احکام شریعت حصہ سوم ص ۱۶)“

الغرض اس واقعہ سے افعال غیر عادیہ اور مافوق الاسباب امور کو مخلوق کی طرف نسبت کر کے ان میں ان کا اختیار ثابت کرنا پھر اس سلسلہ میں ان سے استعانت کا جواز ثابت کرنا جیسا کہ مولف مذکور کا زعم باطل ہے ہرگز ثابت نہیں ہونا اور سووم اس لئے کہ یہ جتنے واقعات مذکور ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں اور پہلے یا حوالہ عرض کیا جا چکا ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اس میں نبی کا کسب اور دخل نہیں ہوتا۔

۳- ان آیات میں افعال کی نسبت مخلوق کی طرف صرف اس لئے کی گئی ہے کہ یہ امور اس کے ہاتھ پر صادر ہوئے ہیں نہ اس لئے کہ ان افعال میں مخلوق کا کوئی کسب اور دخل ہے جیسا کہ مولف مذکور کا زعم باطل ہے رہا ان کا یہ کہنا کہ معجزہ اور کرامت میں کسب نبی اور ولی کا ہوتا ہے اور خلق خدا کی ہوتی ہے اور نیز یہ لکھنا کہ خواں بشر کی قدرت افعال غیر عادیہ میں ہوتی ہے لہذا ان سے استعانت درست ہے قطعاً

باطل اور سر اسر مردود ہے کت آمز بلاشبہ دم کے لئے نبی کا پھونک مارنا اور دعائے لئے ہاتھ اٹھانا اور شفق قمر کے لئے انگلی مبارک کا اشارہ کرنا یہ کسب ہے لیکن معجزہ

ملن امور کا نام نہیں ہے معجزہ دم کے بعد اس کے نتیجہ میں بیمار کو شفا کا حاصل ہو جانا، اور اسی طرح دعا کے بعد کلیف کا رفع ہو جانا اور انگلی مبارک سے اشارہ کرنے کے

بعد چاند کا شفق ہو جانا ہے اور یہ امور کسباً بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیار میں نہ تھے یہ صرف اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں جو آپ کے ہاتھ پر صادر ہوئے

اللہ تعالیٰ مؤلف مذکور کو فہم و بصیرت عطا فرمائے تاکہ وہ بات کو سمجھ سکیں اور غلط بحث کا از تکاب نہ کریں مؤلف مذکور خود بھی دعا کریں کہ وہ حقیقت آشنا ہو جائیں۔

تمری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی !!
مگر سے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے

سرفراز صاحب کی بحث شرک میں پہلی غلطی مؤلف مذکور نے یہ عنوان قائم کر کے آگے جو کچھ لکھا ہے اس کا نہایت اختصار کے ساتھ خلاصہ یہ ہے۔

۱- سرفراز صاحب ماتحت الاسباب اور ظاہری استعانت کے جواز کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ عادتاً یہ بندے کے اختیار میں ہونے ہیں بس و اختیار سے کیا مراد ہے؟ اگر علی وجہ الایجاد ہے تو یہ شرک ہے اور اگر علی وجہ الحکب ہے تو یہ کسب اختیار امور غیر عادیہ میں بھی ہوتا ہے تو پھر ان میں استعانت کیوں شرک اور ناجائز ہے۔

۲- مافوق الاسباب امور میں استعانت کا قرآن کریم سے ثبوت ہے سورہ نمل میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار والوں سے فرمایا تم میں سے

کون بلقیس کا تخت مجھے لا کر دیتا ہے چنانچہ وہ تخت بالاخر لا کر ان کے سامنے رکھ دیا گیا اگر مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت شرک ہے تو کیا اس فتویٰ کی زور براہ راست حضرت سلیمان علیہ السلام پر پڑتی ہے یا نہیں؟ کیا قرون ثلاثہ میں

انبیاء علیہم السلام کو مشرک قرار دیا جاتا تھا؟ (معاذ اللہ تعالیٰ) میں اپنے ہم مسلک علماء سے عرض کرتا ہوں کہ وہ ان لوگوں کے مشرک قرار دینے کے حکم پر مصبر کریں کیونکہ وہ تو

حضرت انبیاء علیہم السلام کو بھی مشرک قرار دینے سے نہیں چوکتے۔ یٰٰشبهہ نہ ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خادم سے یہ کام کیوں لیا؟

اولاً: جواب یہ ہے تاکہ ان کو خدمت کا موقع اور شرف نصرت عطا ہو۔

ثانیاً: جب خدمت کی طاعت اور وسعت اختیار کا یہ عالم ہے تو آفاکی شان کا کیا عالم ہوگا؟

ثالثاً: اس میں اشارہ ہے کہ امور مافوق الاسباب میں استغانت جائز ہے۔
 ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایسا مطالبہ نہ کرتے۔

وابعاً: اس میں اشارہ ہے کہ مافوق الاسباب امور میں تصرف صرف انبیاء کریم

علیہم السلام سے مختص نہیں بلکہ کرم الہی سے یہ تصرفات اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہیں

اس کے بعد انہوں نے شرح عقائد ص ۲۲۶ سے علامہ نسفیؒ اور علامہ غفرانیؒ

کا حوالہ نقل کیا ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات سخی ہیں مثلاً مسافت بعینہ کادمت قبیلہ

میں طے کر لینا اور اصف بن برخیا کا تخت بلقیس کو پک چھپکنے میں لے آنا۔

۳۔ اگر سرفراز صاحب کو یہ شبہ ہو کہ یہ تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا واقعہ

ہے پس ہمارے لئے یہ کیسے حجت ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ

اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر انکار کے کوئی واقعہ بیان فرمائیں تو اس کے

حجت ہونے میں رتی بھر شک نہیں اقرار ص ۱۰۱ میں ہے کہ شراعی سابقہ کو جب

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بغیر انکار کے بیان فرمائیں تو وہ ہمارے لئے حجت ہے جیسا

کہ اِنَّ التَّقْصِیْ بِالْتَّقْصِیْ میں تفصا ص کا حکم۔ جب سرائیلی اولیاء کو مافوق الاسباب امور پر

قدرت ہے تو اس امت کے اولیاء کو یہ اعزاز کیوں حاصل نہیں جب کہ خیر امت کا ناز

اس امت کے سر پر رکھا گیا ہے اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ جب مافوق

الاسباب امور میں استغانت شرک ہے تو انبیاء کرام اس شرک کو کیوں کرتے رہے؟

اللہ تعالیٰ نے بلا انکار اس کا ذکر کیوں کیا؟ اور حضرت سلیمان کی اس استغانت پر

ملاحظہ کیوں نہیں ہوا؟ آپ کا خدا تعالیٰ پر کیا فتویٰ ہے کہ اس نے خالص شرک کی

تائید کی نہ محاذ اللہ تعالیٰ

۴۔ یہ تو مافوق الاسباب امور میں زندوں سے استغانت تھی اب ہم ان سے استغنا و کابوت

پیش کرتے ہیں جن کو سرفراز صاحب زندہ نہیں سمجھنے مشکوٰۃ ص ۵۲۷ میں دارمی کے حوالہ

سے روایت ہے کہ دینہ طیبہ میں سخت فحط پڑ گیا، تو لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے شکایت

کی، آپ نے فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کو دیکھ کر اس کے مقابل آسمان

کی جانب سوراخ کر دو کہ قبر مبارک اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے چنانچہ انہوں نے

ایسا ہی کیا تو خوب بارش ہوئی یہ واقعہ نشر الطیب ص ۳۰۰ میں بھی نقل کیا گیا ہے سوال

یہ ہے کہ لوگ حضرت عائشہؓ کے پاس شکایت لے کر کیوں گئے؟ براہ راست خدا

سے دعا کیوں نہ کی؟ اگر لوگوں نے یہ شرک کر ہی لیا تھا تو حضرت عائشہؓ ان کو نماز

استغنا کا حکم دیتیں جو مردح طریقہ تھا، سرفراز صاحب کے نزدیک اس خود سائنس

شرک کا حکم کیوں دیا؟ اور جن کو حکم دیا تھا وہ صحابہؓ اور تابعینؓ تھے انہوں نے حضرت

عائشہؓ کی اصلاح کیوں نہ کی کیونکہ ام المؤمنینؓ تھے اس امر کو جنہی یا امر مافوق الاسباب

میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر سے استغانت کی ہے اور آپ موزن کو نبیہؓ اور

مافوق الاسباب امور میں استغانت کو شرک کہتے ہیں؟ تو آپ کا ام المؤمنینؓ اور انہوں

قدسیہ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ شامیؒ کی عبارت سے بھی مافوق الاسباب امور میں

استغانت کا حجاز ثابت ہے چنانچہ وہ ص ۱۵۷ میں لکھتے ہیں کہ حضرت معروفؒ نے

عظیم مشائخ میں سے تھے مجاب الدعوات تھے اور ان کی قبر سے بارش طلب کی جاتی تھی

ان کی وفات دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہے بربلو یوں کو قبر پرستی کا طعنہ دینے والے دیدہ

عیرت سے اس عبارت کو پڑھیں اور غور کریں کہ قبر کے نزدیک دعا مانگنے سے بارش کا

حاصل ہو جانا سبب عادی ہے یا غیر عادی اگر سبب عادی ہے تو ہر قبر کے پاس دعا مانگنے سے

بارش نہیں ہوتی اور معروفؒ کی قبر کے پاس دعا مانگنے کی کیا خصوصیت باقی رہی؟ اب

ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اپنی حاجات اور مشکلات میں قبر پر دعا مانگنا اور صاحب

قبر کو وسیلہ بنانا یہ عہد صحابہؓ تابعینؓ اور تابع ابی حنیفہؒ کے معمول ہیں یا چودھویں صدی کی بدعت ہے؟

اگر کوئی چیز بدعت ہے تو مافوق الاسباب کا تخت الاسباب امور میں فریق کرنا ہے اور تصرفات اور انکار

ہونا ہے جب ایسا نہیں ہے تو نہ تو اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام پر کوئی
 قنوی لگتا ہے اور نہ ان پر کوئی زدا آتی ہے اور نہ خیر القرون والوں کو اس سلسلے میں
 کچھ کہنے کی ضرورت تھی خواہ مخواہ خیر القرون مشہور دہا بالآخر کا تذکرہ کر کے اپنے ناخاندہ
 واپروں کو خوش نہ کریں اور نہ عوام کو دھوکہ دیں ہاں اپنے آپ کو اپنی جماعت کے علماء
 کو شکر ترک کرنے کی ضرورت یقین کریں اور مشورہ دیں کیونکہ وہ شکر کے دلدل سے کسی
 طرح نکلنے پر آمادہ نہیں اور نہ اس نونا فوسے کے چکر سے ان کے لئے نکلنا مقدر
 ہے آخر نونوی مانتوی ارشاد خداوندی ہی تو ہے باقی شئیہ کو حل کرنے کے لئے
 مؤلف مذکور نے جو نکات بیان کئے ہیں تو وہ بالکل بے سود ہیں۔

اول اور دوم تو اس لئے کہ ایک تفسیر کی رو سے یہاں خدام سے خدمت لینے
 کی نوبت ہی نہیں آئی اور نہ کرامت میں مخلوق کی قدرت اور وسعت اختیار کا کوئی
 دخل ہونا ہے کما مگر اور

سوم اور چہارم اس لئے کہ نہ تو مافوق الاسباب امور میں مخلوق سے استعانت
 جائز ہے اور نہ یہ امور ان کے بس و اختیار میں ہونے میں مفصل بحث پہلے گذر
 چکی ہے۔ باقی علامہ نسفی اور علامہ نقفانی رحمہ کے حوالے علی الرأس والعین ہمارے
 دعویٰ کے بالکل مطابق ہیں ہم کرامت کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس کے خرق
 عادت ہونے کو بھی۔ مؤلف مذکور نے جو کچھ کہا ہے صرف بے سمجھی میں کہا ہے
 ہماری دعا اور آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ دے مگر

آرزو دنیا میں کس بجلی اولوالابصار کی
 چشم موسیٰ کو بھی حسرت رہ گئی دیدار کی

۳۔ ہم اس بات کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں کہ پہلی شریعتوں کا کوئی حکم اگر قرآن مجید
 اور حدیث شریف میں بلا تکریر بیان کیا گیا ہو تو وہ ہمارے لئے حجت ہے ہذا قسم کا عقیدہ
 احوال فضول بھرتی ہے حوالہ کی دیاں ضرورت ہوتی ہے جہاں کوئی منکر ہو یا ہم اس
 کے صاف منکر ہیں کہ نبی اسرائیل کے اولیاء کو مافوق الاسباب امور پر قدرت تھی اور اس

کے بھی بادلائ منکر ہیں (جن میں سے بعض پہلے گزر چکے ہیں) کہ اس امت کے اولیاء
 کرام کو مافوق الاسباب امور پر قدرت حاصل ہے اس امت موجودہ کے سر پر خیر الامم
 کا تاج اس بے بنیاد وجہ سے نہیں رکھا گیا اس کے وجہ اور میں جن میں ایک نام
 نص قطعی میں منصوص ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جب مافوق الاسباب
 امور میں مخلوق کا سرے سے کوئی دخل ہی نہیں تو ان امور میں ان سے استعانت
 کا کیا معنی؟ اور جب حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کبھی شکر کیا ہی
 نہیں تو سرفراز سے پوچھنے کا کیا مطلب ہے؟ جب حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
 والسلام نے غیر اللہ سے مافوق الاسباب استعانت کی ہی نہیں کیونکہ یہ امور
 مخلوق کے بس و اختیار ہی میں نہیں ہیں کما مگر لہذا ان سے استعانت کا کیا معنی؟
 تو ان پر نونوی لگانے یا اللہ تعالیٰ پر نونوی لگانے کا (معاذ اللہ تعالیٰ) مطالبہ مستلکوں
 یا شعبہ بازوں کی بے نیکی اور بے ربط باتوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

نہیں ہے علم ان میں جن کی مستی کا جھگڑا ہے
 یہ باتیں غیر ثابت ہیں زبردستی کا جھگڑا ہے!

۴۔ مؤلف مذکور نے غم خویشی زندوں سے مافوق الاسباب استعانت تو ثابت کر چکے
 جس کا حشر آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اب تصور پر کا دوسرا رخ وہ یوں اختیار کرنے میں
 اور یوں گویا ہیں کہ اب ہم ان سے استمداد کا ثبوت پیش کرتے ہیں جن کو سرفراز حساب
 زندہ نہیں سمجھتے۔ اس کا جواب ہم اس کے سوا اور کچھ نہیں عرض کرتے کہ لعنة الله
 علی الکاذبین راقم الحروف نے تسکین الصدود میں دلائل قاہرہ سے یہ بات
 ثابت کی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ
 ہیں اور قبر وبرزخ میں سب سے اعلیٰ اور ارفع زندگی ہی ان حضرات کی ہے اور اسی
 طرح شہداء اور مومنین بلکہ کفار اور عصاة بھی درجہ بدرجہ قبروں میں زندہ ہیں لہذا سرفراز
 پر یہ الزام لگانا کہ وہ ان کو زندہ نہیں سمجھتا خالص جھوٹا زائمانہ اور فرض افتراء ہے
 اور اس بات کی بھی راقم الحروف تسکین الصدود میں جو پہلی بار ۱۳۸۱ھ میں طبع ہوئی

ہے اور توضیح البیان کی سن طباعت ۱۳۸۹ھ ہے) باحوالہ تصریح کر چکا ہے کہ مسئلہ توسل
 حق اور صحیح ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس اپنے طلب
 سفارش کو نہ جانا اور درست ہے اور فتاویٰ زینبیدہ وغیرہ کی صریح عبارات اس پر
 پیش کی گئی ہیں اور طبع دوم میں مزید تشریح موجود ہے۔ لہذا دارمی کی روایت کے
 پیش نظر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے توسل جس میں آپ مدفون
 آرام فرما ہیں بالکل بجا ہے البتہ عند القبر بطور دعا اور اس کا رائی کے ذریعہ نزل باران
 کے توسل کو اٹھو کہ نبیہ اور مافوق الاسباب امور سے تعبیر کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے
 کہا ہے نرا جہل مرکب ہے کیونکہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کو خود بھی کسب اور ماتحت
 الاسباب مانتے ہیں کما مژ اور اس کا روائی کی وجہ سے نہ تو حضرت عائشہؓ پر کوئی
 فتویٰ لگتا ہے اور نہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ پر کیونکہ یہ کاروائی غائبانہ تھی بلکہ
 قبر کے پاس ہوتی تھی اور بطور توسل تھی اور فقید متین ص ۳۳ میں کسی زندہ کے بعد اور پاس ہی
 موجود شخص سے ہماری مراد یہی ہے کہ قریب ہو لیجید نہ ہو۔ اسی طرح شامی رح کا حوالہ
 بھی ہرگز ہمارے خلاف نہیں ہے ہاں اس کو مافوق الاسباب کہنا جیسا کہ مؤلف مذکور
 نے کہا ہے علم سے بیخبری پر مبنی ہے کیونکہ حضرت معروفؓ کرخیؓ حجاب الدعوات تھے
 اور ان کی قبر کے پاس ان سے بذریعہ توسل و دعا وہی سے یہ کاروائی ہوتی تھی عند القبر
 حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور عام اموات
 کے سماع میں اختلاف ہے جو حضرات سماع موتی کے قائل ہیں وہ ایسی دعا کے بھی
 قائل ہیں تسکین الصدود میں اس کی باحوالہ بحث موجود ہے۔ اس کو دھینگا مشتقی
 مافوق الاسباب قرار دینا کونسی دیانت ہے؟ اور مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ بریلویوں کو
 قبر پرستی کا طعنہ دینے والے اس عبارت کو لغو پر تھیں لہٰذا سوگذازش ہے کہ ایسی صاف
 عبارت کو لغو پر تھنے کی حاجت ہی نہیں ہے غلو رواں کیا جاتا ہے جو بات منکر ہو
 معاف فرمانا بریلویوں پر جن کے آپ کبیل ہیں اور آپ پر قبر پرستی کا طعنہ بدستور باقی ہے
 وہ اس طرح کتاب خود لکھتے ہیں کہ مافوق الاسباب امور میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام

علیہم السلام کو قدرت و اختیار حاصل ہے اور معجزہ و کرامت ان کے کسی افعال ہیں اور
 قبر کے پاس دعا کو آپ مافوق الاسباب امر کہتے ہیں لہذا آپ اور آپ کے ہم مسلک بریلوی
 حضرات جب قبر سے ایسی کاروائی کریں گے اور کرتے ہیں تو اس میں خدائی اختیار
 مخلوق کے لئے ثابت کرتے اور کریں گے یہی منکر ہے اور قبر پرستی کا طعنہ آپ پر
 بدستور باقی ہے بخلاف اہل حق کے جو سماع موتی کے قائل ہیں وہ عند القبر دعا کو
 ماتحت الاسباب امر سمجھتے ہیں لہذا ان پر کوئی طعنہ نہیں ہو سکتا اور ان کے نزدیک
 عند القبر دعا امر عادی اور ماتحت الاسباب امر ہے حضرت معروفؓ کرخیؓ کی قبر کی
 تخصیص اس لئے ہے کہ وہ حجاب الدعوات بزرگ تھے اور یہ ترجمہ آپ نے خود ثنائی
 کے حوالہ سے نقل کیا ہے کیا یہ وجہ تخصیص کافی نہیں ہے؟ افسوس ہے کہ آپ کو
 اپنے نقل کئے ہوئے حوالوں کی بھی سمجھ نہیں ہے بھلا اللہ تعالیٰ سرفراز کو توجید و منکر اور
 سنت و بدعت میں فرق سمجھنے کی اہلیت ہے اس کو کسی سے پوچھنے کی ضرورت
 ہی نہیں ہے اس نے تسکین الصدود اور سماع الموتی وغیرہ کتابوں میں باحوالہ بحث
 کر ہے کہ عند القبر دعا کرنا اور اس کی مردہ سے التجار کرنا (جو ہماری نسبت نوہ مڑہ
 ہے لیکن قبر اور برزخ میں وہ زندہ ہے) اپنی شرائط کے ساتھ قائلین سماع موتی کے
 نزدیک جائز اور صحیح ہے اور ان کتابوں میں باحوالہ ہم نے خلافت راشدہ کے دور
 سے اس کا اثبات کیا ہے اور جن لوگوں نے اس کو بدعت کہا ہے ان کا خوب رد
 کیا ہے آپ ذرہ اپنے مطالعہ کو وسعت دیں اور راقم کی دیگر ٹھوس اور مدلل اور علمی
 کتابیں بھی ملاحظہ کریں انشاء اللہ العزیز آپ کو ان کتابوں سے بے ہما معلومات
 حاصل ہوں گے باقی مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ مافوق الاسباب و ماتحت الاسباب میں
 فرق کرنا بدعت ہے یہ ان کی خالص جہالت ہے قارئین کرام پہلے باحوالہ پڑھ چکے ہیں
 کہ ماتحت الاسباب امور میں بندے کا کسب ہوتا ہے مگر مافوق الاسباب امور مثلاً
 معجزہ و کرامت وغیرہ میں اس کا کسب نہیں ہوتا اس لئے علمی لحاظ سے اس واضح
 حقیقت میں فرق نہ کرنا بدعت ہے جس کے مرتکب مؤلف مذکور ہیں نیز مؤلف مذکور

کتاب لکھنا کہ تصرفات اولیاء کا انکار کرنا اور کمالات انبیاء سے عناد کرنا بدعت ہے تو یہ ان کی کم علمی بے شعوری اور قلت تدبیر کی واضح دلیل ہے کیونکہ حضرات اولیاء کرام کے لئے مافوق الاسباب تصرفات ہرگز ثابت نہیں اور نہ کرامت وغیرہ ان کے اختیار اور بس اور کسب کی چیز ہے ان کے لئے ایسے تصرفات ثابت کرنا اگر کفر نہیں تو ان کے بدعت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عناد بدعت ہی نہیں خالص کفر ہے مگر بات یہ ہے کہ جس طبقہ کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں اس نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے عناد کسب؟ اور کہاں؟ اور کیسے کیا ہے؟ اس کی نشاندہی کریں، انکا ہم بھی کچھ کہنے کے سخی میں ہوں اپنے اعلمت کی طرح بلاوجہ دھاتی پردھاتی ہرگز نہ دیں ان کی ایسی سب باتیں افتراء اور بے نیک ہیں ہم نے ان کے بعض لاجینی شبہات کا محقول جواب عبارات کا ترجمہ دل میں دیے دیا ہے مزید کی انتظار فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ بلیغیت صاف ہو جائے گی اور کوئی مہلے یعنی کی بھدا اللہ تعالیٰ ہرگز حاجت اور ضرورت پیش نہ آئے گی اسی طرح مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ اسباب شرک میں زمان و مکان کا فرق کرنا اور امکان کذب کا عقیدہ ایجاد کرنا بدعت ہے انشاء اللہ تعالیٰ امکان کذب کی بحث، تو اپنے مقام پر آ رہی ہے اس کے بارے میں وہاں ہی کچھ عرض کیا جائے گا باقی اسباب شرک میں زمان و مکان کا فرق ملحوظ نہ رکھنے سے کیا مراد ہے؟ اگر برہمراہ ہے کہ جیسے فریب سے کسی کو پکارنا جائز ہے اسی طرح بعبید سے بھی پکارنا جائز ہے اور جس طرح فریب سے کوئی سنا ہے اسی طرح دور کے مکان اور بعبید سے بھی کوئی سنا ہے اور جس طرح زمانہ حال کے مشاہدہ کئے ہوئے حالات کو کوئی دیکھتا اور جانتا ہے اسی طرح وہ آئندہ اور ماضی کے مفصل حالات کو بھی جانتا ہے تو یہ خالص شرک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی فریب و بعبید کی پکار کو کیسا نہیں سنا جانتا ہے اور اسی طرح آج اور کل کے حالات کو کیسا اور قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اور نہیں جانتا ہی سمیع و بصیر ہے اور وہی ہر زمانہ کی بات کو جانتا ہے حیرانگی ہے کہ مؤلف مذکور کے ذہن سے وصات کی رچی

فَقَسَّ مَا ذَاكَ كَسِبَ عَدَاؤُكَ لِنَصْرِ قِطْعِي كَيْفَ لَمْ يَكُنْ اَبْرَأَ مِنْ مَكَانِ ان کو ہم توجہ و سنت کی توفیق بخشے۔ علاوہ ان میں اگر شرک کے اسباب میں زمان و مکان کا کوئی فرق نہیں تو مؤلف مذکور ہی بتائیں کہ جس طرح کعبۃ اللہ ایک مکان ہے اور اس کا طواف نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ عبادت ہے کیا اسی طرح روضہ اقدس اور حضرت انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبروں کا طواف بھی جائز ہے؟ لیاب المناسک اور المناسک المتفقہ فی المناسک المتوسطہ ص ۳۲ وغیرہ کتابوں میں تو اس کا روانی کو بدعت اور حرام کہا گیا ہے تو کیا زمان اور مکان کا فرق ہے یا نہیں؟ مستند براہ فریق مخالف علم غیب ذاتی اور عطائی اور قدرت بالا استقلال اور عدم استقلال کا فرق کرتا ہے سوال یہ ہے کہ اس فرق کو اگر کیوں ملحوظ رکھا جاتا ہے محض اس لئے کہ اس سے ان کی گاڑی چلتی ہے؟ اگر شرک کے اسباب میں زمان و مکان کا فرق نہیں تو ذاتی و عطائی اور مستقل وغیر مستقل کا فرق کہاں سے آگیا؟ خلاصہ امر یہ ہے کہ جہاں فرق کو ملحوظ رکھنا ہے وہاں اس کو ضرور ملحوظ رکھا جائے گا۔ غالباً ایسے مرفوع کے لئے کہا گیا ہے کہ ع

گورق مراتب تکنی زندقی

سرفراز صاحب کی شرک کی بحث میں دوسری غلطی یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے جو کچھ اس کے ذیل میں لکھا ہے اس کا نہایت اختصار کے ساتھ تجزیہ یہ ہے۔ سرفراز صاحب نے شرک کی تعریف میں زندہ اور پاس ہی موجود شخص کی دو قیدی لگائی ہیں اور اس کا فائدہ یہ بتایا ہے کہ فاعیلون فی بقوعہ میں وہ امداد نہیں جو شرک کے شیعلی حضرات انبیاء اولیاء اور شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہاں میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ فریب ان سے اس قسم کی استعانت بہ صورت شرک ہے جس کو مٹانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور شریعت حقہ اس کے لئے وقف ہے ظاہری استعانت سے مطلق استعانت یا مافوق الاسباب استعانت کا جواز ثابت کرنا اور عوام اناس کو مغالطہ دینا جیسا کہ

مولوی نعیم الدین صاحب نے کیا ہے اہل علم کی شان نہیں سرفراز صاحب کی اس عبارت میں کئی طرح کی بحث ہے۔

اقل۔ اعینونی سے جو فاس استغانت ثابت ہے اس کے بارے میں کہنا کہ مطلق استغانت ثابت نہیں علمی افلاس کا اظہار ہے کیونکہ مطلق الشئی عتیق بفر دینا۔

دوم: سرفراز صاحب زندہ اور قریب سے ماتحت الاسباب امور میں استغانت کو جائز قرار دیتے ہیں اور میت و بعید اور ما فوق الاسباب امور میں استغانت کو شرک قرار دیتے ہیں سوال یہ ہے کہ ماتحت الاسباب امور میں استغانت مطلقاً جائز ہے۔ یا عدم استقلال کے اعتقاد کی حیثیت سے پہلی تقدیر پر لازم آئے گا کہ ماتحت الاسباب امور میں مستغان کو بالذات سمجھ کر استغانت کرے تو جائز ہے حالانکہ اس کے شرک ہونے میں کسی کو کلام نہیں اور دوسری تقدیر پر ثابت ہوا کہ غیر مستقل سمجھ کر استغانت درست ہے ثابت ہوا کہ جواز عدم جواز کا مدار مستغان کو مستقل بالذات سمجھنے پر ہے نہ کہ امور ماتحت الاسباب پر کیونکہ وہ تو شق اول میں بھی موجود ہے اور شرک سے مفر نہیں پس ثابت ہوا کہ شرک تب ہوگا جب مستغان کو مستقل بالذات سمجھ کر استغانت کی جائے خواہ زندہ ہو یا مردہ قریب ہو یا بعید ماتحت الاسباب میں ہو یا فوق الاسباب میں۔

۲۔ اگر ایسا نہ ہو تو لازم آئے گا کہ زندہ سے استغانت جائز اور مردہ سے شرک قریب سے جائز بعید سے شرک زندہ کو سجدہ کیا جائے تو جائز، مردہ کو کرے تو شرک زندہ کے نام پر جانور ذبح کرے تو جائز، مردہ کے نام پر بڑھو شرک، زندہ کو خدا کہے تو جائز مردہ کو کہے تو ناجائز قریب کو مالک ارض و سما کہے تو جائز بعید کو کہے تو شرک قریب کے لئے نماز پڑھے تو جائز بعید کے لئے شرک لاحول ولا قوتہ الا باللہ ان نادانوں کو آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ شرک کس کو کہتے ہیں اور ان کی خود ساختہ توجید نے ان کو شرک کے دلدل میں پھنسا دیا کلاموں میت اور بعید سے استغانت کو شرک کہہ کر کروڑوں زندہ اور قریب افراد کو خدا کا

شرک بنا دیا۔
۳۔ منتقدین کی تعریف کو کیوں اختیار نہ کیا۔ شرح عقائد نسفی ص ۵۶ میں ہے اشراک مجوس کی طرح کسی کی الوہیت میں معنی دہوب وجود کے شرک کرنا ہے یعنی خدا کو کسی کے سوا اللہ اور واجب الوجود اعتقاد کیا جائے (شباباش مؤلف مذکور آپ نے خوب ترجمہ کیا ہے اور اسی کا نام ہے عربی دانی لاحول ولا قوتہ الا باللہ صدقہ) یا بت پرستوں کی طرح کسی کو مستحق عبادت سمجھا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو امر شرک ہو اس میں زمان و مکان اور افراد کی تخصیص نہیں ہوا کرتی جو شرک ہے وہ ہر شخص کے لئے شرک ہے ہر وقت شرک ہے جیسے سجدہ عبودیت پہلے بھی شرک تھا اب بھی ہے یا جیسے سجدہ زید کو کریں تب شرک ہے علم کو کریں تب شرک ہے پس زندہ سے استغانت، جائز ہونا اور مردہ سے استغانت کا شرک ہونا ایک ایسی مطلق ہے جو کسی دیندار اور ہوشمند کی عقل میں نہیں آئے گی۔

۴۔ سرفراز صاحب نے یہ سبق اکابر دیوبند سے سیکھا ہے اس کے بعد مؤلف نے براہین قاطعہ ص ۵ کی وہ مشورہ عبارت پیش کی جو علم محیط زمین النحر سے شروع ہوئی ہے سوال یہ ہے کہ جب علم محیط زمین غیر خدا کے لئے ثابت کرنا شرک ہے تو حضور علیہ السلام کے لئے ثابت کیا جائے تب بھی شرک ہے یہ کو نسا قاعدہ ہے کہ ابلیس کے لئے جائز ہو اور حضور علیہ السلام کے لئے ناجائز کیا اس زعم فاسد میں ابلیس کو خدا کا شرک ماننا جائز ہے؛ اور حضور علیہ السلام کو ناجائز؛ براہین قاطعہ کے مصنف تو جہاں جانا تھا وہاں پہنچ گئے سرفراز صاحب ہی اپنے تمام اعوان و انصار کو بلا کر یہ پیرانا قرضہ جو نصف صدی سے اعلیٰ حضرت کا تمہارے ذمہ ہے چکاویں اور آج تک ذریت دیوبند اس کا جواب نہ دے سکی۔ ہاتھ اور ہانکوں ان کتہ صدیقین

۵۔ شرک کی تعریف سرفراز صاحب کے معتمد علیہ شاہ ولی اللہ صاحب نے الفوز البکیر میں یہ کی ہے کہ شرک یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی صفات منقسمہ میں سے کوئی صفت اس کے غیر کے لئے ثابت کی جائے اور خاصہ وہ ہوتا ہے جو اس میں پایا جائے اور غیر میں

اعانت کا مولف مذکور ہیں علی افلاس کا طعنہ جیتتے ہیں ہمارا ہمہ دانی کا دعویٰ تو یہ کہ نہیں ہم علی دنیا میں اپنے آپ کو طالب علم ہی تصور کرتے ہیں لیکن الاستغناء المطلقہ اور مطلق الاستغناء کا فرق بھی جھوٹا اللہ تعالیٰ اہم جانتے ہیں اور پہلے اس کی بقدر ضرورت بحث گذر چکی ہے کہ الشئی المطلق کا اور مقام ہوتا ہے اور مطلق الشئی کا اور ہوتا ہے، مولف مذکور خود علی افلاس کا شکار ہیں مگر بلاوجہ وہ طعنہ دوسروں کو دیتے ہیں امید ہے کہ بہاری اس راہنمائی سے وہ طعنہ زنی سے بھی باز آجائیں گے اور ان کی علمی غلطی بھی دور ہو جائے گی یہ الگ بات ہے کہ وہ یہ احسان مانیں یا نہ مانیں۔

جنہیں حقیر سمجھ کر کھج دیا تو نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

دوم: سرفراز زندہ اور قریب سے ماتحت الاسباب امور میں استغانت کو اس لیے جائز قرار دیتا ہے کہ اسلامی اصول اور ضوابط کے لحاظ سے یہ درست ہے بیت سے استغانت میں تفصیل ہے اگر براہ راست اس سے مراد مانگتا ہے تو جائز اور شرک ہے اگر عند القبر اس سے دعا کی التجار کرتا ہے تو سماع موتی کے مجوزین حضرات کے نزدیک یہ کاروائی درست ہے اور اس کی تفصیل سماع الموتی میں کر دی گئی ہے باقی بعید سے استغانت اس لئے حرام اور شرک ہے کہ اس میں پیغمبر اور ولی اور بزرگوں کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور یہ عقیدہ اسلام کی روح کے خلاف ہے چنانچہ فتاویٰ بزازیہ ج ۶ ص ۳۱ اور ذخیر الائق ج ۵ ص ۲۲۷ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

من قال ارواح المشائخ حاضرة فقلہ جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی رو میں حاضر ہیں اور یکفر (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی ج ۱ ص ۳۵) وہ جانتی ہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔

اور مافوق الاسباب امور میں چونکہ بندے کا فعل اور کسب بالکل نہیں ہوتا، اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ معجزہ و کرامت میں فعل صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے اس میں بندے کے کسب کا دخل نہیں ہے اس لئے مافوق الاسباب امور میں بندے کے فعل و کسب کو تسلیم کرنا اگر شرک نہیں تو اور کیا ہے؟ شرک کے سینک تو نہیں ہوتے

کہ وہ اس کی علامت سے پہچانا جا سکے ماتحت الاسباب امور میں استغانت کا مدار بالذات اور عطائی صفت پر نہیں ہے کیونکہ جب ممکن کا وجود ذاتی نہیں تو اس کی کسی صفت کا بالذات ہونا کہاں سے آگیا؛ بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ ان امور میں بندے کا کسب ہوتا ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کسب میں بندہ مستقل اور منفرد نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کی خلق کا محتاج ہوتا ہے اور خلق میں کسی کی احتیاج نہیں ہوتی، تو ماتحت الاسباب امور میں استغانت کے جواز و عدم جواز کا مدار اس پر ہے کہ ان میں بندے کا فعل اور کسب ہوتا ہے لہذا جائز ہے اور مافوق الاسباب امور میں بندے کا کسب نہیں ہوتا، اس لئے ایسے امور میں مخلوق سے استغانت شرک ہے کیونکہ جو فعل اللہ تعالیٰ کا ہے اس میں مخلوق کو ذخیل تصور کر لیا جاتا ہے تو اس میں مدار مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب پر ہے چنانچہ زندہ اور قریب سے (خواہ وہ مردی) کیوں نہ ہو کہ اس سے دعا کی التجار کی جائے استغانت اس کے کسب کی وجہ سے ہے لہذا جائز ہے اور بعید اور مافوق الاسباب میں اس کے کسب کا کوئی دخل نہیں۔ لہذا اس سے استغانت شرک ہے حضرات متعجبین کے بیان کردہ اس واضح فرق کو نظر انداز کرنا کسی بھی دیانتدار کا کام نہیں ہو سکتا۔

۲- مولف مذکور نے اپنے نانواندہ حواریوں کو خوش کرنے کے لئے محس لٹا نالی سے کام لے کر اہل حق پر الزام لگا کر جو یہ کہا ہے کہ زندہ کو سجدہ کیا جائے تو جائز ہے مردہ کو ناجائز اور شرک ہے زندہ کے نام پر جانور ذبح کیا جائے تو جائز ہے مردہ کے لئے ہونو شرک ہے زندہ کو خدا کیے تو جائز ہے مردہ کو کیے تو ناجائز ہے قریب کو مالک ارض و سما کیے تو جائز ہے بعید کو کیے تو شرک ہے زندہ کے لئے نماز پڑھے تو جائز ہے مردہ کے لئے پڑھے تو شرک تو بیچض و جل و تلبیس ہے اس لئے کہ مولف مذکور اصل بات ہی نہیں سمجھے اور نہ انہیں ضد و تعصب و تحزب میں مبتلا رہنے کے ساتھ اس کی توفیق ہی ہو سکتی ہے ہم نے زندہ اور قریب و بعید وغیرہ سے استغانت کا فرق ابھی اوپر عرض کر دیا ہے۔

را سجدہ یعنی تو وہ پہلی شریعتوں

میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جائز تھا ہماری شریعت میں وہ بھی حرام کر دیا گیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۲ وغیرہ) لہذا اب سجدہ تعظیمی مذکور مخلوق میں سے کسی زندہ کے لئے جائز ہے اور مردہ کے لئے، اور سجدہ عبادت تو کسی شریعت میں غیر اللہ کے لئے جائز نہیں رہا، لہذا اس میں زندہ اور مردہ کا فرق کرنا اور دوسروں کو طعن دینا خجست باطن کی نشانی ہے اسی طرح غیر اللہ کے نام پر تقرب و تعظیم کے طور پر جانور ذبح کرنے میں زندہ اور مردہ کا کوئی فرق نہیں وہ بہر کیف ناجائز ہے آخر انہی بات تو مولف مذکور کو معلوم ہی ہوگی کہ حضرات فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی بادشاہ وغیرہ آئے اور اس کی تعظیم و تقرب کے (جیسا کہ آج کل کسی بڑے آدمی کے آنے پر تو نہیں داغی جاتی ہیں اور توپوں کی سلامی دی جاتی ہے) جانور کو بھینٹ پر چڑھایا جائے اور ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہے اگرچہ اس کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا جائے۔ (منقید مینین میں اس کے حوالے کیے گئے ہیں اور مزید بحث اس کتاب میں آگے آ رہی ہے انشاء اللہ نیز مولف مذکور کا یہ کہنا کہ زندہ کو خدا کیے تو جائز اور مردہ کو کہے تو ناجائز یہ بھی ایک بڑا جمل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی واجب الوجود اور حی القیوم ہے اسی کو خدا کیوں نہ کہا جائے؟ اس کے مقابلہ میں باقی سب مخلوق ہے اور فانی ہے کوئی فی الحال اور کوئی بالماں اس کو کبیر نکر خدا نہ پایا جائے: باقی مخلوق میں سے کس کو کشتی سلمان نے خدا کہا ہے؟ اور اس کی کسی بات سے یہ بڑا غلط نام آتا ہے؟ اپنی تم فہمی کو اور نانس زیباس کو کسی کے گلے مڑھ دینا کہاں کا انصاف و دیانت ہے؟ اسی طرح ﷺ ملکہ السلوٰۃ الارض صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے، لہذا یہ صفت اس کے بغیر نہ تو کسی زندہ میں متحقق ہو سکتی ہے اور مردہ میں اس لئے یہاں قریب بعید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اسی طرح نماز ایک عبادت ہے، اور اللہ تعالیٰ کے بغیر عبادت ہی کے لئے جائز نہیں ہے قل ان صلواتی اللہ علیہ اس کی رافع دلیل ہے الغرض ان مخالفت کا نام دلیل و برہان نہیں اور زبان سے کسی کو شبہ ہونا ہے اور نہ کسی کو اطمینان دے سکتی ہے ایسے اوام سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

یارب مجھے محفوظ رکھ اس مبت کے تتم سے میں اس کی عنایت کا طلبگار نہیں ہوں

بے شک شرک بہر وقت شرک ہے لیکن اس کو سمجھنے کی بھی ضرورت ہے خانہ ساز اور اخراجی طریقوں سے وہ نہیں سمجھا جا سکتا اور نہ شیطانی ذہن استعمال کر کے اس کی سمجھ سکتی ہے اس کے سمجھنے کے لئے نیک نیتی اور نصوص قطعیہ کی طرف مراجعت شرط ہے۔ اور ان صفات سے مولف مذکور اور ان کے مہنوا بالکل محروم ہیں اور قارئین کو اس کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

۴۔ بحمد اللہ تعالیٰ براہین قاطعہ کی عبارت کی تشریح ہم نے عبارات اکابر حصہ اول میں کر دی ہے اور آپ کے اعلیٰ حضرت کے قائم کردہ اغراضات کا خوب خوب جائزہ لیا ہے۔ دھیان میں مارنے کی ضرورت نہیں آپ اس کی طرف مراجعت کریں اور دیکھیں کہ کس طرح بفضلہ تعالیٰ تنہا اس راقم انجمن نے ہی اس شیطانی اور ابلیسی اغراض کی دھیماں فضا سے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دی ہیں اور اس بے جان اور لاجبی اغراض کو حل کرنے کے لئے کسی اور دیوبندی کو تکلیف دینے کی ہرگز کوئی حاجت ہی نہیں ہے اور علی سطح پر بقدر ضرورت ہمارے متغذد اکابر اس کے جوابات پہلے سے بھی چکے ہیں اور اہل علم پر مخفی نہیں ہے اگر آپ حضرات میں سے کسی نے کچھ کہا تو انشاء اللہ تعالیٰ پھر دیکھا جائے گا۔

نہ چھپرہ و ہم کو آسے زہرہ جینو سرا پا در د سے معمور ہیں ہم

۵۔ مولف مذکور نے انتہائی جمل کے ساتھ الفوز الکبیر کی عبارت کا صرف ابتدائی حصہ ہی نقل کیا ہے ان کا فریبہ تھا کہ پوری عبارت یا کم از کم اس کا سرسری مفہوم ہی نقل کر دینے حالانکہ ہم نے منقید مینین ص ۲۹ تا ۴۱ میں مکمل عبارت نقل کی ہے جس سے حقیقت شرک آفتاب نیم روز کی طرح بالکل عیاں ہو جاتی ہے اسی طرح مولف مذکور وہ سب حوالے شہیر ما در سمجھ کر ہڑپ کر گئے ہیں جو ہم نے تفہیمات الہیہ۔ حجتہ اللہ البالغہ اور بدو بارغہ فتاویٰ شاہ ربیع الدین صاحب اور ارشاد الطاہرین وغیرہ سے منقید مینین میں عرض کئے ہیں کیونکہ ان کا حوالہ دینے سے مولف مذکور کی سب ترک ختم ہو جاتی ہے اور عوام کو مغالطہ دینے کی سب راہیں بالکل مسدود ہو جاتی ہیں اور فوز الکبیر کے حوالہ سے جو

آدھوری عبارت انہوں نے نقل کی ہے وہ بھی خیر سے ان کے خلاف جاتی ہے اس طرح کہ شرک کا مطلب اس عبارت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے کوئی صفت غیر اللہ کے لئے ثابت کی جائے اور خاصہ یہ ہونا ہے کہ ایک چیز میں پایا جائے اور غیر میں نہ پایا جائے پہلے باحوالہ یہ بات عرض کر دی گئی ہے کہ مولف مذکور یہ کہتے ہیں کہ اور جس طرح عوام بشر کی قدرت اختیار میں افعال عادی ہوتے ہیں اسی طرح خواص بشر اور اولیاء اللہ کی قدرت میں افعال غیر عادی ہوتے ہیں (ص ۱۷) اور نیز وہ مخالفین کا مسلک نقل کرتے ہوتے لکھتے ہیں یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ تو نبی کا معجزہ ہے اور معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے یہ محض دھوکہ دہی کے سوا کچھ نہیں (ص ۱۸) اور ہم پہلے باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ حضرات مشکلیں فرماتے ہیں کہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اس میں بندے کا کسب نہیں ہونا مگر مولف مذکور اللہ تعالیٰ کے اس فعل اور خاصہ کو خواص بشر اور اولیاء کے لئے بھی تسلیم کرتے ہیں اور جوش میں آکر ص ۱۷ میں لکھتے ہیں اور ثابت ہو کہ مافوق الاسباب امور میں بھی غیر اللہ سے استغانت جائز ہے۔ اور ص ۲۲ میں لکھتے ہیں اور انبیا و اولیاء کے افعال میں کسب کا تعلق امور غیر عادی سے بھی ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو فعل صرف اللہ تعالیٰ کا ہے تو یہ اس کا خاص فعل غیر اللہ میں کیسے آگیا؟ اور کیا یہ شرک نہیں ہے؟ اور ہم نے تنقید متین ص ۲۳ میں حضرت شاہ عبد القادر صاحب کا حوالہ بھی دیا تھا جس کو مولف مذکور سیون اپ کی توبل سمجھ کر پی گئے ہیں جس میں یہ بھی تھا کہ شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے الی قولہ اور اس کو مختار جان کر اس سے حاجت طلب کرے۔

القرض ان سب حوالوں کو مولف مذکور غلط غلط کر کے پی گئے ہیں اور ذکر تک نہیں کیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ختم اور گیارہویں شریف کے لئید کھانے اور لاہور کی سنہری منڈی کے رنگارنگ اور گونا گوں پھل کھا کھا کر ان کا معدہ اتنا وسیع اور توی ہو گیا ہے کہ دکھا لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی مگر ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ

۷۵
 علمی میدان میں ان کو اس طرح غلط نتیجے نکالنے کے لئے کوئی نہیں چھوڑے گا ان کو سب حساب لے باق کرنا پڑے گا سہ
 ناقص مقدموں سے نکلیں گے جو نتیجے !!
 ان پر وثوق صحت لے محترم کہاں تک

ہم نے پہلے مردہ سے استغانت کی بقدر ضرورت تفصیل عرض کر دی ہے اور اسی طرح بعید سے بھی۔ بے شک خدا تعالیٰ زندہ اور حی و قیوم ہے وہ مردہ نہیں اور نہ اس پر موت آسکتی ہے اور نہ وہ بعید ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے بعض کو آپ غیر اللہ کے لئے تسلیم کرتے ہیں اور یہی شرک ہے اصولی طور پر شرک کی تعریف میں شرح عقائد اور الفوز البکیر میں جو کچھ کہا گیا ہے علی الرأس والعبین وہ بالکل صحیح ہے بنیادی لحاظ سے مدار شرک یہی چیزیں ہیں لیکن صفات مختصہ میں صرف علم ذاتی ایجاد اور قدرت ذاتیہ ہی نہیں بلکہ ہر ہر چیز کا جانا اور معجزہ و کرامت کا صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہونا اور مافوق الاسباب امور اور امور غیر عادی میں صرف اسی کی قدرت کا ہونا وغیرہ وغیرہ بھی اس کی صفات میں داخل ہے اور ان امور کو آپ خواص بشر اور اولیاء کے لئے ثابت کر کے خالص شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں، یہی وہ علمی نکات ہیں جن تک آپ کی نابالغ نگاہ نہیں پہنچ سکی اور آپ سے اس کی کوئی توقع بھی نہیں ہے۔

علم دین مفقود ہے گم ہے صراط مستقیم
 خضر راہ بنتا ہے ہر غول بیاباں ان دنوں

واجب الوجود | مولف مذکور لکھتے ہیں کہ سرفراز صاحب نے اپنی بے علمی سے یہ دعویٰ کیا کہ دنیا میں آج تک کسی نے خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود نہیں مانا حالانکہ ہم اسی شرح عقائد سے نقل کر چکے ہیں الا شراک الہ الی قولہ اس عبارت کا صریح منطوق یہ ہے کہ جو جس دو واجب الوجود مانتے تھے الی قولہ ان کے علاوہ کو اکب پرستوں کی ایک جماعت بھی کو اکب کے واجب الوجود ہونے کا اعتقاد رکھتی تھی دیکھئے تفسیر کبیر الہ (توضیح البیان ص ۱۷)

الجواب: اجمالاً جواب کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے کہ ہم نے مشرکین کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ دو واجب الوجود تسلیم نہیں کرتے صرف ایک ہی مانتے ہیں مجوس اور کھنڈ پرستوں کے بارے میں ہم نے ایسا نہیں کہا مگر ہم قدرے تفصیل سے بات عرض کرتے ہیں تاکہ معاملہ بالکل عیاں ہو جائے۔ یہود نصاریٰ صابین اور مجوس وغیرہ اگرچہ الکھنڈ سے واحدات کے ناعدہ کے مطابق سب کافر و مشرک ہیں لیکن یہ فرقے باوجود مشرک ہونے کے مشرکین سے الگ گروہ تصور ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا أُولَئِكَ أَشْرَكَوا (پہل، الحج ۲)

میشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی ہیں اور نصرانی ہیں اور مجوسی ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حرف نادر کے ساتھ جو مغایرت کے لئے آتا ہے یہود اور نصاریٰ اور صابین اور مجوس کو مشرکوں سے الگ فرتے بیان فرمایا ہے اگرچہ ہر مشرک سب میں کم و بیش شرک قطعاً پایا جاتا ہے لیکن ان فرقوں کو الگ الگ بیان فرمایا ہے وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا سے مشرکوں کو جدا بیان کیا ہے اسی طرح نصاریٰ کی تثنیث اور انائم تلامش کی رٹ ایک واضح حقیقت ہے اور اللہ تعالیٰ نے وَلَا تَقْفُوا مَا تَلَافَتْهُمُ اس کے رو کیا ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

إِتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُءُفَاءَهُمْ أَنبَاءاً مِّنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَّكُلِّ إِلَهٍ لَّهُ سُبْحَةٌ عَسَىٰ يُفْشِرُ كُونِي (پہل - التوبة، ۳۱، آیت ۳۱)

بنایا انہوں نے اپنے محبوبوں اور اپنے پیروں کو رب اللہ تعالیٰ کے ورے اور مسیح بن مریم کو بھی اور ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا مگر صرف اس کے لئے کہ ایک ہی معبود کی عبادت کریں اس کے بغیر کوئی اور نہیں ہے پاک ہے اس سے جس کو انہوں نے شریک بنایا۔

اس آیت کریمہ سے صراحتاً ثابت ہوا کہ یہود اور نصاریٰ (اگرچہ ان کا اصل دین خنی تھا) پر مبنی تھا مگر بعد کوا انہوں نے شرک کیا اور فیشر کون کا جملہ اس کی واضح دلیل ہے لیکن ان

کہ یہود و نصاریٰ بعد کو شرک کے مرتکب ہوئے وہ فرقہ اور بعض احکام کے لحاظ سے مشرکین سے الگ تصور ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ اپنی شرائط کے ساتھ مسلمانوں کے لئے ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح سہا تہ ہے حالانکہ ارشاد خداوندی ہے۔ وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوْا وہ ایمان نہ لائیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب (المتوفى سنة ۱۲۳۰ھ) اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں باقی یہود و نصاریٰ کی عورت سے نکاح درست ہے ان کو مشرک نہیں فرمایا بلکہ فرمایا (الفرقان ص ۵۶) یعنی نکاح (اور ذبیحہ) کے لحاظ سے اور فرقہ کے بعد ہونے کے لحاظ سے وہ مشرکوں سے الگ اور جدا ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بدر بار ترمذی ص ۱۲

میں (جن کا حوالہ ہم نے تنقید متین میں دیا ہے مگر مؤلف مذکور اس کو ہی گئے ہیں) یہود اور نصاریٰ کو مشرکین سے الگ فرقہ بیان کرتے ہوئے ان کا شرکیہ عقیدہ بیان کرنے میں اس تفصیل کے پیش نظر ہم نے تنقید متین ص ۳۶ میں یہ لکھا تھا کہ کیونکہ دنیا میں کسی مشرک نے غیر اللہ کو حقیقی متناں کبھی نہیں سمجھا یا اس طور کہ اس کو واجب الوجود تسلیم کیا ہے بلکہ بات صرف مشرکین کے بارے میں ہو رہی ہے اور تنقید متین ص ۳۶ میں یہ الفاظ لکھی ہیں کہ اور یہی مشرکین مکہ کا شرک تھا الخ مگر مؤلف مذکور نے علمی طور پر شناخت کرتے ہوئے ہماری عبارت اور مراد کو بالکل منہ کر کے یہ لکھا کہ اسے کہ سرفراز صاحب نے اپنی بے علمی سے یہ دعویٰ کیا کہ دنیا میں آج تک کسی نے خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود نہیں مانا الخ حیرت ہے کہ مؤلف مذکور میں علمی اصطلاحات سمجھنے کی خود اہلیت نہیں مگر وہ بے علمی کا لحظہ دوسروں کو دے رہے ہیں ہمیں تو اپنی بے علمی کا کھلے لفظوں اقرار ہے لیکن ہم مؤلف مذکور کے ممنون احسان ہوں گے کہ وہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب برہنہ الیاسی آواز کئے جا میں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ

دیں جا یا بدانت کہ بیچ کس در عالم اس جگہ جانا چاہیے کہ کوئی شخص جہان میں نیست کہ برائے خدا شرکے درو جو بے جو ایسا نہیں کہ وہ وجوب الوجود اور علم اور قدرت

و علم و قدرت و حکمت اعتقاد و کدما فرمائے اور حکمت میں خدا تعالیٰ کا شریک اعتقاد کر کے بسیار در چیز مانے دیگر از راه غفلت برآو تعالیٰ شرکاء مقرر کردہ اندالغ (تفسیر عزیزی پارہ ۱ ص ۱۱۱)

راقم انجم نے تو صرف مشرکوں کے بارے میں کہا تھا کہ ان میں کوئی بھی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے بغیر دنیا میں کسی کو واجب الوجود تسلیم کرنا ہو۔ راقم کی مراد صرف اصطلاحی مشرک ہیں نہ کہ لغوی ہم نے اس کا انکار نہیں کیا کہ نصاریٰ تین نہیں مانتے اور نہ اس کا انکار کیا ہے کہ مجوسی دو واجب الوجود نہیں مانتے اور نہ صابین اور کواکب پرستوں کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ متعدد الہ نہیں مانتے اپنی جگہ پر سب مشرک ہیں لیکن قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق یہود و نصاریٰ اور مجوس و صابین مشرکین سے جدا اور الگ الگ فرقے ہیں مگر حضرت شاہ عبدالغفریز صاحبؒ تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی شخص واجب الوجود کے طور پر اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں مانتا مؤلف مذکورہ یہ بتائیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے بدن میں بھی بے علی کا نیزہ پیوست ہوگا یا اس کا رخ صرف ہماری طرف ہی ہے غرضیکہ مؤلف مذکور کی جس خام منطق سے ہم بے علم قرار پاتے ہیں بعینہ اسی سے حضرت شاہ عبدالغفریز صاحبؒ بھی گھائل ہوتے نظر آتے ہیں خدا کرے کہ مؤلف کو اپنی منطق کی ناکامی کو سمجھ لیں۔

مفتوح ہو کے مچھول گئے شیخ اپنی بحث منطق شہید ہو گئی میدان جنگ میں

امام رازیؒ | امام رازی نے اگرچہ بعض مجوس کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ دو واجب الوجود مانتے ہیں لیکن مشرکین کے بارے میں وہ یہی فرماتے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو واجب الوجود مانتے والا ابھی تک نہیں پایا گیا چنانچہ وہ اس مسئلہ پر مبسوط بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

اعلم انه ليس في العالم احد يثبت لله تو جان لے کہ جان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ

شريكاً يادويه في الوجود والقدره والعلو والمحكمة وهذا عالم يوجد الى الان لكن الشوثية يثبتون الهين احدها حلیم يفعل الخير والثاني سفيه يفعل الشر و اما اتخاذا معبود سوى الله تعالى فغنى الذاهبين الى ذلك كثرة الفریق الاول عبدة الكواكب وهو الصابئنه فانه يقولون ان الله تعالى خلق هذه الكواكب وهذه الكواكب هي المديرات لهذا العالم قالوا فيجب علينا ان نعبد الكواكب و الكواكب تعبد الله تعالى اه (تفسیر کبیر ۲ ص ۱۱۱)

کے لئے ایسا شریک ثابت کرنا ہو جو وجود قدرت علم اور حکمت میں اس کے مساوی ہو ایسا شخص آج تک نہیں پایا گیا بل شوثیہ (یعنی مجوسی) دوالہ ثابت کرتے ہیں ایک حلیم جو خیر کرتا ہے اور دوسرا بے وقوف جو شر کرتا ہے، باقی رہے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو موجود بنانے والے تو اس طرف جانے والوں کی کثرت ہے پہلا گروہ کواکب پرستوں کا ہے جو صابین کہلاتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو پیدا کیا ہے اور یہی ستارے اس جہان کے مدبر ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم ستاروں کی پرستش کریں اور ستارے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

امام رازیؒ کی اس عبادت سے معلوم ہوا کہ کواکب پرست ستاروں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق تسلیم کرتے ہیں واجب الوجود رازی اور قدیم نہیں مانتے اور ان کی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالغفریز صاحبؒ کو کواکب پرستوں کا اعتقاد یہ بخیر فرماتے ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ ہر چند وجوب الوجود اور علم اور قدرت اور حکمت خاص خدا کے واسطے ہے لیکن اُس نے جہان کے کارخانوں کو آسمان کے ستاروں کو سے رکھا ہے اور تدبیر خیر اور شر کی انہیں کے حوالہ کی ہے الخ (تفسیر عزیزی سورہ بقرہ مترجم اردو ص ۸۵ و فارسی ص ۱۲۶) نیز امام رازیؒ یہ بخیر کرتے ہیں کہ مجوسی دوالہ تسلیم کرتے ہیں ایک خالق خیر جس کو بزدان کہتے ہیں اور دوسرا خالق شر جس کو اہرن کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اہرن وہی ہے جس کو ہم اپنی شریعت میں ابلیس کہتے ہیں (تفسیر کبیر ۲ ص ۱۱۱)

شرح موافق ص ۵۸۱ میں ہے کہ اہرن سے وہ شیطان مراد لیتے ہیں اور اس امر کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

ثُمَّ اخْتَلَفُوا قَالًا كَثِيرًا مِّنْهُوَ عَلَىٰ أَن
 أَهْرَمَن مَّحْدَثٌ وَلَهُ فِي كَيْفِيَّةِ حَدِيثِهِ
 أَقْوَالٌ عَجِيبَةٌ وَأَقْوَالٌ مِّنْهُمْ قَالُوا
 أَنَّهُ قَدِيمٌ أَذَىٰ لَهُ (تفسیر کبیر ج ۱۳ ص ۱۱۳)

پھر انہوں نے آپس میں اختلاف کیا ہے ان میں اکثر
 کہتے ہیں کہ اہرن محدث (یعنی حادث) ہے اور اس
 کے حدوث کی کیفیت میں ان کے عجیب اقوال
 ہیں اور ان میں ٹھوڑے یہ کہتے ہیں کہ وہ قدیم
 اذلی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سب مجوسی اہرن کر اذلی تہیم اور واجب الوجود تسلیم نہیں کرتے
 بلکہ ان میں اس پر تفریق رکھتے ہیں اور ان کی اکثریت اس کو محدث مانتی ہے ع
 زبان خلق کو نفا رہ ندا سمجھو

شرح عقائد میں الاشرکۃ النثر سے جو شرک کی دو قسمیں بیان کی ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز
 نہیں کہ شرک صرف ان دو صورتوں میں منحصر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ شرک کی دو عام صورتیں ہیں
 جو اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہیں نہ یہ کہ شرک ان ہی میں بند ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے -
 وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لِرَبِّهِ لَكَاؤِبٌ حَمِيمٌ اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں
 وَإِنِ اطَّعْتَهُ وَهُوَ آتَاكَ كُومًا مَّشْرُومًا
 میں ڈالنے میں کہ تم سے جھگڑیں اور اگر تم ان کا کلمہ
 مانو تو اس وقت تم مشرک ہو

(پ - الانعام)
 حالانکہ شیطان کی اطاعت شرح عقائد میں شرک کی بیان کردہ دونوں صورتوں میں
 سے کوئی نہیں مگر ہے شرک حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفصیل انواع شرک کا عنوان قائم
 کر کے شرک کی مزید قسمیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں اور شرک کرنے والے
 سوائے عبادت کے اور چیزوں میں پس وہ لوگ بہت ہیں بعضے ان سے وہ ہیں کہ ذکر
 کرنے میں اور دلوں کو خدا کے ساتھ برابر کرتے ہیں اور نام دوسروں کا مانند نام خدا کے
 تقرب کی راہ سے ذکر کرتے ہیں اور بعضے ان سے وہ لوگ ہیں کہ ذبح اور نذر اور قربانیوں
 میں خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور بعضے ان سے وہ آدمی ہیں کہ نلم کھتے

میں بندہ فلاں اور عبدالفلان کہتے ہیں اور یہ شرک فی التسمیہ ہے (جیسے عبدالمصطفیٰ اور
 عبدالرسول اور عبدالغنی وغیرہ) اور بعضے ان سے وہ لوگ ہیں کہ واسطے دفع
 بلاؤں کے دوسروں کو بلاتے ہیں (جیسے یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اور اہل
 کن اندر کن از بند غم آزار کن یا شیخ عبدالقادر وغیرہ) بعضے ہی واسطے حاصل کرنے
 منافع کے دوسروں کی طرف رجوع کرتے ہیں مستقل سمجھ کر نہ اس طرح سے کہ توسل ان دروس
 سے کریں کہ یہ شرک نہیں اور بعضے ان سے وہ آدمی ہیں کہ نام دوسرے کو خدا کے نام
 کے ساتھ بیچ مقام علم اور قدرت کے برابر کرتے ہیں چنانچہ نسائی اور ابن ماجہ نے
 ابن عباس رضی سے روایت کی ہے کہ ایک دن ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وسلم کو کہا -

یعنی جو چیز خدا نے جاہی اور رقم چاہی ہو ہاں سے گی۔
 مَا شَاءَ اللَّهُ وَشِئْتُمْ
 آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا -
 جَعَلْتَنِي اللَّهُ تَدَابُلًا مَّا شَاءَ اللَّهُ
 یعنی مفر کیا تو نے مجھ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بلکہ
 نداہی کی مشیت سے ہر چیز ہوتی ہے اللہ

وحدہ
 (تفسیر عزیزی مترجم اردو ص ۱۸۱ سورۃ بقرہ تحت قولہ تعالیٰ فَاذْقِعْلُوا لِلَّهِ اِنْدَادًا و
 تفسیر عزیزی فارسی ص ۱۲۸ طبع لاہور) ہم نے قطع مسافت کے طور پر صرف اردو ترجمہ
 پر اکتفا کی ہے اس عبارت سے قبل حضرت شاہ صاحب نے انواع شرک میں بتلا
 قوموں میں پانچ قوموں کی قدرے تفصیل کے ساتھ نشانہ دی کی ہے پہلا گروہ تنویہ یعنی
 مجوسیوں کا، دوسرا عسائین کا، تیسرا منود کا، چوتھا پیر پستوں کا اور پانچواں جافقار جمال کا
 ان کی تفصیل کے بعد پھر مذکورہ بیان ارشاد فرمایا ہے غرضیکہ شرک ان ہی دو قسموں میں بند
 نہیں ہے جن کا ذکر شرح عقائد میں ہوا شرک کی بے شمار اور لا اعداد قسمیں ہیں جن میں سے
 بعض وہ ہیں جن کا ذکر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے کیا ہے مناسب معلوم ہوتا
 ہے کہ ہم یہاں شرک کی ایک اور قسم بھی عرض کر دیں تاکہ مولف مذکور کی آنکھیں کھل
 جائیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَنْصُرُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شَفَعَاءُنَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَئِنْ كُنَّا مِنْ عِنْدَ اللَّهِ لَلْأُولَىٰ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ (پل یونس ع)

۸۲ اور یہ سنش کرنے میں اللہ کے سوا اس چیز کی شرفیساں پہنچا سکے ان کو نہ نفع اور نہ نقصان تو ہمارے سناشی ہیں اللہ کے پاس تو اللہ کو بتلاتے ہو جو اس کو معلوم نہیں آسمانوں اور زمین میں وہ پاک ہے اور برتر ہے اس جس کو شرک کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ مشرک غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں (مثلاً ان کو سجدہ کرنا ان کے نام پر جانوروں کو ذبح کرنا ان کا طواف کرنا، ان کے نام کی نذر و نیاز دینا وغیرہ) لیکن اس کی پوجا اور پرستش کی اصل علت لحد اور سبب ان کا باطل نظریہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے لئے سفارش کرنے ہیں (اور سفارش سے ما فوق الاسباب سفارش مراد ہے کہ دروازے سے غائبین کو پکارا جائے اور سفارش بنایا جائے کیونکہ اس طرح کرنے سے اس کے لئے علم غیب اور حاضر و ناظر کی صفت مانتی پڑے گی اور یہ خالص شرک ہے یہی علم اسباب کی بالمشافہ ایک دوسرے کے لئے سفارش تو وہ محل نزاع نہیں ہے اس لئے کہ اس کا قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثبوت ہے۔ مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَلَسَةً يَكُنْ لَهُ ذَوْبٌ مِنْهَا وَإِنْ شَفَعْنَا فَلْتَجْرُوا بِمَنَادِيهِمْ ۚ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ

اب اس پر غور کرنا ہے کہ مشرک کن کن لوگوں کو ما فوق الاسباب سفارشات کی اپنا سفارشی بناتے ہیں حتیٰ سادہ تم کے اوکئی جیلہ جو لوگ صرف اصنام و اوثان کا ذکر کے اصل بات سے پہلو تہی کرتے ہیں تاکہ ان کے لئے شرک کا چور دروازہ کھلا ہے ہم امام رازحی سے اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک عبارت نقل کرتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں اور اوثان انھو وضعوا ہذا الاصنام والاولئان علیٰ صورا نبیلا ہمو کا برہم ان میں چوتھی صورت یہ ہے کہ لوگوں نے اصنام اور اوثان اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور انہو

۸۳ ذرعو انھم صلیٰ انتخلوا بعبادۃ قلنا التماثل فان اولئک الاکابر تکون شفعا ہمو عند اللہ تعالیٰ ونظیرہ فی ہذا الزمان انتتعال کثیر من المخلق بتعظیم قبورہا کا بر علی اعتقاد ہمو اذا عظمو قبورہم فانھو یکونون شفعا لہو عند اللہ تعالیٰ اھ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۱۱)

۸۳ کی صورتوں پر بناتے ہیں اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ وہ جب ان آساویر کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو وہ اکابر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی سفارش کریں گے اور اس زمانہ میں اس کی نظیر یہ ہے کہ بہت سے لوگ اکابر کی قبور کی تعظیم میں مشغول ہیں اس اعتقاد سے کہ جب وہ اکابر کی قبروں کی تعظیم کریں گے تو وہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں گے۔

اس سے مسلم ہو کہ مشرکین کے اس گروہ کا مقصد صرف نبیوں اور قبروں کی تعظیم نہیں بلکہ ان حضرات سے امید اللہ کرنا ہے جن کی صورت پر تبت ہیں اور جو اپنی نبوی میں آرام فرما ہیں۔ اس عبارت میں انبیاء اور اکابر کا جملہ خصوصیت سے قابل توجہ ہے مولف مذکور ہی بتائیں کہ کیا جاہل قبور پرستوں اور پرستوں کی اکثریت اس دھندے میں مبتلا نہیں ہے؟ اور کیا دروازے کے سفر اختیار کر کے ان کی اکثریت میلوں اور رسول کی شکل میں حضرات اولیاء کرام کی قبور پر حاضر نہیں ہوتی؟ اور کیا وہاں سجدے، طواف اور نذرین اور چڑھائے نہیں پڑھتی؟ بتلایئے گی کس چیز ہے آخر مشرکین کو بھی تو اپنے معبودوں کے بارے میں یہی کہتے تھے مَا عَبَدُہُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰہِ ذٰلِیٰ الَّذِیْ ہُمْ اِلَیْہِ مُسَلِّمُونَ (جس میں سجدہ، طواف، نذر منت ان کے نام پر جانور ذبح کرنا اور ان کے ناموں کی تعظیم اٹھانا وغیرہ افعال شامل ہیں) نہیں کرتے مگر صرف اس لئے کہ یہ ہیں خدا تعالیٰ کے قریب کرنے ہیں اور یہ تقرب ان کے زعم سے ہوا لَآءِ شَفَعَاءُ عِنْدَ اللّٰہِ کِیٰ مَدِیْنِیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ کِیٰ مَدِیْنِیْنَ

سوال یہ ہے کہ اگر مشرکین کا یہ عقیدہ ہوتا کہ یہی اکابر سب کچھ دینے والے ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنانے کا کیا مطلب ہے یہ یاد رہے کہ اس کا مصداق صرف بت ہی نہیں جیسا کہ مولف مذکور نے اپنے پیشرو بڑوں کی طرح یہاں بھی مخالفہ دیا ہے اس

میں اللہ تعالیٰ کے بغیر سب معبود داخل ہیں جن میں انسان فرشتے، جن بلکہ حضرات انبیاء اور
الصلوة والسلام وغیر ہم سبھی داخل ہیں جیسا کہ تفسیر کبیر کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے۔
اس سلسلہ کی مکمل بحث گذشتہ توجید میں ملاحظہ کریں۔

الغرض مشرکین اس لئے ان کی عبادت کرتے تھے کہ یہ ان کے سفارشی اور
بزرگ خویش وہ ان میں ایسی صفات تسلیم کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی میں نہیں
جاسکتیں مثلاً علم غیب۔ حافظہ ناظر اختیار کل اور تصرف فی الامور وغیرہ اور یہی مشرک
جڑیں ہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

خدا کے واسطے یاد خدا کر لے اکبر بتوں کے عشق میں جاں اپنی کیوں گنوا لے
۷ ہم نے تنقید متین میں مؤلف مذکور کے صدر الافاضل کے متضاد حوالے دئے
ان کے ذہن کی عدم صفائی اور ناہمواری کا تذکرہ کیا تھا کاش کہ مؤلف مذکور ان
حوالوں کا ذکر بھی کر دیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا، تاکہ قارئین کرام خود اندازہ لگالیتے لیکن وہ
محض تعصب مجبور اور تحریب میں مبتلا ہو کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے
بلا سوچے سمجھے نری لغاطی سے انتقامی کاروائی کرتے ہوئے راقم سے بر لے
رہیں اور عطائی اختیارات اور زندہ و مردہ اور قریبے بعید کے الفاظ کے چکر میں پڑ کر
(جن کا جواب پہلے ہم عرض کر چکے ہیں) عوام کو مخاطب دے رہے ہیں اور خواہ مخواہ
تعلیٰ کرتے ہیں۔

ملا ہے ہم کو یہ مضمون روشن چشم بیانا سے !!

کہ چھوڑی جس نے خود بینی اسے سب کچھ نظر آیا

صاحب مالابدمنہ کی عبارت سمجھنے میں سرفراز صاحب کی غلطی یہ عنوان

قائم کر کے مؤلف مذکور نے لکھا ہے کہ مشرک کی بحث میں مولوی سرفراز صاحب نے
مالابدمنہ ص ۱ سے ایک عبارت نقل کی ہے۔ المشرك هو اعتقاد ان لغير الله اشياء
فوق ما وهب الله من الاسباب الظاهرة وان لشي من الاشياء سلطانا عما
خرج عن قدرة المخلوقين اور اس عبارت کے ظاہری ترجمہ سے یہ تاثر دینے کا

ذموم کی ہے کہ امور مافوق الاسباب میں استغانت مشرک ہے اول تو عبارت میں
مصرعے سے کہیں استغانت کا ذکر نہیں مولوی سرفراز صاحب نے بددیانتی سے کام
لے کر محض اپنا عقیدہ باطلہ ثابت کرنے کے لئے اس عبارت میں استغانت کو
زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی ہے۔

ثانیاً۔ اس عبارت کا مفاد محض یہ ہے کہ مخلوق کے لئے قدرت علیٰ وجہ الکسب
ثابت ہے اور قدرت علیٰ وجہ الایجاد نہیں اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے کسی فرد کو
اسباب ظاہرہ یعنی اسباب اور آلات کسب سے زیادہ اثر نہیں دیا اور کسب بعد
اثر کا اثر الایجاد ہے جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے پس مخلوق کے کسی فرد کی قدرت کسب
اور اس کے اسباب ظاہرہ سے متجاوز نہیں اور کسب کا تعلق امور عادیہ اور غیر عادیہ
دونوں کے ساتھ ہے عوام کے افعال میں کسب کا تعلق امور عادیہ سے اور انبیاء و
اولیاء کے افعال میں کسب کا تعلق امور غیر عادیہ سے بھی ہوتا ہے۔

ثالثاً۔ یہ کہ اگر اس عبارت میں اسباب ظاہرہ کا وہ مطلب لیا جائے جو مولوی سرفراز
صاحب نے سمجھا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ مخلوق کو قدرت صرف بالانتہی الاسباب العادیہ
پر مہوتی ہے تو معجزات اور کرامات کا انکار لازم آئے گا حالانکہ معجزات کو معتزلہ بھی مانتے
ہیں اور ایسے بذریعہ عقیدہ کی نسبت صاحب مالابدمنہ کی طرف کرنا جیاداروں کا کام
نہیں۔ انتہی بلفظ (ص ۲۳۲)

الجواب: مؤلف مذکور نے اس عبارت میں جس طرح جہالت اور بے حیائی سے
کام لیا ہے وہ انہی کا کام اور کمال ہو سکتا ہے؟ اور یہ سارا بے مغز کلام ان کو کسی طرح مفید
نہیں ہے۔

اولاً۔ اس لئے کہ اگرچہ لفظ استغانت لفظ مذکور نہیں لیکن مشرک کی مراد یہی ہوتی ہے
کہ جب وہ غیر اللہ کے لئے اسباب ظاہرہ سے مافوق اور بالاتر طاقت کا اعتقاد رکھتا ہے
اور اس کی قدرت کو توڑ سمجھتا ہے تو تب ہی وہ اس سے استغانت کیا کرتا ہے اور خود
مؤلف مذکور بار بار یہ لکھتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کے لئے امور غیر عادیہ میں بھی کسب ہوتا ہے

اور ان سے استعانت ہی کے سلسلہ میں انہوں نے خواہ مخواہ چند صفحات سیاہ کیے اور بلاوجہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا ہے۔

وثالثاً: اس لئے کہ خلق اور ایجاد کے بارے میں تو کوئی مسلمان یہ تصور ہی نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر یہ صفت بھی کسی کو حاصل ہے یا ہو سکتی ہے مخلوق کی بات ہے صرف کسب کے درجہ کی ہے اور کسب بھی صرف امور عادیہ میں ہوتا ہے امور غیر عادیہ میں مخلوق کا قضا کوئی کسب نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے مؤلف مذکور محزون آدمی طرح بار بار وہی رٹ لگانے اور محض پانی بلوتے ہیں اور روح شریعت سے ناواقف کی طرح پرہی وہ بار بار یہ لکھتے اور اس پر مصر ہیں کہ اور انبیاء و اولیاء کے افعال میں کسب کا تعلق امور غیر عادیہ سے بھی ہوتا ہے معاذ اللہ تعالیٰ گویا بقول مؤلف مذکور حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی صفت حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور اس میں مخلوق کا کسب نہیں ہوتا مگر مؤلف مذکور ہیں کہ وہ ان امور غیر عادیہ میں بھی مخلوق کا کسب تسلیم کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ غیر کے لئے تسلیم کرنا شرک نہیں تو یہ معلوم مؤلف مذکور کے ہاں شرک کس بلا کا نام ہے؟

وثالثاً: اس لئے کہ سرفراز کے کسی کلام اور عبارت سے معجزات اور کرامات کا انکار لازم نہیں آتا، بلکہ سرفراز تو معجزات اور کرامات کو دلائل قاہرہ سے ثابت کرتے ہیں راہ ہدایت اور ضور السراج وغیرہ کتابیں اس کا ناقابل تردید اور زندہ ثبوت ہے یہ مؤلف مذکور کا نرا جمل یا قولناہ فہی کا نتیجہ ہے کہ معجزات و کرامات کا وجود اور وقوع صرف اسی صورت میں تسلیم کرتے ہیں جس میں ان امور غیر عادیہ میں حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کسب اور دخل ہو اگر ان کا کسب نہ ہو تو وہ معجزہ اور کرامت ہی نہ رہیں اور ہم مؤلف مذکور کے اعلیٰ حضرت کے حوالے سے عرض کر چکے ہیں کہ کرامت میں مخلوق کے کسب کو تسلیم کرنے کے بعد یہ بھان منی کا تماشنا تو ہو سکتا ہے مگر کرامت نہیں ہو سکتی قرآن کریم میں سماجاً مذکور ہے کہ جب کفار و مشرکین نے حضرات انبیاء کرام

علیہم الصلوٰۃ والسلام سے معجزات و آیات کا مطالبہ کیا تو انہوں نے صاف لفظوں میں فرمایا وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَقَاتِيكَ وَيَسْئَلُنَا إِلَّا مَرْغَبًا وَرَغْبًا اور عباد کا نام نہیں کہ ہم تمہارے پاس کچھ سند لے سکیں مگر اللہ کے حکم سے

سَأَلْنَا اللَّهَ اور حضرت امام الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب مشرکین مکہ کچھ نے فرمائی معجزات طلب کئے تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ اعلان کر دیں۔

فَلَمَّا آتَا الْآيَاتِ عِنْدَ اللَّهِ تم فرماؤ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں

ایسی صریح آیات کی موجودگی میں یہ بے بنیاد دعویٰ کرنا کہ امور غیر عادیہ اور باوقوف الاسباب امور میں اور معجزات و کرامات میں مخلوق کا کسب دخل ہے نہ صرف یہ کہ قرآن کریم کی مخالفت ہے بلکہ معجزات و کرامات کے صحیح وجود کا انکار ہے اور ان کو معاذ اللہ تعالیٰ بھان منی کا تماشنا بنانا ہے اور ہم نے آپ ہی کے اتنی حضرت کا حوالہ دے کر اپنی وفاداری کا ثبوت دیا ہے کیونکہ ع

جیا والے وفاداروں سے کترا یا نہیں کرتے

صاحب مال ابد منہ کی طرف جس عقیدہ کی نسبت کی گئی ہے وہ خود ان کی صریح عبارت میں مذکور اور قرآن کریم حدیث شریف اور اجماع امت کے عین مطابق ہے البتہ اس کے نہ سمجھنے میں مؤلف مذکور کی بد عقیدگی اور سورہم شامل ہے اور عباد کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے اور نہ ایسے لوگوں کا اس جہان میں کوئی علاج ہو سکتا ہے

لحد کی فکر بھی لازم ہے غافل فکر عالی میں

مال کار بھی کچھ سوچ لے لے بے خبر اپنا

انتہا عظیم اور اولیاء و شہداء علیہم السلام اس جہان میں زندہ مجتہد ہیں اور نہ تزیین پیغلط نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس عبارت میں مولوی سرفراز صاحب نے انبیاء و شہداء اور اولیاء کی حیات کا بلا کسی قید کے انکار کر دیا چلئے قصہ ہی ختم ہوا (ص ۲۲) اس کے بعد مؤلف مذکور نے یہ عنوان قائم کیا ہے دیوبندی بدعت خوارج اور مختزلہ کی فروع ہے اور پھر

شامی کا حوالہ دیا ہے کہ خوارج نے حضرت علیؑ کے خلاف خروج کیا اور مخالفین کی طرح
 کی عبدالوہاب نجدی نے بھی ریہ عبدالوہاب نہیں محمد بن عبدالوہاب ہے جو حنبلی المذہب
 تھا مخالفین کو مشرک کہا پھر فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۷۹ کا حوالہ دیا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب
 اچھا آدمی تھا حنبلی تھا عامل بالحدیث تھا (محصلاً) اور ج ۲ ص ۷۹ میں لکھا ہے کہ وہ
 منہج سنت تھا۔ دیندار تھا۔ (محصلاً) اور معتزلہ حیات الاموات کی نفی کر کے مذہب
 وغیرہ مسائل کا انکار کرتے ہیں، اسی طرح وہابیہ انبیاء اولیاء کی حیات کی نفی کر کے
 استمداد وغیرہ کا انکار کرتے ہیں شرح عقائد ص ۱۷ میں ہے کہ بعض معتزلہ اور روافض
 عذاب قبر کے مشرک ہیں اس لئے ہم انبیاء اولیاء اور شہداء کی حیات پر گفتگو کرنے سے
 جس کا مولوی سرفراز صاحب نے مطلقاً انکار کر کے اپنی حمان پر ایمان پر غلام علیہم السلام
 اس کے بعد حیات انبیاء و نبیوں اور جسمانی ہے کا عنوان قائم کر کے وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ
 يُقْتَلُ الْآيَاتِ سے اور اس کی تفسیر میں صادی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انبیاء اور
 اور شہداء کی حیات حقیقی ہے اور ابوسعود کو رخی حمل اور بے شمار متحققین اہل سنت کا
 یہی مسلک ہے اور پھر المہند صلاً کا حوالہ دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے پھر مشکوٰۃ ط ۱۲ سے فدوی
 اللہ حی برزق کی حدیث اور اس کی شرح مزناۃ سے نقل کی ہے اس کے بعد
 الانبیاء احیاء فی قبورہم ۱۰ یصلون کی حدیث شرح الصدور بیہقی اور ابو یعلیٰ کے
 حوالہ سے نقل کی ہے اس کے بعد مسلم کی روایت نقل کی ہے کہ معراج کی رات آنحضرت
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وهو قائم یصلی فی
 قبورہ اور اس حدیث کو مزناۃ اور شرح الصدور ص ۸۷ میں بھی نقل کیا ہے اور شیخ
 عبد الغنی نے اشعۃ اللمعات اور جذب القلوب میں انبیاء کی جسمانی حیات پر کافی طویل
 بحث کی ہے پھر حیات اولیاء کی سرخی قائم کر کے تفسیر کبیر ج ۳ ص ۹۵ اور علی فارسی
 کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے
 ہیں پھر لکھتے ہیں بہر حال حق یہ ہے کہ اہل سنت کا اولیاء اللہ کی برزخی حیات

ہے اگر مولوی سرفراز صاحب اس کا انکار کر کے کھسی اور فرقہ میں اپنی جگہ بنائیں تو عجم کیا کر
 سکتے ہیں انبیاء شہداء اور اولیاء کی حیات پر یہاں اختصاراً کلام کیا ہے آگے حاضر ناظر
 میں تفصیلی بحث کریں گے اس کے بعد پھر ہم استغانت اور استغانتہ کی طرف متوجہ ہوتے
 ہیں (محصلاً ص ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸)

الجواب: مؤلف مذکور نے یہ جہنی کاوش کی ہے بالکل بے سود ہے کیونکہ حقا
 انبیاء کرام اولیاء عظام اور شہداء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات برزخی اور قبر کی زندگی
 تو درکنار راقم الخیر مع اپنے جملہ اکابر کے تمام اموات کی عام اس سے کہ وہ مومن ہوں
 یا کافر میں حیات تسلیم کرتا ہے اور تسکین الصدور کی کتاب کا موضوع ہی یہ مسئلہ ہے
 مؤلف مذکور کا راقم کی طرف حضرات انبیاء کرام اور حضرات شہداء و اولیاء علیہم السلام کی
 قبر کی حیات کے انکار کی نسبت کرنا سفید جھوٹ خالص افتراء اور زراہت نمان ہے اور اس کا
 مصداق ہے کہ ع

بے جیا باشش و ہرچہ خواہی کن
 مؤلف مذکور نے اس مسئلہ کے سلسلہ میں جو ناممکن اور ادھورے حوالے دیئے
 ہیں راقم نے ان سے ہمیں بڑھ کر مکمل اور بے شمار حوالے تسکین الصدور میں درج کئے
 ہیں انشاء اللہ تعالیٰ ایسے ٹھوس اور صریح حوالے مؤلف مذکور کا کوئی اسناد بھی نہیں
 پیش کر سکتا۔ وَكَذَلِكَ فَضَّلُ اللَّهُ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ
 قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ مؤلف مذکور کے دجل میں نہ آئیں اور
 ایک بار تسکین الصدور اور سماع الموتی کا مطالعہ کریں بفضلہ تعالیٰ یہ حقیقت بالکل
 آشکارا ہو جائے گی کہ شہیدہ کے بودماند دیدہ سے
 میں دینا جاؤں یا ران وطن کو کیا پتہ اپنا
 خدا جانے مجھے لے جائے ہمت کس پیالیاں میں
 استمداد کا ثبوت احادیث سے یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے پہلے
 تو مشکوٰۃ ص ۸۷ سے حضرت بریقہ بن کعب کی روایت مسلم کے حوالہ سے نقل کی کہ میں

ایک رات آپ کے ساتھ گذری اور آپ کے لئے وضو کا پانی اور دیگر ضروریات لے کر حاضر ہوا تو آپ نے اس کا گزارا ہی پر خوش ہو کر فرمایا اسے مانگ انہوں نے کہا کہ میں جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں آپ نے فرمایا کہ تو کثرت سجد سے میری مدد کر، شیخ عبدالحق اشعۃ اللغات میں فرماتے ہیں کہ سوال کو مطلق رکھنے سے آپ نے فرمایا کہ مانگ اور کسی مطلوب خاص کے ساتھ مقید نہ کیا معلوم ہوا کہ تمام امور آپ کے ہاتھ میں ہیں جسے چاہیں جو چاہیں اللہ عزوجل کے اذن سے عطا فرماتے ہیں (مؤلف مذکور نے بدست ہمت و کرامت اوست میں کرامت کے لفظ کا ترجمہ ہی نہیں کیا تاکہ ظنی نہ کھل جائے یعنی یہ کاروائی آپ کے دست ہمت اور کرامت اور مجزہ کی چیز سے ہوگی) اس کے بعد حضرت ملا علی القاریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ نے سوال کو مطلق لکھا ہے اس سے مستضاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خزان حق سے ہر اس چیز کے عطا کرنے پر قادر کر دیا جس کا آپ ارادہ فرمائیں آگے ابن سبع کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی زمین آپ کو عطا فرمائی ہے اس سے جس کو چاہیں جنتی قدر چاہیں عطا فرمائیں پھر مروج میں اگر لکھتے ہیں کہ ان عبادات سے معلوم ہوا کہ آپ ذوق الہی سے جو چاہیں جسے چاہیں دیں خواہ امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ انگیلوں سے چٹنے جاری کر کے کثیر النعماء صحابہ کرام کو میراب کر دینا، سلمہ بن اکوع کی شکستہ پنڈلی کو دہرا کر درست کر دینا مافوق الاسباب العادیہ کے طور پر املا دے چکے ہوتے ایسے دلائل ہیں جن کی تابانگیوں سے اہل تعقیص کی آنکھیں گڑھی جا رہی ہیں پھر آگے لکھتے ہیں کہ حضرت پیغمبر نے آپ سے جنت کا سوال کیا حالانکہ جنت کا دینا عادیہ گھسی کے بس اور اختیار میں نہیں ہے اگر یہ شرک تھا تو آپ روک دیتے بلکہ اوغیر ذلک فرما کر آپ بار بار مانگنے کی اور اپنی ذات سے حاجت روائی کی ترغیب دے رہے ہیں اور انہی محروم شرک کی تسبیح رول رہے ہیں کیا سہل ای اطلب حاجتہ کے بعد بھی سرفراز صاحب کا یہ بیان قابل توجہ رہ جاتا ہے کہ کتب حدیث کے وافر ذخیرہ میں ایک بھی صحیح اور صریح حدیث ایسی نہیں جس میں یہ تعلیم دی گئی ہو کہ مافوق الاسباب طور پر اہل اللہ سے استغانت کر د

اس کے بعد انہوں نے بحوالہ حسن حصین ص ۲۲ طبرانی سے حضرت عقبہ بن غزو ان کی ابن سنی سے حضرت ابن مسعود کی اور ابن ابی شیبہ اور بزار سے حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے جس میں آتا ہے کہ وان اردعونا فلیقتل یا عبد اللہ اعینونی الحدیث پھر کثرت طرق سے اس کی تحسین کا دعویٰ کیا ہے اس کے بعد شواہد الحق طبعیہ طبرانی اور بیہقی کے حوالہ سے اور لشتر الطیب ص ۲۱ کے حوالہ سے حضرت عثمان بن حنیف کی طویل حدیث بیان کی جس میں ایک نابینا شخص کے آنے کا تذکرہ کیا جو آپ کے توسل سے بینا ہو گیا پھر جوش میں آکر لکھتے ہیں اس حدیث سے استغانت مافوق الامور العادیہ میں فی الحیات بھی ثابت ہوئی اور بعد الوصال بھی لیکن سرفراز صاحب کو اس سے کیا غرض وہ فقدان بصیرت اور عناد انبیاء کی وجہ سے یہی کہتے رہیں گے کہ استغانت کے باب میں ایک حدیث بھی موجود نہیں اس کے بعد شواہد الحق ص ۲۲ قرہ العینین ص ۱۹ کے حوالہ سے بیہقی ص ۱۰۲ اور ابن ابی شیبہ کی وہ روایت نقل کی جو مالک الدار کے حوالہ سے آتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کہ ایک شخص نے آپ کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر آپ سے بارش کے نزول کی دعا کی التجا کی تو آپ نے خواب میں فرمایا کہ جا کر عمرؓ سے کہہ دو کہ بارش ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدارک ج ۳۶۸ و شواہد الحق ص ۲۹۹ اور لشتر الطیب ص ۲۰۲ کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر ایک شخص نے حاضر ہو کر آپ سے شفاعت طلب کی جو قبول ہوگی محصلہ ص ۲۹ (۳۵)

الجواب: مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ تحریر کیا ہے بالکل بے فائدہ ہے اولاً اس لئے کہ حضرت ربیعہ بن کعب کی روایت کا مطلب اور فریق مخالف کے استدلال کا جواب اور حضرت ملا علی القاریؒ اور شیخ عبدالحقؒ کی عبادات کا مطلب ہم نے ول کا سر در ص ۱۹ تا ص ۲۱ میں مفصل سے دیا ہے مؤلف مذکور کا فریضہ جسک وہ اس کا مطالعہ کریں۔

دو ثانیاً: اس صحابی نے آپ سے جنت کا سوال نہیں کیا بلکہ آپ کی شفاعت اور صحابی برکت سے جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کیا تھا آپ اس انداز سے سوال کو کیوں

شکر فرمانے اور کہوں اس کو روکتے؟ دنیا کا حوالہ ہم نے دل کا سورہ ۹۵ میں اور شفاعت کا حوالہ ۲ میں بیان کر دیا ہے وہاں ہی ملاحظہ کریں۔

دنا لثا حضرت ملا علی القاریؒ اور حضرت شیخ عبدالحق کی عبارات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ تعالیٰ آپ کو کلی اختیار حاصل تھا اور آپ نفع و ضرر کے مالک تھے اور فروری نجات اور جنت دینا آپ کے اختیار میں تھا حضرت ملا علی القاریؒ کا حوالہ راہ ہدایت ص ۱۷۱ میں اور حضرت شیخ عبدالحق صاحب کا حوالہ ص ۱۵۱ میں ملاحظہ کریں۔ اور ان کا ایک اور حوالہ یہاں بھی ملاحظہ فرمائیے وہ بخاری ج ۲ ص ۲۱ کی اس حدیث

یا فاطمة بنت محمد علی اللہ علیہ وسلم اسے فاطمة بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے سلیمنی ما شئت من مالی لا اغنی عنک مال سے جوڑا ہے مانگ لے میں اللہ کی کفالت من اللہ نشیئاً سے بچھے نہیں بچا سکتا۔

کی تفسیر کرنے ہوئے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ

مراد آنست کہ اگر مالی در ملک من باشد مراد یہ ہے کہ میرے ملک میں مال تو تو طلب کر لیتا ہے مانتا آخرت در ملک من نیست بہر حال آخرت کی نجات میرے اختیار میں نہیں اشعة المعانی ج ۲ ص ۲۱۵ طبع نو لکھنؤ لکھنؤ ہے۔

اگر جنت آپ کی جاگیر ہوتی تو کم از کم آپ اپنی پیادری بیٹی حضرت فاطمہ کو تو عطا فرما دیتے نجات آخرت اس کے سوا اور کیا ہے کہ دوزخ سے آدمی بچ جائے اور جنت لے لے نصیب ہو جائے دعا اور شفاعت کا مسئلہ جدا ہے اور اختیار و ملک کا مسئلہ الگ ہے۔ غلط بحث علماء کی نشان کے لائق نہیں۔

دایعاً یہ روایت مسند احمد ج ۴ ص ۱۶۵ میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سوال کریں مجھے دوں میں نے کہا حضرت! آپ مجھے ہمت میں تاکہ میں اپنے باپ سے غور کر سکوں آپ نے فرمایا غور کرو میں نے غور کیا تو میں نے سوچا کہ دنیا کا معاملہ تو ختم ہونے والا ہے میں نے کہا کہ اس سے بہتر اور کچھ نہیں کہ میں اپنے لئے اپنی آخرت کے لئے کچھ لے لوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا آپ نے

فرمایا تمہاری کیا حاجت ہے؟

نقلت یا رسول اللہ اشفع لی الی ربک میں نے کہا یا رسول اللہ آپ میرے لئے اپنے عزوجن لیعتقنی من النار الحدیث رب عزوجل سے شفاعت کریں تاکہ وہ مجھے دوزخ سے رہائی عطا فرمائے اللہ

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں سئل کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے کوئی حاجت مانگ تاکہ میں مجھے تیری خدمت کے مقابلہ میں تحفہ کے طور پر دوں کیونکہ تیرے لیب لوگوں کا یہی ذمہ اور نشان ہے کیونکہ وہ خدمت کا صلہ دیا کرتے ہیں (بحوالہ فتح الملہم ج ۲ ص ۱۹ اور علامہ سندھی قاعیتی علی نفیسک کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اپنی حاجت پر جو جنت میں میری منافقت ہے میری مدد کر اور اس سے مراد اس حاجت کی نشان بتانا ہے اور یہ بتانا ہے کہ اس میں تیری مدد کی بھی ضرورت ہے اور مجھ سے اس کا فرض سوال ہی کافی نہیں ہے (بحوالہ فتح الملہم ج ۲ ص ۱۹)

نیز سندھی نے یہ معنی بھی نقل کیا ہے کہ تو اپنے نفس کی اصلاح کر میں بھی تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے تیرے نفس کی اصلاح کا سوال اور دعا کرو گے (بامثل نسائی ج ۱ ص ۱۲) ان تمام حوالوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیا کی چیزوں کے سوال کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا تاکہ ان میں معاذ اللہ تعالیٰ آپ کے فشار کل ہونے کا تصور کیا جائے، بلکہ سوال کا تعلق صرف دوزخ سے نجات اور جنت میں آپ کی رفاقت سے تھا اور وہ بھی اس طور پر نہیں کہ آپ مالک و مختار ہیں بلکہ آپ کی دعا اور شفاعت کی برکت سے کیونکہ روایت میں تصریح ہے کہ آپ اپنے رب سے شفاعت کریں تاکہ وہ مجھے دوزخ سے رہائی نصیب فرمائے کیونکہ جنت کا عطا کرنا اور دوزخ سے بچانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نہیں چنانچہ غنیمت کے سلسلہ میں خیانت کرنے کے بارے میں ایک مشہور اور صحیح حدیث ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ مجھ سے کچھ گاہ۔

یا رسول اللہ اغثنی قاتولک املکک یا رسول اللہ میری امداد فرمائیے (آپ فرماتے ہیں) نیشاند ابلعتک (المحدیث) سو میں کہوں گا میں تیرے لئے کسی چیز کا مالک

اس کے ترجمہ اور شرح میں حضرت شیخ عبدالغنی صاحب لکھتے ہیں

میں گویا آں بیکے از شفا فریاد رس مرا و خلاص
 مکن ازین عذاب لبس می گویم من مالک استقیم
 من منزلاً جزیرے را از خلاص دادن و دفع
 کردن این عذاب تحقیق رسانیدم من نرا
 شریعت را وترسانیدم و مبالغہ کردم و تونہ
 کردی ظاہر آبرائے زجر و تعذیب و شفاعت
 اینہا تاخیرے میرود و اگر نہ تکند ہم واجب
 نیست (اشارة للبعث ج ۳ ص ۳۸)

کے کانم میں سے کوئی ایک کہ میری اہلو کی
 اور اس عذاب سے مجھے چھڑائیں سو میں کہتا
 گا کہ میں تیرے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں
 نہ چھڑانے کا اور نہ اس عذاب کے خراج کرنے
 کا بلاشبہ میں نے مجھے شریعت پہنچا چکا اور تجھے
 ڈرا چکا اور خوب مبالغہ کر چکا مگر تونے عمل کیا
 ظاہر نجز اور ان کو عذاب میں مبتلا رکھنے اور ان کے
 لوگوں کی شفاعت کی تاخیر کے بارے میں یہ لفظ
 ہوگا اور اگر آپ ان کی شفاعت نہ کریں نسبت
 واجب نہیں ہے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ مجرموں کو عذاب سے بچانا اور اس سے خلاصی
 آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ آپ اس کے مالک
 العرض حضرت پیغمبر کی روایت سے یہ ثابت کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 کے مالک تھے بالکل غلط ہے اور ابن سنی جیسے غیر معصوم اور غیر مجتہد کے قول کی وجہ سے
 یہ باور کرنا کہ جنت آپ کی جاگیر تھی قطعاً بے بنیاد امر ہے بات صرف اتنی تھی کہ ان کے
 حق خدمت کے سلسلہ میں آپ خوش اور راضی ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے
 کرنا چاہتے تھے اور حضرت پیغمبر بھی یہی اعتقاد رکھتے اور سمجھتے تھے کہ یہ آپ کی شہادت
 اور دعا سے ہی ہوگا اور اگر یہی دنیوی کام سے وابستہ ہے تو طلبہ علم کے معلومات سے
 عرض ہے کہ حضرت پیغمبر کی یہ روایت صحیح ابوعمانہ ج ۲ ص ۱۸۱ اور نسائی ج ۱ ص ۱۲۸ میں
 ہے اور مستدرک ج ۳ ص ۵۲ کی روایت میں ہے کہ حضرت پیغمبر آپ کے خادم تھے اور
 یحیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روایت میں آتا ہے کہ میں آپ کی خدمت

کرنا تھا آپ نے فرمایا اے رسول اللہ تو شادی نہیں کرتا میں نے کہا بخدا میں شادی نہیں کرتا
 اور سند طبیاسی ص ۱۶ کی روایت میں ہے کہ میں آپ کی خدمت کیا کرتا تھا، آپ نے
 فرمایا تو شادی نہیں کرتا میں نے کہا مجھے توفیق بھی نہیں اور آپ کی خدمت بھی نہ کر نہیں
 کرنا چاہتا آپ نے دوبارہ فرمایا تو میں نے یہی جواب دیا، آپ نے سد بار فرمایا تو میں نے
 ہاں کر دی آپ نے فرمایا کہ فلاں انصار کے خاندان کے پاس جاؤ اور فلاں عورت کا رشتہ
 مانگو چنانچہ میں گیا اور انہوں نے میری شادی کرادی (محصلاً) بہت مکن ہے کہ آپ کی
 مراد اس سے یہی معاملہ ہو۔

وہا حساً انگلیوں سے پانی کا نکلنا اور حضرت سلمہ بنہ کی پینڈلی کا درست ہو جانا،
 اللہ تعالیٰ کے فضل سے بطور معجزہ تھا اور معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے نبی کا فعل نہیں ہوتا
 اور نہ اس میں ان کا کسب اختیار ہوتا ہے کما مر

وسادساً حضرت پیغمبر کی حدیث سے جو کچھ ثابت ہے وہ شفاعت اور صلے
 اور وہ مافوق الاسباب امور میں داخل نہیں اور اس کے نتیجہ میں جو اثر اور خرق عادت
 اثر ثابت اور صادر ہونے کی توقع ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فعل اور اس کا فضل ہے اس
 میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی اختیار نہیں مؤلف مذکور کا اس حدیث
 سے مافوق الاسباب العادیہ استعانت ثابت کرنا نری جہالت ہے علم و خرد سے
 اس کا کوئی تعلق و واسطہ نہیں ہے۔

وسابعاً اعیینونی یا عباد اللہ کی حدیث پر بحث ہم نے گلوشتہ توحید اور تفریح
 الخواطر میں کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کریں اسی طرح حضرت عثمان بن حنیف کی روایت
 کا مطلب ہم نے تسکین الصدر میں عرض کر دیا ہے اس سے جو کچھ ثابت ہے ہم پر زور طریقہ
 بلاس کے قائل ہیں بحث تسکین الصدر میں دیکھ لیں البتہ اس استعانت کو مافوق الاسباب
 اور مافوق الامور العادیہ استعانت کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے کہا ہے علم سے بالکل بخیری
 بدینی ہے اسی طرح مالک الدین کی روایت بمع پوری تفصیل کے نیز اعرابی کا واقعہ مع شہوں
 اور مترجم حوالوں کے ہم نے تسکین الصدر اور سماع الموثی میں نقل کر کے اس سے استدلال

کیا ہے ان تمام امور کے جواب سے ہم بفضلہ تعالیٰ فارغ الذمہ ہیں اور ہمیں ایسے امور کی زنجیر کی کڑیاں کاٹنے کے لئے تلوار کی حاجت نہیں۔
فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا سے
دُنیا میں اب رہی نہیں تلوار کا کارگر

استمداد کا ثبوت اعلام امت سے

یہ عنوان قائم کر کے مولف مذکور نے اشعۃ
المعات ج ۱ ص ۱۵۷ سے حضرت امام غزالی سے
کے حوالہ سے طویل عبارت استمداد کے بارے میں لکھی ہے اور پھر بڑے مزے میں کہ
اور خوش ہو کر لکھتے ہیں اب سرفراز صاحب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ شیخ نے
دہلوی کی ان تصنیحات اور اولیاء اللہ سے استمداد فی الحیات و بعد الممات کی تشریحات
کی وجہ سے شیخ پر شرک کا فتویٰ لکھیں گے؟ یا اپنی بے بصیرتی اور بے علمی کا اعتراف
کے اپنی بد عقیدگی سے رجوع کریں گے؟ اس کے بعد انہوں نے اشعۃ المعات ج ۳ ص ۱۵۷
کے حوالہ سے دہلی استمداد یا اہل القبور منکوشہ اندالہ کی طویل عبارت نقل کی ہے
(محصلا ص ۳۵ تا ص ۳۷)

الجواب: مولف مذکور کا یہ وزیرہ ہے کہ وہ محض حوالہ دے کر ہی بڑے خوش
سمانے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ انہوں نے دیوبند کے مضبوط حصن اور ناقابل تسخیر قلعہ کو فتح کر
لیا ہے اور خیر سے حقیقت کو خود نہیں سمجھتے ہم نے تسکین الصدور اور اب نئی کتاب بیع
میں اس پر سیر حاصل بحث کر دی ہے کہ اہل قبور سے اگر بایں معنی استمداد ہے کہ ان سے
دعا کرائی جائے اور دعا کرنے والا یہ سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں اور وہ ان کا
دعا کو قبول فرماتا ہے تو جو حضرات سماع الموتی کے قائل ہیں وہ اس کو درست سمجھتے ہیں
اور اکثر اکابر علماء دیوبند بھی فی الجملہ سماع الموتی کے قائل ہیں کیونکہ اہل حق کے ہاں قبریں
روح اور جسم کے تعلق سے حیات حاصل ہوتی ہے اور ان کو علم اور اک اور شعور حاصل ہوتا ہے
اور زیارت کرنے والوں کے سلام و کلام اور لب و لہجہ سے وہ ان کو پہچانتے ہیں ان
لئے مجوزین سماع الموتی حضرات کے ہاں اہل قبور سے ایسی دعا کرانا جائز ہے لیکن اگر

استمداد کرنے والے یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ اہل قبور کے اہل قبور کے اہل قبور کے اہل قبور
کا نصف چٹنا ہے اور وہ خود قدرت رکھتے ہیں تو یہ ممنوع و حرام ہے ہم مولف مذکور کا نقل
کردہ ترجمہ بعض بعض مقامات سے عرض کرتے ہیں تاکہ معاملہ بالکل بے غبار اور روشن ہو
جائے چنانچہ وہ ص ۳۷ میں ترجمہ یوں کرتے ہیں خصوصاً متیقن کے حق میں جو اولیاء اللہ ہیں اور
ممکن ہے کہ انہیں اللہ کی طرف سے برزخ میں ایسا مرتبہ حاصل ہو جیسا قیامت میں انہیں
منصب شفاعت عطا ہوگا جس کی وجہ سے وہ ان زائرین کے حق میں جو ان سے توسل
میں دعا اور شفاعت کریں گے اور بھلا اس کی نفی پر کونسی دلیل قائم ہے الخ اور ص ۳۸ میں
عبارت کے ایک حصہ کا اس طرح ترجمہ کرتے ہیں یہ جو ہم نے سمجھا ہے وہ تو یہ ہے کہ دعا
کرنے والا اس بندہ مقرب کے توسل سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ اے بارِ عالم
اس بندہ مقرب کی برکت سے جسے تو نے بے اندازہ الطاف و اکرام سے نوازا ہے میری
حاجت کو پورا فرما کہ تو ہی معطلی کریم ہے یاد دعا مانگنے والا اس بندہ مقرب کو نوا کرتا ہے کہ
اے بندہ خدا اے اللہ کے ولی میری شفاعت کر اور اللہ سے دعا کر اور اللہ تعالیٰ سے دعا
کر کہ مجھے میرا سوال اور مطلوب عطا فرمائے اور یہ بندہ مقرب درمیان میں صرف وسیلہ ہونا ہے
اور قادر اور فاعل سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہوتا اور اولیاء اللہ تو اللہ کے فعل اور
قدرت میں فنا ہوتے ہیں اور اولیاء کو نواب قبروں میں کسی امر پر قدرت ہوتی ہے اور نہ جس
وقت دنیا میں تھے اس وقت کسی چیز پر قدرت تھی اور امداد و استمداد کا جو معنی میں نے ذکر کیا
ہے اگر موجب شرک اور غیر اللہ کی طرف توجہ کو مستلزم ہوتا جیسا کہ مشرک کا زعم فاسد ہے تو
چاہیے تھا کہ صالحین سے طلب دعا اور توسل زندگی میں بھی ناجائز ہوتا۔ حالانکہ یہ بجائے
ممنوع ہونے کے بالاتفاق جائز اور مستحسن و مستحب ہے الخ اور ص ۳۸ میں عبارت کے ایک
حصہ کا یوں ترجمہ کرتے ہیں ہاں اگر اولیاء اللہ کے حق میں زائرین کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ امداد
مستقل ہیں (فارسی عبارت یوں ہے کہ اہل قبور مقرب و مستند و قادر اند بے توجہ بخصرت حق
والعبارہ جناب تعالیٰ الخ) اور اللہ کی جناب میں توجہ کے بغیر بطور خود ذاتی قدرت سے امداد
کرتے ہیں جیسے بعض جہلاء کا عقیدہ ہے کہ وہ قبر کی تقبیل اور سجدہ کرتے ہیں اور اس کی

طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور یہ تمام افعال ممنوع اور حرام ہیں اور عوام جہلاء کے افعال کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ خارج از بحث ہیں الخ

الغرض ہم نے تسکین الصدر میں مسئلہ توسل پر یہی حاصل بحث کر دی ہے یہ مولف مذکور کی انتہائی جہالت ہے کہ وہ راقم اور راقم کے اکابر کے مسلک اور راقم کی کتابوں سے بالکل جاہل ہیں اور صرف ایک کتاب کو سامنے رکھ کر محض تعصب میں مبتلا ہو کر بے سمجھی میں اس کا رد کرتے اور اپنے گھر بیٹھے ہوئے ہی ہماری طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہیں اور پھر ان کی تردید کرتے ہیں اور یوں شیخ چلی کی طرح خانہ ساز پلاؤ بچاتے بستے ہیں عوام اناس سے غلط سنی سنائی باتوں کی طرف نہ جائیں ہماری کتابیں دیکھیں کہ ان میں کیا لکھا ہے۔

ازل ہی سے میکدے میں کبھی ہم نہیں گئے!

دنیا کو اعتبار نہ آئے تو کیا کریں ہم

یہ سنی قائم کر کے مولف مذکور اس کے تحت استمداد کا انکار بدعت ہے

اس عبارت سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ استمداد اولیاء کا انکار گیارہویں صدی کی بدعت ہے اور اولیاء اللہ سے استغانت کرنے والوں پر شرک کا فتویٰ صادر کرنا اس فرقہ خالہ کی اختراع ہے جس کے بارے میں شیخ محقق فرمایا ہے کہ وہ ان کے زمانہ کے قریب ہی ہوا ہم نے علماء دیوبند کے لئے عموماً اور سرفراز صاحب کے لئے خصوصاً تاریخ کا آئینہ پیش کر دیا ہے وہ اس آئینے میں اپنے آپ کو دیکھیں اور سوچیں کہ غیر اللہ سے استمداد کو شرک کہہ کر انہوں نے اپنا فارورہ کس جماعت سے جاملایا ہے۔ امام رازی تفسیر کبیر ج ۲ ص ۸۵ پر یہ فرماتے ہیں انبیاء علیہم السلام یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس قدر علوم و معارف عطا فرمائے ہیں جن سے وہ مخلوقات کے دلوں اور روحوں پر تصرف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قدر قدرت اور طاقت دی ہے جس سے مخلوق کے بواطن پر تصرف کر سکتے ہیں۔ انتہی بلفظ (ص ۲۴)

الجواب: اہل قبور سے توسل اور عند القبور طلبی عا کے مطلقاً انکار کی نسبت علماء

دیوبند اور سرفراز کی طرف کرنا جیسا کہ مولف مذکور نے کہا ہے انتہائی درجہ کی خیانت ہے ہم نے پہلے اشارہ کر دیا ہے اور تسکین الصدر اور سماع الموتی میں اس کی مفصل باحوالہ بحث موجود ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے عام موتی کے بارے میں سماع موتی کے قائلین اس توسل کے جواز کے قائل ہیں اور علماء دیوبند کی اکثریت سماع موتی کی قائل ہے غرضیکہ حضرت شیخ محقق صاحب کی عبارت سے جس استمداد کا جواز ثابت ہے ہم اس کے قائل ہیں ہاں جس توسل کو حضرت شیخ صاحب ممنوع اور حرام کہتے ہیں اس کو ہم بھی صرف بدعت ہی نہیں بلکہ ممنوع اور حرام کہتے ہیں ہم نے فتاویٰ رشیدیہ سے اس کا شرک ہونا واضح کر دیا ہے نیز ہم نے سماع الموتی میں باحوالہ یہ بات بھی عرض کر دی ہے کہ اس جائز استمداد کا انکار کس نے کیا ہے اور کب کیا ہے؟ یہ انکار گیارہویں صدی کا نہیں بلکہ پہلے کا ہے مجد اللہ تعالیٰ ہم نے تاریخ بھی پڑھی ہے اور اس کا پس منظر پیش منظر اور یہ منظر بھی جانتے ہیں لہذا ہمیں تاریخ آئینہ نہ دکھائیے خود دیکھنے کی کوشش کیجئے باقی حضرت امام رازی کا جو حوالہ مولف مذکور نے نقل کیا ہے وہ بالکل غیر متعلق ہے اس لئے کہ امام رازی نے جو چیز فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اس قدر علوم و معارف عطا فرمائے ہیں جن سے وہ مخلوقات کے دلوں اور روحوں پر تصرف کرنے میں یعنی وہ علوم اور معارف لوگوں کو سکھاتے تہاتے اور پڑھاتے ہیں اور لوگ ان کو قبول کر کے اور ان سے متاثر ہو کر ایسے سنو رتے ہیں کہ ان کی کایا ہی پلٹ جاتی ہے اور جو جاہل و بد و ظالم و خونخوار اور اپنی ہی لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے والے تھے جہانیاں اور پاسباں بنتے ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عمدہ تعلیم اور اچھی تربیت سے فیض یافتہ ہو کر وہ مخلوق خدا کے لئے راہنما بنتے ہیں اور خدا کی تعلیم اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خصوصاً حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جامع اور اتم تعلیم سے آراستہ ہو کر وہ باطنی اور قلبی اعتبار سے ان روحانی اقدار تک پہنچے جن کی مثال دنیا پیش کرنے سے یکسر قاصر و عاجز ہے مولانا حالی مرحوم نے کیا ہی خوب فرمایا ہے۔

امانہ یفسر الرشید بالنفع حتی یكون
تقدیر بالکلام لا امسک لکوحیثا ولا
رشدا ویدل علیہ فداة ابي غیثا ولا
رشدا ومعنی الکلام ان النافع والنصار
والمرشد والمغوی هو الله تعالی وان
احداً من الخلق لا قدرة له علیه
(تفسیر کبیر ج ۳۰ ص ۱۶۲)

یہ آیت کریمہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے جس سے امام رازیؒ
کی تفسیر کی روشنی میں صاف عیاں ہے کہ نافع اور ضار اور مرشد اور مغوی اللہ تعالیٰ کے بغیر اور
کوئی نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کر دے۔
يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَيُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ حضرت امام رازیؒ کی ایسی واضح اور صحیح
عبارات کی موجودگی میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام
کے لئے لوگوں کے دلوں پر تصرف کے قائل ہیں سراسر باطل اور قطعاً مردود ہے جس
تصرف کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ صرف علم و عرفان و عطا و ارشاد اور اخلاق کریمانہ سے
ان پر پوری کا تصرف ہے اور وہ بھی صرف اسی کو حاصل ہوتا ہے جو اس کا طالب ہو اور
اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اور ایسے لوگ نسبتاً کم ہیں۔

خدا کے واسطے دنیا کے دلوں سے ممتہ جو موڑے ہیں

دہی ہیں مستند النساں مگر افسوس تھوڑے ہیں

معجزات اور کرامات کے ذریعہ تصرف | اولیاء عظام علیہم السلام کے

ایسے تصرفات کے منکر ہیں جن میں ان کے فعل اور کسب کا دخل ہو اور جو فعل ختیقہ تہ ان کی
طرف منسوب ہو جیسا کہ نوکف مذکور کہتے ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قدر قدرت

۱۰۰ لئے علم و فن ان سے نصرا نہیں نے کیا کسب اخلاق روحانیوں نے
ادب ان سے سیکھا صفا پانیوں نے کہا بڑھ کے لیک بزدانیوں نے
ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ تار یک دنیا میں چھوڑا

حضرت امام رازیؒ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو
ما فوق الاسباب اور ما فوق الامور العادیہ قدرت و طاقت حاصل تھی اگر ایسا ہوتا تو حضرت
آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تصرف کر کے اپنے بیٹے قابیل کو اپنے مظلوم اور بے گناہ بھائی
ہابیل کے قتل سے روک دیتے اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی بیوی و اعدا اور
بیٹے کنعان کو ایمان کی دولت سے نواز دیتے اور حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی
بیوی و اولاد کو کبھی کفر و شرک پر مرنے نہ دیتے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے
باپ آزر کو کفر و شرک پر مرنے سے بچا لیتے اور امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے محسن چچا اور مجازی مرنے عبد مناف ابو طالب کو
ایمان کی نعمت سے سرفراز فرمادیتے کہاں تک ان قطعی اور ٹھوس واقعات کا ذکر کیا
جاتے ہیں شمار سے بھی باہر ہیں۔ خود امام رازیؒ قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا اَلَيْدًا
کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

والمواد ان انزال العذاب على الاعضاء اس سے مراد یہ ہے کہ دشمنوں پر عذاب نازل کرنے
واظهار النصره لاولیاء لا یقدر علیہ اور دوستوں کی مدد کرنے پر بجز اللہ تعالیٰ کے
احد الا الله سبحانه
کسی کو قدرت حاصل نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۶۱)

جب اس آیت کریمہ کے پیش نظر سرور دو جہاں اور خلاصہ کائنات حضرت محمد رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے تصرف کی قدرت نہیں تو اور کسی کو کیسے؟ اور کہاں سے؟
اور کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟ نیز امام رازیؒ قُلْ اِنِّي لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا کی
تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

اور طاقت دی ہے جس سے مخلوق کے بواطن پر تصرف کر سکتے ہیں بلفظ ہم کہتے ہیں کلاسی
 قدرت اور طاقت اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی
 کی صفت ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے ہاں معجزہ اور کرامت حق ہے
 لیکن معجزہ اور کرامت میں نبی اور ولی کا فعل اور کسب نہیں ہوتا وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا
 فعل ہوتا ہے جو ان کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے اس کی بفضلہ تعالیٰ بجا لا مزید علیہ اور
 سیر حاصل باحوالہ بحث ہم نے اپنی کتاب راہ ہدایت میں کر دی ہے اس بمسوط اور مفصل
 بحث کو اسی میں ملاحظہ کریں۔ اور بقدر ضرورت پہلے عرض کی جا چکی ہے

الغرض معجزہ اور کرامت کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی اہل بدعت لفظ کا
 شکار ہیں اور ایسے نصرقات صرف قلوب ہی میں نہیں بلکہ عالم میں بھی رونما ہوتے ہیں لیکن
 ان کا ان میں کسب اور دخل نہیں ہوتا ان میں فعل صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے علا
 ابن خلدون لکھتے ہیں کہ

وقد يوجد لبعض المتصوفه واصحاب الكرامات تأثيرا يفتي احوال العالم
 وليس معددا من جنس السحر وانما هو بالامداد الالهي لان طريقتهم
 دخلت من اثار النبوة وتوابعها (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۵۵)
 کبھی کبھی صوفیہ کرامت اور اصحاب کرامات سے
 احوال عالم میں تاثير بھی پائی جاتی ہے اور عباد
 کی قسم میں شمار نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی
 امداد سے ہوتی ہے کیونکہ ان کا برکات بقدر
 نسبت آثار نبوت اور اس کے توابع سے ہے
 (جب کہ جادو کو نبوت سے کوئی تعلق نہیں ہے)

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے مزید تشریح کی جاتا
 نہیں ہے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پنی خرق عادت پر بحث کرتے تھے
 ارشاد فرماتے ہیں۔

ان اقسام میں سے ایک تاثير ہے اور یہ دو قسم کا ہے ایک تو یہ کہ مرید کے باطن
 میں تاثير کرے اور اس کو حق و عطا کی طرف جذب کرے دوسری تاثير عالم کون فساد
 میں کہ حق تعالیٰ اس کی دعاء اور اس کے ارادہ کے موافق قسمیں لائے اور (ارشاد الطاہرین ص ۱۰۲)

اس سے ثابت ہوا کہ اس تاثير کا اثر ظاہر کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے صاحب
 کرامت کا کام صرف دعا ہے اور اپنے دل میں جذب کا ارادہ ہے نہ یہ کہ ان کو تصرف
 کا اختیار اور قدرت حاصل ہوتی ہے حاشا وکلا۔ سے
 جان اللہ نے لی جسم ہوا داخل گور!
 ہم نے بھی دل میں سمجھا کہ ہمارا کیا تھا

معجزہ کرامت اور سحر و شعبہ بازی میں ماہر الا تمیاز فرق

یہاں صرف یہ بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ سطحی نگاہ میں معجزہ و کرامت اور جادو میں کوئی فرق
 معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس میں بھی ایک گونہ تصرف ہوتا ہے اور لیکن محققان میں زمین و
 آسمان کا فرق ہوتا ہے وہ اس طرح کہ نبی تو منجانب اللہ تعالیٰ مبعوث و محصوم ہوتے
 ہیں ان کے ہاتھ پر معجزہ صادر ہوتا ہے اور ولی وہ ہوتا ہے جو مومن اور متبع سنت و اس
 کے ہاتھ پر کرامت صادر ہوتی ہے اور جادو اور سحر نیزم کافرا و بد عقیدہ اور فاجر کے ہاتھ
 پر صادر ہوتا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے اس پر خاص بحث کی ہے اور وہ فرماتے ہیں
 کہ سحر و شعبہ بازی غیر مسلموں کے ہاتھ پر بھی صادر ہوتے ہیں چنانچہ ہندوستان کے
 جوگیوں سوڈانیوں اور زرتھوں میں ایسے غیر مسلموں کا خصوصیت سے انہوں نے ذکر کیا
 ہے (ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون ص ۱۹۹) اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پنی جو تخریر فرما
 ہیں کہ کشف اور خرق عادت اور تصرف عالم کون و فساد میں ریاضت سے حاصل ہو سکتا
 ہے اور اسی لئے حکماء اشرف قبیل اور ہند کے جوگی اس سے بہرہ یاب ہو جاتے ہیں اور یہ
 کمالات اہل اللہ کی نظر میں اعتبار سے ساقط ہیں جو خود جو کے بھاد بھی نہیں خریدے جا
 سکتے (ارشاد الطاہرین ص ۳۵) و حال لیکن کے ہاتھ پر جو کچھ صادر ہوگا وہ بھی اسی جادو کی
 قسم سے ہے اور ابن صیاد کا رُخ والا کشف بھی اسی مد کا ہے اور ایسا کشف غیر مسلموں
 کو بھی ہوتا ہے چنانچہ حافظ ابن القیم لکھتے ہیں کہ

الكشف الجزئي المشترك بين المؤمنين والكفار بيكون اور کفار بیوں اور بدین

والکفار والابرار والنجار الی قولہ ولذالک یقع
من الکفار والنصارى وعابدى النبیوان
والصلبان الخ (مدارج السالکین ص ۳۳)

میں مشترک ہے (پھر فرمایا) اور اسی لئے یہ
آنٹن پرست اور صلیب پرستوں سے اتنے

خود حضرت امام رازیؒ ماروت و ماروت کی تفسیر ہیں جادو پر بحث کرنے کے
تحریر فرماتے ہیں کہ

واما اهل السنة فقد جوزوا ان یقدر
الساحر علی ان یطیر فی الهواء ویقلب
الانسان حیاً والجماد انساناً الا انھو
قالوا ان الله تعالی هو الخالق لهذه الاشیاء
عند ما یقرا الساحر قی مخصوصتہ
کلمات معبجۃ الخ
(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۱۳)

یعنی جادو کا کسب اور فعل تو جادو گر کا ہے لیکن اس کے جادو کے نتیجہ میں ہوا میں
اڑنے کے فعل اور انسان کو گدھا اور گدھے کو انسان بنانے کے فعل کا خالق صرف اللہ
تعالیٰ ہے کیونکہ اہل السنۃ والجماعت کا یہ فرقہ فیصلہ ہے جو اول قطفیہ پر مبنی ہے
کہ اللہ خالق کل نشیء اور وہی باقی ہے باقی سب فانی ہے
لننان شوکت انسان بنے تو مٹ بھی گئے
خدا کا نام ہی عالم میں برقرار رہا

دیوبند کے علم اکابر سے استعانت کا ثبوت
سرفراز صاحب کے معتمد شاہ ولی اللہ صاحب کا حوالہ دیتے ہیں جو انہوں نے بہت
میں بہت نفس کے علاج میں فرمایا ہے مثلاًخ کی ارواح طیبہ کی طرف متوجہ ہوان
کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھے یا ان کی قبر کی زیارت کے لئے جائے اور ان سے انجذاب

کی صیغہ مانگے۔ پس لا محالہ شاہ صاحب کی ان تمام عبارتوں کو (جو ہم نے تنقید نہیں
میں مفصل اور باحوالہ نقل کی ہیں اور مؤلف مذکور نہ تو اس کا جواب دے سکے ہیں اور نہ ہی
انہوں نے قارئین کرام کے سامنے وہ عبارتیں پیش کی ہیں تاکہ ان صریح اور ٹھوس عبارتوں
سے قارئین کرام متاثر نہ ہوں۔ صفتدر) جن میں انہوں نے استعانت کو شرک کہا استعانت
علی وجہ العبادت یا مستقل بالذات پر محمول کرنا پڑے گا ورنہ استعانت سے علم مراد
ہو تو شاہ صاحب اپنی تحقیق سے خود مشترک قرار پائیں گے اس کے بعد سمجھتے ہیں کہ ہم
شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالے عرض کرتے ہیں جن پر سرفراز صاحب نے بہت زیادہ
اعتماد کیا ہے اور سوچے سمجھے بغیر ان کی عبارتیں پیش کی ہیں چنانچہ وہ تفسیر عزیزی کے صفحہ
میں فرماتے ہیں وصال پانے والے اولیاء اور دیگر صلحاء مومنین سے استغاثہ اور استعانت
جاری و ساری ہے اور ان اولیاء و صلحاء سے افادہ اور امداد بھی مقصور ہے بخلاف ان مردوں
کے جن کو جلا دیا جاتا ہے کیونکہ ان سے یا موران کے مدد سب میں بھی جائز نہیں —
شاہ صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اولیاء سے بعد الوصال استعانت اور ان کا مدد کرنا مسلمانوں
کی خصوصیت اور امداد و استمداد نہ ہونا کفار کا خاصہ ہے غور فرمائیے کہ استعانت کا انکار کر کے سرفراز
صاحب نے اپنا قارورہ کس جماعت سے جا ملا یا ہے نیز شاہ صاحب کے نزدیک جن اہل سنت
سے استعانت جائز نہیں وہ وہ مڑے ہیں جو جلا دیئے گئے ہوں سرفراز صاحب نے اولیاء اللہ
سے استعانت کو ناجائز قرار دے کر ماڈ اللہ ان کو بھلے ہوئے مردوں میں شامل کر دیا، اور
کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا اور لاکھوں اولیاء اللہ کی توبہ کی اور اسلام پر
برہمی و اہل جن کو کوئی غیرت مند مسلمان برداشت نہیں کر سکتا نیز تفسیر عزیزی کے صفحہ ۱۱۳
میں مرنے کے بعد کے حالات شاہ صاحب نے بیان فرماتے ہوئے فرمایا وہ خواص اولیاء
اللہ جنہوں نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا ہے وفات
کے بعد بھی دنیا میں تصرف کرنے کی طاقت پاتے ہیں اور ان کا امور فردی میں متفرق ہونا
بسیب وسعت اور ان کے دنیا کی طرف توجہ کرنے سے مانع نہیں ہونا، اولیسی سلسلہ کے حضرات
اپنے باطنی کمالات ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حاجت مند ان سے حاجت طلب کرتے

ہیں اور مراد پاتے ہیں اور ان کی زبان حال اس وقت یوں گویا ہوتی ہے کہ اگر تم یہاں سے
 طرف بڑھو گے تو میں روح سے تمہاری طرف پیش قدمی کروں گا۔ ابنائے بدعت سے
 سرفراز صاحب سے خصوصاً یہ گزارش ہے کہ وہ شاہ صاحب کی اس عبارت کو بغیر
 دین کی جس شاہراہ کھانہوں نے اپنایا ہے اس کی منزل کہیں وہاں سفر تو نہیں ہو گیا
 استعانت کو شرک کہہ کر انہوں نے ہمدردی سے لے کر آج تک کے تمام صلحاء کو شرک
 ابھی تو یہ کادروانہ بند نہیں ہوا دنیاوی جھوٹے وقار کی خاطر ہمیشہ کی مذمت کو امتداد
 بڑے خسارے کا سودا ہے۔ یہی شاہ عبدالعزیز صاحب نے اقراراً بسم اللہ کا
 بیان کرنے ہوئے تفسیر عزیزی فی ۲۳ ص ۲۴ میں فرماتے ہیں کہ خواجہ باقی باللہ نے
 خوش ہو کر فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے ۱۹ اس نے عرض کیا کہ مجھے اپنا شہم شکل بنا دیجیے
 اس کو برداشت نہ کر سکے گا اور کچھ مانگ اس نے اسی سوال پر اصرار کیا اور تھوڑا
 فرماتے رہے پس جیسا اصرار بہت بڑھا تو آپ اندر لے گئے اور اس پر توجیہ کی
 آئے تو دونوں کی شکل و صورت میں فرق نہ تھا اور لوگوں کو امتیاز کرنا مشکل ہو گیا
 فرق تھا کہ حضرت خواجہ ہوشیار تھے اور نانابائی مدہوش و بے خود تھا اب سرفراز صاحب
 بتائیں کہ کیا ہم مثل بنادینا خلاف عادت نہیں ہے؟ اگر ہے تو وہ نانابائی مشترک اور
 باقی باللہ شرک کی تقریر کرنے والے ہوئے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی
 میں کیا ارشاد ہوگا اور اگر ہم مثل بنادینا خرق عادت نہیں کیا سرفراز صاحب بھی کسی کو
 سکتا ہے؟ سرفراز صاحب کھل و عناد کی وجہ سے شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز اور تمام
 اسلام کے گلوں پر خیر شرک رکھ دیں مگر اس کو کیا کریں کہ شرک کی تیلوار دیوبند کو بھونچ نہیں
 ارواح ثلاثہ ص ۳۲ میں ہے کہ مولوی معین الدین صاحب جو حضرت مولانا محمد العقیق
 کے بڑے صاحبزادے تھے وہ حضرت کی ایک کرامت (جو بعد وفات واقع ہوئی)
 کرتے ہیں کہ ہمارے ناتوتہ میں جاڑہ کا بنجار کثرت سے ہوا جو شخص مولانا کی قبر سے
 جا کر باندھ دیتا اسے آرام ہو جاتا لوگ بجزنت مٹی لے جاتے ہیں مٹی ڈال ڈال کر خاک
 ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحبزادہ تیر فرما جئے) یہ آپ کی تو کرامت

ہوتی اور ہمارے لئے مصیبت ہوگی اگر اب کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے ویسے ہی
 پڑے رہو پھری کو آرام بھی نہ ہوا اور لوگوں نے مٹی لے جانا بھی بند کر دیا (محصلاً)
 اب سلوف دیوبند کو کس خانہ میں رکھتے گا؟ یا تو اپنے اس باطل قول سے رجوع کیجئے
 کہ انبیاء و اولیاء سے استمداد کرنا شرک ہے یا پھر سلوف دیوبند کو مشترک قرار دے کر جہنم کی آگ
 میں جھونک دیجئے (محصلاً ص ۳۳ تا ص ۳۴)

الجواب: حضرت شاہ ولی صاحب کی غیر اللہ سے (متنازع فیہ معنی میں) استمداد
 کی نفی اور اس کے شرک ہونے کی ان صریح عبارتوں کا جو تنقید متین میں نقل کی گئی ہیں
 ہرگز یہ جواب نہیں ہے یہ صرف دفع الوقتی ہے ان صریح حوالوں کا جواب تاہنوز مؤلف
 مذکور کے ذمہ ہے اور اللہ تعالیٰ تا قیامت وہ اس سے فارغ الذمہ نہیں ہو سکتے۔
 آزمائش شرط ہے

کبھی تو میری محبت کا تم یقین کر لو
 کہیں نہ عمر گزر جائے آزمانے میں

حضرت شاہ صاحب کی اس محل اور غیر متعلق عبارت سے جو مؤلف مذکور نے نقل کی ہے۔
 متنازع فیہ معنی میں استمداد و استعانت کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا اس عبارت کا مفہوم
 صرف اس قدر ہے کہ جب کوئی شخص حدیث نفس اور وسوسہ کا شکار ہو جائے اور اسے
 اپنے اخلاص میں کمی نظر آنے لگے تو مشائخ کے ارواح طیبہ کی طرف منوج ہو کہ وہ جب دنیا
 میں تھے تو کس طرح اس کا مدد کیا کرتے تھے اور ان کو فائز پرہہ کر بخشنے جب عرض اعمال کی
 حدیث کے پیش نظر ان مشائخ رح کو یہ تحف ملے گا تو وہ اس کے حق میں دعا کریں گے اور
 اللہ تعالیٰ اس کو اخلاص کی خوبی عطا فرمائے گا۔ اور حدیث نفس اور وسوسہ سے بچائے گا
 بان کی قبور کی زیارت کے لئے جائے اور ان سے انجذاب کی جھبک مانگے یعنی قبور کے
 پاس ان کے نوسل سے دعا کرے یا سماع موتی کے قائلین کے نزدیک ان سے دعا
 کرے کہ اللہ تعالیٰ ان کی سی کیفیت اس میں پیدا کرے اور ان کا سوا اخلاص ان کو دے
 کر حدیث نفس کے شر سے بچنے کی صفت میں جذب کرے اور اہل قبور سے استمداد ان

سے دعا ہی کی صورت میں ہوتی ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں
استمداد ازاہل قبور بطریق دعا است کہ از اہل قبور سے استمداد دعا کے طور پر ہوتا ہے
جناب الہی عرض کردہ مطلب یا برآئندہہ باین طور کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا کہ
(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۳۱)

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ہی دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ
اذا تخیرتم فی الامور فاستحبوا باصحاب القبور حدیث نیست قول بزرگ نیست
ولذمعان شتی منها اذا تخیرتمو نظراً الی الدلائل المتعارضہ فی حل بعض
الاشیاء وحرمتها فاترکوا اجتنادکم و نقلوا بمن قد مات وهذا القول الشہ
منقول عن عبد اللہ بن مسعود وسفیان الثوری ومنہا انکم اذا تخیرتم فی الامور
الذنیبۃ وضاق بسبب ذلك قلبکم فأنظروا الی اصحاب القبور کیف ترکوا الدنیاء
استقبلوا الاخرة واعلموا انکم ایضاً صائرون الی ما صاروا وهذا العلم یسهل
علیکم صعائب الدنیاء وشدائدہا بالمجملہ نص در معنی استمداد نیست انتہی
(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۷ و ۲۸)

جس طرح اس عبارت میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اصحاب قبور سے استمداد
کا مطلب بیان کیا ہے اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت میں مشائخ کے
اور ارح طیبہ کی طرف توجیہ کا مطلب سمجھئے اور جس طرح بقول حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب

حوالہ استمداد میں نص نہیں ہے اسی طرح سمجھئے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ عبارت
بھی متنازع فیہ استمداد میں نص نہیں ہے اور ان کی صحیح عبارتیں الہی استمداد کو ترک ثابت کرتی ہیں
یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ منہاہل حضرات کے لئے اپنی شرائط
اہل قبور سے فیض کے ساتھ حضرات صوفیاء کو اہم کی اصطلاح میں استفاضہ ازاہل قبور
کا مسئلہ بھی ہمارے اکابر کے ہاں مسلم ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ایک ال کے
جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

سوال:

کسے صاحب باطن یا صاحب کشف برقبو کوئی صاحب باطن یا صاحب کشف ان بزرگوں
ایشان مراقب شدہ چیز سے از باطن اخذ کی قبروں پر مراقبہ کر کے باطن کی کوئی چیز اخذ کر
میتواند نمود یا نہ جواب میتواند نمود انتہی
(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۸۹)

اس سے معلوم ہوا کہ صاحب باطن یا صاحب کشف جو اس فن کے اہل لوگ ہیں وہ فیض
قبور حاصل کر سکتے ہیں۔ حضرت تاضی شاہ اللہ صاحب پانی پتی سے ارغام فرماتے ہیں
اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر شریف اور اولیاء کلام کی قبور سے بھی فیض حاصل
کر سکتا ہے (ارشاد الطاہرین ص ۳۲ طبع مجتہدانی دہلی) اور حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب
نخاوی قبور کے احکام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں البتہ زیارت کرنا اور البصا
نواہب کرنا اور اگر صاحب نسبت ہوں تو ان سے فیوض لینا یہ سب اچھی باتیں ہیں انتہی بلغظ
(تعلیم الدین ص ۱۹ طبع دہلی) حضرت مولانا محمد بدر عالم میرٹھی رقم مدنی ص ۶۲ المتونی ص ۸۰
کہتے ہیں کہ

نقد سألتم عنہ مرة عن الاستفاضة میں نے حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کبیر
من اهل التورہ هل يجوز ذلك ام لا فقال سے ایک مرتبہ اہل قبور سے استفاضہ کے بارے
اسا المحدثون فلا اھوج و ذرۃ و لکن دریافت کیا کہ کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے
اجیزا ان کو نہ ذابت عند ادباب العقائت فرمایا کہ میرے خیال میں حضرات محدثین کو اس کو

غیرانہ بینبغی لمن کان اهللاً امامن
 کان منغسأ فی الظلمات فلا ینیرہ لہ قیہ
 انتہی (ہامش فیض الباری ۲/۳۸۳)

جائز نہیں قرار دیتے لیکن میں اس کو جائز سمجھتا ہوں
 کیونکہ اصحابِ حقانیت کے ہاں یہ ثابت ہے کہ
 انہیں انہی کے لئے مناسب ہے جو اس کا اہل ہو
 جو نفس کی تباہیوں میں ڈوبا ہوا ہے تو اس
 لئے اس میں کوئی تیر نہیں ہے۔

لیکن فیضِ قبور کے اس صوفیانہ مسئلہ کا استمداد مافوق الاسباب اور مافوق الارباب
 کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے لہذا اس کے جواز سے اس کا جواز ثابت کرنا غلط ہے۔
 الگ بات ہے کہ سنی قسم کے اور اہل لوگوں کو ان دونوں کے اقیانوں میں اشتیاب
 ان کی لاعلمی کی وجہ سے علماء پر کیا زبردستی ہے کیونکہ من عرف بختہ علی من لم یعرف
 نااہل لوگوں کو اس نازک مسئلہ سے روکنے کے بارے میں سداً للذریعہ ان کو منع کرنا
 اور شریعت میں اس کی کئی نظیریں موجود ہیں۔

بلکہ سادہ اور اس کی نظر کا دیا ہوا کافی ہے ایک عمر کے آرام کے لئے
 یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ مولف نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت
 میں لفظ انجذاب کی حقیقت ہی کو نہیں سمجھا یہ ایک خالص صوفیانہ اصطلاح ہے جس
 مولف نے مذکور بالکل نااہل میں حضرت قاضی شہداء اللہ صاحب پانی پتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 علم تصوف کے رسالہ ارشاد الطالبین میں لکھتے ہیں۔

مسئلہ جذب مطلق جس سے مراد اجتناب ہے جیسے انبیاء کو میداً فیاض کے ساتھ
 رکھنے کے باعث ہونا ہے اولیاء کو بھی حق تعالیٰ کے ساتھ بوری مناسبت پیدا
 کے بعد حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ جذب مطلق کا مانع عدم مناسبت ہونا ہے اور وہ مناسبت
 کے ساتھ بدل گیا پس معلوم ہوا کہ صوفی جب سیر مریدی کو حاصل ہونا ہے اور دوسری
 طے کر کے مقامِ محبوبیت تک پہنچ جاتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 متابعت سے محبوب خدا ہو جاتا ہے اس وقت اس کا اجتناب نیابت پر موقوف
 رہتا بلکہ اس کے بعد اس کو جو ترقیات حاصل ہوں گی وہ سیر مرادی ہوگی۔

مسئلہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرید کو اجتناب اور جذب مطلق حاصل ہو جاتا ہے اور
 پیر اس کو حاصل کئے ہوئے نہیں ہوتا۔ پس اس صورت میں مرید پیر سے افضل ہو جاتا ہے
 مراد رومی نے شیخ ناج الدین سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ
 اللہ تعالیٰ بندہ کو اپنی طرف جذب کر لیتا ہے اور کسی استاد کو اس پر مقرر نہیں کرتا
 (ارشاد الطالبین ص ۳۸۳ طبع مجتہائی لاہور) اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ کسی
 کو جذب کر لینا اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور یہ کبھی بغیر استاد کے بھی ہوتا ہے ہاں مناسبت
 شرط ہے مشائخ کا کام تو اس میں صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کے حق میں دعا کریں یا
 وہ قرب الہی کا طریق بتائیں باقی جذب کی کیفیت دینا ان کا کام ہے اور نہ ان کا بس ہے
 سو اس میں ان سے استمداد کرنے کا کیا مطلب ہے؟ جس کے درپے مولف مذکور ہیں
 اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں واضح ہو کہ قرب الہی کا موجب جذب یعنی خدا کا اپنے بندے
 کو اپنی طرف کھینچنا ہے یہ جذب کبھی بلا کسی واسطے کے ہوتا ہے اس کو اجتناب کہتے ہیں
 اور اکثر کس امر کے توسط سے ہوتا ہے اور متوسط حکم استقرار دو چیزیں ہو سکتی ہیں ایک
 عبادت دوسری انسان کامل و مکمل کی صحبت پس جذب الہی جو عبادت کے توسط سے ہو
 اس کو عبادت کا ثمرہ کہتے ہیں اور جو صحبت کے توسط سے ہو اس کو تاثیر کہتے ہیں (ارشاد
 الطالبین ص ۳۸۳) انہی علمی اصطلاحات سے ناواقفی کی وجہ سے صحیح بات اہل بدعت کے
 ذہن میں نہیں آتی جو صحیح بات کو بگاڑنے کے برابر ہانے انہیں آتے ہیں بقول شاعر
 نہ جانے کا تو نہیں جانتے ہانہ کچھ نہرا حیلہ نہ آنے کا قہ کو آتا ہے

جب اس عبارت میں متنازع فیہ معنی میں استعانت مراد ہی نہیں تو اس کی وجہ سے
 حضرت شاہ صاحب کی تعقید متین میں پیش کردہ مفصل عبارات میں استعانت کے ناجائز
 ہونے کو استعانت علی وجہ العبادت یا مستغفل بالذات پر محمول کرنا اور حضرت شاہ صاحب کی
 اس محمل اور غیر متعلق عبارت سے ان پر مشرک ہونے کا فتویٰ طلب کرنا جیسا کہ مولف مذکور
 نے ضابطہ لکھا یا ہے اور دیا ہے نرمی طفل تسلی اور شیخ جلی کی رام کہانی ہے حضرت شاہ صاحب
 کا دامن بالکل پاک ہے۔

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہونا اثر
کو ہساروں میں نشان نقش پالمتا نہیں

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا یہ حوالہ بھی کہ وصال پانے والے اولیاء اور دیگر صلہ
مومنین سے استفادہ اور استغانت جاری و ساری ہے الخ مؤلف مذکور کو نافع نہیں
لئے کہ اس سے وہی استفادہ و استغانت مراد ہے جو ان کے توسل یا ان کی دعایا
لوگوں کے لئے فیض نبور کے سلسلہ میں حاصل ہے اور عرض کیا جا چکا ہے کہ اس کا
ہی جُدا ہے پھر یہ بات بھی یاد رہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب مردوں کو دفن کرنے
کے فوائد اور جلائے کے مضرات بیان کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں چنانچہ ان کی بقدر ضرورت
عبارت یہ ہے جس سے مؤلف مذکور کے دجل کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے

و نیز سو سخن باکش تفریق اجرائے بدن میت
است کہ بسبب آن علائقہ روح از بدن انقطاع
کلی می پذیرد و آثار این عالم با آن روح کمتر می رسد
و کیفیات آن روح با این عالم کمتر است
کنند و در دفن کردن چون اجزائے بدن بجای
یکجا می باشند علائقہ روح با بدن از راه نظرو
عنایت بحال می ماند و توجہ روح بنوائی و
مستائین و مستفیدین بسہولت می شود کہ
بسبب تعیین مکان بدن گویا مکان روح
ہم متعین است و آثار این عالم از صدقات
و فائزہ و نفاذات قرآن مجید چون در آن بقعہ
کہ دفن بدن اوست واقع شود بسہولت
نافع می شود پس سوختن گویا روح را بے مکان
کردن است و دفن کردن گویا مسکنی برائے

روح ساختن بنا بر این است کہ اولیاء مومنین
و دیگر صلحائی مومنین انتفاع و فائدہ جاری است
و آثار ازا فادہ و اعانت نیز منظور بخلاف
مردہ ہائے سوختہ کہ این چیز ہا اصلاً نسبت
بآئنا ہر مذہب آئنا نیز واقع نیست
(ص ۶۷ و ۶۸ طبع جدیدی بمبئی)

ہوں گے پس جلا ناگوار اور کبے مکان کرنا ہے
اور دفن کرنا گویا روح کے لئے مکان بنانا ہے اور
اسی وجہ سے مدفون اولیاء کو اتم اور دیگر نیک و منوں
سے انتفاع اور فائدہ جاری ہے اور ان سے بھی نافع
اور اعانت منظور ہے بخلاف ان مردوں کے جن کو
جلا ہوا جاتا ہے کہ ان چیزوں کی ان کی طرف نسبت ان
کے مذہب میں بھی واقع نہیں ہے
اس عبارت سے یہ اخذ کرنا کہ مردوں سے استغانت کرنا مسلمانوں کا اور نہ کرنا کفار کا
خاصہ ہے نیز یہ کہنا کہ اس سے تنذرع فیہا استغانت کا انکار کر کے سرفراز صاحب نے
اپنا فاروق کفارت ملا دیا ہے یا معاذ اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کو جلے ہوئے مردوں میں
شامل کر دیا ہے اور لاکھوں دیہوں کی توہین اور کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح
کیا ہے صرف اپنے ناخواندہ حواریوں کے جذبات کو بچھڑکانے کی ایک بھلا کام کوشش
اور نامراد کاوش ہے اور خالص دجل و ملیس ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب عقائد باطلہ
کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں

و یا زنبہ آئمہ و اولیاء را برابر زنبہ انبیاء و مرسلین
مگرداند و انبیاء و مرسلین را لوازم الوہیت از
علم غیب و شنیدن فرما و پھر کس در ہر جا و
قدرت بزجمع مقدرات ثابت کند و لا یشک
و ارواح انبیاء و اولیاء ماور پرودہ صورت و
تمائیل و قبور و تعزیرہ ہا معبود سازد و رزق
و فرزند و خدمت و منصب از ایشان استقلال
در خواست کند و شفاعت و عرض ایشان را
در حجاب او تعالیٰ واجب القبول گوید

اور یا آئمہ اور اولیاء کو حضرات انبیاء و مرسلین علیہم
الصلوٰۃ والسلام کے رتبہ کے برابر کر دے، اور
حضرات انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے
لوازم الوہیت مثلاً علم غیب اور ہر ایک کی ہر جگہ سے
فریاد شننا اور تمام مقدرات پر قدرت ثابت کیے
اور فرشتوں اور ارواح انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ
والسلام کو ان کی صورتوں اور تصویروں اور قبور
و فرزند و خدمت و منصب از ایشان استقلال
اور تعزیروں کی شکل میں معبود نہاتے اور رزق اور
اولاد اور خدمت اور منصب بلا استقلال ان

۱۱۴ مانگے اور ان کی شفاعت اور درخواست کو
تعالیٰ کے ہاں واجب القبول سمجھے اگرچہ وہ
اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب اور ہر ایک کی ہر جگہ سے فریاد و شہنا لوازم الوہیبیت
سے ہے اور اسی طرح ارواح انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے رزق و اولیاء
لوگزی اور عزت و منصب بالا استقلال طلب کرنا کہ آپ خود سے دیں ایمان کی
کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں واجب القبول تصور کرنا یہ سب عقائد باطلہ میں سے ہیں
حضرات انبیا کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے رزق و اولاد وغیرہ مانگنا یا
ان امور میں استعانت اور ان کی واجب القبول شفاعت جائز ہوتی تو حضرت
کبھی بھی ان امور کو عقائد باطلہ میں شمار نہ فرماتے مگر فہم و غم و شرم و ہراس
خرد سے راہرو روشن بصر ہے خرد کیا ہے؟ چراغ رکھنا ہے
اسی طرح حضرت شہاہ عبدالعزیز صاحب کا یہ حوالہ کہ وہ خواص اولیاء اللہ جن
نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے الخیر مولف مذکور کو مفید نہیں کیونکہ اس
پہے کہ جن خواص اولیاء نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر
تھا وہ وفات کے بعد بھی تصرف کرتے ہیں سوال یہ ہے کہ حضرات اولیاء کرام جب
دُنیا میں زندہ تھے کیا وہ لوگوں کو ہدایت دینے پر قادر تھے؟ اگر ایسا ہی تھا تو مولف مذکور
ہی ازراہ انصاف یہ بتائیں کہ ان کے نزدیک اِنَّكَ لَا تَهْتَدِي مَنْ اَحْبَبْتَ الْاٰلِه
کا کیا مطلب ہے؟ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے شفیق اور مہربان چچا
(الوطالب) کو ہدایت نہیں دے سکے اور نہ دے سکتے تھے تو بد دیگر ان چچر رسد دیگر
اولیاء کرام کیونکر اور کیسے کسی کو ہدایت دے سکتے ہیں؟ جب زندگی میں وہ بنی نوع
کو ہدایت نہیں دے سکے اور نہ دے سکتے ہیں تو مرنے کے بعد یک لخت ان کو یہ خدا
اختیارات کہاں سے اور کس دلیل سے حاصل ہو گئے ہیں؟ جیسے دُنیا میں وہ لوگوں
لئے تبلیغ و دعاء کے ذریعہ ہدایت کا ذریعہ تھے اب چونکہ تکلیفی زندگی ختم ہو چکی ہے

تبلیغ کا مرحلہ تو جاتا رہا ہاں دعا کا سلسلہ جاری و ساری ہے اور عرض اعمال کی روایات میں
ان کی دعاء کا صاف تذکرہ موجود ہے بقدر ضرورت روایات ہم نے کسیکین الصدور اور
سماع المونی میں عرض کر دی ہیں وہاں ہی ملاحظہ کر لیں اور اُمر وی استغراق ان حضرات
کو اہل دنیا کے لئے دعا وغیرہ سے ممانع نہیں ہونا۔ باقی حضرات اولیاء کا ارشاد بھی بجا
ہے لیکن نہ تو وہ شخص کے لئے ہے اور نہ ہر وقت کے لئے ہے وہ صرف انہی لوگوں
کے لئے ہو سکتا ہے جو اس کے اہل ہیں حضرت قاضی شہاد اللہ صاحب پانی پتی انحضرت
ارشاد فرماتے ہیں

مسئلہ بعض لوگوں کو جن کو قوی استعداد دی گئی ہے کبھی پیغمبر یا کسی ولی کی
روح سے فیض پہنچتا ہے اور اس کو ولایت کے مرتبے پر پہنچا دیتا ہے اور اس کو
اویسی کہتے ہیں کیونکہ اویس قرنی نے سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے مشرف
ہوئے بغیر آپ سے فیض حاصل کیا ہے انتھی بلفظہ (ارشاد الطالبین ص ۳)
الغرض امت کے گئے چُٹے افراد کے خصوصی معاملہ کو عوام الناس کی مشرکانہ
کاروائیوں کے لئے ایک چور دروازے کے طور پر استعمال کرنا جیسا کہ مولف مذکور کا
عند یہ ہے سراسر باطل ہے رہا روح سے یہ فیض کیا کشف و الہام یا خواب کے ذریعہ
ہوتا ہے یا فیض قبور کے طریقہ سے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ عند القبر تو یہ فیض روح سے
بمشارکت الجسد ہوگا اور دور سے جسد مثالی کی صورت میں اور مخصوص طور پر باطنی کمالات
کے حصول کے لئے متاہل حاجت مندوں کی حاجتیں پوری ہوتی رہتی ہیں اور جناب یہ حضرات
اپنی زندگی میں بدن کی محنت اور مشقت سے کمالات حاصل کرنے کے درپے ہوتے ہیں
آنا ہی لاکھ سے فیض ہوتا ہے

سوگد ارش ہے کہ راقم اٹیم نے حضرت شاہ صاحب کی ہمدات کی اس عبارت کو غور پڑھاؤ
سمجھا ہے اور حضرت شاہ صاحب کی متعدد دیگر عبارات کو کبھی غور و فکر سے پڑھا ہے اور
پڑھ کر بھلا اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب کے نقش قدم پر ہی قدم رکھا ہے اور حضرت شاہ
صاحب کی منزل بفضلہ تعالیٰ جنت الفردوس ہے وہاں سفر نہیں اور راقم اٹیم بھی اللہ تعالیٰ

کے خصوصی فضل و کرم کا امیڈار ہے اور نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے مالک میں ملتی ہے کہ سے

میرے گناہ زیادہ ہیں یا تیری رحمت کریم تو ہی تبادے حساب کر کے مجھے ،

حضرات صحابہ کرام رف سے لے کر تا ہنوز صلحاً نے جس استغانت کو جایز قرار دیا ہے ماقم اٹیم بھی اس کا مقرر ہے اور اکابر ملت کے دامن سے وابستہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے فضل عنایت سے بڑے فائدہ میں ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ ہے کہ تم آج کو کوئی چاہیے لوگوں کو اپنے حلوے ماندے اور دیوبند و جاہلت کی خاطر شرک کے جام بھر بھر کے پلائے ہیں اور ان کی ماہ مارتے ہیں مگر ایک دن آنے والا ہے جس میں دودھ کا دودھ اور پانی پانی سب کچھ کر سامنے آجائے گا اور اس وقت آپ کو حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ بوقت صبح شہود بچہ روز معلومیت کہ باکہ باخستہ عشق در نشیب دی بچہ

حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت سے یہ ثابت کرنا کہ خواص ادیباء اللہ مشکل اور فریادرس ہوتے ہیں اور وہ اس طرح کا مافوق الاسباب تعریف دنیا میں کرتے ہیں باطل ہونے کے علاوہ خود حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی تصریحات کے بھی بالکل خلاف ہے چنانچہ سورۃ نوح کی تفسیر میں ۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱۵۵۶-۱۵۵۷-۱۵۵۸-۱۵۵۹-۱۵۶۰-۱۵۶۱-۱۵۶۲-۱۵۶۳-۱۵۶۴-۱۵۶۵-۱۵۶۶-۱۵۶۷-۱۵۶۸-۱۵۶۹-۱۵۷۰-۱۵۷۱-۱۵۷۲-۱۵۷۳-۱۵۷۴-۱۵۷۵-۱۵۷۶-۱۵۷۷-۱۵۷۸-۱۵۷۹-۱۵۸۰-۱۵۸۱-۱۵۸۲-۱۵۸۳-۱۵۸۴-۱۵۸۵-۱۵۸۶-۱۵۸۷-۱۵۸۸-۱۵۸۹-۱۵۹۰-۱۵۹۱-۱۵۹۲-۱۵۹۳-۱۵۹۴-۱۵۹۵-۱۵۹۶-۱۵۹۷-۱۵۹۸-۱۵۹۹-۱۶۰۰-۱۶۰۱-۱۶۰۲-۱۶۰۳-۱۶۰۴-۱۶۰۵-۱۶۰۶-۱۶۰۷-۱۶۰۸-۱۶۰۹-۱۶۱۰-۱۶۱۱-۱۶۱۲-۱۶۱۳-۱۶۱۴-

نہیں ہوتا اور نہ بقول آپ کے اعلیٰ حضرت کے یہ بھان متی کا تماشا بن جائے گا حضرت باقی باللہ کی دعا اور توجہ کی برکت سے اس کرامت کے سرزد ہونے پر انہیں مستعان سے دینا اور ان کو مشکل کشا اور کرنا مولف مذکور کی خالص نادانی اور حقیقت توحید اور اسلام سے ناواقف ہی ہے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہم مشکل بنادینا خلاف عادت بھی اور خرق عادت بھی لیکن یہ بنانا خدا تعالیٰ کا کام ہے نہ کہ حضرت باقی باللہ کا بلکہ وہ مشرک ہیں اور نہ شرک کے داعی بلکہ وہ پکے موحد اور اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں اور سر فرشتہ تو ایک ادنیٰ مسلمان اور مبتدی طالب علم ہے وہ بطور کرامت خرق عادت کے کسی کو کیسے ہم شکل بنا سکتا ہے؟ کیا پدی اور کیا پدی کا شوریا، کیا بی اچھا ہونا کہ مولف مذکور حضرت شاہ صاحب کی مکمل عبارت پیش کر دیتے تاکہ قارئین کرام اس سے خود لگا لیتے اور کسی اشتباہ کا شکار نہ ہوتے۔ پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

چہارم: تاثر اتحادی کہ شیخ روح خود را کہ حاصل کمالے است بارح مستفید بقوت تمام مقدس ساز و تا کمال روح بروج تلبندی رسد و بار بار حاجت استفادہ نمی ماند و در اولیاء اللہ این قسم تاثر بندرت واقع شدہ از حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ منقول است کہ روز سے در خانہ ایشان چند کس ہمان شدند و با حضر موجود نہ بود آقا حضرت خواجہ دیکھ ضیافت ہمانا مشوش شدہ در تلاش ما حضر شدند اتفاقاً نوانی متصل خانہ ایشان دوکان دانشت بریں نشوین ملطع شدہ یک قرص نان خوب پنجنہ با نہاری مکلف و غن مجدمت ایشان آورد وقت ایشان

یہیں سلوک اولیاء خوش شد فرمودند بخوانا الخ اس وقت اس کے اس سلوک سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مانگ الخ

تفسیر غریبی ص ۳۸ طبع حیدری ممبئی) خود فرمائیں کہ جو بزرگ اپنے چند مہمانوں کے لئے کھانا مہیا کرنے سے عاجز و فاقہ تھے اور اس کے لئے سخت پریشان تھے (اگر پڑوسی دوکاندار امداد نہ کرتا اور ایشیا و قر بانی کا مظاہرہ نہ کرتا تو حضرت باقی باللہ کے ہمان ان کے گھر سے بھوکے جاتے) تو ان کو اس دوکاندار کو از خود ہم شکل بنانے پر قدرت کہاں سے حاصل ہو گئی؟ سمجھ ر آدمی کے لئے تو اتنی ہی بات کافی ہے باقی بلے سمجھ کے لئے دفتر کے دفتر بھی بیکار ہے صوفیائے کرام؟ اس کاروائی کو تاثر اتحادی اور بروز سے تعبیر کرتے ہیں اور ایسے واقعات بہت کم اور نادر واقع ہوتے ہیں اور خود اس عبارت میں بندرت واقع شدہ کے الفاظ موجود ہیں اور ان کی اصطلاح جیسے نسل بروز میں کوئی روح کسی زندہ کے بدن میں تصرف کرے، یہ تصرف جن و شباطین کی تو معمولی بات ہے اور انسان سے بطور خرق عادت واقع ہونا ہے (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۱۱، انوار العارفین ص ۱ و تعلیم الدین ص ۹) اور خرق عادت کے باسے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ مخلوق کے بس کی بات نہیں ہے اور خود حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں

این نوع تصرف یعنی بروز روح در روح حی کہ تصرف کی یہ قسم یعنی روح کا کسی زندہ یا مردہ یا میت دراصل از خواص حقیقتہ الحقائق تعالیٰ و تقدس است اہ

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۱۱ طبع مخبائی دہلی)

یعنی اب تو معاملہ ہی بالکل واضح سے واضح تر ہو گیا کہ ہم شکل بنانا جس کو حضرات صوفیاء کرام اپنی اصطلاح میں بروز کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ ہی کے خواص میں سے ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کا خاصہ اسی کے ساتھ مختص ہوتا ہے وہ کسی دوسری چیز میں نہیں پایا جاتا۔ غرضیکہ حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وغیرہ اکابر اپنے اپنے دور میں موحیدین کے سردار اور ان کے پیشوا گذرے ہیں ان پر

کسی نے شرک کا خنجر نہیں چلایا اور نہ ان پر چل سکتا ہے یہ مؤلف مذکور کی کم فہمی ہے کہ اصل حقیقت کو سمجھے بغیر اور ان حضرات کی مفصل عبارات سے قطع نظر کرنے ہوسکتا کہ نہایت صحیح عبارات اور ان کی بیان کردہ بعض کرامات سے اپنے شرک کی مال گاڑی پھلا سکتا اس پر پیگ کو سوار کرنے کے دل و جان سے خواہاں ہیں

قضاء کے سامنے بیکار ہوتے ہیں جو اس اکبر کھلی ہوتی ہیں گو شخصیں مگر مینا نہیں ہوتیں

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے واقعہ میں خود مؤلف مذکور کرامت کا لفظ نقل کرتے ہیں اور جب کرامت ان کا فعل نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے تو اس کی وجہ سے ان پر شرک کی تلوار کیوں دار کرے؟ کیونکہ شرک کی تلوار کی زد تو مشرکین پر پڑتی ہے نہ مؤحدین پر اور بفضلہ تعالیٰ جب دیوبند کے مسلک سے وابستہ سبھی حضرات مؤحدین اور انہیں شرک کی تلوار کیوں چھوئے گی۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ اسلاف دیوبند تو مؤحد اور متبع سنت اور بفضلہ تعالیٰ اجنتی ہیں اور ان کا اور ان کے شاگرد راقم انہم کا قول بالکل صحیح اور حق ہے اس سے رجوع کرنے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔

الغرض حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مافوق الاسباب استمداد و استعانت قطعاً شرک ہے اس کے شرک ہونے میں رتی برابر شک نہیں ہے اور اس استمداد کو مؤلف مذکور نہ ثابت کر سکے ہیں اور نہ تا قیامت ثابت کر سکتے ہیں ان کے پیش کردہ مخالطات قارئین کرام کے سامنے ہیں۔

لطیفہ مؤلف مذکور سلف دیوبند لکھتے ہیں اگر یہ سلف کی جمع ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ سلف جو اچھے پیشرو کے لئے آتا ہے اس کی جمع اسلاف اور سلاف ہے (دیکھئے قاموس ج ۳ ص ۱۵۱ طبع مصر، مختار الصحاح ص ۲۲۱) اور سلف بمعنی تخیل یا بطن تخیل یا الیہ لای جس کو اچھی طرح دباغت نہ دی جاسکی ہوتو اس کی جمع اسلف اور سلف آتی ہے (دیکھئے قاموس ج ۳ ص ۱۵۱) مؤلف مذکور نے یا تو جہالت کی وجہ سے سلف کا لفظ لکھا ہے یا

شرارت کی بنیاد پر دھوکا ظہر الفاظ بگاڑنے سے اس جماعت اور ان کے اعلیٰ حضرت گناہی لگاؤ ہے اور اس میں ان کو مزہ بھی آتا ہے ہاں اگر سیلف کی جمع سلف لکھی ہے تو بجا ہے۔

(دیکھئے المنجد ص ۲۲۷ وغیرہ)

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار یہ حقائق ہیں تماشائے سب بام نہیں

سرفراز صاحب کا وجوہ فاسد سے استدلال اور اس کے جوابات کے

یہ عنوان قائم کر

نے جو کچھ لکھا ہے اس کا نہایت اختصار سے خلاصہ درج ہے (یہ یاد رہے کہ راقم نے تنقید متین ص ۳ میں مؤلف مذکور کے صدر الافاضل کی تردید میں یہ تحریر کیا تھا کہ جو تفسیر اور احتمال ایتانکے تَشْتَعِبْنَ میں انہوں نے بیان کیا ہے بعینہ وہ ایتانکے تَعَبُّد میں بھی جاری ہو سکتا ہے مثلاً ایک شخص حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام کو سجدہ کرتا ہے یا نماز روزہ اور قربانی وغیرہ ان کے نام کی ادا کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ درحقیقت تو وہیں عبادت بواسطہ با بے واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ادا کر رہا ہوں ہاں مگر ان حضرات کو صرف تقرب الہی کا مظہر سمجھتا ہوں تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں نادرست ٹھہری؟ اور کس دلیل سے؟ اور اگر غلط ہے تو غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کیوں کر حق قرار دیا گیا؟ اور اس استعانت کو غلط کرنا کیسے عقیدہ باطلہ ٹھہرا؟ انتہی اس کے جواب میں مؤلف مذکور یہ لکھتے ہیں۔

سرفراز صاحب کا یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل و مردود ہے۔

اولاً تو اس لئے کہ ان کی دلیل اپنے تمام مقدمات کے ساتھ اقبوا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ میں بھی جاری ہوتی ہے حالانکہ مدعی مختلف ہے مثلاً کوئی شخص یوں کہہ سکتا ہے کہ جس طرح اقبوا الصلوٰۃ میں نماز کا حکم ہے اور اسی طرح اتوا الزکوٰۃ میں زکوٰۃ دینے کا حکم ہے پس کیا ہے کہ نماز تو دنوں میں پانچ مرتبہ پڑھی جائے اور زکوٰۃ سال میں صرف ایک بار دی جاتی ہے نیز نماز پڑھنے پر تو ہر مہر و فریب مجبور ہے اور زکوٰۃ کا صرف صاحب نصاب مکلف ہے پس یا تو

زکوٰۃ بھی دن میں پانچ مرتبہ ادا کی جائے یا نماز بھی سال میں صرف ایک بار پڑھی جائے کسی طرح یا نو رکوٰۃ بھی برابر وغریب پر فرض ہو یا نماز بھی صرف صاحب نصاب پڑھا کرے۔ نو بتلائے کہ سرفراز صاحب کی اس منطق کو ہوش و خرد کی دنیا میں کون قبول کرے گا؟

دو تانیاً ہدایہ چہاٹ پر ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جسے نماز میں تہ اگلی یا اس کی تکمیل چھوٹ گئی وہ نماز چھوڑ کر وضو کرے اور اپنی نماز پورا بنا کرے جب تک اس نے کسی سے بات نہ کی ہو اس فرمان میں دو حکم ہیں ایک وضو کرنے کا دوسرا نماز پورا نہ کرنا پہلا واجب ہے اور دوسرا اباحت کے لئے ہے لیکن سرفراز صاحب کی منطق پر لازم آئے گا کہ دونوں کا حکم ایک جیسا ہو یا وضو بھی مباح ہو اور یا نہ بھی واجب ہو۔

وَاللَّغْوُ سرفراز صاحب کا یہ استدلال اس باطل عقیدہ سے مستعار ہے کہ قرآن فی الذکر قرآن فی الحکم پر دلالت کرتا ہے حتیٰ کہ جب دو چیزوں کا ذکر مقرون ہو تو ان کا حکم بھی ایک ہی ہو حالانکہ احناف کے ہاں یہ ضابطہ باطل ہے پھر آگے حاشیہ عبد الغفور کا حوالہ دیا کہ احناف کہتے ہیں کہ قرآن فی الذکر قرآن فی الحکم پر دلالت نہیں کرتا اور صاحب منار نے قرآن فی الذکر قرآن فی الحکم کو وجوہ فاسد میں سے شمار کیا ہے اور ملا جیون فرماتے ہیں کہ یہ وجوہ فاسدہ میں سے چوتھی قسم ہے (نور الانوار ص ۱۱۱) کیا سرفراز صاحب کا فراڈ اب بھی حیرت خیز ہے؟ کیا دیدہ بینا پر یہ امر اب واضح نہیں ہو گیا کہ سرفراز صاحب کا استدلال وجوہ فاسدہ پر مبنی ہونا ہے اور جس کا مبنی فاسد ہو وہ فاسد نہیں تو اور کیا ہوتا ہے؟

وَابَعاً تفسیر بیضاوی ص ۱ میں عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ عبادت مدد حاصل کرنے کے لئے وسیلہ ہے اور وسیلہ مقصود پر مقدم ہوتا ہے۔ عبادت کو استعانت پر اس لئے مقدم کیا گیا تاکہ رعایت نواہل ہو اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وسیلہ کو مقصود پر مقدم کرنا اجابت کے زیادہ قریب ہے پس جب ثابت ہو گیا کہ اس مقام پر عبادت سبب اور استعانت سبب ہے تو ظاہر ہو گیا کہ دونوں کا حکم ایک نہیں ہو سکتا۔

وخاصاً چلتے ہوئے سرفراز صاحب سے منوالے دیتے ہیں کہ عبادت اور استعانت دونوں کا حکم ایک نہیں ہے ص ۲۸ پہلے انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ زکوٰۃ اور قریب سے امور عبادی ہیں

استعانت جائز ہے اور اس کو وہ ظاہری استعانت کہتے ہیں حالانکہ زندہ اور قریب کی ظاہری عبادت تو کسی طور جائز نہیں پس اب اگر وہ اس ظاہری استعانت کو شرک قرار دیں تو خود مشرک ہوتے ہیں اور اگر یہ ظاہری استعانت جائز ہو تو ان کی کلمی ٹوٹی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ عبارت اور استعانت دونوں کا حکم ایک طرح نہیں کیونکہ غیر اللہ سے ظاہری استعانت جائز ہے اور غیر اللہ کی عبادت ظاہری باطنی تحقیقی مجازی کسی طور پر جائز نہیں ہے پھر آگے جوش میں آکر لکھتے ہیں کہ صوفی تخریف کے سہارے دیوار بنانے والوں کی عمارت کا بھی یہی حال ہوتا ہے جھوٹا کاغذ جھوٹوں پر گنا ہے سرفراز صاحب محاسبہ سے بے خوف ہو کر میں مانی تفسیروں سے شرح قرآن پر زندہ چلاتا ہے اب اس کا حساب آپ بچا ہے محاسب۔ جسے نذر تخریفات کی ہیں ایک ایک کمر کے مواخذہ ہوگا لاشعہ ضلالت میں سر مست ظلم توڑ دیا جائے گا اور اس کی مجرمانہ خیانتوں کی عبرت ناک تعزیر دی جائے گی۔

بقی نہیں ہے صبر کو خصت کہتے بغیر کام ان کی بے قرار نگاہوں سے پڑ گیا (محصلا ص ۲۶۹ تا ۵۲۱)

الجواب: مولف مذکور کو قرآن و حدیث علم و فہم اور بصیرت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے اور وہ ہے کہ وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے اور اپنے ناخاندہ اور بے شعور حواریوں کو دُر کی رقم کہانی سناتے رہتے ہیں اور غیر متعلق حوالے دے دے کر مفت کا علمی رعب جمانے کی لا حاصل سعی کرتے ہیں ہمارا استدلال و احتجاج اس امر پر مبنی نہیں کہ قرآن فی الذکر قرآن فی الحکم کو چاہتا ہے تاکہ اقیبہ والصلوٰۃ دانوا الذکوٰۃ کی غیر متعلق بحث اور ہدایہ اور حاشیہ عبد الغفور اور نار اور نور الانوار سے وجوہ فاسدہ کے حوالے پیش کر کے اس کو رد کیا جائے یہ تمام کے تمام حوالے ہمیں مضر نہیں اور مولف مذکور کو مفید نہیں کیونکہ ہمارے استدلال کی وجہ یہ نہیں ہے ہم نے تنقید متین ص ۳۲ میں وجہ استدلال یہ بیان کی ہے۔

معمول گرامر سے واقف اور عربی کا مبتدی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں تَسْتَعِينُ کا مفعول و محمول اِیْتَاکَ ضمیر منفصل کی صورت میں محض اس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ محض کا فائدہ سے اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہی کے

ساتھ مختص ہو جائے الخ اس ساری عبارت کو مولف مذکور سیون اپ سمجھ کر بی گتے ہیں مولف کی کتاب میں ہمارے استدلال کی وجہ کا اشارہ تک نہیں کیا اور یہ پرلے درجہ کی علمی حیثیت ہے کیا مولف مذکور کا یوم حساب قریب نہیں؟ اور کیا ان کو موت یاد نہیں؟ اور کیا ان کے لئے کوئی عجزناک تعزیر کسی عدالت میں موجود نہیں ہے۔

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیدس نواز سے !!!
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر؟

ہم نسا کی حصر پر استدلال کی بنیاد رکھ کر بات آک تَعَبُّد کے پیش نظر سوال کیا تھا کیونکہ اس میں بھی حصر موجود ہے مگر مولف مذکور نے مغت میں یہ مورچہ قلعہ کرنے کے شوق میں اپنی طرف سے قرآن فی الذکوٰۃ کی غیر متعلق بحث چھیڑ کر چند صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں اور اخبوا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ کا تذکرہ کر کے وقت پاس کیا ہے جس میں کوئی حصر موجود نہیں ہے اور پھر حضرت قاضی ناصر الدین بیضاوی کا غیر متعلق حوالہ نقل کر کے خوش ہو گئے ہیں مگر اس کا انکار کس نے کیا ہے کہ عبادت وسیلہ نہیں؟ عبادت اور استعانت سبب و مسبب ہوتے ہوئے بھی دونوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اور ناس خصوصیت میں دونوں کا حکم ایک ہے البتہ جیسا کہ مولف مذکور یاد رکھنا چاہتے ہیں کہ دونوں کا حکم الگ الگ ہے یعنی عبادت اللہ تعالیٰ کی اور استعانت انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نحوذ با اللہ من سوا الفہم انگریز کے زمانہ میں اس سے مناجات سرکاری اعلان ہوتا تھا مخلوق خدا کی حکم سرکار بہادر کا اور جو استعانت عبادت کی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے وہ ما فوق الاسباب اور امور عادیہ کے ماوراء استعانت ہے زندہ اور قریب سے امور عادیہ میں اور ظاہری استعانت کا مندر اس سے بالکل جدا ہے اس کو در بیان لا کر گڈ مڈ کرنا اور بلا وجہ معادہ لکھنا تا علمی اور تحقیقی ذوق کے بالکل خلاف ہے غرضیکہ مخلوق سے ماتحت الاسباب استعانت تسلیم کرنے سے نہ تو شرک لازم آتا ہے اور نہ کلی ٹوٹی ہے مولف مذکور ای بتائیں کہ موصف کی پیش کردہ صریح دلیل کھلاس کے جو آپ سے عاجز و قاصر ہو کہ ترک کر دینا اور اپنی طرف سے مانگی میں ایک دلیل تراش لینا اور اس کے لئے حوالے تلاش کر کے تنکوں کا پل بنانا اور اس پر

عوام کو گڈاڑا کیا صیہونی (یاد رہے کہ لفظ صیہونی نہیں جیسا کہ مولف مذکور اپنی لاعلمی کی وجہ سے لکھا ہے بلکہ یہ لفظ صیہونی ہے صیہون اس پہاڑ کا نام ہے جس پر بیت المقدس کا شہر آباد ہے دیکھئے قاموس صیہون، بروڈن برڈون اور یہودی تحریک کو اس پہاڑ کی طرف نسبت کتنے ہیں) تحریف نہیں؟ کچھ تو فرمایا میں بات کیا ہے؟ مولف مذکور نے امیدوں کا جو ایک خیالی چین تیار کیا تھا وہ بالکل اجر کمرہ گیا ہے اور ان کی فرضی عمارت خود ان پر ہی گر پڑی ہے بعد نہیں کہ انہوں نے چین تیار کرتے وقت یہ پڑھا ہو۔

پھلا پھولا ہے یا رب چن میری امیدوں کا !!!
جگر کا خون دے دے کہ یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

منظر افعال و صفات

یہ سرخی قائم کر کے مولف مذکور نے لکھا ہے کہ صدر الافاضل نے فرمایا کہ آلات خدام احباب وغیرہ عون الہی کے منظر میں نیز فرمایا مقربان حق کی امداد امداد الہی ہے (استعانت بالغیر نہیں۔ یہ الفاظ مولف مذکور بالکل بی گتے ہیں کیونکہ ان پر اعتراض کی مدعا ہے) اس پر سرفراز صاحب نے ص ۱۱ میں یہودہ اعتراض قائم کیا کہ مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ کیونکہ مقربان حق کی امداد امداد الہی ہے استعانت بالغیر نہیں سراسر مردود ہے کیونکہ جب ان مقربان حق کا وجود پروردگار کے وجود کا غیر ہے اور وہ غیر اللہ ہیں تو یہ استعانت بالغیر کیوں نہیں؟ ہاں یہ کہ عیسائیوں کی طرح معاذ اللہ ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں گڈ مڈ کر دیا جائے اور اٹھینیت ختم کر دی جائے تو معاملہ الگ ہے انہی تنقید مشن۔

اس کا جواب مولف مذکور یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا (تھانوی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے) (تم ترجمہ پر ہی انکفار کرتے ہیں) سو جب وہ اسی آگ کے پاس پہنچے تو ان کو اس میدان کی داہنی جانب سے (جو کہ موٹی علیہ السلام کی داہنی جانب تھی) اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے موٹی میں اللہ رب العالمین ہوں۔ اب یا تو کہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو درخت میں گڈ مڈ کر دیا اور اٹھینیت ختم کر دی یا صدر الافاضل کی بات پر ایمان لا کر کہئے کہ درخت کلام الہی کا منظر تھا اور درخت میں یہ اللہ کا کلام تھا اس کے بعد انہوں نے مشکوٰۃ ص ۱۹۷ سے حدیث فکنت سمعہ الذی یسمع بالحدیث نقل کر

۱۲۶
 کے اس کا بول ترجمہ کیا ہے پس جب میں اپنے بندے کو محبوب بنا لیتا ہوں میں اس کے
 کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے
 اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے
 اب ذرا سرفراز صاحب سے پوچھئے کہ اگر حق تعالیٰ کے افعال و صفات کا منظر بنا لیا جائے
 اور انہیں نیت کو ختم کر دینا اور ذات کو گڑھا کر دینا ہے تو یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے جو بندہ محبوب کو اللہ تعالیٰ کے تصرفات کا منظر قرار دیا اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد
 ہے کیا یہ عیسائیت کی تعلیم ہے؟ لیکن ہے سرفراز صاحب کے ذہن میں منظریت کے خلاف
 کوئی اور معنی راہ پائے اس لئے ہم تمام محبت کے لئے مولوی انور شاہ کشمیری کی بغیر الہادی
 کا اسی حدیث کی شرح میں کلام پیش کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں جب درخت سے بیٹے اللہ ہوں
 کی آواز آسکتی ہے تو منصرف بالانوار کا کیا حال ہوگا اللہ تعالیٰ اس کی سمع و بصر نہ ہو سکے
 اور اللہ تعالیٰ کا اپنے مقرب بندوں کی سمع و بصر ہو جانا ایسی صورت میں کیونکر محال ہو سکتا ہے
 جب کہ وہ ابن آدم جو رحمن کی صورت پر پیدا کیا گیا شرف و کمال میں شجرہ موسیٰ سے بھی طرح
 کم نہیں — اب آپ کو اجازت ہے کہ پورے شرح صدر سے منظریت کو عیسائیت قرار دے
 کہ مولوی انور شاہ کو جنم میں پہنچا دیجئے یہ کیسا ظلم ہے کہ جو بات آپ کے معنوی آباء کی کتابوں
 میں موجود ہو وہ سب ایمان و عرفان ربے اور وہی بات اگر ہمارے اسلاف بیان فرمائیں تو
 کفر و شرک ہو جائے مزید توضیح کے لئے امام راجی کا نورانی بیان جو تفسیر کبیرہ ص ۶۷۶ میں اسی
 حدیث کے تحت لکھا ہے ملاحظہ فرمائیے اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بندوں
 منقرضین کی آنکھوں کا نور بلکہ تمام اعضاء میں غیر اللہ کے لئے کوئی حصہ باقی نہ رہا اس لیے کہ اگر
 یہاں اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے حصہ باقی رہا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ کہی نہ فرماتا کہ میں اس کی سمع
 اور بصر ہو جاتا ہوں (آگے چل کر فرماتے ہیں) اور اسی لئے حضرت علی المرتضیٰ کو م اللہ و جہ
 نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے خبر کا دروازہ جسمانی قوت سے نہیں اکھاڑا بلکہ ربانی قوت سے
 اکھاڑا تھا اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر عالم اجساد سے منقطع ہو
 چکی تھی اور ملکی قوتوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عالم کبریا کے نور سے چمکا دیا تھا جس کی وجہ سے

۱۲۷
 ان کی روح قوی ہو کر ارواح تکبیر کے جواہر سے مشابہ ہو گئی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں
 وہ قدرت حاصل ہو گئی جو ان کے غیر کو حاصل نہ تھی اور اسی طرح جب کوئی بندہ بیکبیر ہو گیا
 اختیار کرنا ہے تو اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کنت لہ سمعاً و
 بصرًا فرمایا ہے اور جب اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور دور کی آواز
 کو سُن سکتا ہے اور جب نور اس کی بصر ہو گیا تو دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور جب
 نور جلال اس کا ہاتھ ہو جاتے تو یہ بندہ منہ شکل و آسان دور و قریب چیزوں میں تصرف کرنے پر
 قادر ہو جاتا ہے۔ ملا علی نقاریؒ اس حدیث کی تشریح میں مرقات میں لکھتے ہیں پس وہ عہد
 مقرب یا اعتقاد کرتا ہے کہ اس کی سمع بصر اور تمام قوی کے کمالات حقیقت میں اللہ تعالیٰ
 کی سمع و بصر اور قدرت قوت کے آثار سے ہیں را وہ بندہ تو معدوم محض ہے اور یہی ظہریت
 کا معنی ہے کہ بندے کی اپنی ذات اور اس کے افعال فنا ہو جائیں اور اس کی سمع-بصر
 وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کے افعال ظاہر ہوں۔ (محصہ ۳۵۳ تا ۵۶۱)

الجواب: مؤلف مذکور نے اپنے معنوی آباء کی شرک پسندی اور بدعت نوازی کی تقلید
 کا یہاں بھی کھل کر ثبوت دیا ہے مگر یہ جتنی باتیں بھی انہوں نے کہی ہیں ایک بھی ان کے لئے
 نافع نہیں اور ہم پر کسی ایک کی بھی علمی زندگی پڑتی۔
 ادلا اس لئے کہ ہم نے جس جملہ کی وجہ سے اعتراض کیا تھا مؤلف مذکور نے اپنی عبارت
 میں بڑے معصومانہ انداز سے اس کو حذف کر دیا ہے تاکہ ان کی گرفت اور لایعنی جواب
 کی گئی کھل جائے ہم نے بین القوسین اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے
 ثانیاً جس آیت کریمہ کا حوالہ مترجمہ حضرت تھانویؒ مؤلف مذکور نے دیا ہے وہ بھی ان
 کو سود مند نہیں اس لئے کہ درخت سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم آنا اللہ کی جو آواز آئی تھی تو وہ
 تجلی کی مد میں تھی (حضرات سونبار کرامؒ کی اصطلاح میں تجلی کی کئی قسمیں ہیں تجلی ذاتی یعنی صفاتی
 اور تجلی افعالی یعنی صفاتی میں اگر صفات جلالی تجلی کریں تو سادک پر مشنوع و منضوع کا غلبہ ہوتا ہے
 اور اگر صفات جمالی تجلی کریں تو سادک کو مود و روائس ہوتا ہے ملاحظہ ہو تعلیم العین ص ۱۱۷ وغیرہ)
 جس طرح طور پر تجلی ہوئی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے اس تجلی سے

بی ثابت کرنا کہ اللہ تعالیٰ اور درخت مساؤ اللہ تعالیٰ ایسے متفرق ہو گئے کہ ان میں غیریت نہ رہی جس سے کہ
 مؤلف مذکور اور ان کے بڑے ہیں درواز کا بات ہے ایسی منظریت نہ توجہ بل طور پر ہوتی ہے
 درخت پر آپ حضرات کے وکیل اعظم اور مجاہد تحریف مولوی محمد عاصم (المنوفی ص ۱۳۱)
 وَيُؤَيِّنُ وَنَ أَنْ يُفَكِّرَ تَحْوَابِينَ اللّٰهُ وَرَسُولِهِ لِي بِالْكَفْلِ غَلَطَ تَفْصِيْلًا كَيْفَ تَحْرِيفَ كَرْتَمَ بُوْتَمَ كَرْتَمَ
 ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسولوں کے درمیان فرقی ڈالنے والوں اور رسولوں کو
 غیر اللہ کہنے والوں کے واسطے تنوہی کفر اٹھا دیا ہے کیونکہ کافر اللہ اور اس کے رسولوں
 کے درمیان ایک غیریت کے رستے کا فائل ہے لہذا ان کے واسطے سخت سزا فرمائی اور
 تفریق نہ کرنے والوں کو باہنہ ہونے سے سزا اور ان سے ابتر بخشش کا وعدہ فرمایا اور
 مقیاس منینیت تک (بلع چہارم)

قاریین کرام اس کفریہ عبارت کو بار بار پڑھیں اور خود فرمائیں کہ فریق مخالف کس طرح غلط
 اور مخلوق کو لگدنگ کرنا اور ان کی غیریت کو کفر قرار دینا ہے اور کس طرح ان کی عبیت کو ایمان
 قرار دینا ہے حالانکہ خود اسی مقام پر اس کی صراحت ہے کہ یہ تفریق اور عدم تفریق ایمان
 و کفر کی ہے مؤمن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور یہود وغیرہ تو
 يَعْضُ وَكَكْفَرُ بَعْضُ كَفَرٍ قَاتِلٍ هِيَ يَهِي هِيَ كَرِ هِيَ كَرِ هِيَ كَرِ هِيَ كَرِ هِيَ كَرِ
 مجاہد تحریف کا بالکل اور کافر نہ دعویٰ ہے اور نہ یہ کہ اس معنی میں تفریق نہ کرنے والے اور
 رسولوں کو یمن اللہ کہنے والے مؤمن ہیں۔ اور اہل حق ہی اسی قسم کی منظریت اور عبیت کا
 کرنے ہیں پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے توالد سے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ حضرت
 نور علیہ السلام کے زمانہ کے مشرک، یغوث اور سواح وغیرہ کو منظر ہر اہل سمجھ کر ہی شرک
 کے مرتکب ہوئے تھے نیز حضرت شاہ صاحب لَاتُكَ دُنَّ كِي تَفْسِيْرِيْ كَفْتَمِيْ
 یعنی ہرگز مگنا یہ عبادت منظر ہر ادا کہ دال یعنی ان منظر ہر کی عبادت مت چھوڑو جن میں اللہ تعالیٰ
 منظر ہر یا الوہیت خود ظہور فرمودہ است، ہمیں لے اپنی الوہیت ظاہر فرمائی ہے اور اسی وجہ سے ان
 ظہور الوہیت دیا ان آں منظر ہر شدہ اند منظر ہر اس کی الوہیت کا ظہور ہوا ہے اور وہ
 (تفسیر عزیزی لپ، ص ۱۲۸) کے منظر ہر فرار پائے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ ان پانچ ہندوگوں کو اللہ تعالیٰ کی صفت الوہیت کا منظر تسلیم
 کرتے تھے جی تو وہ ان کی عبادت میں محو تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت الوہیت کا منظر
 سے کسی میں ظہور نہیں فرماتے۔
 قارئین کرام! یہ بات اچھی طرح ملحوظ رکھیں کہ ویسے تو تمام موجودات اللہ تعالیٰ کے
 وجود کے مظاہر ہیں لیکن وجوب و بزد کا منظر مخلوق میں سے کوئی شخص نہیں ورنہ وہ بھی خدائی
 صفت سے منتصف ہوتی چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ہی لکھتے ہیں کہ

یعنی ہر حال حق تعالیٰ کا ان مظاہر میں ظہور محض وجود
 آری ظہور حق درہیں منظر ہر محض وجود البتہ
 مسلم است اما محض وجود برون وجوب بزد
 کے لحاظ سے تو البتہ مسلم ہے لیکن وجوب کے بغیر
 محض وجود تو تمام موجودات میں عام ہے کہ اس ظہور
 عام است جمیع موجودات را کہ بسبب آن
 کی وجہ سے بعض موجودات دوسرے بعض کی طرف
 ظہور بعض موجودات استحقاق معبودیت
 بعض آفرینارند و آلا ترجیح بلا مزج لازم آید
 سے استحقاق معبودیت نہیں رکھتے ورنہ ترجیح بلا
 یا ما بدرا معبود شدن و معبود را عابد شدن
 مزج لازم آئے گی یا عابد کا معبود اور معبود کا عابد
 ہونا لازم آئے گا اور یہ دونوں امر محال اور منتہی ہیں
 و ہر دو امر محال منتہی است۔
 (تفسیر عزیزی لپ، ص ۱۳۱)

الغرض جس معنی میں آلات خدام۔ احباب اور درخت وغیرہ منظر ہر ہیں اس سے مؤلف
 مذکور وغیرہ کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ محض وجود کے منظر ہر تو تمام موجودات میں پھر خدام و احباب وغیرہم
 کی تخصیص کا کیا مطلب؟ اور جن حیثیت کے منظر ہر ان کو مفید ہو سکتے ہیں وہ ثابت نہیں کیونکہ
 وہ ایسے ہی ہو سکتے ہیں جو غیر نہ ہوں (اور وجوب وجود کے منظر ہر ہوں اور یہ محال ہے) ورنہ
 استعانت بالغیر ثابت ہو جائے گی جس کی وہ لٹھی کرتے ہیں۔

نگاہیں ڈھونڈتی ہیں جن کو ان کا دولشاں یارو!
 اسے میں کیا کروں گا یہ جو سب سامان ہے حاضر
 دن الشا حیرت کنت سمعہ الذی یبعہ دہ کی باحوالہ اختصا ما بحت ہم نے ول کاسرور
 میں اور تفصیلاً تفریح الخواطر میں کوئی ہے وہاں ہی ملاحظہ کریں کہ آیا عبسائیت اور انہیثیت

باقی رہتی ہے یا ختم ہر جاتی ہے اور کیا اس میں عیسائیت کی تعلیم ہے یا اس پر ضرب کا کوئی
وہ جوٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ضرور دیکھیں۔

رابعاً اثر لاف مذکور کہتے ہیں کہ اگر سرفراز صاحب کے ذہن میں نظریات کا کوئی اور معنی ہے
مولانا نور شاہ صاحب کا حوالہ دے کر تمام حجت کرتے ہیں اور ان کے پھر ان کی املائی کتاب
فیض الباری کا حوالہ دیا ہے مگر مشہور ہے کہ جو رکی ڈاڑھی میں تنکا۔ اس لئے انہوں نے
عبدالاور صفحہ کا حوالہ عینے کی جرات نہیں کی کیونکہ اس طرح ان کے چہرہ مبارک کے
لے کاہنت خطرہ تھا، لیکن کب تک وہ اپنے فحرموں اور لذتوں سے چہرہ چھپا
لے غالباً ایسے ہی موقع کے لئے کہا گیا ہے۔

نقاب رخ سے ہر جانب شناعیں مہوٹ نکلی ہیں
ارے او پھینچنے والے حسن یوں پنہاں نہیں ہوتا

حضرت مولانا سید محمد نور شاہ صاحب نے اس حدیث پر فیض الباری ج ۴ ص ۱۲۷
میں خاص علمی اور صوفیانہ بحث کی ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

فَاعْلَمُ أَنَّ النَّجْلِيَّ ضَرُوبٌ وَامْتِنَالٌ تَقَامُ
وَتَنْصِيبٌ بَيْنَ الرَّبِّ وَعِبْدِهِ لِمَعْرِفَتِهِ
تَعَالَى فَتَمْلِكُ مَخْلُوقَةً دَهَى النَّتَى تَسْمَى
بِرُؤْيَةِ الرَّبِّ جَلَّ جَدَّةً وَهَذَا كَمَا فِي
الْقُرْآنِ الْعَذِيبِ فِي قِصَّةِ مُوسَى عَلَيْهِ
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَلَمَّا جَاءَهَا نُورِي
أَنَّ رَبَّكَ مَنْ فِي الشَّارِقِ فَاَلْمَرُوقِي وَالْمَشْأُ
لَمْ يَكُنْ إِلَّا الشَّارِدُونَ الرَّبِّ جَلَّ جَدَّةً
وَلَكِنَّ اللَّهَ سَجَّانَةً لِمَا نَجَّلِي فِيهَا فَال
يُمُوسَى إِيَّيْنَا اللَّهُ وَمَا آيَاتُ لَفْظًا
مَوْهَبَاتِي سَأَشْرُفُ الْقُرْآنِ أَرْبَابٍ مِنْ هَذَا

فَانظُرْ فِيهِ إِنَّ كَيْفَ سَمِعَ صَوْتَهُ مِنَ النَّارِ
إِنِّي أَنَا اللَّهُ فَهَذَا نَدْوَى صَحْحٌ قَوْلِي إِيَّيْنَا
أَنَّ اللَّهَ أَيْضًا مَالِ الْمَتَكَلِّهِ فِي الْمَوْتَى كَانِ هُوَ
الشَّجَرَةَ ثُمَّ اسْتَدْنَا نَكَلَهَا إِلَى اللَّهِ تَعَالَى
وَذَلِكَ لِأَنَّ الرَّبَّ جَلَّ جَدَّةً لِمَا نَجَّلِي
فِيهَا صَارَتْ الْوَأَسْطَةَ لِمَعْرِفَتِهِ إِيَّاكَ هُوَ
الشَّجَرَةَ فَتَمْلِكُ الْمُنْتَجِلِي فِيهِ حَكْمُ الْمُنْتَجِلِي
بِنَفْسِهِ نَجْوَى تَعْرِيبِ وَهَذَا الَّذِي قُلْنَا نِيْمَا
سَبَقَ أَنَّ الْمَرُوقِي فِي التَّجْلِي لَا تَكُونُ إِلَّا الصُّوْرَةُ
وَالْمَرُوقِي يَكُونُ هُوَ الذَّاتُ الَّتِي تَوْلَاهُ فَاَمْتِنَالٌ

ہوں اور میں نے سارے قرآن کریم میں اس سے
نیادہ موعوم لفظ اور کوئی نہیں دیکھا تو اس میں غور
کر کہ حضرت موسیٰ عبد السلام نے کس طرح ان سے
إِنِّي أَنَا اللَّهُ کی آواز سنی سو وہ آگ تھی پھر اس کا قول
إِنِّي أَنَا اللَّهُ بھی صحیح ہے پس دیکھنے میں منکلم
تو درخت تھا پھر اس کے کلم کی اسناد اللہ تعالیٰ
کی طرف کی گئی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اس میں
تجلی فرمائی تو اس کی معرفت کا واسطہ وہ درخت
ہی تھا تو جس چیز میں تجلی کی گئی اس نے بنفسہ
تجلی کرنے والے کا تم لے لیا تجربہ کے طور پر
اور یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم نے پہلے
کہنا تھا کہ تجلی میں جو چیز دیکھنے میں آتی ہے وہ صورت
ہی ہوتی ہے اور مشہور نوذات ہے (پھر آگے فرمایا)
تو اس قسم کی حدیثیں میرے نزدیک مسئلہ تجلی کی طرف
راجح ہیں اگر تو نے کا حنفہ تجلی کا معنی سمجھ لیا اور
اس کی مذکورہ بیخ گینا تو امتثال اور صورتوں کو جو خوب
کی گئی ہیں چھوڑ دے اور اپنے رب کی طرف
چڑھنا جا یکسو ہو کیونکہ جب درخت کے لئے یہ
صحیح ہے الخ

تو جان لے کہ تجلی کی کئی نوعیں اور قسمیں ہیں
تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان رب کی
کی معرفت کے لئے قائم ہیں اور یہ مخلوق ہیں اور
تجلی ہی ہے جس کو باری تعالیٰ جل جلالہ کی درستی
موسوم کیا جاتا ہے اور یہ جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت
موسىٰ عليه السلام کے قصہ میں آتا ہے کہ
جب وہ اُس (آگ) کے پاس پہنچا تو آواز آئی کہ
برکت ہے اس پر جو کوئی کہ آگ میں ہے تو جو
دیکھی گئی اور جس کا مشاہدہ ہوا وہ صرف آگ ہی
تو کہ یہ تعالیٰ جل جلالہ اور لیکن جب اللہ تعالیٰ
اس میں تجلی ڈالی تو فرمایا کہ اے موسیٰ میں اللہ
تجلی کی کئی نوعیں اور قسمیں ہیں اور اس کے
تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان رب کی
کی معرفت کے لئے قائم ہیں اور یہ مخلوق ہیں اور
تجلی ہی ہے جس کو باری تعالیٰ جل جلالہ کی درستی
موسوم کیا جاتا ہے اور یہ جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت
موسىٰ عليه السلام کے قصہ میں آتا ہے کہ
جب وہ اُس (آگ) کے پاس پہنچا تو آواز آئی کہ
برکت ہے اس پر جو کوئی کہ آگ میں ہے تو جو
دیکھی گئی اور جس کا مشاہدہ ہوا وہ صرف آگ ہی
تو کہ یہ تعالیٰ جل جلالہ اور لیکن جب اللہ تعالیٰ
اس میں تجلی ڈالی تو فرمایا کہ اے موسیٰ میں اللہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت (صورت سے صفت مراد ہے حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ اللہ خلق آدم علی صورته سے دھوکا ہوتا ہے لینا چاہیے کہ صورت ناک اور منہ کی صورت لکھتے مثلاً یہ بولتے ہیں اس مسئلے کی یہ صورت ہے حالانکہ اس مسئلہ کی ناک و منہ نہیں بلکہ صورت کے معنی صفت کے بھی آتے ہیں تو انسان کو آنسو و دہر وغیرہ عنایت ہونے لے اس کو صورت تھی کہا گیا الخ تعلیم الدین ص ۱۸) پر پیدا کیا ہے تو وہ درخت سے نہیں پھر اس کے کان و آنکھ وغیرہ اعضاء میں متصرف بجز اللہ تعالیٰ کے اور کون ہو سکتا چنانچہ وہ خود علماء شریعت سے اس کا معنی نقل کر کے صوفیانہ انداز میں فرماتے ہیں۔

قلت وهذا عدول عن حق الالفاظ لان قوله كنت سمع بصيغة المتكلم يدل على ان لم يقين من التقرب بالنوازل الاجسداء وشبهه وصار المنصرف فيه الحضرة الالهية فحسب وهو الذي عناه الصوفية باللقاء في الله اى الانسلاخ عن دواعي نفسه حتى لا يكون المنصرف فيه الا هو وفي الحديث لمعتالى وحدة الوجود الخ (فيض البادی ج ۲ ص ۲۳)

اس سے معلوم ہوا کہ جب بندہ کثرت نوافل کی وجہ سے اپنی خواہشات نفسانیہ سے الگ ہو جاتا ہے اور فنا فی اللہ کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے تو اس میں تصرف صرف اللہ ہی کا ہوتا ہے اور بندہ گویا بے بس ہو جاتا ہے نہ یہ کہ بندہ رب بن جاتا ہے اور نہ یہ کہ بندہ اور خالق کا ملکہ ہے۔
تعالى الله عن ذلك علواً كبيراً
ہستی حق کے سامنے کیا اصل این وآن پتلے ہیں بسبب یہ آپ کے وہم و خیال کے
۱۳۲

اس عبارت میں وحدۃ الوجود کا تذکرہ بھی ہوا ہے یہ مسئلہ خاصاً ذہنی مشکل اور رد و اثباتاً طویل الذیل ہے اور حضرت صوفیہ کرام میں یہ مسئلہ کئی صدیاں معرکہ آرا رہا ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

معنی وحدۃ الوجود آنست کہ وجود ذہنی معنی مابہ الوجودیہ یعنی مصدری اعتباری ایک چیز است کہ در واجب واجب و در ممکن ممکن و در جوہر جوہر و در عرض عرض و این اختلافات موجب اختلافات در ذات نمی شوند مثل شعاع آفتاب کہ بر پاک و ناپاک می افتد و ذات پاک است ناپاک نمی شود و این مسئلہ فی نفس حق است الخ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۲)

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کی بات علم تصوف کے رو سے بالکل صحیح ہے اور محمد اللہ تعالیٰ وہ اپنے دور کے محقق عالم ولی اللہ اور صاحب کمال تھے جو بفضل اللہ تعالیٰ جنت الفردوس کے وارث ہیں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ہمارے اور آپ کے نظریات کا بڑا فرق یہ ہے وہ یہ کہ ہم تو خوارق عادت، مافوق الاسباب امور اور افعال غیر عادیہ کو صرف رب تعالیٰ کا فعل سمجھتے ہیں اور آپ حضرات ان امور کو بھی اولیاء کرام کے افعال تسلیم کر کے ان سے استغناء و استمداد کرتے ہیں اور ان کو اس طریق پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا منظر سمجھتے ہیں جس سے ان کو خدائی اختیارات حاصل ہو جائیں اور وہ مافوق الاسباب طریق پر فریادیں کشا اور حجت روا شایع ہوں اور ان دونوں نظریوں کا اتنا فرق ہے جتنا کہ مشرق و مغرب اور آسمان و زمین کا فرق ہے اسی کتاب میں ہم نے مؤلف مذکور کے حوالے عرض کر دیئے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت امام رازیؒ کے حوالہ میں پہلی بات تو وہی ہے جو چوہر شراح حدیث نے اس

حدیث کی شرح میں تحریر فرماتی ہے تفزیح الخواطر میں ہم نے حوالے عرف کر دیئے ہیں حضرت سید محمد انور شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

اما علماء الشریعة نفا کوامعناہ ان جواج العبد تصدیق تابعۃ للمصاۃ الاطینۃ حتی لا تنحرف الا علی ما یرضی بہ ربہ فاذا کان ثابتہ سمعہ وبصرہ وجوارحہ کلہا ہوا للہ سبحانہ فحینئذ صح ان یقال انک لیسع الالہ ولا ینکلمہ الالہ ذکا ان اللہ سبحانہ صار سمعہ وبصرہ الخ

(فیض الباری ج ۲ ص ۲۲۸)

علماء شریعت فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ بندے کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ بغیر اللہ تعالیٰ کے حرکت نہیں کرتے سو جب اس کا کان آکھ اور اعضاء کی سب غائب ہوتی ہیں اللہ کی رضا ہے تو اس وقت یہ سمیع ہے کہا جائے کہ بندہ صرف اللہ تعالیٰ کے مستجاب ہے اور اسی کے لئے بونہا ہے لوگوں سے

تعالیٰ ہی اس کے کان اور اس کی آنکھ (مطلوب) ہے

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ بندہ کے تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوجاتا اور ان میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور نہ غیر اللہ کے لئے کوئی عیب باقی رہتا ہے اور اس کے بعد حضرت امام رازی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچہ اکھارنے کا تذکرہ فرمایا جو خدائی اور ربانی طاقت سے اکھاڑا تھا اور اسی کا نام کرامت ہے اور معجزہ اور کرامت کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ وہ اختیار نہیں ہوتے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کا کوئی نیک بندہ کثرت سے نوافل پڑھ کر تقرب الی اللہ حاصل کر لیتا ہے تو کرامت کے طور پر اللہ تعالیٰ اس کو دور کی چیز دکھا دیتا ہے اور جس کو چاہے دور کی آواز سنا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو نہاوند کے مقام پر جنگ کا نقشہ کشف کے طور پر بتا دیا ان کی آواز حضرت ساری بن زبیم کو پہنچا دی تھی اور انہوں نے سن کر اپنے بچاؤ کا انتظام کر لیا لیکن ہی حضرت عمرؓ تھے جب ابو لؤلؤ (فیروز) مجوسی ان کو شہید کرنے کے ارادہ سے نکلے مسجد نبوی میں پہلی صف میں آ پہنچا حضرت عمرؓ کو زخمی کر دیا، ان کا پیٹ چاک کر دیا اور

آوی اور زخمی کر دیئے جن میں سے سات زخموں کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے (بخاری ج ۱ ص ۱۳۵) تو حضرت عمرؓ کو نہ بجز نظر آیا اور نہ ان کا ہاتھ ہی اس خنجر کو چھین کر اپنی جان بچانے کے لئے آگے بڑھا اور نہ پاؤں نے ساتھ دیا کہ وہ بھاگ نکلتے اور جان بچا لیتے اچاناً دور کی چیز کو دیکھنا یا دور کی آواز کو سنانا جو بطور معجزہ و کرامت ہو اس کا کون منکر ہے؟ لیکن ایسے افعال بندوں کے اختیار میں نہیں ہوتے اور ایسے ہی امور غیر عادیہ اور افعال خارفہ کے اختیاری ہونے پر مولف مذکور اور ان کی جماعت مصر ہے اور ایسی ہی باتوں سے وہ اور ان کی جماعت خالق و مخلوق کو گڈ مڈ کرتی ہے اور حضرت ملا علی نقاریؒ کی عبارت میں بھی اسی چیز کا تذکرہ ہے کہ بندے کی سمیع و بصر وغیرہ صفات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار ہیں ان میں بندہ کا کیا دخل ہے؟ وہ بچاؤ تو معدوم محض ہے اس سے بیثباتی نہ کہ معاذ اللہ تعالیٰ بندہ کے توفیق اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا خدائی صفات بندے میں گڈ مڈ ہوجاتی ہیں اور غیرت باقی نہیں رہتی ایک خالص مشرک نہ اور کافر نہ نظر یہ ہے۔

اگر مولف مذکور نے حضرت ملا علی نقاریؒ کی پوری عبارت نقل کی ہوتی تو اس کے جواب دینے کی بکد تشریح کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی مگر افسوس کہ مولف مذکور نے ان کی پوری عبارت ہی نقل نہیں کی اسی حدیث کی تشریح میں ملا علی نقاریؒ نقل کرتے ہیں کہ قتال ابن حنظلہ لا یسمع شجیثاً ولا بیصر ولا یطش ولا یمشی الا و شہد انی المؤمن لذلک والمقدار لہ فیصرف جمیع ما انعمت بہ علیہ الی ما خلق لاجلہ من طاعتی فلا یستعمل سمعہ وغیرہ من مشاعرہ الا فیما یرضینی ویقر بہ منی فلا یتوجہ لشیء الا اذ انا منہ بموازی مسمیع فانا لہ سمیع وغین وید ورجل وعود وکبیل

۱۳۶
اودہ کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کرنا مگر میں اس کو
دیکھنے اور سننے کی جگہ ہوں سو گویا اس کو
کے کان اٹکھتا ہوں اور میں ہی اس
مددگارہ کار ساز اور حافظ و امدادی ہوں۔

اس عبارت سے صراحت سے معلوم ہوا کہ بندے کے یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کی نعمت سے
اور وہ ہی ان کا موجد اور وہی بندے کو قدرت و طاقت دینے والا ہے اور بندہ ان اعضاء
صرف اپنے رب قدیر کی رضا اور خوشنودی کے لئے استعمال کرتا ہے۔ الغرض خلق اور اعضاء
اللہ تعالیٰ کی ہے اور استعمال اور کسب بندے کا ہے اور اس کے تمام اعضاء کا عمل
محافظ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے نہ یہ کہ خالق و مخلوق کی کوئی صفت متحد ہوگئی ہے تصالی اللہ
عن ذلک کہاں خالق کا ثبات کی بے مثل اور ابدی ذات اور کہاں فانی اور عاجز مخلوق کی
ہستیاں مگر افسوس کہ

عظمت خالق نہ سمجھا قدر دل اس نے نہ کی
جو پست لذت مطیع نفس شیطان ہو گیا

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

یعنی نمی نشنودومی بیندومی گیردومی رود کسو یعنی بندہ نہ کوئی چیز شفا ہے اور نہ دیکھتا ہے
چیز مگر آنکہ لحوظ و مقصود سے رضائے حق پکڑتا ہے اور نہ چلنا ہے مگر اس کے عجز و ناتوانی
وطاعت اوست و منظور و مشہود و وفات مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی طاعت
مقدس من است الخ ہوتی ہے سو نتلو اور مشہود صرف اللہ تعالیٰ کی

(اشقۃ اللغات ج ۲ صفحہ ۱۴۵ طبع لکھنؤ) ذات مقدس ہے

انہ عبارات سے واضح ہو گیا کہ خالق و مخلوق میں نہ تو اتحاد ہے اور نہ کسی صفت میں اختلاف
ہے معاذ اللہ تعالیٰ۔

صدرالاقاضی اور شاہ عبدالعزیز دونوں نے
استعانت کی ایک جیسی تفسیر کی ہے
یہ عنوان قائم کر کے مؤلف نے لکھا
ہیں کہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ

عزیزی میں ایسا کستعین کے تحت فرماتے ہیں لیکن یہاں یہ بات سمجھنا چاہیے کہ غیر اللہ سے
استعانت اس وقت حرام ہوگی جب اس پر پھر و سدہ کرتے ہوتے اس کو عون الہی کا منظر نہ جانے
لیکن اگر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور غیر اللہ کو منظر عون سمجھنا ہو اور اسباب حکمت الہی کو پیش نظر
رکھے اور غیر سے استعانت ظاہری کرے تو یہ عرفان الہی سے بعید نہیں اور شریعت میں بھی جائز
ہے اس قسم کی استعانت انبیاء و اولیاء نے بھی غیر اللہ سے کی ہے اور حقیقت میں یہ استعانت
غیر سے نہیں بلکہ خود حق تعالیٰ سے ہی ہے شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز کی شخصیت
کو تمام امت دہ بند اپنا معنوی پدر تسلیم کرتی ہے سرفراز صاحب اور ان کے ہم مشرب علماء
شاہ صاحب کی عباراتوں کو بطور سند پیش کرتے ہیں اور شاہ صاحب کا فیصلہ و تربیت دہ بند
کے حق میں حکم آخر کی حیثیت رکھتا ہے اس تمہید کے بعد گزارش ہے کہ آپ شاہ صاحب کی
مذکورہ بالا تفسیر کو صدرالاقاضی کی تفسیر کے ساتھ ملا کر دیکھیں کہ ان میں کس قدر ہم آہنگی ہے

صدرالاقاضی نے فرمایا

بہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھتے
واگر التفات محض بجانب حق است (اور اگر
توجہ محض اللہ کی طرف ہو)

حقیقی مستعان وہی ہے باقی آلات و خدام
احباب عون الہی کے منظر میں
اور ایک از مظاہر عون و استتہ (یعنی غیر اللہ کو
عون الہی کا منظر سمجھتے)

مقربان حق کی امداد امداد الہی ہے استعانت
بالتغیر نہیں۔
و در حقیقت اس نوع استعانت بغیر نیست بلکہ
استعانت بحضرت حق است لا غیر اور حقیقت
میں استعانت کی قسم استعانت بالتغیر نہیں بلکہ
حق سبحانہ سے ہی استعانت ہے)

اگر یہ استعانت ناجائز ہوتی تو احادیث میں
اہل اللہ سے استعانت کی کیوں تعلیم دی جاتی
اور انبیاء و اولیاء نے اس قسم کی استعانت
بغیر کی ہے)

آپ نے غور فرمایا کہ صدرالاقاضی نے ایسا کستعین کی تفسیر میں شاہ صاحب
۱۳۷

کی تفسیر ہی کا خلاصہ پیش کیا ہے اور اسی تفسیر کے بارے میں مولوی سرفراز صاحب نے بیکہ کو حق فرزند ی ادا کر دیا کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے آیت مذکورہ کی یہ تفسیر لکھ کر تحریف کر کے اپنی جان اور قرآن کریم پر جو ظلم کیا ہے وہ بجائے خود قابل صد نفرین ہے (منقید متین ص ۲)

ٹھیک ہے دیوبند کے جس گجور اے میں سرفراز صاحب نے نہریت حاصل کی بنے ان ایسے ہی آداب فرزند ی سکھائے جاتے ہیں جس اسکول میں نبی کے علم کی بہائم اور غیبتوں کے علم سے تشبیہ کا درس دیا جاتا ہو وہاں اپنے حکمی باپ کی تعلیمات کو قابل صد نفرین کہنا نہ سکھا یا جائے گا تو اور کیا ہوگا ۱۹ انتہی بلغظہ (توضیح ایلیان از ص ۵۷ تا ۵۹)

اجواب: بلاشبہ مسک دیوبند سے والستہ جملہ حضرات حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو اپنا روحانی پدر تسلیم کرتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرنے ہیں کیونکہ اس مرد مجاہد نے جابر برطانیہ کے ہندوستان پر استیلاء اور غلبہ کے بعد ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا (ملاحظہ ہو فتاویٰ عزیزی ص ۱) اور انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور اکابر علماء دیوبند نے اپنے اس روحانی باپ کے فتویٰ کی روشنی میں انگریز ظالم سے ٹکر اور ٹکل کر اس کے خلاف جہاد کیا اور فید و بند کے علاوہ طرح طرح کی بے شمار مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھائیں۔ اس کے عکس خان صاحب بریلوی نے مستقل رسالہ اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام لکھ کر انگریز ظالم کے ہاتھ مضبوط کئے اور ہمیشہ اہل حق اور مجاہدین کے خلاف تکفیر کی مین گن چلا رکھی (ملاحظہ ہو شاہراہ پاکستان ۳۳) نہ چودھری خلیق الزمان اور ان کو انگریز کے خلاف فتویٰ صادر کر کے ایک دن بھی جیل جانے کی نوبت نہیں آئی جب کہ اہل حق کی زندگی کا بیشتر حصہ ہی جیلوں میں گذرا ہے۔

جوانی چھن گئی حسرت رہی باقی ستانے کو
عروں دہرم نے دل لگا کر تجھ سے کیا پایا

بلاشک دیوبندی حضرات کے لئے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا فیصلہ حکم انفر کی بنیاد رکھتا ہے مگر بات صرف سمجھنے کی ہے اور اسی سمجھ سے مولف مذکورہ اور ان کے مسلک بزرگ اور دوست محروم ہیں اور ہم حضرت شاہ صاحب ہی کی تفسیر عزیزی سے اس کے کستیجین کی تفسیر میں بیان کردہ تشریح نیز بعض دیگر مقامات سے چند اقتباسات

نقل کرتے ہیں جن سے بخوبی یہ بات آشکارا ہو جائے گی کہ جس استغانت میں وہ غیر اللہ کو عون الہی کا مظہر قرار دے کہ حواز کا فتویٰ دیتے ہیں وہ عالم اسباب کی ظاہری استغانت ہے نہ کہ باوقیہ الاسباب کی جس میں نزاع و اختلاف ہے جس کے اثبات کے لئے مولف مذکور اپنے روحانی آباء کی طرح بلاوجہ اور بلا فائدہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔

استغانت یا پجیرست کہ تو تم استقلال
آئی چیز دروہم و ہم پچس از مشرکین و نصیہ
نی گذرند مثل استغانت بچوب غلات و دفع
گریگی و استغانت با ب و شر تہا و دفع غناگی
و استغانت برائے راحت بسایہ درخت و
ماندان و دفع مرض بادویر و عقاقیر و درزین
در معاش با میر و بادشاہ کہ در حقیقت معاوضہ
خدمت ہمال سست و موجب تدلل نیست یا
باطباء و معالجان کہ بسبب تجربہ و اطلاع
ناندانہا طلب مشورہ است استقلال
مشورہ نمی شود پس این قسم استغانت بلاکرا
جائز است زیرا کہ در حقیقت استغانت
یست و اگر استغانت سست استغانت
بخدا است (تفسیر عزیزی ص ۲)

اور استغانت یا کسی ایسی چیز سے ہے کہ اس چیز کے استقلال کا وہم اور فہم مشرکوں اور بڑھوں میں سے کسی کو نہیں گذرتا مثلاً دانوں اور اناج وغیرہ سے بھوک دور کرنے کی استغانت اور بانوائی و شر تہوں سے بیاس دور کرنے کی استغانت اور آرام کے لئے درخت وغیرہ کے سایہ سے استغانت اور دواؤں اور بوٹیوں کے ذریعہ بیماری کے ازالہ کے لئے استغانت اور امیر و بادشاہ سے ڈرنے کا مانے کی وجہ کی تعین کی استغانت کہ تحقیقت میں بیاس امر کی خدمت کا مالی معاوضہ ہے اور تدلل کا موجب نہیں ہے یا حکیموں اور علاج کرنے والوں سے استغانت کہ ان کے تجربہ اور زیادہ واقفیت کی وجہ سے ان سے مشورہ طلب کرنا ہے اور یہاں کسی استقلال کا وہم بھی نہیں ہونا پس اس قسم کی استغانت بلاکرا بہت جائز ہے کیونکہ یہ در حقیقت استغانت نہیں ہے (صرف ظاہری استغانت ہے) اور اگر یہ استغانت ہے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے استغانت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ روٹی اور پانی اور دیر اور بڑی بوٹیوں حکیموں اور ڈاکٹروں اور بسلسلہ

لازمیت و توحیدی امیر اور بادشاہ سے استغانت حقیقت میں استغانت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء میں عادت پر ظاہری تاثیر رکھی ہے اور یہ ماتحت الاسباب کی استغانت ہے نہ کہ فونی الاسباب العادویہ کی جیسا کہ مؤلف مذکور اور ان کے شرک و بدعت کے نشیب دہانی بزرگوں کا خیال ہے چنانچہ خود حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

کہ حق تعالیٰ بجز ان عادت خوراکی چیز با ما حق تعالیٰ نے اپنی جاری عادت کے مطابق ان چیزوں کو مطلوب ساختہ است چنانچہ خور دن طعام برائے حصول سیری شکم و آشامیدن آب برائے دفع تشنگی الخ (ص ۱۳۱)

اور آخر میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ استغانت ہے تو خدا ہی سے ہے کیونکہ اسی نے ان اشیاء میں عادت پر تاثیر رکھی ہے لہذا ان اشیاء سے استغانت در حقیقت خدا تعالیٰ ہی سے استغانت ہے اور اگر ظاہر پر نگاہ رکھی جائے تو یہ استغانت ظاہری ہے کہ مطلوب کے حاصل کرنے کا ذریعہ اور سبب ہے جیسے کسی بزرگ سے دعا کرنا یا ماہر حکیم سے دعا اور علاج کرنا وغیرہ۔

توضیح: اس مقام آنت کہ بندہ را بنظیر قدرتی دادہ اند کہ بسبب آن قدرت گمان می کند کہ کردن و ناکردن بدست من است لیکن تزیج فعل بزرگ برگز اور از خود ملیسر نیست زیرا کہ اگر مزج از جانب بندہ باشد در آن مزج تزیج خواهد بود تا آنکہ تسلسل لازم آید پس آن مزج نمی باشد الا از جانب خدا پس استغانت لائق نیست الا از خدا و نیز دیدہ ایم کہ جمیع خلایق مطلوب خود را طلب می کنند حالانکہ در قدرت و عقل و شعور و کوشش و جد و اجتهاد هیچ کس قصور نمی

کند و بطلب نمی رسند الا بعض ایشان پس حصول مطلب نیست الا باعانت غیبی و نیز بار بار دیدہ شد کہ انسان از انسان دیگر حاجتے را طلب نموده وان شخص مذہباتے مدیدہ مدافعت کرده و بیعت و لعل گذرانیدہ باز ناگاہ حاجت اور ابر آورده از ہمیں جا معایم شد کہ انقائے داعیہ انجاش و قلب آن شخص از جانب غیب است پس مرد مؤمن را کہ از شرک می گویند از اول و ملہ باید کہ اعانت غیر را کہ بنظیر اعانت است قدر معنی اصلا قدرت ندارد از منظر عبیدان دو باعانت قادر حقیقی اکتفاء نماید گویند کہ چون خلیل ۴ را نمود یعنی دست و پا بستند در آتش انداخت حضرت جبرائیل علیہ السلام در رسیدند و گفتند اگر ترا جلختے میں باشد بفرما حضرت خلیل ۴ در جواب فرمود کہ بسوئے تو حاجت ندارد حضرت جبرائیل علیہ السلام گفت کہ بخدا التجا کن حضرت خلیل علیہ السلام فرمود او دانائے سماں و آشکارا است حاجت عرض من نیست (تفسیر عزیزی ص ۲۵)

بھی دیکھتے ہیں کہ تمام مخلوق اپنا اپنا مطلب طلب کرتی ہے حالانکہ وہ اپنی قدرت عقل و شعور اور کوشش اور جد و اجتهاد میں کوئی کمی نہیں کرتی مگر پھر بھی بجز بعض کے مطلب حاصل نہیں کر سکتی، پس حاصل ہونا مطلب کا بغیر اعانت غیبی کے ممکن نہیں نیز بار بار دیکھا گیا ہے کہ ایک انسان نے دوسرے انسان سے حاجت طلب کی، اور وہ شخص مدت تک ٹالتا رہا اور لیت و لعل میں گزارتا رہا پھر وقتاً اس کی حاجت پوری کر دی اس جگہ سے معلوم ہوا کہ اس کے دل میں حاجت پورا کرنے کا خیال آجانا غیب کی طرف سے ہے پس مرد مؤمن کو جو شرک سے گریزنا ہے پہلے ہی مرحلہ میں چاہئے کہ غیر کی اعانت کو کہ بنظیر اعانت ہے حقیقت میں اصلا قدرت نہیں نظر انداز کرے اور قادر حقیقی کی اعانت پر اکتفاء کرے بزرگ فرماتے ہیں کہ فرمود ملعون نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ اور پاؤں باند کر آگ میں ڈال دیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام چنانچہ فرمایا کہ اگر میرے لائق کوئی خدمت اور حاجت تو فرمائیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ کوئی حاجت نہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے التجا کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ پوشیدہ اور ظاہر

جہاں سے والا ہے مجھے حاجت پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

یہ سب روشن عیاں نہیں اس امر کو واضح سے واضح نہ کرتی ہیں کہ غیر خواہ ذی روح مخلوق پر جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام اور طیب اور ڈاکٹر اور عام انسان اور بادشاہ و امیر وغیرہ یا غیر ہوں جیسے روٹی پانی اور ادویہ اور برقی بوٹیاں وغیرہ ان سے استعانت یا تحت الاسباب کی استعانت ہے مافوق الاسباب اور غائبانہ استعانت نہیں ہے جیسا کہ کسی بھی اہل علم پر یہ بات فحشی نہیں ہے اگر حضرت خلیل الرحمن علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تو یہ عاقر کی دعا ہوتی نہ کہ غائب کی اسی طرح طیب و ڈاکٹر اور عام انسانوں یا بادشاہ و امیر سے جو استعانت ہے وہ بھی ظاہری اور عالم اسباب کی استعانت ہے مافوق الاسباب استعانت نہیں ہے اور کامیابی کا داعیہ بھی ان کے دل میں ڈالتا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اور انبیاء میں اثر بھی رب تعالیٰ ہی نے ڈالا اور رکھا ہے اور یہ استعانت جائز اور درست ہے اور یہ متنازع فیہا نہیں ہے اور یہی وہ استعانت ہے جو حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام غیر اللہ سے کرتے رہے ہیں اور حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں تصریح ہے "و اور را یکے از مظاہر عیون و السنۃ و نظر بکار خاتم اسباب حکمت او تعالیٰ در ان نمودہ الخ" اس عبارت میں نظر بکار خاتم اسباب کے حروف متونوں کی طرح صاف چمک رہے ہیں غیر اللہ سے ناجائز استعانت وہ ہے جو غائبانہ اور مافوق الاسباب ہو جس کو مؤلف مذکور سینہ زوری سے جائز ثابت کرتے ہیں خود مؤلف مذکور کا یہ حوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ — اور ثابت ہوا کہ مافوق الاسباب امور میں بھی غیر اللہ سے استعانت جائز ہے (توضیح ایمان مشاہد) غور فرمایا آپ نے کہ حضرت شاہ صاحب کیا فرماتے ہیں اور یہ مذکور کیا کہتے ہیں جو اس کا مصداق ہے کہ من چرمی گویم و طیل من چرمی سرا پد و یا چیز سے سنت کہ تو ہم استقلال آں چیز در اور یا استعانت ایسی چیز کے ساتھ ہو کہ مشرکین مدارک مشرکین جا گرفتہ مثل استعانت با روح کے ذہنوں میں اس کے استقلال کا وہم بیٹھا و روحانیات نلکبہ یا عنصر یا ارواح سائرہ ہوا ہو جیسا کہ روحانیات فلکیہ یا عنصر یا ارواح

مشکل ہو ائی و شیخ سدو و فیدین خان سائرہ مثلاً ہوائی شیخ سدو۔ فیدین خان اور و امثال ذلک و اس نوع استعانت میں ان کی مانند ارواح سے استعانت اور اس قسم کی شرک است و منافی ملت جنینی مست الخ استعانت عین شرک ہے اور ملت جنینی کے (تفسیر عزیز ص ۳)

حضرت شاہ صاحب کی یہ عبارت کتنی واضح ہے کہ استقلال کا وہم صرف مشرکین کے اذہان ہی میں ہو سکتا ہے نفس الامر میں اور توحیدین کے اذہان و مدارک میں غیر اللہ سے استعانت کے استقلال کا کوئی وہم اور تصور نہیں ہوتا اور مشرکین ہی روحانیت افلاک اور اجسام عنصریہ کے ارواح سے استعانت کرتے ہیں اور مثال بھی دیتے ہیں جیسے ہوائی شیخ سدو اور فیدین خان وغیرہ کی ارواح سے استعانت اور اس قسم کی استعانت کو حضرت شاہ صاحب میں شرک اور ملت جنینی کے بالکل خلاف قرار دیتے ہیں یہ مؤلف مذکور کا فریضہ ہے کہ وہ ادھر ادھر جہاں کے بیڑ ٹھوس اور صریح حوالوں سے بیثبات کریں کہ فلاں پیغمبر اور فلاں ولی نے مصیبت کے موقع پر فلاں پیغمبر یا فلاں ولی کی روح سے استعانت کی تھی یا فلاں حوالہ سے یہ ثابت ہے کہ کسی بھی وقت انہوں نے مافوق الاسباب اور غائبانہ استعانت غیر اللہ سے کی تھی۔ الغرض حضرت شاہ صاحب کی صریح عبارات کی موجودگی میں ان کی مجمل عبارت سے اس کو سیاق و سباق سے الگ کر کے عوام الناس کو دھوکا دینا یا اس عبارت میں اپنی خود ساختہ مراد کھسیبہ ناکہاں کا انصاف و دیانت ہے؟

ناصح ناواں نے مطلب میرا سمجھا ہی نہیں کیا سمجھتا؟ عالم دل میں تو وہ تھا ہی نہیں

اور ہم پہلے خود حضرت شاہ صاحب کے حوالہ سے یہ عرض کر چکے ہیں کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے علم غیب کے اثبات اور ان کے ہر جگہ سے فریاد سننے کو عقائد باطلہ میں لکھتے ہیں اور استقلال وغیر استقلال کا مطلب بھی پہلے عرض کیا جا چکا ہے حضرت شاہ صاحب ہی لایزال عہدی ینقرب الخ الحدیث میں تقرب کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

لیکن اس طریق تقرب خاص بذات اوتعالیٰ
 ست اگر کسی خواہد کہ بایں طریق یکے از مخلوقات
 تقرب پیدا کند ممکن و مطرد نیست و ہمیش
 آن ست کہ درین نوع تقرب متغیر پیدا
 دو چیز می باید اول احاطہ علی یا ذکر قلبیہ و
 لسانیہ ذاکرین باوصف مخالف امکانہ و از مند
 و مدارک و السنہ ناذر قلبی و لسانی ہر ذاکر یا
 معلوم دوم قوت نزدیک شدن و در مدارک
 او در آمدن و استراپہ کردن و حکم صفت آن
 پیدا کردن کہ در عرف شرع آن را دُتُو و
 تَدَاتِی و نزول و فریب خوانند و اس پر صفت
 خاصہ ذات پاک اوتعالیٰ ست بیچ مخلوق یا
 حاصل نیست آدمی بعضے کفرہ در حق بعضے از
 معبودان خود و بعضے پیر پرستان از زمرہ
 مسلمین در حق پیران خود امر اول را ثابت می
 کنند و وقت احتیاج بہین اعتقاد یا تھا
 استعانت می نمایند اما مطردی باشد الی قولہ
 و دیگر مخلوقات ہر چند وجاہیات باشند اول
 علم محیط ندارد کہ بر ذکر ہر ذاکر مطلع شوند لکن
 (تفسیر عزیزی پارہ ۲۹ ص ۱۸ طبع محمدی لاہور)
 ہیں بہر حال یہ جاری نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) اور
 اللہ تعالیٰ کے بغیر اور مخلوق اگر بجزی شرح ہی کیوں
 تو علم محیط نہیں رکھتی کہ ہر ذاکر کے ذکر پر مطلع ہوا لکن

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحب نے یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ہر ذاکر کرنے والے کے بطور
 اور سانی ذکر پر مطلع ہونا اور حاجت مند کے نزدیک ہونا خاصہ خداوندی ہے اس میں مخلوق میں
 میں اس کا کوئی شریک نہیں مگر ہاں بعض پیر پرستوں نے اپنے پیروں کے لئے ظاکر کے ذکر پر مطلع
 ہونے اور احاطہ علی کا دعویٰ کیا ہے مگر ان کا یہ یہ دعویٰ خاصہ خداوندی پر ڈاکہ ڈالنے کے
 مترادف ہے اور یہی ذبیحہ مؤلف مذکور اور ان کے ہم مشرب ساتھیوں اور بزرگوں کا ہے
 مَشَابِهَتْ قُلُوبِهِمْ شَائِدٌ کہ ان کا اس پر عمل ہو

انہیں کے مطلب کی کہہ لاہوں زبان میری ہے بات ان کی
 انہی کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

حضرت شاہ صاحب کفار کے عقائد باطلہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ
 و اگر کافران گویند کہ معبودان ما مظاہر صفاً اور اگر کافر یہ کہیں کہ ہمارے معبود اللہ تعالیٰ کی
 کلام الہی اندو باوانحا و نسبت مظہر با ظاہر صفات کاملہ کے مظاہر ہیں اور اس کے ساتھ
 دارندہ مغایرت و مقابلہ الی قولہ گویم ایں نسبت انحا و ظہر کی ظاہر کے ساتھ رکھتے ہیں نہ کہ
 بیخیال باطل شمس است اہ مغایرت اور مقابلہ کا (پھر آگے فرمایا) تو ہم کہتے
 (تفسیر عزیزی پارہ ۲۱ ص ۲۹) ہیں کہ تمہارا یہ خیال بھی باطل ہے۔

غرضیکہ حضرت شاہ صاحب غیر اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفات کے ایسا مظہر ہونے
 کو جس سے غیر سبب اڑ جائے خیال باطل سے تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ خالق خالق ہے
 اور مخلوق مخلوق ہے امدان دونوں میں ظاہری طور پر سر سے سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے کیونکہ
 وہ ساری کائنات کا موجد اور خالق ہے اور کائنات سبب کی سبب مخلوق ہے اگر معاذ اللہ تعالیٰ
 وہ نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

نہاری بختوں سے میرے شبھے خدا کی ہستی میں کم نہ ہوتے
 سگر یہ بات آگئی سمجھ میں خدا نہ ہونا تو ہم نہ ہوتے!

حیرت و ناسف | مؤلف مذکور کے علم دیانت پر صدافسوس ہے کہ انہوں نے نہ تو حضرت
 شاہ عبدالعزیز صاحب کی پوری عبارت نقل کی ہے اور نہ سمجھی ہے اور اٹا علماء و پویند کثر اللہ

تعالیٰ جہا عہتم کو کوسنے پر کمر باندھ لی ہے کہ جس اہکول میں نبی کے علم کی بہائم اور مجنوںوں سے تشبیہ کا درس دیا جاتا ہو وہاں اپنے کھی باپ کی تعلیمات کو قابل صد تکرار سکھایا جائے گا تو اور کیا ہوگا؟ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی بہائم اور مجنوںوں سے تشبیہ کا جواب آپ کا برصہ اول میں ملاحظہ فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے مزاج مبارک ٹھیک اور طبیعت درست ہو جائے گی کوئی ملین لینے کی حاجت باقی ہی نہ رہے گی۔
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی پوری عبارت ملاحظہ کریں۔

شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ روئے در نماز شام امامت می کرد چون ایتانک تعین و ایتانک نستیعین گفت بیہوش افتاد چوں بخود آمد گفتند لے شیخ ترا چه شدہ بود گفت چوں ایک نستیعین گفتم نرمیدم کہ مرا بگویند کہ لے دروغ گو چرا از طیب وارد می خوابی و از امیر روزی دانہ پادشاہ باری میجوی و ہنما بعضی از علماء گفتند اند کہ مر و بلا بید کہ شرم کند انرا کہ روز و شب پنج نوبت در مواجہ پروردگار خود استادہ دروغ گفتہ باشد لیکن درین جا باید ہمید کہ استعانت از غیر بوجہی کہ اعتماد براں غیر باشد و اورا مظہر عون الہی نداند حرام است و اگر التفات محض بجانیب حتی است و اورا یکے از مظاہر عون دانستہ و نظر بکارخانہ اسباب و حکمت او تعالیٰ در ان نمودہ بغیر استعانت

ظاہر نماید دور از عرفان نخواہد بود و در شرع نیز حائز رواسط و انبیاء و اولیاء میں نوع استعا بغیر کہ وہ اندوہ حقیقت این نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحق تعالیٰ است۔
(تفسیر غزالی ص ۱۰ طبع مجتہائی دہلی) ہی سے استعانت ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے اس عبارت میں لیکن درین جہا الخ سے حضرت سفیان ثوری کے غلط تصوف کے تحت طیب امیر و بادشاہ سے مدد لینے کو اس آیت کے خلاف سمجھنے اور بعض علماء کے اسی مضمون کے قول کا رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ڈاکٹر سے دو لینا اور امیر و بادشاہ سے مدد چاہنا ممنوع استعانت میں داخل نہیں ہے اور آگے اور اچھا نہ مظاہر عون الخ کی عبارت میں اشارہ طیب امیر و بادشاہ ہی کی طرف ہے۔ اور پھر خود وہ نظر بکارخانہ اسباب میں ظاہری اسباب کی تصریح کرتے ہیں اور لفظ لفظ میں ظاہری اور ماتحت الاسباب کو متعین کرتے ہیں لیکن جب باری آتی ہے مولف مذکور او ان کے صدر الافاضل کی تو وہ یوں گوہر افشانی کرتے ہیں شاہ صاحب نے فرمایا "و اور ایکے از مظاہر عون دانستہ یعنی غیر اللہ کو عون الہی کا مظہر سمجھتے صدر الافاضل صاحب نے فرمایا "مقربان حق کی امداد اور الہی ہے استعانت یا بغیر نہیں بلقطفہ (توضیح البیان) حضرت شاہ صاحب نے تو طیب امیر اور بادشاہ کا لفظ بول کر اور نظر بکارخانہ اسباب فرمایا کہ اس سے ظاہری اور ماتحت الاسباب استعانت مراد لیتے ہیں اور آپ اور آپ کے صدر الافاضل صاحب مقربان حق کی امداد بول کر مافوق الاسباب اور حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مرادیں مانگنا ثابت کر رہے ہیں فرمائیے کیا حضرت شاہ صاحب یہی کچھ فرماتے ہیں؟ اور کیا یہ قرآن کریم کی تحریف نہیں ہے؟ اور کیا یہ اپنے نفس پر ظلم نہیں ہے؟ اور کیا امت خفیدہ کا شیرازہ بکھرنے کے لئے یہ ایک غلط راہ نہیں ہے؟ اور کیا یہ نظریہ قابل صد نفرت نہیں ہے؟ فرمائیے بات کیا ہے؟ اور کیا علمی دنیا میں یہ ظلم عظیم نہیں کہ آپ بلاوجہ سرخی بیہ قائم کرتے ہیں کہ صدر الافاضل اور شاد عبدالعزیز دونوں نے استعانت

کی ایک ہی جیسی تفسیر کی سے — کیا انصاف اور دیانت اسی کا نام ہے؛ مگر صاحب نے جس مکتب فکر سے آپ تعلق رکھتے ہیں اس کے پاس بحرِ کرمِ نبوی اور تعصب کے اور صاحب نے آپ کو اس مدرسہ سے تعلق اور اہل حق سے عناد اور بغض کے علاوہ اور کچھ نہیں پڑھایا گیا کہ حضرات کا وزیرِ دہی یہ ہے کہ چکر کاٹ کاٹ کر حفظ الایمان۔ براہین قاطعہ تفسیرِ قرآن فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ کی ان عبارات پر تان توڑتے ہیں جو اپنے مقامِ صحیح اور علمی میں آپ کے تہذیبوں نے انگریزوں کو راضی کرنے کے لئے اور عوامِ اناس کو ان کا پرستار دلانے کے لئے ان عبارات کے خود ساختہ مطالب و معانی لے لے کر ان کا پرستار کی اور ان پر ظلم ڈھایا اور انگریزوں نے تو ان پر مظالم کی حد کر دی جو اس کا مصداق ہے کہ استم کر تجھ سے امید کرم ہوگی جنہیں ہوگی !!!

ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تو خالم کہاں تک ہے

استغانت کی بحث میں حرفِ آخر یہ سُرخی جگا کر مؤلف مذکور لکھتے ہیں شاہ ولی اللہ صاحب شریح الطیب النعم میں فرماتے ہیں۔

لابدست ازا استدعا و بروج انحضرت صلی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استغانت کا اللہ علیہ وسلم چارہ نہیں۔

مولوی قاسم نانوتوی صاحب بانی دیوبند قضاۃ قاسمی صاحب پر لکھتے ہیں۔
مذکور اسے کرم احمدی کہ تیسرے سوا نہیں ہے قاسم بیگس کا کوئی حامی کار؛

اہل سنت، اگر اےینٹونی بقوۃ (میری مدد) سے جراتاً استدعا کا قول کریں تو آپ پر ہیں کہ بیرونہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء و اولیاء و شہداء علیہم السلام سے کرتے ہیں کہ نہ وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب ان سے اس قسم کی استغانت بہر صورت شرک ہے (تفہیم متین ص ۳۵) اور شاہ ولی اللہ اور قاسم نانوتوی نے نہیں سے استغانت کی ہے تو بتلایئے آپ کے نزدیک وہ شرک ہوئے یا نہیں؛ یہی وہ شگفتہ صاحب ہیں جن کی عبارتوں کو بے سوچے سمجھے نقل کر کے آپ نے تفہیم متین کے

کے وقت سیاہ کر ڈالے ہیں جن کی عبارتیں نقل کرنے سے آپ کی دوکان چمکتی ہے جن کا نام لینے سے آپ کا ریت بڑھتا ہے پھر آخر کچھ تو سختی نمک کا پاس کیا ہوتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ
اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشنے گا
پھر آپ نے شاہ ولی اللہ اور مولوی قاسم کو مشرک قرار دے کر ان پر دروازہ مغفرت کو ہمیشہ ہمیش کے لئے بند نہیں کر دیا اور جب سرنبل دیوبندی مشرک قرار پایا تو باقی اتباع ما ذاب کس طبقہ میں ہوں گے

اب ہم اس بحث کو سید العارفین ابن عربی کے قول پر ختم کرتے ہیں جسے علامہ شعرانی نے کبریت احمد جلد اول ص ۱۷ اور ابو القیسیٰ و الجوارح ص ۲۷ پر نقل کیا ہے۔

قال واما القطب الواحد فهو روح محمد اور ابن عربی نے کہا کہ ہر حال قطب احد تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ جمیع الانبیاء والرسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جو تمام انبیاء و رسول اور اولاد قطب من حین النشئ الانسانى الاقطاب کے ابتداء آفرینش السائنت کے کر الیوم نیامت تک کے لئے دو گار ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔

اس عبارت تک پہنچنے کے بعد بھی اگر مولوی سرفراز صاحب کے ہوش و حواس قائم رہے تو ان سے معروض ہے کہ الدین النصیحة کے طور پر ہم نے مسئلہ استغانت کو کتابِ سنت اور اقوالِ سلف کی روشنی میں واضح تریبان لکھ دیا ہے شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز مولوی محمد قاسم مولوی محمود الحسن صاحب اور دیگر سلف دیوبند جنہیں مولوی سرفراز صاحب اپنے دین و ایمان کا مرکز سمجھتے ہیں ان تمام حضرات کے اقوال سے مافوق الامور میں اور اولیاء اللہ سے بعد الوصال استغانت کو ثابت کر دیا ہے اور اب سرفراز صاحب کے لئے صرف وہی راستے ہیں یا تو ان تمام کو مشرک قرار دے کر وہ اصل فی النار کر دیں اور اگر انہیں مشرک نہیں سمجھتے تو خود اپنی ضلالت سے تائب ہوں دنیا کے جھوٹے وقار اور شہرت کی طلب میں ہمیشہ ہمیشہ کی عزت کا خطرہ مول لینے سے گریز کریں اور حق و صداقت کی راہ اختیار کر لیں جھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق۔ سرفراز صاحب نے حضرت صدر الافاضل کے عظیم

غضل پر حوٹن کیا تھا بالآخر اس کی شامت نے ان کا منہ سیاہ کر کے چھوڑا اور انہی
اتوں نے شرک کی تعریف میں شدید ٹھوکریں کھائی ہیں۔

بہر حال ہم نے الدین النصیغہ کے مطابق ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے اور
تعالیٰ انہیں قبول حق کی توفیق عطا فرمائے انتہی بلفظہ (ص ۵۹ تا ص ۶۱)

الجواب: مؤلف مذکور کی اس طویل اور بھی عبارت میں قابل گرفت باتیں تو عام
مگر ہم صرف ان کی جہالت اور علمی خامی کو ظاہر کرنے کے لئے چند باتوں کی طرف حضرت
اشارات کرتے ہیں مزید کچھ کہنے کی ضرورت بڑی تو انشاء اللہ وہ بھی عرض کر دیں گے
یا رزندہ صحبت باقی۔

۱- حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت میں استمداد بروح آنحضرت صلی اللہ علیہ
علیہ وسلم کے الفاظ ہیں اور اسی طرح علامہ شمرانی ح کی ابن عربی سے نقل کردہ عبارت
فہو روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں لیکن مؤلف مذکور نے کہا کہ یہ
یا انتہائی جہالت کی وجہ سے دونوں جگہ ترجمہ میں روح کا لفظ ذکر نہیں کیا کیونکہ اس سے
قلبی کھل جاتی تھی انشاء اللہ تعالیٰ! بھی ذکر آیا ہے کہ حضرت صوفیاد کرام کی اصطلاح
میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح سے استمداد کا کیا مطلب ہے!

۲- حضرت نانوتوی کے اس شعر کریم احمدی رحمہ اللہ کا مطلب خود انہیں کی عبارات کی روشنی
میں ہم نے باقی دارالعلوم دیوبند حضرت تاملک میں سے دیا ہے مؤلف مذکور کا اخطا
اور علمی نریضہ ہے کہ وہ اس کی طرف مراجعت کر کے اس سے استفادہ کریں اور ضرور کہیں
۳- حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور مولانا نانوتوی اور کسی بھی قابل اعتماد بزرگ کسی
عبارت غیر اللہ سے مافوق الاسباب استمداد کا ہرگز کوئی ثبوت نہیں اور نہ مؤلف مذکور نے
کر سکے ہیں لہذا ان پر شرک کا فتویٰ کیوں صادر کیا جائے؟

۴- راقم نے مجدد اللہ تعالیٰ تنقید میں وغیرہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی جو عبارات
نقل کی ہیں وہ سوچ سمجھ کر نقل کی ہیں اور علمی دنیا میں ان کا کوئی اور مطلب ہی نہیں ہے
سوائے اس کے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ مؤلف مذکور کا فرض ہے کہ ان عبارات کو کسی

تائیں عربی دان سے سمجھنے کی کوشش کریں یہ یاد رہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی مرتب
اور شہوس عبارتوں سے صرف علمی دوکان ہی نہیں سمجھتی اور نہ ہی قابلیت کا ریٹ بطریقہ
بلکہ ہر جہد جمع سنت اور سون کے دل میں اذعان و ایقان بھی بڑھتا ہے اور شرک و بدت
کے سیاہ اور گھنگور بادل آنا فنا چھٹ جاتے ہیں لہذا ان پر ان اللہ لا یغفران یشترک
یہ کہ آیت کریمہ کیسے چسپاں ہوتی بفضلہ تعالیٰ ان کی روشن عبارات سے شرک کی تمام
زنجیریں کٹ جاتی ہیں اور ان کی عبارات میں شرک کا دھم بھی پیدا نہیں ہوتا پھر ان جیسے
رئیس المؤمنین کی تکفیر کے کیا معنی؟ مؤلف مذکور خود سمجھ سے عاری ہیں۔

۵- مجدد اللہ تعالیٰ راقم کی کسی عبارت سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب یا مولانا نانوتوی
وغیرہ بزرگوں کا اور اسی طرح خود ان کی عبارات سے بھی) ان کے مشرک ہونے کا وہم
بھی پیدا نہیں ہوتا کسی کے بارے میں قطعی اور حتمی طریقہ پر جنینی یا دوزخی ہونے کا فیصلہ
تو قطعی دلیل ہی سے ہو سکتا ہے جو صرف وہی ہے اور وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
والسلام کے بغیر کسی پر نازل نہیں ہوتی اس لئے قطعی طور پر ان حضرات کے یا بے جنینی
ہونے کا فیصلہ نہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کے مجاز ہیں یا اللہ اللہ تعالیٰ سے قوی امید
یہی رکھتے ہیں کہ وہ بفضلہ تعالیٰ جنت الفردوس کے وارث ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے
ان کے نقش قدم پر چلنے والے بھی جنت میں جائیں گے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اس
سوال کے جواب میں کہ مردمان میں زمانہ رافضی ہشتی و یا قطعی دوزخی قرار دادہ تصدین کنند حکم او
عند الشرع حییت؟ لکھتے ہیں ایساں رافضیض بعلم علام الغیوب باید کرد نہ بالقطع جننی باید
دند دوزخی فقط (محصلا فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۱۱) مطلب بالکل واضح ہے کہ ہمیں قطعی طور پر کسی
کو جنینی یا دوزخی کہنے کا حق حاصل نہیں ہے اس لئے کہ ہمیں غیب کا علم نہیں ہے طبیعت
صرف علام الغیوب کے تبارنے ہی سے ہو سکتی ہے اور پس

۶- استمداد بروح محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمام حضرات انبیاء کرام
ورسل و اطاب علیہم الصلوٰۃ والسلام نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک سے
ما فوق الاسباب طریقہ پر استمداد کیا ہے اور آپ کے وہ پوری کردی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے

کہ جیسے منطقی اصطلاح میں نور نور شمس سے مستفاد ہے اسی طرح تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے علمی و عملی کمالات اسحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیض سے اور اسی کو بعض عقیدت مندوں نے یوں تعبیر کیا ہے کہ اسحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت سے اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت آپ کا فیض اور بالعموم سے اور آپ کی نبوت کا فیض سب کے لئے عام ہے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

فالنبوة حمت كل اصناف والا حمر ولا سود مستغويان فيما يرجع الى الفيض الذي هو من باب النبوة الخ (تفہیمات الجہ ج ۱ ص ۲۱)

نبوت تمام قسموں کو شامل ہے باب نبوت سے جو فیض حاصل ہوتا ہے اس میں مرنح اور سیدنا و اولاد برابر ہیں اور حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے فصل لعربی علی العجمی والا حمر علی الاسود الا بالتقوى بجمع الزوائد ج ۸ مشردواہ البزار ورجاله رجال الصحيح

اور تصوف کے رنگ میں گفتگو کرتے ہوئے اقترابات الخس کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ توسط الانبياء صلوات الله عليهم بين الله سبحانه وبين المقربين باحدنا هذه الاقترابات الخس ليس معناه ان يكونوا مفيضى الكمال عليهم بل ان يكون جهة اقترابهم وسمت توجههم ما تشخص به هذا النبي عند العود من اصناف الكمال (تفہیمات ج ۲ ص ۱۳۸)

اس عبارت سے صاف طور پر یہ واضح ہو گیا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی توجیہ کی جہت اور سمت ہوتے ہیں یہ

مقرر ہیں پر فیض کا یہ معنی نہیں کہ وہ فیض ان کو عطا کرتے ہیں بلکہ وہ ان کے فیض کا ذریعہ ہیں اور سبب قرار پاتے ہیں اور اسحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا فیض آپ کی وفات کے بعد بھی برابر جاری و ساری ہے نسبت ولے اور اہل لوگ قبور اور ارواح سے بھی فیض حاصل کرتے رہتے ہیں چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی لکھتے ہیں۔ اگر صاحب نسبت ہوں تو اپنا دل دوسرے خیالات سے فارغ کر کے صاحب قبر سے فیض حاصل کرنے کے لئے مراقبہ کرے اھ (ارشاد الطاہرین ص ۲۲) اور نیز لکھتے ہیں

مسئلہ جب کوئی شخص مرتد بہ کمال کو پہنچ جاتا ہے اس کو جانب الہی سے بے واسطہ فیض پہنچ سکتا ہے اور عبادت سے بھی ترقیات حاصل کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، **وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ** یعنی سجدہ کرو اور خدا کا قرب طلب کرو اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نثر شریف اور اولیاء کی قبور سے بھی فیض حاصل کر سکتا ہے انتہی بلطف (ارشاد الطاہرین ص ۳)

لیکن فیض زندگی کے فیض کی طرح نہیں ہوتا چنانچہ جناب تھانی صاحب ہی تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کہے اولیاء کا فیض ان کی موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے پس دوسرے شیخ کو تلاش کرنا فضول ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ اولیاء کا فیض بعد موت اس قدر نہیں کہ ناقص کو بدرجہ کمال پہنچا دیں مگر شاذ و نادر اگر فیض بعد از موت اسی قسم کا ہو جیسے زندگی میں ہوتا ہے تو تمام اہل مدینہ پیغمبر خدا کے زمانہ سے آج تک اصحاب کے برابر ہیں، اور نیز کوئی شخص اولیاء کی صحبت کا محتاج نہ ہوا تہ شدہ کا فیض اٹھنے کے برابر ہو ہی کیونکر سکتا ہے جب کہ فیض رساں اور فیض یاب میں نسبت شرط ہے اور وفات کے بعد مفقود ہے ہاں تہاد لبقا کے بعد جب مناسبت باطنی ہو جاتی ہے تو قبور سے فیض حاصل کر سکتے ہیں، لیکن وہ بھی نہ اس قدر جو حیات میں ہوتا ہے واللہ اعلم (ارشاد الطاہرین ص ۱۸) مگر اس فیض سے تقرب الہی کا فیض مراد ہے رزق پہنچانے، اولاد ملنے اور تکالیف دور کرنے کا فیض ہرگز مراد نہیں ہے چنانچہ ہی قاضی ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

مسئلہ اگر کوئی کہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بات پر گواہ ہیں وہ کا فر ہو

جاتا ہے اور ایسا مددوم کو پیدا کرتے یا موجود کو نابود کرنے پر قادر نہیں ہیں پس پیدا کرنے یا
 کرنے رزق پہنچانے اور داد دینے بلا دور کرنے مرض سے شفا بخشنے وغیرہ کی نسبت ان سے
 مدد طلب کرنا کفر ہے قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ نَعْتَدُ بِاللَّهِ حَرْزًا وَمَا نَشَاءُ اللَّهُ يَكُونُ
 اے محمدؐ کہ میں اپنے آپ کے لئے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو خدا چاہے
 (ارشاد الطاہرین ص ۱۲) اور نیز تصریح فرماتے ہیں۔

مسئلہ: اولیاء کو علم غیب نہیں ہوتا ہاں بعض غائب چیزوں کے متعلق خرق عادات
 کے طور پر کشف سے یا الہام سے ان کو علم دیا جاتا ہے اور یہ کہنا کہ اولیاء کو غیب کا علم
 ہے کفر ہے الخ (ص ۲)

مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں اور یہ خیال نہ کرے کہ قبر سے فیض لینا کافی ہے دوسرے
 شیخ کی کیا ضرورت ہے کیونکہ قبر سے فیض تعلیم نہیں ہو سکتا البتہ صاحب نسبت کو احوال
 کی ترقی ہوتی ہے سو شیخ تو ابھی محتاج تعلیم ہے ورنہ کسی کو بھی بیعت کی ضرورت ہوتی
 لاکھوں قبریں کا میں بلکہ انبیاء کی موجود ہیں (تعلیم الدین ص ۹۷)

غرضیکہ ارواں کا تو کہنا ہی کیا فخر موجودات سید البشر امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی مافوق الاسباب طریقہ پر کسی کو فیض رزق غنی صحت
 ادواء اور دیگر نعمتیں دینے کی مجاز نہیں بلکہ اگرچہ رسد بلکہ آپ خود فقر و فاقہ میں مبتلا ہے
 اور یہ کوئی عیب نہیں ہے جیسا کہ النشار اللہ العزیز آگے آ رہا ہے۔

روح سے استمداد روح سے استمداد سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ جو
 حضرات اس کے اہل ہیں انہیں انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح سے فیض پہنچتا ہے تو
 اس کی باحوالہ بحث پہلے گذر چکی ہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ آپ مافوق الاسباب طریقہ پر ننگتوں
 کو رزق دیتے ہیں ایسے اولادوں کو اولاد دیتے ہیں۔ بیماروں کو شفا دیتے ہیں اور اسی طرح
 دیگر اصحاب حاجات کی حاجتیں پوری کرتے ہیں تو یہ مطلب نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ
 اور صحیحہ کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ خود ان اکابر کی صریح عبارات کے بھی خلاف ہے
 اس سلسلہ میں چونکہ مولف مذکور نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت پر اپنے استدلال

کی بنیاد رکھی ہے اس لئے ہم یہاں حضرت شاہ صاحبؒ ہی کی چند عبارات باحوالہ عرض
 کرتے ہیں تاکہ بات بالکل عیاں ہو جائے۔

والمیزان فی معرفۃ الخیر والنشر الکتاب خیر اور شرکی شناخت کی ترازو قرآن کریم ہے
 علی تأویلہ الصریح و معروف السنۃ جو اپنی صریح تعبیر پر مشتمل ہو اور مشہور حدیث ہے
 لا اجتہاد العلماء ولا اقوال الصوفیۃ نہ کہ حضرات علماء کرام کا اجتہاد اور نہ حضرات
 (تفہیمات الہیۃ ج ۲ ص ۱۲) صوفیاء کرام کے اقوال
 اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ

اما عقیدہ و مشروع جہاز احد بنی پیغمبر بہر حال عقیدہ اور شریعت تو انحضرت صلی اللہ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ان گرفت تھامے علیہ وسلم کی حدیث کے بغیر نہیں حاصل
 (ایضاً ج ۲ ص ۲۵۵) کئے جاسکتے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ عبارات بالکل واضح ہیں مزید کسی تشریح کی حاجت نہیں
 ہے ان عبارات کی روشنی میں غفادہ و شرائع کے بارے میں ایک دو نہیں علماء کرام اور
 اور صوفیاء عظام کے سینکڑوں اقوال و عبارات بھی پیش کی جاتیں تو لاجہا حاصل ہے وہ
 خود قابل تادیب ہوں گی اس لئے مولف مذکور اور ان کے دوستوں کو اس سلسلہ میں ایسے
 اقوال و عبارات سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی
 خود اپنی صریح عبارات کے ہوتے ہوئے بھلا ایسے باطل معانی لئے بھی کب جاسکتے
 ہیں؟ مثلاً یہی ایک عبارت ملاحظہ کریں۔

ثم لیعلم انہ یجب ان ینفی عنہ صفاً پھر ضروریہ جاننا چاہیے کہ واجب ہے کہ حضرت
 الواجب جل جلالہ من العلم بالغیب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے واجب جل
 والقدرۃ علی خلق العالم الی غیر ذلک مجتہد کی صفات مثلاً علم غیب اور جہان کے پیدا
 ولیس ذلک بنقص وثبت انصاف کرنے کی قدرت وغیرہ کی نفی کی جائے اور کوئی
 الانبیاء علیہم السلام بالجوع عیب نہیں ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت
 والظلم والفقیر والمحتاج وامثالہا انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھوک۔ پیاس اجنبی

ولیس ذلک بنقص وعدم اتصاف صلی اور حاجات وغیرا سے منصف تھے اور یہ کوئی
 اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بصفات یمدح عجیب نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 بہا الناس فی بعض امورہولثبوت وسلم کا بعض ایسی صفات سے موصوف نہ ہو سکتے
 ماہواشرف وافضل منها کالخطو وجہ سے لوگوں کی تعریف کی جاتی ہے مثلاً کہتے
 الشصوماینا سب ذلک لیجس اور شعر اور اس قسم کی اور چیزیں تو یہ بھی کوئی عجیب
 بنقص (تفہیمات الہیہ ج ۲ ص ۲۷۰) نہیں کیونکہ آپ ان سے کہیں اعلیٰ اور افضل صفات
 سے منصف ہیں۔

لہذا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ بزرگوں کی عبارات میں روح سے استمداد کا
 مطلب ہرگز نہیں کہ امداد چاہنے والے حضرت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح
 مبارک سے رزق اولاد جلب منفعت اور دفع البلاء وغیرہ کی امداد چاہنے میں حاجت
 وکلاً تم حاشا وکلاً ان حضرات کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک قسم کے سکر یا غنودگی کی
 حالت میں آپ کی قبر مبارک پر یا ویسے مراقبہ کرتے ہیں اور اس مراقبہ کی حالت میں مثال طور
 پر آپ کی روح مبارک سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ علمی طور پر ان سے استفادہ کرتے
 ہیں اور آپ کی مثالی روح روحانی طور پر ان کے علمی اشکالات دور کرتی ہے چنانچہ حضرت
 شاہ ولی اللہ صاحب خود تحریر فرماتے ہیں کہ

ابن فقیر از روح پرفتوح آنحضرت صلی اللہ اس فقیر نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
 تعالیٰ علیہ وسلم سوال کر دہ کہ حضرت چرمی فرماید روح پرفتوح سے سوال کیا کہ آپ شیعہ کے بارے
 درباب شیعہ کہ مدعی محبت اہل بیت اند میں کیا فرماتے ہیں جو حضرات اہل بیعت کی محبت
 وصحابہ را بدعی گویند آنحضرت صلی اللہ علیہ کا دعویٰ کرتے ہیں اور حضرت صحابہ کرام کو جھٹلا
 وسلم بنوعی از کلام روحانی القادر فرمودند کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قسم
 مذہب الیشان از لفظ امام معلوم می شود کے روحانی کلام سے یہ القادر فرمایا کہ شیعہ کا مذہب
 چون ازاں حالت افاقت و دست داد امام کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے جب اس حالت
 در لفظ امام تا تل کردم معلوم شد کہ امام سے افاقت ہوا تو میں نے امام کے لفظ میں تا تل کیا

باصطلاح الیشان معصوم منقوض الطاقہ منصوب معلوم ہوا کہ شیعہ کے نزدیک امام معصوم ہوتا ہے
 للمتی است ووجی باطنی در حق امام تجویزی نماند جس کی الہامت فرض ہوتی ہے جو حق کے لئے
 پس در حقیقت ختم نبوت را منکر اند گو زبان کھڑا کیا جاتا ہے اور وہ امام کے حق میں باطنی
 آنحضرت را صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء وحی تجویز کرتے ہیں پس حقیقت میں وہ ختم نبوت
 فی گفتہ باشند (تفہیمات الہیہ ج ۲ ص ۲۷۰) منکر ہیں گو زبان سے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔

اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے آنحضرت
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک سے سوال کیا مگر یہ سوال بھی روحانی تھا چنانچہ خود
 فرماتے ہیں کہ

سألت سولاد و حاینا عن الشیعۃ الخ میں نے آپ سے روحانی طور پر شیعہ کے
 (تفہیمات الہیہ ج ۲ ص ۲۷۰) بارے میں سوال کیا۔

اور آپ نے ان کا انکسار دور کیا لیکن اس میں اس کی بھی وضاحت ہے کہ یہ روحانی خواب
 یا نیم خواب یا سکر یا غنودگی کی حالت میں ہوئی اور چون ازاں حالت افاقت دست داد
 کے الفاظ اس پر صاف طور پر دلالت کرتے ہیں امداد کا جواب بھی ایک گوہر روحانی
 تھا چنانچہ نبوی از کلام روحانی کے الفاظ اس پر ال ہیں اور اس قسم کے روحانی معاملات اور مراقبات
 کا ذکر تفہیمات الہیہ اور زمین وغیرہ کتابوں میں موجود ہے۔

الغرض ان کے کلام میں استمداد سے وہ استمداد مراد لینا جو جاہل اور شرک کے شیعہائی
 غیر اللہ سے طلب رزق و اولاد اور دفع مضرت وغیرہ میں کیا کرتے ہیں سراسر باطل ہے
 لہذا یہ حوالہ بھی مولف مذکور کو قطعاً مفید نہیں اور ہمیں ذرہ بھر مضرت نہیں ہے مگر نثر ناقص
 تک پہنچنے کے لئے باریک بینی شرط ہے۔

ملے گما منزل مقصود کا اسی کو سراغ
 اندھیری شب میں ہے چینی کی آنکھ جس کا چراغ
 کبریت احمر اور ایوا قبیت کا حوالہ | مولف مذکور نے بے سوچے سمجھے کبریت احمر

اور ایوانیقت و اجزایہر کا جوار نقل کر دیا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ بیچارے حضرات صوفیہ کرام کی اصطلاحات ہی سے واقف نہیں ہیں اور نہ ان کی کتابیں ان کو بالاستیعاب دیکھنے سمجھنے اور پڑھنے کی کبھی ہمت اور توفیق ہی ہوئی ہے عجم بفضلہ تعالیٰ نہایت ہی مختصر پر بقدر ضرورت چند حوالے عرض کرنے ہیں غور فرمائیں

قطب حضرات صوفیہ کرام اور علی الخصوص شیخ ابن عربی (المتوفی ۶۳۸ھ) اس امر کی تصریح کرتے ہوئے کہ قطب سے کوئی زمانہ خالی نہیں ہونا کھتے ہیں۔

فلا یخلو زمان من رسول یكون نیه
وذلك هو القطب الذی هو محل نظر
الحق تعالیٰ من العالم کما یلیق بجلاله
ومن هذا القطب یتفرع جمیع الامداد
الالهیة علی جمیع العالم العلوی السفلی
قال الشیخ محی الدین ومن شرطه ان
یکون ذا جسم طبعی وروح ویکون
موجوداً فی هذا الدار الدنیا بمجسده
وروحه من عهد آدم الی یوم القیامت
لما کان الامر علی ما ذکرناه ومات
رسول الله صلی الله علیه وسلم بعد ما
فر بالدين الذی لا ینسخ والشرع الذی
لا ینبذل دخلت الرسل کلهم فی ذریعته
لیقوموا بها فلا تخلوا الارض من رسول
سچی مجسمه اذ هو قطب العالم الانسانی
ولو کانوا فی العدم والقر رسول فان المقصود
من هو الا وهو الواحد قادر ربیب فی السماء

الواحد وعبسئلی فی السماء والثانیة و
الیاس والحظ
ان السلوات
لکونها تنبغی
بفناها صورا
الذنی الی ان
الارض الیاس
اذ انزل وه
فی الارض بال
المرسلون فی
لکن من یا
الله علیهم
لا یعلمون فی
عیسی وادریس
علیهم السلام
الذین وه
وانشان من
اربعته
الله الایمان
الرسالة
الذین الحد
واحد لا ی
ج ص یا

جو اپنے جسم کے ساتھ زندہ ہو خالی نہیں کیونکہ
وہ تمام عالم انسانی کا قطب ہے اگرچہ گنچ میں و
بزرگ پیغام رساں ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ مفسوآن
میں سے ایک ہی ہے سو حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ
والسلام چونکہ آسمان میں اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ
والسلام دوسرے آسمان میں اور حضرت الیاس
اور حضرت خضر علیہما الصلوٰۃ والسلام زمین میں
ہیں اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ سات آسمان
بھی عالم دنیا ہی سے ہیں کیونکہ وہ صورتہ دنیا کی
بقا کے ساتھ باقی ہیں اور اس کے کنارے
ساتھ فنا ہو جائیں گے تو وہ وارد دنیا ہی کی جزو
ہے (پھر آگے فرمایا) اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے
زمین میں حضرت الیاس اور حضرت خضر کو اور اسی
طرح حضرت عیسیٰ کو جب زمین پر نازل ہوں گے
علیہم الصلوٰۃ والسلام باقی رکھا ہے اور یہ مسلمین
میں سے ہیں اور یہی زمین میں دین حنیفی کو قائم کرنے
والے ہیں پس یہ ہمیشہ سے رسول ہیں اور اس بنا
میں رہیں گے لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی شریعت کے باطن کے لحاظ سے مگر اکثر لوگ
تہیں جانتے پس قطب حضرت عیسیٰ حضرت
ادریس حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہم الصلوٰۃ
والسلام میں سے ایک ہی ہے اور وہ دین کے
گھر کا ایک رکن ہیں جیسے حجر اسود اور دروان ہیں

سے امام ہیں اور یہ چاروں ہی اوتاد ہیں سوان میں ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایمان کو اور دوسرے کے ساتھ ولایت کو اور تیسرے کے ساتھ نبوت کو اور چوتھے کے ساتھ رسالت کو محفوظ رکھتا ہے اور ان سب کے ساتھ دین حقیقی کو محفوظ رکھتا ہے سرتطب ان میں لاعلیٰ التبعین ایک ہے

اس سے معلوم ہوا کہ بقول شیخ ابن عربی ۴ چار پیغمبر حضرت عیسیٰ (جن کی حیات دلائل قطعیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابتہ لکن تفصیل موضع آخر صغیر) حضرت ادریس، حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہم وعلیٰ بیعتا الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں اور علامہ خیالی ۴ نے بھی بڑے بڑے علماء کے حوالہ سے ان چاروں حضرات کی حیات صریحہ لکھی ہے ملاحظہ ہو الخبالی ص ۱۱۱ اور ان میں لاعلیٰ التبعین ایک قطب ہیں اور عالم علمی اور عقلی پر اللہ تعالیٰ کی امداد ان کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہوتی ہے اور یہ تمام حضرات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت کے پابند ہیں دخلت الرسل کلہم فی شریعتہ اور لکن من باطینہ شرع محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اس پر صراحت سے دلالت کرتے ہیں اس لحاظ سے روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن وحی اور آپ کا دین اور شرع مراد ہے جس سے یہ حضرات مستفید ہوتے ہیں اور روح یعنی قرآن اور وحی کے قرآن کریم سے ثابت ہے پناچہ ارشاد ہوتا ہے

وَكذٰلِكَ اَوْحٰیٓنَا اِلَیْكَ رُوحًا مِّنْ اٰمُرِنَا الْاٰیۃ اور یونہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی ایک جان نفاخیز یعنی قرآن پاک جو دونوں میں زندگی پیدا کرتا ہے (ترجمہ خالص) اور تفسیر انمراء آبادی صاحب

اور نیز ارشاد ہوتا ہے

يُنزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ اٰمُرِهِ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ (ب- الخدا) ملائکہ کو ایمان کی جان یعنی وحی عے کر اپنے جن بندوں پر چاہے آنا ہے۔

ان روشن آفتابوں سے معلوم ہوا کہ روح کا لفظ قرآن پاک اور وحی پر اطلاق ہوتا ہے اور قرآن کریم اور وحی ہی دوسرے الفاظ میں آپ کے دین اور شرع کا نام ہے قطع نظر اس کے اگر روح سے حقیقی روح ہی مراد ہو تو روحانی فیض کا ذکر پہلے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے الغرض اس امداد سے وہ امداد ہرگز مراد نہیں جس کے اثبات کے مؤلف مذکور اور ان کے مبنوا در پے ہیں۔

مؤلف مذکور کی کوتاہی بھی اکاش کہ مؤلف مذکور کبریت احمر کی عبارت ذرہ آگے تک بیان کر دیتے تو معاملہ خود بخود صاف کھل جاتا اور معمولی سا دم بھی پیدا نہ ہوتا عبادت یوں ہے اور بہر حال قطب واحد تو وہ روح محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے جو نام انبیاء و رسل و افطاب کی علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے اس وقت سے جب سے انسانی پیداؤں سے قیامت کے دن تک اللہ اعلم اور انہوں نے فرمایا کہ وحی جو تشریح کو منضج ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بند ہو گئی ہے اور اسی لئے جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہوں گے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے نہ کہ وحی جدید سے

داما القطب الواحد فقہ روح محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الحمد لجميع الانبیاء والرسل والافتاب من جین النعمی الانسانی الیوم القیمہ ولله اعلم وقال فان الوحی المنتضن للتشریح قد اغلق بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولہذا کان عیسیٰ علیہ السلام اذا نزل یحکم بنبیۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دون وحی جدیدہ الیکبریت الاحمر علی ہامش البواقیت والجواهر ج ۱ ص ۱۱۱ اس عبارت میں حرف فا کے ساتھ فان الوحی المنتضن للتشریح الخ سابق دعویٰ کی دلیل اور علت ہے جس کا صاف طور پر مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین وحی اور شریعت سب پر لازم ہے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوئی نبی آپ ان کی امداد فرماتے ہیں لہذا ما فوق الاسباب طریقہ سے آپ سے استمداد درست نہیں ہے معاذ اللہ تعالیٰ جیسا کہ مؤلف مذکور کا باطل دعویٰ ہے دیگر امور تکوینیہ کا تو کہنا ہی کیا ہے قطبیت جو ان حضرات کی خاص نمایاں شان ہے وہ بھی آپ کسی کو نہیں دے سکتے دینا تو درکنار اس سلسلہ میں ان کا

اللہ تعالیٰ سے سوال اور دعا بھی ضروری نہیں کہ قبول ہو جائے چنانچہ علامہ شعرانی فرماتے ہیں
 فان قلت هل للقلب الصميم القطب
 تصريف في ان يعطى القطب يتلن شدا من
 اصحابه او اولاده؟ فالجواب ليس بتصريف
 في ذلك وقد بلغنا ان بعض الاقطاب
 سأل الله ان تكون القطبية من بعد
 لولده فاذا بالهاتف يقول له ذلك لا
 يكون الا في الادرث الظاهر واما الادرث
 الباطن فذلك الى الله وحده الله اعلم
 حيث يجعل رسالته انتهى

(البواقيت والجواهر ج ۲ ص ۲)

پیغام رسائی کا یہ سلسلہ اس نے کہاں کہاں سے
 اس سے بصرحت معلوم ہوا کہ قطبیت وغیرہ یا تجزیاتی امور عطا کرنا صرف اللہ تعالیٰ
 کا کام ہے اس میں قطب کا بھی کوئی دخل نہیں ہوتا اور نہ بیان کے بس کا روگ ہے لہذا اس
 سلسلہ میں ان سے مدد حاصل کرنا بے سود ہے اور نہ وہ مافوق الاسباب امداد کر سکتے ہیں
 ۷۔ قارئین کرام! آپ نجوبی ملاحظہ فرمائیے کہ سرفراز کے ہوش و حواس بجز اللہ تعالیٰ
 کیسے قائم ہیں کہ وہ لکیر سبت الاحمر اور البواقيت والجواہر کی صوفیانہ عبارات کو صحیح طور
 سمجھتا ہے اور مولف مذکور کی نامور کھوپڑی میں ان کا صحیح مطلب نہیں آیا اور غیر اللہ سے
 مافوق الاسباب استغانت کا قرآن و سنت کا ثبوت تو کوہ کندن اور کاہ برآوردن کا
 مصداق ہے مگر مولف مذکور اس مشرکانہ عقیدہ کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حضرت شاہ
 مولانا محمد ناسخ اور علامہ شعرانی وغیرہ سلف کے اقوال سے بھی ثابت نہیں کر سکے اور شرک
 ان حضرات کی ایمان افروز عبارات سے ثابت بھی کب اور کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ علامہ
 میں ہمارے لئے ہی حضرات دین و ایمان کا مرکز ہیں ان کا بیکار کو مشرک قرار دے کر ان کو داخل
 النار کرنا پرے درجہ کے شقی القلب اور کسی بربخت ازلی می کا کام ہو سکتا ہے اور بجز اللہ

تعالیٰ جب راقم انجمن اکابر کے صاف و شفاف دامن سے وابستہ اور ان کے نقش قدم
 پر چلنے والا ہے تو وہ کیونکر ضلالت اور مذلت کا شکار ہو سکتا ہے؟ بجز اللہ تعالیٰ راقم پہلے
 ہی سے لخصوص قطبیت حاد بیٹ صحیحہ اور اقوال سلف کے روشن ترین اقوال سے وابستہ ہو
 کر حق و صداقت کی راہ اپنائے ہوتے ہے اور بغض اللہ تعالیٰ مرتد ہے منہ تو آپ کا اور آپ کے
 صدر الافاضل کا کالا ہے کہ مفرمانِ حق کی مافوق الاسباب استمداد کے جواز کا یہ نبیاد دعویٰ
 تو کرنے ہیں لیکن دلیل بالکل نادر اور بجز اللہ تعالیٰ روح شریعت کی روشنی میں شرک کی جو
 تعریف راقم انجمن نے کی ہے قیامت تک کوئی ماں کالال اس کو دلائل صحیحہ سے باحوالہ
 طریقہ پر رد نہیں کر سکتا ہم نے تنقید متین میں حدیث الدین النصیحة کی روشنی میں شرک کے
 شدید ایوں کو خیر خواہی کے جذبہ کے تحت نصیحت کی تھی اب پھر اسی جذبہ سے مولف مذکور
 کو نصیحت کرتے ہیں کہ شرک و بدعت کو ترک کر کے توحید و سنت پر خالص ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ

توفیق دے اگر دل میں ارادہ ہو تو سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے
 دل اس کے عشق میں کھویا تو پانی دل کی مراد
 سرا اس کے در پہ جھکا یا تو کامیاب ہوتے
 وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ واصحابہ و ازواجہ
 و احبابہ و متبعیہ الی یوم الدین آمین ثھامین

احقر
 ابوالزہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گلگھر
 و صدر مدرس مدرسہ "نصرۃ العلوم" گوجرانوالہ

سورہ رشوال ۵۱۴۰۱
 ۱۲ اگست ۱۹۸۱ء

إِتْمَامُ الْبُرْهَانِ

مِنْ رَدِّ
تَوْضِيحِ الْبُكْيَانِ

حِصَّةٌ دَوِّمٌ

تَأْلِيفُ

شَيْخِ الْحَدِيثِ حَضْرَتِ مَوْلَانَا مُحَمَّدِ سِرْفَرِازِ خَانَ صَاحِبِ مَعْنَى الْعَالَمِ

مَكْتَبَةُ صَفَدِيَّةِ نَزْدِ مَدْرَسَةِ نَصْرَةِ اِسْلَامِ

كُوَجْرَانَوَالِه

فہرست مضامین تمام البرہان حصہ دوم

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	
۱۸	خیر از ادنی سیر العباد سے متعدد حوالے	۲۰	۱۱	باب اول
"	شیخ القدر کی کا حوالہ	۲۱	"	۲ ضاد کا مخرج
۱۹	تفسیر عزیز کا حوالہ	۲۲	"	۳ ضاد کی جگہ ظاہر پڑھنے کا حکم
۲۰	نوٹ ضروری	۲۳	"	۴ محیط برہانی
"	خیانت کا بے بنیاد الزام	۲۴	"	۵ تنقید ستین
۲۱	اور اس کا جواب	۲۵	"	۶ اس پر مولف مذکور کی گرفت
	مولف مذکور کی طرف سے ضاد کو ظاہر	۲۶	"	۷ تحفۃ المقلدین - ہدایۃ البرہانہ اور
۲۲	پڑھنے کے حوالے	۱۲	"	۸ مرآة الحقیقت اختراعی کتابیں ہیں
"	اور اس کا جواب	۲۷	"	۹ تفسیرات احمدیہ کا منبئیہ مدارد
۲۳	ضاد کو عداً ظاہر پڑھنا کفر ہے	۲۸	"	۱۰ الجواب
۲۵	اس کا جواب	۲۹	۱۳	۱۱ مجلس حوالہ پر کسی حکم کی بنیاد نہیں رکھی جاتی
"	جامع الفصولین - محیط اور کبیری کا حوالہ	۳۰	"	۱۲ ترک حوالہ اور مجلس حوالہ کا فرق ہے
۲۶	عبارات فقہاء کی توضیح	۳۱	۱۴	۱۳ تحفۃ المقلدین کے بارے میں
۲۷	آین بچید الفاظ اور معانی دونوں کا	۳۲	"	۱۴ ہدایت البرہانہ موجود ہے
"	نور الانوار اور حسامی	۳۳	"	۱۵ مرآة الحقیقۃ سے حوالہ نقل کیا گیا ہے
"	ایک حرف کو دوسرے سے بدلنے کے	۳۴	۱۵	۱۵ تفسیرات احمدیہ کے منبئیہ کا انکار نہیں کیا
"	ساختہ تحریف ہوتی ہے	۱۶	"	۱۶ ضاد کو ظاہر سے عداً بدلنے والا کافر ہے
۲۸	اس کا جواب	۳۵	"	۱۷ اس کا جواب
۲۹	قاضی خاں کا حوالہ	۳۶	"	۱۸ الذمیرۃ البرہان اور شرح نقد البرہان کا حوالہ
۳۰	دیوبند کے کمال حق کی قرآن میں لفظی تحریف	۳۷	۱۴	۱۹ صاحب محیط کا حوالہ

فہرست مضامین انعام الایمان حصہ ۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۸	اس کا جواب	۳۱	۵۸	تقرب بغیر اللہ کے لئے ذبح حرام ہے	۳۱
۳۹	حرف ضاد کی تخصیص کا جواب	۳۲	۵۹	در مختار - البحر الرائق - شامی	۳۲
۴۰	اور اس کا جواب	۳۳	۶۰	تفسیر عزیزی	۳۳
۴۱	قاضی خاں کا حوالہ	۳۴	۶۱	فتاویٰ عزیزی	۳۴
۴۲	مولانا عبدالحی لکھنوی کا حوالہ	۳۵	۶۲	در مختار اور فتاویٰ عزیزی	۳۵
۴۳	عموم بلوی کا جواب	۳۶	۶۳	نودی - فتاویٰ عزیزی - شامی	۳۶
۴۴	اور اس کا جواب اور تشریح	۳۷	۶۴	شیطان کی اطاعت بھی شرک ہے	۳۷
۴۵	امامت کی تخصیص کا جواب	۳۹	۶۵	قرآن کریم	۳۹
۴۶	اور اس کا جواب	۴۰	۶۶	نور العرفان سے اس کا ترجمہ	۴۰
۴۷	باب دوم	۴۱	۶۷	مشرکوں کے ایک شعر پر اعتراض کا جواب	۴۱
۴۸	مروجہ ایصال ثواب	۴۸	۶۸	تشبیہ میں مساوات شرط نہیں ہے	۴۸
۴۹	تفہیم تین	۴۹	۶۹	عمدۃ القاری اور شرح نخبۃ الفکر	۴۹
۵۰	اس پر اعتراض	۵۰	۷۰	نند پوری نہ ہونے پر ضرر کا ترتیب	۵۰
۵۱	اس کا جواب	۵۱	۷۱	یہ عوام پر الزام ہے	۵۱
۵۲	تقرب بغیر اللہ کی بحث	۴۲	۷۲	اس کا جواب	۴۲
۵۳	تفہیم تین	۴۳	۷۳	بارہ سال کا بیٹا	۴۳
۵۴	اس پر گرفت	۴۴	۷۴	تفہیم تین	۴۴
۵۵	اور اس کا جواب	۴۵	۷۵	اس پر گرفت	۴۵
۵۶	غیر اللہ سے مدد مانگنے کے متعدد حوالے	۴۶	۷۶	اور اس کا جواب	۴۶
۵۷	سیدنا شیخ عبدالقادر صاحب کو سلام کرنے	۴۷	۷۷	حضرت نوح علیہ السلام کی ایک دعا	۴۷
	بغیر سورج طلوع نہیں تو بالان والعلیٰ	۴۸	۷۸	قبول نہیں ہوئی قرآن کریم	۴۸

فہرست مضامین انعام الایمان حصہ ۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۸	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تین دعاؤں میں سے ایک قبول نہیں ہوئی	۶۰	۹۵	مطلقاً تقرب جو شرک حرام نہیں	۶۰
"	مسلم - ترمذی - موارد النظم	"	۹۶	بلکہ تقرب علی وجہ العبادت موجب شرک	"
۶۹	کتاب وسنت کے مخصوص ظاہر پر	۶۱	۹۷	وحرمت ہے	۶۱
۷۰	محمول ہیں شرح العقائد	"	۹۸	اس کا جواب	"
۷۱	مولوی اشرف علی تھانوی کی گپ	۶۲	۹۹	فتاویٰ عزیزی کا حوالہ	"
۷۲	کرامات امدادیہ کا حوالہ	"	۱۰۰	گیارہویں بصورت ایصال ثواب	۶۲
۷۳	اس کا جواب	۶۳	۱۰۱	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایصال ثواب	۶۳
۷۴	بہشتی زیور اور تعلیم الدین کے حوالے	"	۱۰۲	مشکوٰۃ - ابوداؤد و ترمذی	"
۷۵	مسلمہ - اجابہ علوم - ویکسپل ایبیاں	"	۱۰۳	انفاس العارفين کا حوالہ	"
۷۶	معجزہ اور کرامت کی حقیقت	"	۱۰۴	الجواب	۶۴
۷۷	کرامت کی تین قسمیں ہیں	۶۴	۱۰۵	فتاویٰ عزیزی کا حوالہ	۶۴
۷۸	بخاری وغیرہ کے حوالے	"	۱۰۶	حضرت علیؓ کو قربانی کی وصیت کی حدیث ضعیف ہے	۶۴
۷۹	مضمون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قسم کی حاجت روا فرما سکتے ہیں (خاص صاحب)	"	۱۰۷	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غریب امتیوں کو ایصال ثواب کیا دستورک وسلم وغیرہ)	۶۴
۸۰	ہزرتی کی فریاد کا آپ کو علم ہے (خاص صاحب)	"	۱۰۸	سولم - تنقید تین اس پر گرفت	۶۸
۸۱	حضرت تھانوی کے نقل کردہ حوالہ کی تفصیل	"	۱۰۹	اور اس کا جواب	۶۸
۸۲	مولوی محمود الحسن کی گپ	۶۸	۱۱۰	مسئلہ ایصال ثواب دلائل شرعیہ کی روشنی میں	۶۹
۸۳	گنگوہی مردوں کو زندہ کرتے تھے	"	۱۱۱		۶۹
۸۴	اس کا جواب	"			
۸۵	گیارہویں حرام ہونے کے دلائل کا ترجمہ	۶۹			

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ دوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۱۰	اس پر گرفت	۱۳۰	۱۳۰	حکومت کی معاندانہ پالیسی	۱۳۰
۱۱۱	اور اس کا جواب	۱۳۱	۱۳۱	بعض علماء کا کردار	۱۳۱
۱۱۲	ایصال ثواب میں تعیین کی توضیح	۱۳۲	۱۳۲	فتاویٰ افریقہ اور وصایا شریف کا حوالہ	۱۳۲
۱۱۳	اس کا جواب	۱۳۳	۱۳۳	ضابطہ سنت بیان کرنے میں سرفرازی	۱۳۳
۱۱۴	گیانویں کو حرام کہنا بدعت ہے	۱۳۴	۱۳۴	کی فاش غلطی	۱۳۴
۱۱۵	الجواب	۱۳۵	۱۳۵	الجواب	۱۳۵
۱۱۶	تعیین عرفی	۱۳۶	۱۳۶	تفسیر ابن کثیر اور الملل والنحل کا حوالہ	۱۳۶
۱۱۷	اس کا جواب	۱۳۷	۱۳۷	قیامت کو اہل سنت کے چہرے	۱۳۷
۱۱۸	تعیین عرفی کو ترجیح	۱۳۸	۱۳۸	سفید اور اہل بدعت کے سیاہ ہونے	۱۳۸
۱۱۹	الجواب	۱۳۹	۱۳۹	تفسیر ابن کثیر در منشور اور منظری	۱۳۹
۱۲۰	فتاویٰ عزیز	۱۴۰	۱۴۰	شاہ طبری کی عبارت کی وضاحت	۱۴۰
۱۲۱	شاہ عبدالعزیز صاحب کی تعینیں	۱۴۱	۱۴۱	الجواب	۱۴۱
۱۲۲	یوم پر تصریح	۱۴۲	۱۴۲	علمہ شاطبی کی عبارتیں	۱۴۲
۱۲۳	الجواب	۱۴۳	۱۴۳	کیا نینتہ الطالین شیخ جیلانی کی تصنیف ہے؟	۱۴۳
۱۲۴	تحفہ اثنا عشریہ کا حوالہ	۱۴۴	۱۴۴	الجواب	۱۴۴
۱۲۵	فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے	۱۴۵	۱۴۵	متعدد دھڑوں سے اٹکا ہوتے	۱۴۵
۱۲۶	فتاویٰ عزیز میں اس سے مراد؟	۱۴۶	۱۴۶	نبراس کی عبارت کا مطلب؟	۱۴۶
۱۲۷	فائدہ	۱۴۷	۱۴۷	حق سے فرار	۱۴۷
۱۲۸	پیٹ کا منتظم کون ہے؟	۱۴۸	۱۴۸	طعام پر فاتحہ پڑھنا	۱۴۸
۱۲۹	اس کا جواب	۱۴۹	۱۴۹	الجواب	۱۴۹
۱۳۰	پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری کا حوالہ	۱۵۰	۱۵۰	الجواب	۱۵۰

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ دوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۳۱	تحفہ الاحباب اور تحفۃ اللہ کا حوالہ	۱۴۱	۱۴۱	برابریں قاطعہ احکام شریعت	۱۴۱
۱۳۲	ہندوؤں میں قیامت اور ثواب و عقاب کا تصور	۱۴۲	۱۴۲	فتاویٰ عزیز کی مکمل عبارت	۱۴۲
۱۳۳	ستیا رتھ پر کاش	۱۴۳	۱۴۳	تشبیہ الکفار کا ضابطہ	۱۴۳
۱۳۴	عجیب دھوکہ	۱۴۴	۱۴۴	فتاویٰ عزیز	۱۴۴
۱۳۵	الجواب	۱۴۵	۱۴۵	کھانے پھران کریم پڑھنے کی بعض روایتیں	۱۴۵
۱۳۶	مرکزی پیر کا حوالہ	۱۴۶	۱۴۶	بے ادبی کی ہیں فتاویٰ عزیز	۱۴۶
۱۳۷	الجواب	۱۴۷	۱۴۷	آخری حربہ	۱۴۷
۱۳۸	حاشیہ فتاویٰ رشیدیہ	۱۴۸	۱۴۸	کرگیاں جویں اور سوئم وغیرہ کی حرمت	۱۴۸
۱۳۹	فتاویٰ رشیدیہ	۱۴۹	۱۴۹	حدیث سے ثابت کرو۔	۱۴۹
۱۴۰	وف و گزاف	۱۵۰	۱۵۰	الجواب	۱۵۰
۱۴۱	طعام پھران کریم پڑھنا ہنوی کی مشابہت نہیں ہے	۱۵۱	۱۵۱	زیادہ قبور کے لئے دن غفر کرنا بدعت ہے	۱۵۱
۱۴۲	اس کا جواب	۱۵۲	۱۵۲	فتاویٰ عزیز	۱۵۲
۱۴۳	تشبیہ میں مساوات شرط نہیں	۱۵۳	۱۵۳	صبح کی نماز کے بعد سلام علیک پر بدعت	۱۵۳
۱۴۴	شرح نخبۃ الفکر	۱۵۴	۱۵۴	کرنا بدعت ہے فتاویٰ عزیز	۱۵۴
۱۴۵	ایک نفل میں چھ سو سنتیں	۱۵۵	۱۵۵	تقرب بغیر اللہ حرام ہے	۱۵۵
۱۴۶	تقدیرۃ النشر لوارد انظران	۱۵۶	۱۵۶	در مختار و اکلیل	۱۵۶
۱۴۷	مرکزی پیر کا ایک اور حوالہ	۱۵۷	۱۵۷	اپنی مرضی سے کسی چیز کو حلال و حرام کرنا	۱۵۷
۱۴۸	الجواب	۱۵۸	۱۵۸	اللہ تعالیٰ پر اقرار اماند صاف ہے	۱۵۸
۱۴۹	شریعت کے بادشاہ کا فیصلہ	۱۵۹	۱۵۹	قرآن کریم - تفسیر ابن کثیر	۱۵۹
۱۵۰	فتاویٰ عزیز کا حوالہ اور الجواب	۱۶۰	۱۶۰	سوم نکاح اگرچہ باطل میں بدعت نہیں	۱۶۰
۱۵۱	فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے	۱۶۱	۱۶۱	العرف الشفی	۱۶۱

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ دوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون
۱۸۶	مولف مذکور کا افتخار	۱۴۴	۲۰۴	حضرت انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی
۱۸۷	عہد رسالت میں ایصال ثواب	۱۴۵		حیات کا انکار بدعت ہے
۱۸۸	راہ سنت کا حوالہ - اس پر گرفت	"	۲۰۵	اس کا جواب
۱۸۹	اور اس کا جواب	۱۴۶	۲۰۶	مولف مذکور کی منگنا: بیڑ
۱۹۰	بدعت سید کا ضابطہ راہ سنت کا حوالہ	۱۴۷	۲۰۷	راہ سنت کا حوالہ اور اس پر گرفت
۱۹۱	اس پر تنقید	"	۲۰۸	الجواب
۱۹۲	اور اس کا جواب	۱۴۸	۲۰۹	مرقات اور اشعۃ اللمعات کا حوالہ
۱۹۳	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن باتوں		۲۱۰	تشویب بدعت ہے
	کے بعد نماز تراویح نہیں پڑھانی تھیں تو زمین کا خطہ تھا	"	۲۱۱	الاعتصام کا حوالہ
۱۹۴	بخاری شریف - قرآن کریم کے ہر ایک مسئلہ	۱۴۹	۲۱۲	کو حلال ہے یا حرام و مکروہ ؟
۱۹۵	سب سے پہلے اعراب کس نے لگائے ؟	"	۲۱۳	مبسوط کا حوالہ
۱۹۶	راہ سنت کا حوالہ	"	۲۱۴	عناہ شرح ہدایہ کا حوالہ
۱۹۷	حضرت صحابہ کرام کا دور زلزالہ تک تھا	"	۲۱۵	لفظ عن روایت پر اور لفظ عند
۱۹۸	قرآن کریم کو ایک لغت میں بند کرنا کائناتی حکم	۱۵۰		مذہب پر دلالت کرتا ہے
۱۹۹	بخاری شریف	۱۵۱	۲۱۶	مقدمہ عمدۃ المرعایہ
۲۰۰	تکرار لافانہ و کوفہ اور بے ربط جوڑ	۱۵۲	۲۱۷	ہندوؤں کی پوری وغیرہ کا فقہی حکم ؟
۲۰۱	بدعت سید کی تعریف شامی نے	"	۲۱۸	فتاویٰ رشیدیہ
۲۰۲	الجواب	"	۲۱۹	عرفان شریعت
۲۰۳	بے جوڑ شوشتہ	۱۵۳	۲۲۰	لطیفہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُبَسِّمًا وَمُحَمَّدًا وَمُصَلِّيًا هَ اَمَّا بَعْدُ قَارِئِنِ كَرَامِ اَتِمَامِ الْبِرْمَانِ
 فِی رَدِّ تَوْضِیْحِ الْبِیَانِ كَلِّمًا حَصْرًا حَظًّا فَرَا حَظُّكَ هِیْ هِیْ اِسْ كَادُو سِرًا حَصْرًا هِیْ اِسْ كَادُو سِرًا حَصْرًا هِیْ اِسْ كَادُو سِرًا حَصْرًا
 ہیں کہ جس توجہ اور ذوق و شوق سے پہلا حصہ پڑھا ہے وہ سہرا بھی اسی طرح پڑھیں گے
 بحمد اللہ تعالیٰ اس میں آپ کو کئی جدید حوالے اور علمی بحثیں ملیں گی اور کئی جدید انکشافات
 سامنے آئیں گے تسلیم کرنے والوں کے لئے تو یہ موجب اطمینان ہوں گے گراہنے نقشب
 اور تحزب کی وجہ سے نہ ماننے والوں پر تمام حجت تو ہو جائے گی

خرد زنجیر پہناتی رہے گی جو دیوانے ہیں دیوانے رہیں گے

قارئین کرام! انشاء اللہ العزیز طرفین کے دعاوی اور ان پر قائم کئے گئے دلائل سے بخوبی
 اندازہ لگالیں گے کہ حق کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟ توحید کیا ہے؟ اور شرک کیا ہے؟
 سنت کیا ہے؟ اور بدعت کیا ہے؟ اور دعاوی اور دلائل کی مطابقت اور عدم مطابقت
 کا بھی اچھی طرح سے فرق محسوس کر لیں گے۔ میں بفضلہ تعالیٰ قارئین کرام کی سمجھ پر یو ایچ فرسہ
 سے اللہ تعالیٰ سب کو حق سمجھنے کی اور غلط نظریات سے بچنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین تم
 آمین وصلى الله تعالى على خاتمة الانبياء والمرسلين وعلى اله واصحابه واذواجه
 وجنم متبعيه الى يوم الدين.

احقر ابوالزاد محمد مرفوز خطیب جامع مسجد گنگوڑا و صدر مدرس مدرسہ نصرت العلوم

گوجرانوالہ

۱۸ شوال ۱۴۰۱ھ ۱۹ اگست ۱۹۸۱ء

باب اول

ضاد کا مخرج

راقم الحروف نے تنقید متین میں جناب مراد آبادی صاحب کے ذیل کے دعوٰی پر بحوالہ کتب علمی تنقید کی ہے جس کے جواب نامکمل کے لئے مؤلف مذکور نے ماریم جان کی طرح بڑی قلابازیوں کھائی ہیں اور پیمان و غلطان ہے میں مگر بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے پیش کردہ وزنی اور ٹھوس حوالوں کا جواب نہیں دے سکے اور یہ ان کے بس کا روگ بھی نہیں ہے کہ وہ علمی باتوں کا معقول جواب دے سکیں اور شرک و بدعت میں مبتلا ہو جانے کے بعد معقولیت رہتی بھی کہاں ہے شرک و بدعت کی نحوست ہی کچھ ایسی ہے کہ صحیح فہم و بصیرت سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ لکھا تھا۔ مسئلہ جو شخص ضاد کی جگہ ظا پڑھے اسکی امامت جائز نہیں (محیط برہانی) ہم نے اس پر علمی گرفت کرتے ہوئے لکھا تھا

تنقید ایک ہے ضاد اور ظلا یا کسی اور حرف کا دوسرے حرف سے بدل کر پڑھنے کا فقہی اختلاف جو تنقید میں اور متأخرین فقہاء کرام رحمہم مشہور چلا آ رہا ہے اور جس پر زلۃ القاری کے بہت سے مسائل متفرع ہیں وہ اپنی جگہ مسلم ہے لیکن مولوی نعیم الدین صاحب کا اختلاف فقہاء کے ذکر کئے بغیر محیط برہانی کا مجمل حوالہ پیش کرنا بظاہر ان کے اس نظریہ پر مبنی ہے کہ اکثر و بیشتر قراء حضرات اہل حق کے مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ علم تجوید کے اصول و قواعد کے تحت حرف ضاد کو اس کے اصل مخرج سے نکالتے ہیں جو سننے والوں کو حرف ظا سے مشابہ معلوم ہوتا ہے اس لئے مولوی صاحب نے عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ضاد کی جگہ ظا پڑھنے والے کی امامت جائز نہیں تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ اہل حق کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوتی الخ تنقید متین ص ۲۶ و ص ۲۷ اور پھر متعدد فقہی حوالے ہم نے پیش کئے ہیں ان کو اصل کتاب تنقید متین ہی میں ملاحظہ کر لیں ہم خواہ مخواہ کی تطویل کو پسند نہیں کرتے

اور پھر آخر میں ہم نے لکھا ہے الحاصل ضاد کو نظار کے مشابہ پڑھنے میں فقہاء کرام کو نماز کے فاسد اور نہ فاسد ہونے میں کافی اختلاف ہے لیکن عموم بلوئی کی وجہ سے جب کہ اصلی مخرج سے نکالنے کی تمیز و قدرت ہی نہ ہو تو اکثر مشائخ کا قابل اعتماد قول اور فتویٰ یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ قادر کو اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ ہر حرف اپنے صحیح مخرج سے نکلے امام ابو یوسف اور مہویا عورت بوڑھا ہو یا جوان مسئلہ سب کے لئے یکساں ہے مولوی نعیم الدین صاحب نے خواہ مخواہ اہل حق کے اماموں سے منقر دلانے کے لئے یشوشہ چھوڑا ہے (المفصل) مؤلف مذکور نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اس کا نہایت اختصار سے خلاصہ اور تجزیہ یہ ہے -

صدر الافاضل نے محیط برہانی کا مجمل حوالہ پیش کیا میں کہتا ہوں کہ کیا آپ اور آپ کے معنوی آباؤ اجداد نے کبھی کسی کتاب کا مجمل حوالہ پیش نہیں کیا۔ فتاویٰ رشیدیہ میں کہیں نام کے لئے بھی حوالہ موجود نہیں پھر مجمل حوالے تو ایک طرف رہے آپ کے سلوف نے تو بے بنیاد اور خلاف واقع حوالے پیش کئے آپ کے اکابر نے سیف النقی میں اعلیٰ حضرت کے والد کے نام ایک کتاب تحفۃ المقلدین اختراع کی ایک کتاب ہدایۃ البریہ کے نام سے ایجاد کی پھر مزید ترقی کر کے مرآۃ الحقیقت کے نام سے ایک کتاب غوث اعظم کی طرف منسوب کر کے وضع کی آپ کے معنوی والد مولوی اشرف علی تھانوی نے تفسیرات احمدیہ کے منہیات کا حوالہ پیش کیا اور آپ کو بھی تسلیم ہے کہ اس کے منہیات کا کہیں وجود نہیں باقی یہ کہہ دینا کہ ضرور ان کے پاس کوئی منہیات والا نسخہ موجود ہو گا دل کے پہلانے کے لئے کافی ہے دلائل وبراہین میں اس سے کام نہیں چلتا ایسی بے سرو پا باتیں کہہ کر آپ صرف اپنے شاگردوں اور معتقدین کے زمرہ میں بیٹھ کر داد تحسین حاصل کر سکتے ہیں استدلال کے میدان میں ان احتمالات کی ایکہ کی کوئی وقعت نہیں (محصلہ توضیح البیان ص ۶۲ و ۶۳)

الجواب مؤلف مذکور اس جواب میں بعینہ اس محاورہ کے مصداق میں گھسیانی ملی گھسیانہ چے میدان دلائل میں ٹھہرنے کی سکت نہ رہی تو ادھر ادھر بھاگ بھاگ

کرنا شاد کیسے والوں کو اپنی کارکردگی بتانے کی ٹھکان لی کہ لیجئے ہم بھی متحرک ہیں اور ادھر ادھر بھاگنا جانتے ہیں لیکن سمجھا لو کہ اس عاجزانہ اور قاصرانہ حرکت کو بخوبی سمجھتے ہیں اور ان میں اس کی اہمیت بھی ہے۔ ہم بفضلہ تعالیٰ اختصاراً جوابات عرض کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) بے شک ہم اور ہمارے اکابر بعض اوقات مجمل حوالے نقل کرتے ہیں لیکن ان پر کسی حکم اور فتویٰ کی بنیاد نہیں رکھتے ہمارے حکم اور فتویٰ کا مبنی مفصل حوالے ہوتے ہیں بخلاف آپ اور آپ کے صدر الافاضل وغیرہ کے کہ بغیر اختلاف بتائے مجمل حوالہ تفصیلہ صادر کرتے ہیں جیسے یہاں کیا کہ نہ تو صاحب محیط برہانی کے بقیہ حوالوں کو مدنظر رکھا اور نہ دیگر حضرات فقہاء کرام کے تفصیلی حوالوں کو ملحوظ رکھا مگر فتویٰ صادر کر دیا اور ابھی تک ہمارا یہ اعتراض آپ اور آپ کے صدر الافاضل کے سروں پر کوہ طور کی طرح معلق ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تاقیامت متعلق رہے گا اس سے رست گاری کی صرف یہی صورت ہے کہ آپ ہمارے منقیدین میں نقل کردہ مفصل حوالوں کو تسلیم کر لیں اور حق کا ساتھ دیں ورنہ کائناتاً ظلۃ سے کوئی چھٹکارا نہیں۔

(۲) ہم نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ آپ کے صدر الافاضل نے حوالہ نہیں دیا اگر یہ کہا ہوتا تو پھر آپ کو یہ کہنے کا حق تھا کہ فتاویٰ رشیدیہ میں بھی حوالے نہیں ہیں ہم نے یہ کہا ہے کہ حوالہ مجمل ہے کہاں ترک حوالہ اور کہاں اس کا اجمال؟ آپ کی علمیت تو اتنی ہی ہے کہ ان دونوں واضح باتوں میں بھی فرق نہیں جانتے اور پھر لطف یہ ہے کہ زور مطالعہ اور علمی بے مائیگی کا طعن ہمیں دیتے ہیں سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ آپ کے معلومات کے لئے عرض ہے کہ اگر کوئی شخص قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہی کی طرح فقیہ النفس ہو جائے تو اس کو حوالے نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں اس کا ہر فتویٰ بلکہ ہر جملہ حوالہ سے بڑھ کر ہونا ہے حوالے تو ماوشما کے لئے درکار ہیں جن کی بات پر کسی کو بغیر حوالے کے علمی اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا۔

(۳) تحفۃ المقلدین۔ یہ کتاب ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی ممکن ہے ہندوستان کے کسی

کتب خانہ میں ہو۔ راجح القبار علی کفر الکفار صلا میں جو خان صاحب کی کتاب علی الاعتقاد کا مقدمہ ہے اس میں اس کا مطبوعہ صبح صادق سینا پور ص ۱۵۰ کا حوالہ نقل کیا گیا ہے جس میں جائے طبع مطبع اور صفحہ کا پورا حوالہ درج ہے جس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ یہ کتاب طبع شدہ ہے پھر اسی صفحہ میں صرف نفی پر اکتفا کرتے ہوئے خوب یہ واویلا مچایا ہے کہ تحفۃ المتقلدین اور ہدایۃ البریۃ خالص صاحب کے والد صاحب کی نہیں اور مرآۃ الحقیقت غوث اعظم کے نام سے گڑھی گئی ہے (محصلاً راجح القبار علی کفر الکفار صلا) یہ کتاب اگرچہ ان کی نہیں لیکن اس میں حوالہ ان کا ہے جیسا کہ عنقریب آ رہے انشاء اللہ العزیز یہ یاد رہے کہ ثابت شدہ حقائق کا انکار محض میں زمانوں سے ہرگز نہیں ہو سکتا اور مؤلف مذکور نے بھی یہ حوالہ مردہ شکار کی طرح غالباً اسی کتاب سے لیا ہے۔ (۴) کتاب ہدایۃ البریۃ الی الشریعۃ الاحمدیۃ خالص صاحب کے والد مولوی محمد تقی علی خاں صاحب کی تصنیف ہے جو ان کے پوتے خالص صاحب کے فرزند خلف اصغر مولوی محمد رضا خالص صاحب نے زکیر صرف کر کے حسی پریس محلہ سوداگراں بریلی سے طبع کروائی ہے۔ کسی دیوبندی نے نہ تو طبع کروائی ہے اور نہ یہ اختراع کی ہے و اتم ایم کے پاس موجود ہے شوق ہو تو آکر دیکھ سکتے ہیں علمی لحاظ سے محمد اللہ تعالیٰ ہم بڑے وسیع الخرف واقع ہوئے ہیں۔

(۵) مرآۃ الحقیقت ہمارے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ کسی دیوبندی محقق عالم نے مرآۃ الحقیقۃ کو حضرت شیخ عبدالقادر کی مستقل تصنیف بتایا ہے البتہ اس کتاب کے حوالہ سے حضرت شیخ صاحب کا یہ فتویٰ ہماری نظر سے گزرا ہے۔ مسلمانوں! حضرت غوث اعظم فرماتے ہیں من یعتقد ان محمداً اصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعلم الغیب فهو کافر لان علم الغیب صفة مختصة باللہ سبحانہ (مرآۃ الحقیقت ص ۱۵۱ مطبوعہ مصر) ترجمہ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ نبی صلی علیہ وسلم غیب جانتے ہیں وہ شخص کافر ہے کیونکہ غیب والی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفاتوں سے ایک خاص صفت ہے (نقل از کتاب تزییر الرحمن مطبوعہ دہلی ص ۱۱۰ بحوالہ الفتویٰ حضرت پیر صاحب بغداد شریف والد مبارک علم غیب مع شرح ص ۱۱۰ المنضم مع بلوغ الحیران از مولانا فاضل لاثانی یار محمد لاثانی = مولانا یار محمد صاحب اپنے دور کے محقق

نقد اور قابل اعتماد عالم تھے ان کے دیگر دیئے ہوئے حوالے ہم نے اصل کتابوں میں دیکھے ہیں کوئی بھی غلط ثابت نہیں ہو سب درست ثابت ہوئے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ مصنفین اپنی کتابوں میں بزرگوں کے حوالے نقل کیا کرتے ہیں اور مصنف مرآۃ الحقیقۃ نے حضرت شیخ صاحب کا یہ حوالہ نقل کیا ہے گو کتاب حضرت کی نہیں اور یہ حوالہ حضرت شیخ صاحب کے غنیۃ الطالبین کے حوالہ کے مطابق ہے اس میں حضرت تصریح فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامت کا علم نہیں دیا پھر یہ دلیل پیش کی ہے۔

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۝ اور تجھے کس نے بتایا ہے شاید کہ قیامت قریب ہی ہو اور فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں وَمَا يُدْرِيكَ کے جملہ سے جس چیز کا ذکر ہوا ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہیں دیا (محصلاً غنیۃ الطالبین ترجمہ اردو مطبع لاہور ص ۱۵۱) ظاہر ہے کہ جس چیز کا ذکر نقل قطعی میں ہوا اس کا منکر (ماول) مسلمان کہاں رہ سکتا ہے؟ ایسا لگتا ہے کہ خالص الاعتقاد کے مقدمہ باز بزرگ کو یہ غلطی لگی ہے کہ مرآۃ الحقیقت کا حوالہ نقل کرنے والے اس کو حضرت شیخ صاحب کی تصنیف بتاتے ہیں حالانکہ حوالہ دینے والے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس کتاب میں حضرت شیخ صاحب کا یہ حوالہ بھی موجود ہے۔

(۶) حضرت تقانوی نے تفسیرات الاحمدیہ کے منہیہ کا حوالہ کسی تردید کی بنا پر نہیں بلکہ وثوق کے طور پر دیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر بیان القرآن ج ۱ ص ۱۱۱) راقم نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ اس منہیہ کا کہیں وجود نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور کا بے بنیاد افتراء اور بہتان ہے ہم نے یہ لکھا ہے کہ ہمارے پاس تفسیر احمدی کا جو نسخہ ہے وہ منہیہ سے خالی ہے لیکن حضرت تقانوی کے پیش نظر ضرور کوئی منہیہ والا نسخہ ہے جس کا وہ حوالہ دے رہے ہیں (تنقید متین ص ۱۱۱) کہاں یہ الفاظ اور کہاں یہ جھوٹ کا پلندہ کر۔ اور آپ کو بھی تسلیم ہے کہ اس کے منہیات کا کہیں وجود نہیں الخ۔ (توضیح البیان ص ۶۱) لاجل دلائل و دلائل اللہ اسی کو دیدہ و دلیری کہتے ہیں اور اسی کو فارسی دالوں نے یوں تعبیر کیا ہے کہ چہ ولا و راست دزدے کہ کیف چراغ وارد۔

مؤلف مذکور لکھتے ہیں۔ صدر الافاضل کا حوالہ مجمل ہے پھر کیا ہوا آیات تو تب قطعی آپ کہتے یہ حوالہ غلط ہے اور اسے ثابت کرتے شکر کیجئے انہوں نے تفصیل نہیں کی ورنہ آپ کو

ہنگی پڑتی اگر نہیں مانتے تو یوں تفصیل حاضر ہے شرح فقہ اکبر ص ۱۶۶ پر ہے۔ اور محیط میں ہے کہ امام فضلی سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو ضاد کی جگہ ظاء یا اصحاب جنت کی جگہ اصحاب النار پڑھے فرمایا اس شخص کی امامت جائز نہیں اور اگر قصد ایسا کرے تو کافر ہے۔ صدر الافاضل نے تو فقط یہ فرمایا تھا کہ ضاد کو ظاء سے بدلنے والے کی امامت جائز نہیں اور صاحب محیط نے اس پر یہ زیادتی بھی کی ہے کہ ایسا علماء کرنے والا کافر ہے آخر کار آپ نے اپنے آپ کو کافر بنا کر چھوڑا یہی وہ عبارت ہے جس کو سرفراز صاحب مدہوشی میں بطور ان کہی کے اپنی تنقید میں کہہ چکے ہیں آگے جو کچھ انہوں نے نقل کیا وہ ملا علی قاری کا کلام ہے اور ہماری گفتگو اس وقت محیط کی اصل عبارت میں ہے (توضیح البیان ص ۶۱۰ مصلہ)

الجواب۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور کو عبارات کے سمجھنے کا سرے سے سلیقہ ہی نہیں ہے بات کچھ ہوتی ہے اور وہ کچھ سمجھنے لگتے ہیں ذیل کے امور پر غور فرمائیں۔ (۱) ہم نے تنقید متین میں بحوالہ بیاریات لکھی ہے کہ صاحب محیط نے خود محیط کا مخلص لکھا ہے جس کا نام الذخیرۃ البرہانیہ ہے اور اسی الذخیرہ سے ہم نے نیتہ المصلی ص ۱۱۱ کے حوالہ سے یہ حوالہ نقل کیا ہے کہ عموم بلوئی کی وجہ سے ضاد کی جگہ ظاء پڑھی جائے تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی (مصلہ) الغرض خود صاحب محیط نے عموم بلوئی اور بعض مشائخ کے اختلاف کو نظر انداز نہیں کیا مؤلف مذکور اور ان کے صدر الافاضل کا یہ علمی فریضہ تھا کہ جہاں محیط کا وہ حوالہ نقل کیا تھا وہاں یہ بھی نقل کر دیتے یا کم از کم اس مسئلہ میں حضرات فقہاء کرام کے اختلاف ہی کا ذکر کر دیتے تاکہ عوام الناس کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اس مسئلہ میں اختلاف بھی ہے۔

(۲) ہمارا ہی مارا ہوا شکار (شرح فقہ اکبر کا حوالہ) مؤلف مذکور آدھا تو نگل گئے ہیں اور آدھے کو اگلنا چاہتے ہیں وہ یوں کہ حضرت ملا علی القاری نے ضاد کے بائے میں فقہی عبارات کے پیش نظر جس تفصیل کا تذکرہ فرمایا ہے اس سے مؤلف مذکور سے طبع پر گلو خلاصی چاہتے ہیں کہ وہ ملا علی قاری کا کلام ہے اور ہم محیط کی بات کر رہے ہیں

سو گذارش ہے کہ دیگر حضرات فقہاء کرام کے علاوہ ہم بھی محیط اور صاحب محیط ہی کا تذکرہ کر رہے ہیں کہ الذخیرہ بھی انہیں کا ہے اور وہ محیط کا مخلص ہے جس میں عموم بلوئی اور مشائخ کے اختلاف کا ذکر ہے اور اسی تفصیل کی طرف حضرت ملا علی قاری اشارہ فرماتے ہیں پھر مؤلف مذکور کون ہوتے ہیں آدھے حوالہ کو ہٹ کر جانے والے یہ کہیں ویسا تو نہیں، جیسا عوام میں مشہور ہے کہ میٹھا میٹھا ہب اور کروا کروا تھو۔

(۳) صاحب محیط نے جو فرمایا ہے ہمیں سلم ہے کہ وہ یہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھے حضرات فقہاء عظام نے ضاد کی جگہ عین ظاء کے پڑھنے سے منع کیا ہے مشابہ بظاء پڑھنے کو جو ضاد کا صحیح مخرج ہے ہرگز منع نہیں کیا (ملاحظہ ہو الاقتصاد فی الضاد ص ۱۱) اور ہم نے تنقید متین ص ۱۱۱ میں شیخ القراء کی علمی تجویدی مشہور کتاب نہایت القول المفید ص ۱۱۱ طبع مصر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ضاد اور ظاء دونوں سننے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اس کے کہ ان کا مخرج جدا جدا ہے اور ضاد کو پڑھنے وقت آواز لمبی کرنی پڑتی ہے اگر یہ فرق نہ ہوتا تو دونوں ایک ہی حرف سمجھے جاتے (مصلہ) اور مکمل جمال القرآن میں ہے (مخرج ۸) ض کا ہے اور وہ حافظ لسان یعنی زبان کی کروٹ داہنی یا بائیں سے نکلتا ہے جب کہ اضر اس علیا یعنی اوپر کی ڈاڑھ کی جڑ سے نکلتا ہے اور بائیں طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے مگر بہت مشکل ہے اور اس حرف کو حافیہ کہتے ہیں اور اس حرف میں اکثر لوگ بہت غلطی کرتے ہیں اس لئے کسی مشاق قاری سے اس کی مشق کرنا ضروری ہے اس حرف کو دال پیر یا باریک یا وال کے مشابہ جیسا کہ آج کل اکثر لوگوں کے پڑھنے کی عادت ہے ایسا ہرگز نہیں پڑھنا چاہیے یہ بالکل غلط ہے اسی طرح خالص ظاء پڑھنا بھی غلط ہے البتہ اگر ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے صحیح طور پر نرمی کے ساتھ آواز کو جاری رکھ کر اور تمام صفات کا لحاظ کر کے ادا کیا جائے تو اس کی آواز سننے میں ظاء کی آواز کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے وال کے مشابہ بالکل نہیں ہوتی علم تجوید اور قرأت کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے (بلفظ ص ۱۱ تا ص ۱۲) الاقتصاد فی الضاد ص ۱۱ میں ہے چونکہ ان

دونوں حرفوں میں اس قدر مشابہت ہے کہ ایک دوسرے سے جدا کرنا نہایت دشوار ہے الی تو ان
 ان دونوں میں غایت تشابہ کے لحاظ سے تفریق سخت مشکل ہے لیکن مجال ہرگز نہیں نہ عقلاً نہ عادتاً
 ہم نے تنقیحاً متین مشاہد میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ وہ (قراء) علم تجوید کے اصول و قواعد کے تحت
 حرف ضاد کو اس کے اصل مخرج سے نکالتے ہیں جو سننے والوں کو ظاہر سے مشابہ معلوم ہوتا ہے اور
 صحت میں لکھا ہے الحاصل ضاد کو ظاہر کے مشابہ پڑھنے میں فقہاء کرام کا نماز کے فاسد اور زنا سے فاسد
 میں کافی اختلاف ہے الہ الفرض صاحب محیط نے ضاد کو ظاہر کی جگہ پڑھنے والے کی امامت کو نہایت
 قرار دیا ہے اور عمداً ایسا کرنے والے کی تکفیر کی ہے اور ہم کتب تجوید کے عین مطابق دونوں حرفوں
 کے مخرج کو الگ الگ تسلیم کر کے ضاد کو ظاہر کے مشابہ پڑھنے کی بات کر رہے ہیں تو اس تفصیل کے بعد
 صاحب محیط کا حوالہ ہمیں قطعاً مضر نہیں اور مؤلف مذکور کو ہرگز مفید نہیں ہے جیسا کہ اہل علم سے
 بالکل آشکارا ہے لاجفاء فیہ مؤلف مذکور نے اپنی نادانی کی وجہ سے حضرت ملا علی القاری کی تفسیر
 کو اپنے لئے مضر سمجھے ہوئے کاٹ چینکا ہے حالانکہ مسد کی تفصیل کے پیش نظر محیط اور حضرت ملا علی
 کی تفصیل میں کوئی تضاد نہیں اور اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔

(۴) خیر الزاد فی سیر الضاد ص ۵۷ میں سائٹھ سے زائد کتابوں کے حوالے سے یہ بات ثابت
 کی ہے کہ ضاد ظاہر کے مشابہ ہے ان کتابوں میں جزیرتہ - شاطبیہ - تفسیر کبیرہ - اتقان - بیضاوی
 قاضی نعال - عالمگیری - کبیری - البرہان - التجنیس - خلاصۃ الفتاویٰ - درمختار طحاوی - شامی
 خزانة المفتیین - خزانة امل - بزازیہ - العنایہ - التاتاریخانیہ - الذخیرہ - فتح القدیر - اجیاد
 العلوم - شافیہ - رضی - فتاویٰ برہنہ - اور وجیز کردی وغیرہ تجوید فقہ - صرف و نحو اور تفسیر کی
 کتابیں شامل ہیں غرضیکہ ضاد و ظاہر میں خاصہ تشابہ ہے۔ اگرچہ ان دونوں حرفوں میں اس قدر مشابہت
 ہے کہ ایک کا دوسرے سے جدا کرنا نہایت دشوار ہے اور ان دونوں میں غایت تشابہ کے لحاظ سے
 تفریق سخت مشکل ہے لیکن مجال ہرگز نہیں نہ عقلاً نہ عادتاً ان دونوں حرفوں کا آپس میں تشابہ
 بعض وجوہ میں اشتراک ایک واضح حقیقت ہے چنانچہ شیخ القاری شیخ علی لکھتے ہیں کہ۔

ان الضاد والظاء المعجمتان اشتروکتا بلاشبہ ضاد و ظاہر معجم (یعنی دونوں لفظوں کے)
 جہراً و دواعیة و اشتعلاء و اطباقاً صفات جہر و نحو و اشتعلاء و اطباقاً

افتراقاً مخرجاً و انقوت الضاد بالاستطالة
 وفي المرعشی نقلاً عن الرعاية ما احتصر
 ان لفظین الحرفین اعنی الضاد والظاء
 متشابهان فی السمع ولا تفتروق
 الضاد الا باختلاف المخرج والاستطالة
 فی الضاد ولولا هما لكانت احد لهما
 عین الاخری فالضاد اعظم کلفة و
 اشق علی القاری من الظاء حتی لو
 قصر القاری فی تجوید الظاء جعلها
 ضاداً انتھی (نہایتہ القول المفید
 فی علم التجوید ص ۵۷ طبع مصر)

دونوں شریک ہیں اور مخرج کے اعتبار سے دونوں
 جدا جدا ہیں اور صفت استطالت میں ضاد جہتاً
 ہے (ظاہر میں یہ صفت نہیں) اور (کتاب)
 مرعشی میں رعایہ سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ
 ہے کہ یہ دونوں حرف یعنی ضاد و ظاہر سننے میں ایک
 دوسرے کے مشابہ ہیں اور ان دونوں میں سوائے
 اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ ضاد اور ظاہر کا مخرج
 الگ الگ ہے اور ظاہر میں صفت استطالت ہے
 جو ظاہر میں نہیں اور اگر یہ دونوں ہوتیں تو
 دونوں ایک ہی حرف ہوجانے کو ضاد پر نسبت ظاہر
 کے قاری پر زیادہ مشکل اور شاق ہوتا ہے یہاں تک
 کہ اگر قاری حرف ظاہر کی تجوید میں دراکوتا ہی کرے
 تو وہ ضاد بن جاتا ہے۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ
 و فرق در میان مخرج ضاد و ظاہر بسیار مشکل
 است اکثر خوانندگان این دیار ہر دو را یکسا
 می بردند و در مقام ضاد و ضاد میشود و نہ در
 مقام ظاہر مخرج این ہر دو حرف را جدا جدا
 شناختن قاری قرآن را ضرور است الی
 (تفسیر عزیزی پارہ عم ص ۱۵ طبع حیدرآباد دکن)
 تحت قولہ وما ہو علی الغیب بضنین

ان تمام حوالوں سے یہ بات واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے کہ باوجود ہر دو حرفوں کے مخرج کے جدا جدا
 ہونے کے ضاد سننے میں ظاہر کے مشابہ ہے نہ کہ ال کے اور ان دونوں میں فرق خاصا مشکل ہے اور

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالے سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ ان کے زمانہ میں دہلی وغیرہ شہروں کے لوگ ضاد کو مشابہ ظاء کے پڑھتے تھے اور تاریخی طور پر یہ بات روشن طور پر ثابت ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۲۸۳ھ سے ۱۸۶۶ء میں ہوا اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی وفات ۱۲۳۹ھ میں ہوئی لہذا اہل بدعت کا یہ اوہلا کہ حرف ضاد کو ظاء کے مشابہ دیوبندی دین خلافت میں ہی پڑھتے ہیں جس کی طرف مولف مذکور نے بھی توضیح البیان میں اشارہ کیا ہے ایک بے بنیاد امر ہے۔

نوٹ ضروری ضاد اور ظاء میں چار چیزوں میں اشتراک اور مستثنیٰ میں تشابہ ہے جہر رخاوت۔ استعلاء اور اطباق اور دو چیزوں میں افتراق و امتیاز ہے ضاد کا مخرج الگ ہے اور اس میں استطالت ہے اور ظاء کا مخرج الگ ہے اور اس میں استطالت نہیں جو حضرت فقہاء کرام یہ فرماتے ہیں کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنا مفسد صلوة یا عمداً ایسا پڑھنے والا کافر ہے تو ان کی مراد بظاہر یہ ہے کہ ضاد کے مخرج اور استطالت کی صفت سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کو ظاء کی جگہ پڑھے اور جو حضرات جواز صلوة کا فتویٰ دیتے ہیں وہ قادر اور مینر کے لئے ضاد کو جہر رخاوت۔ استعلاء اور اطباق میں ظاء کے مشابہ پڑھنے والے کے حق میں ہے اور اکثر مشائخ اسی کے قائل ہیں کیونکہ ان میں فرق خاصا مشکل اور عموم بلوئی ہے کما سبحانی انشاء اللہ تعالیٰ باقی رہے قادر اور غیر مینر تو اس کا مسئلہ ہی الگ ہے۔

خیانت کا بے بنیاد الزام | مولف مذکور توضیح البیان میں یوں عنوان قائم کرتے ہیں منیتہ المصلیٰ کی عبارت نقل کرنے میں سرفراز صاحب کی خیانت اور اس کے تحت لکھتے ہیں اس بحث میں مولوی سرفراز صاحب نے کمال بددیانتی سے کام لیتے ہوئے منیتہ المصلیٰ کی اس عبارت کو تولیے لیا ہے جس کو صاحب منیر نے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے اور اس سے چند سطر اوپر والی عبارت چونکہ ان کے عقیدہ فاسدہ کے خلاف تھی اس لئے اس کو کلیتہً ترک کر دیا جب کہ اس عبارت کو صفا منید نے اکثر ائمہ کا معتمد علیہ قرار دیا ہے (اس کے بعد مولف مذکور نے تنقید تین میں منیتہ المصلیٰ کے حوالہ سے نقل کی ہوئی عبارت کا حوالہ دے کر اگے لکھا ہے) اور جو عبارت سرفراز صاحب کے فساد نیت کی پھینٹ چڑھ گئی ہے وہ یہ ہے (ترجمہ مولف مذکور کا ہے) بہر حال ذال کی جگہ ظاء یا ضاد کی جگہ ظاء پڑھا

تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اسی پر اکثر ائمہ کا اعتماد ہے (منیتہ المصلیٰ ص ۱۱) (توضیح البیان ص ۶۵ و ۶۶) الجواب - کاش کہ ہماری علمی کتاب کا جوابہ کوئی اہل علم دیتا تو ہم بھی خاص علمی انداز میں اس سے مخاطب کرتے مگر مصیبت یہ ہے کہ ہمیں تو طفل مکتب سے واسطہ پڑ گیا ہے جس میں علمی باتیں سمجھنے کی مرے سے استعداد ہی نہیں ہے مولف مذکور تو شاید تعصب و عناد کی وجہ سے ٹھنڈا اور تسلیم کرنا گوارا نہ کریں قارئین کرام خود ہی غور فرمائیں جب ہم نے تنقید تین میں اس بحث کے شروع میں اس کی تصریح کر دی ہے کہ ایک ہے ضاد اور ظاء یا کسی اور حرف کا دوسرے حرف سے بدل کر پڑھنے کا فقہی اختلاف جو متقدمین اور متأخرین فقہاء کرام میں مشہور و جہاں آ رہا ہے اور جس پر نزاع القاری کے بہت سے مسائل متفرع ہیں وہ اپنی جگہ مسلم ہے الخ

اور آخر میں ہم نے بصراحت یہ لکھا ہے کہ الحاصل ضاد کو ظاء کے مشابہ پڑھنے میں فقہاء کرام کا نماز کے فاسد اور نہ فاسد ہونے میں کافی اختلاف ہے لیکن عموم بلوئی کی وجہ سے جب کہ اصلی مخرج لکھانے کی تمیز و قدرت نہ ہو تو اکثر مشائخ کا قابل اعتماد قول اور فتویٰ یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی ہاں قادر کو اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ ہر حرف اپنے صحیح مخرج سے نکلے الخ حضرت فقہاء کرام کے اس واضح اختلاف کو نقل اور تسلیم کرنے کے بعد بھی مولف مذکور کا یہ اعتراض کہ منیتہ المصلیٰ کی عبارت کے نقل کرنے میں مولوی سرفراز صاحب نے کمال بددیانتی سے کام لیا ہے خالص تعصب اور تحرب کا ثمر ناک مظاہرہ ہے اگر مولف مذکور ایسے سوچوالے اور بھی نقل کر دیں تو ہمارے لئے مضرب نہیں کیونکہ جب ہم نے اس بحث کی ابتداء اور انتہا میں اس مسئلہ میں حضرت فقہاء کرام کا قید یا وحیثاً اختلاف تسلیم کیا ہے تو پھر کوئی حوالہ ہمارے لئے مضرب کیوں ہو؟

اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ منیتہ المصلیٰ میں اکثر ائمہ کا قابل اعتماد قول اس بات پر مبنی ہے کہ ضاد کو ظاء کی جگہ یا بالکس پڑھا جائے یعنی مخرج اور استطالت کے فرق کو بھی نظر انداز کر کے اور اس کے بارے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ہمیں اس سے کوئی اختلاف نہیں ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود مولف مذکور نے ضعیف میں خزائنہ المفتی اور خزائنہ الاکمل کے حوالے سے عبارت نقل کی جو ہم ان کے ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

غیر المغضوب کو ظاء سے پڑھنا یا ظاہلین کو ضاد سے پڑھنا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے

نماز فاسد نہیں ہوتی اور وہ ابوالقاسم الصفار اور محمد بن مسلمہ میں اور بہت سے مشائخ نے اس پر
عموم بلوئی کی وجہ سے فتویٰ دیا کیونکہ عوام مخارج حروف کو نہیں پہچانتے اور امام ابوحنیفی اور قاضی
امام ابوالعاصم نے کہا کہ اس نے جان بوجھ کر ایسے پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس کی زبان
پر بلا قصد جاری ہو یا وہ ان دو حروف کے درمیان تمیز نہ کر سکتا تھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی خزانة الاسل
کی اسی بحث میں ہے جب ظا و کی جگہ ضا د یا ضا د کی جگہ ظا و پڑھا پس قاضی حنفی نے کہا بہترین
قول یہ ہے کہ اگر اس نے قصد ایسا کیا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی خواہ عالم ہو یا جاہل اور اگر صحیح
حرف ادا کرنے کی کوشش میں غلط زبان پڑا گیا یا وہ دونوں حروف میں تمیز نہ کر سکتا تھا تو وہ لفظ تو
اس نے بہ حال غلطی پڑھا لیکن نماز ہو جائے گی (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۰) ورد المحتار ج ۱ ص ۱۰۰
اگر منیۃ المصلیٰ کے حوالہ میں وغلبہ اکثر الامر کے الفاظ تھے تو مؤلف مذکور کی نقل کردہ اس
عبارت میں امام ابوالقاسم الصفار اور محمد بن مسلمہ کے علاوہ وکثیر من المشائخ افتوا بعموم بلوئی
کے الفاظ بھی موجود ہیں اور یہی کچھ ہم نے کہا تھا اور اس حوالہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ضا د کو ظا و
کی جگہ پڑھنا مخرج کے اعتبار سے ہے اس لئے کہ فقہاء کرام عموم بلوئی کے لئے فتویٰ کی دلیل دیتے ہیں کہ
عوام مخارج حروف کو نہیں جانتے۔ اس کے بعد خود مؤلف مذکور یہ لکھتے ہیں ان عبارات سے یہ امر
خوب واضح ہو گیا ہے کہ ضا د کی جگہ ظا و پڑھنا بہ کیف غلط ہے اگر غلطی دیدہ دانستہ کی گئی تو نماز
فاسد ہو جائے گی اور اگر بے علمی اور عدم تمیز کی بنا پر غلطی ہوئی تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور جن عبارتوں
کو سرفراز صاحب ضا د کی جگہ ظا و کے جواز پر لائے ہیں ان کا اس کے سوا اور کوئی محمل نہیں ہے اور
اور مولوی سرفراز صاحب نے جس طرح ضا د کی جگہ ظا و پڑھنے کی ترغیب دی ہے وہ قرآن میں تحریف
کرنے کی ایک انتہائی مذموم حرکت اور اسرائیلی کوشش ہے غیر قرآن کو قرآن قرار دینے کا ایک کلیسیائی حربہ ہے
اور ہم مسطور سابقین محیط برطانی کے حوالہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ اس طرح ضا د کی جگہ ظا و پڑھنا خاص
کفر ہے اور وہ من اظہم صمن افتویٰ علی اللہ کذباً کا مصداق ہے انتہی (بلفظ ص ۱۰۰)

المجواب۔ مؤلف مذکور نے اس عبارت کے ابتدائی حصہ میں وہی کچھ کہا ہے جو ہم نے تنقید متین
میں کہا ہے کہ ہر حرف کو خصوصاً ضا د کو اس کے مخرج سے نکالنا چاہیے لیکن بے علمی اور عدم تمیز کا مسلہ
الگ ہے بلکہ ان کا یہ کہنا کہ سرفراز صاحب کی نقل کردہ عبارتوں کا اس کے سوا اور کوئی محمل نہیں یہ بات

نقصیل طلب ہے وہ یہ کہ ضا د کی جگہ ظا و پڑھنے کی اصولی طور پر وہ صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ ضا د کو ضا د
کے مخرج سے نکالا جائے اور اس کی صفت استتال کو نظر انداز کر دیا جائے اور یہ سب کچھ دانستہ
اور قصداً ہو تو نماز باطل ہوگی اور ایسا کرنے والے کے کفر کا خطہ بھی ہے جیسا کہ محیط میں ہے اور اگر
بے علمی اور عدم تمیز کی بنا پر ہے تو نماز جائز ہو جائے گی کیونکہ عموم بلوئی ہے اور عوام مخارج حروف کو
نہیں جانتے۔ دوم یہ کہ ضا د کو صفت استتال کے ساتھ اس کے مخرج سے نکالا جائے لیکن ضا د
چہر رخاوت استعلاء اور اطباق میں سننے کے لحاظ سے ظا و کے مشابہ ہو تو فن تجوید اور کتب فقہ
کے رو سے ایسا پڑھنا ضروری ہے کتب تجوید و فتاویٰ کی موجودگی میں اس تفصیل کو کیسے اور کیونکر نظر انداز
کیا جاسکتا ہے سرفراز کی پیش کردہ عبارات میں مؤلف مذکور کے سامنے یہ مذکورہ بات بھی ملحوظ رہنی
چاہیے مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ سرفراز صاحب ضا د کی جگہ ظا و پڑھنے کی ترغیب دی ہے وہ قرآن کی تحریف
مذموم حرکت اسرائیلی کوشش اور کلیسیائی حربہ ہے سو عرض یہ ہے کہ سرفراز نے ضا د کو ظا و کی جگہ پڑھنے کی ہرگز
ترغیب نہیں مؤلف مذکور کا سرفراز پر یہ رضا خانی افترا اور مبتدعا بہتان ہے سرفراز نے تو یہ کہا ہے
ضا د کو ظا و کے مشابہ پڑھنا اور مشابہت بھی چار چیزوں میں ہے مخرج اور استتال میں نہیں ہے اور
یہی کچھ علماء مجودین اور حضرات فقہاء کرام نے کہا ہے سو بقول مؤلف مذکور کے اگر معاذ اللہ تعالیٰ یہ تحریف
اور مذموم حرکت اور اسرائیلی کوشش اور کلیسیائی حربہ ہے تو یہ فن تجوید والوں اور فقہاء کا ہے سرفراز
بچائے گا اس میں قصور صرف اتنا ہے کہ وہ ان حضرات کے دامن سے وابستہ اور ان کے علوم و فنون
کا خوش چہرہ ہے محیط کی عبارت کا مطلب پہلے عرض کیا جا چکا ہے مؤلف مذکور کو یہ بات بھی نہیں
بھولنی چاہئے کہ جس طرح ضا د کو ظا و پڑھنے سے محیط کے حوالہ سے پیش نظر نماز فاسد ہوتی ہے اسی
طرح قاضی خان کے حوالہ کے پیش نظر (جو ہم نے تنقید متین ص ۱۰۰ میں نقل کیا ہے مگر مؤلف مذکور نے اس
کا کوئی جواب نہیں دیا) اگر کوئی شخص ولا الضالین کی جگہ ولا الدالین پڑھے تفسد صلواتہ -
(قاضی خان ج ۱ ص ۱۰۰) اس کی نماز فاسد ہوگی۔ مؤلف مذکور کو صرف اس کی نفی ہی نہیں کرنی چاہیے
کہ ضا د کو ظا و نہ پڑھا جائے بلکہ ان کا علمی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ چر زور الفاظ میں اس کی بھی
نفی کریں کہ ضا د کو وال بھی نہیں پڑھنا چاہیے اور جس طرح بقول ان کے ضا د کو ظا و پڑھنے سے
قرآن کلم کی تحریف ہوتی ہے اور بقول ان کے یہ من ظلم صمن افتویٰ علی اللہ کذباً کا مصداق ہے

اسی طرح ضاد کو دال پڑھنے کی ترغیب بھی تحریف قرآن کی دعوت اور افترا علی اللہ کا مصداق ہے بلکہ بطریق اولیٰ ہے کیونکہ ضاد اور ظاء میں چار چیزوں (جہر، رخاوت، الاستعلاء اور اطباق) میں تو اشتراک اور تشابہ ہے مگر ضاد اور دال میں قطعاً کوئی اشتراک اور تشابہ نہیں ہے حیرت کی بات ہے کہ ان چار امور میں تشابہ ہوتے ہوئے ایک کو دوسرے سے بدلنے سے (جب کہ ان میں فرق بھی خاصاً مشکل ہے) تحریف، مذموم حرکت، اسرائیلی کوشش اور کلیسانی حیرت کا تو تحقیق ہو جاتا ہے مگر جس حرف کے ساتھ بالکل کوئی تشابہ ہی نہیں اس سے بدلنے کے ساتھ کچھ اشتراک نہیں پڑتا اس کو کہنے میں الثابناں بریلی کو اللہ تعالیٰ مؤلف مذکور کو عبارات سمجھنے کی توفیق دے اگرچہ اس متاع عزیز کی ان سے اور اسی طرح ان کے دیگر فقہاء سے توقع عبت اور فضول ہے کیونکہ ان کی دوکان میں سودا ہی جہل کا ہے نہ کہ علم کا بخلاف اہل حق کے کہ وہ

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جب اسرائیل نے جو جہل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

(اقبال تغیر بسیر)

ضاد کو عذال پڑھنا کفر ہے | یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں محیط ربانی کا حوالہ شرح فقہ اکبر سے نقل کرنے کے بعد اب ہم جامع الفصولین کی عبارات کلمات کفریہ کی بحث نقل کرتے ہیں (ہم ان کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں صفحہ ۱۰۱) جو آدمی ضاد کی جگہ ظا پڑھے اور اصحاب الجہت کی جگہ اصحاب النار پڑھے اس کی امامت تو بہر حال جائز نہیں (خواہ عذال پڑھے یا سہواً) اگر عذال پڑھتا ہے تو کافر ہو گیا (جامع الفصولین ج ۲ ص ۳۱۶)

اب ذرا مولوی سرفراز صاحب منظر قیامت کو سامنے رکھ کے اور خوف آخرت کو دل میں جگہ دے کر غور کریں کہ مسئلہ تو امام اور مقتدی دونوں کے لئے یکساں ہے پھر جامع الفصولین نے امام کا مسئلہ بالخصوص کیوں ذکر کیا؟ صدر الافاضل پیر سرفراز صاحب نے اس اعتراض کی بنا قائم کر کے جو طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کی ہے اور گندہ ذہنی کی بنا پر جو منہ میں آیا کہتے چلے گئے ہیں کیا ان تمام ندیانوں کا رجوع صاحب فصولین کی طرف نہیں ہوتا یا کیسا ظلم اور صریح بے انصافی ہے کہ اگر صاحب جامع الفصولین صرف امام کا مسئلہ بیان کریں تو آپ کے صبر و اطمینان میں کوئی فرق نہ آئے اور وہی بات مد الافاضل نے فرمائی تو آپ اس طرح چیخ اٹھے جیسے قصر دیوبند میں زلزلہ آ گیا ہو بلطف ص ۱۸۸ و ص ۱۸۹

الجواب: کئی مرتبہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ مؤلف مذکور کو فہم سے کوئی سروکار نہیں صرف مستی شہرت حاصل کرنے کے لئے بے جوڑ بے ربط حوالے نقل کر کے اپنے نانو اندہ حواریوں سے محقق مدقق اور علامت کی منہ حاصل کرنے کے درپے ہیں سو گذارش یہ ہے کہ اگر آپ کے صدر الافاضل نے جامع الفصولین کا حوالہ نقل کیا ہوتا اور پھر ضاد کو ظا کی جگہ پڑھنے والے کی امامت کا بطلان ثابت کیا ہوتا تو یہیں بھی کچھ کہنے کی حاجت نہ تھی محمد اللہ تعالیٰ ہم نے ماہر استادوں سے تعلیم حاصل کی ہے اور دعویٰ و دلیل کی نظر اور تقریب نام کو سمجھتے ہیں آپ کے صدر الافاضل نے محیط کا حوالہ نقل کیا ہے جس میں امام کی کوئی تخصیص نہیں اور آپ کے صدر الافاضل نے اس کو صرف امام پر چسپاں کیا ہے جس میں دعویٰ خاص اور دلیل عام ہے اور دونوں میں تقریب نام اور مطابقت نہیں ہے لہذا ہمارا اعتراض ابھی تک آپ کے صدر الافاضل کی گردن پر مکمل سوار ہے اور ہمارے لئے جامع الفصولین کا حوالہ کسی طرح مضرب نہیں اس لئے کہ ہم نے تو تصریح کی ہے کہ روز مسئلہ دراصل امام و منفرد سب کے لئے یکساں ہے (تنقید متین ص ۱۰۱) اور نیز لکھا ہے کہ امام ہو یا منفرد، مرد ہو یا عورت، بڑھا ہو یا جوان مسئلہ سب کے لئے یکساں ہے (تنقید متین ص ۱۰۱) غرضیکہ محیط کے محفل اور جامع الفصولین کے اس حوالہ سے ہماری ناپسندیدگی ہوتی ہے نہ کہ تردید یا محیط کا تفصیل حوالہ ملاحظہ فرمائیں جو ایک فقہی ضابطہ کے طور پر بیان ہوا ہے۔

وقال صاحب محیط والمختار للمفتویٰ فی جنس هذه المسائل انه ان كان يجتهد اثناء الليل واطراف النهار في التصحيح ولا يقدر عليه فسلوته جائزة وان ترك جهده فسلوته فاسدة وان ترك جهده في بعض عمره لا يسعه ان يتروك في باقي عمره ولو ترك تفسد سلوته انتهي

(غنية المستملی ص ۱۰۱)

یعنی اب تو خود صاحب محیط کی تفصیل عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ تصحیح حروف کا مسئلہ امام و منفرد کی نماز فاسد ہوگی۔

سبھی کے لئے ہے جیسا کہ مطلق عبارت سے بالکل ظاہر ہے یہ سلسلہ صرف امام ہی کے ساتھ مختص نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور کے صدر لافاضل نے لکھا ہے اور اس عبارت سے یہ بات بھی بالکل واضح ہوگئی کہ جو شخص تصحیح حروف کی کوشش کرنے کے باوجود لفظ کو اس کے اصل مخرج سے نکالنے پر قادر نہیں تو صاحب محیط اس کی ناسزا کو جائز قرار دیتے ہیں اور جو از صلوة کا فتویٰ تب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ پڑھنے والا مسلمان ہو لہذا ان کا وہ فتویٰ جو تکفیر سے متعلق ہے وہ اس شخص کے بارے میں ہے جو تصحیح حروف پر قادر ہوتے ہوئے عمدتاً ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف پڑھتا ہو اور لفظ محمد جامع الفصولین کی عبارت میں اس کی واضح قرینہ ہے۔

اور تفسیر مواہب الرحمن ج ۱ ص ۲۵ میں ہے کہ اصل میں ضاد نکالنے کا قصد کرے (کہ وہ اول کنارۃ زبان اور اس کے متصل دائروں سے ہے) کیونکہ حرف کی تبدیلی جائز نہیں ہے لیکن جب اس کے ضاد کا قصد کیا اور وہ ادا نہ ہوا تو اس کے مشابہ ظاء منقوط نکلے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہ میں مذکور ہے الخ۔

مطلب بالکل واضح ہے کہ حرف ضاد کو اس کے اصل اور صحیح مخرج سے نکالنے کی کوشش کرے اس کا صحیح تلفظ ہوگا تو وہ ظاء کے مشابہ معلوم ہوگا۔ مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے ان کے صدر لافاضل کے بارے میں کسی گندہ ذہنی کا ثبوت نہیں دیا نہ ہدایات کہے ہیں خواہ عوام تو منفردانا اور عوام کے جذبات کو بھڑکانا کہاں کی شرافت ہے؟ بات تو ہم نے اتنی ہی کہی ہے کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے خواہ خواہ اہل حق کے اماموں سے منفردانے کے لئے رشوت چھوڑا ہے (ص ۵) اور مؤلف مذکور کئی صفحات سیاہ کرنے کے باوجود بھی اپنے صدر لافاضل کا دامن اعتراض سے پاک نہیں کر سکے اور بلاوجہ ثقیل زبان استعمال کر کے صرف لفظوں کے کڑب سے فتح حاصل کرنا چاہتے ہیں بفضلہ تعالیٰ قصہ دیوبند تو یہی مضبوط ہے اس میں غیر واقعی دلائل اور شوشوں کی وجہ سے زبرد تو تاقیامت نہیں آسکتا البتہ بریلی کی علمی بلڈنگ ضرور پست زمین ہو کر رہ گئی ہے اور دلائل وبراہین کے ساتھ اس کو مرمت کرنے والے معارضی دنیا سے رفوچکر ہو گئے ہیں یہ جذبات ہے کہ مؤلف مذکور کہیں اس کے قائل نہ ہو جائیں کہ ۵

یہ کہتا پھر رہا ہے ہر لڑاکا اہل عرفان سے مری تلوار ٹوٹی ہے مگر بہت نہیں ٹوٹی عبارات فقہاء کی توضیح | یہ فرضی قائم کیے کہ مؤلف مذکور لکھتے ہیں مولوی سرفراز صاحب کی اس

خیات کو ظاہر کرنے کے بعد اب ہم ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کی عبارتوں میں جو صوری اختلاف پایا جاتا ہے جسے مولوی سرفراز صاحب غوغا سے تعبیر کرتے ہیں اور ص ۶۱ پر لکھتے ہیں فقہاء کرام کی عبارتوں کو سوچے سمجھے بغیر سرفراز صاحب کا انہیں غوغا سے تعبیر کرنا چھوٹا مانہ بڑی بات کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور ان کا تفصیلی تفصیل رٹ لگانا حقیقت میں ان عبارات کو سمجھنے کے لئے تھا جو بہر حال ہم نے انہیں سمجھائیں لیکن استفادہ کا یہ انتہائی غیر محمود طریقہ ہے جسے دیوبند کے اس فاضل نے ایجاد کیا ہے بلفظ حقیقت میں یہ سب ایک ہی کلمہ پر مشفق ہیں اس سے قبل کہ ہم تطبیق بین الاقوال کے لئے تمہید شروع کریں ان اختلافات کی نشاندہی کئے دیتے ہیں امام فضلی نے جان بوجھ کر ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو کفر قرار دیا اکثر ائمہ نے فساد صلوة کا سبب قرار دیا اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس طرح پڑھنے سے ناسزا فاسد نہیں ہوتی حقیقت یہ ہے کہ قرآن الفاظ اور معانی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے جیسا کہ کتب اصول میں مرقوم ہے قرآن لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے (نور الانوار ص ۵ و حاشی ص ۱)

پس جس شخص نے قرآن کے ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا تو اس صورت میں دو احتمال ہیں یا تو اس تبدیل شدہ لفظ کی نظیر قرآن میں موجود ہوگی اور معنی بھی مناسب ہوگا اور یا اس کی نظیر قرآن میں نہ ہوگی شق اول میں لفظ نہ بدلا اور ناسزا فاسد نہ ہوگی الی قولہ اور شق ثانی میں یعنی حرف بدل گیا ہو اور اس کی نظیر قرآن کریم میں موجود نہ ہو پس لفظ تو بہر حال غیر ہو گیا اور معنی کے اعتبار سے بین احتمال ہیں پھر آگے لکھا ہے کہ اگر معنی نہ بدلا تو ناسزا فاسد نہ ہوگی اور اگر بدلا تو ناسزا فاسد ہوگا جیسے غلب اس کا کوئی معنی نہیں یا معنی تو ہوگا لیکن قرآن کے خلاف ہوگا جیسے نلذ کو کوئی تلفظ پڑھے اور ان دونوں صورتوں میں لفظ اور معنی بدل گئے (محصلاً) یہ ساری بحث انہوں نے کبیری ص ۴۳۹ کے حوالہ سے نقل کی ہے پھر آگے لکھتے ہیں اور قرآن چونکہ لفظ اور معنی دونوں سے عبارت ہے پس یہ وہ الفاظ نہیں جنہیں اللہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا اور جنہیں جبریل امین نے حضور پر اور حضور نے صحابہ پر پڑھا اور ان غیر قرآنی الفاظ کو پڑھنے والا ایمن حال سے خالی نہیں عمدتاً غیر قرآن کو قرآن سمجھ کر پڑھتا ہے تو کفر ہے فقہاء کی تکفیر اسی شق پر محمول ہے اور اگر وہ غیر قرآن کو قرآن سمجھتا ہے لیکن عمدتاً غیر قرآنی الفاظ کو یعنی کلام الناس کو داخل کرتا ہے تو اس کی ناسزا فاسد ہو جائے گی کیونکہ حدیث میں ہے ہماری نماز دنیاوی کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اکثر ائمہ کا فساد صلوة کا فتویٰ اسی تقدیر پر محمول ہے تیسری صورت

یہ ہے کہ فارسی انتہائی کوشش اور رغایت اجتہاد سے اپنے خیال میں اس لفظ کو اس کے تخریج سے لیا
کرتا ہے لیکن ادائیگی دوسرے لفظ کے مخرج یا اس کے مشابہ کی صورت میں ہوتی ہے پس اس صورت
میں عموم بلوی کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی لایکلف اللہ نفسا الا وسعها اور بعض مشائخ
عدم فساد صلوة کا فتویٰ اسی صورت پر محمول ہے (محصلاہ ۶۶۵ تا ۶۷۰)

الجواب بفضلہ تعالیٰ ہم نے مؤلف مذکور کے الزام خیا نانت کا جواب تو پہلے عرض کر لیا ہے
ان کی باقی طویل عبارت کا تجزیہ مع جوابات درج ذیل ہے غور فرمایا نا حضرت قارئین کرام کا ہم سے
(۱) ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کی عبارتوں میں صوری اختلاف ہے۔ اس سے مؤلف مذکور کی کہ
مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ ضاد سننے والوں کے نزدیک جہر زخاوت استعلاء اور اطلاق میں
ظلاء کی صورت میں محسوس ہوتا ہے تو پہلے باحوالہ بیان ہو چکا ہے کہ کتب تجرید اور کتب فقہ و فرائض
کے رُو سے یہی صحیح اور درست بات ہے اس میں ذرہ بھر شک نہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ حضرت
فقہاء کرام کا (جن کو اعلیٰ درجہ کی دینی بصیرت حاصل ہے) اس صحیح بات میں تو سہرگز کوئی اختلاف
نہیں ہو سکتا کیونکہ صحیح بات میں ان کی تکفیر نیز بطلان صلوة کا فتویٰ اور کم از کم اختلاف کسی بھی
عقلمند انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتا اور اگر یہ مراد ہے کہ ان چار صعفحات میں ضاد ظاء کے مشابہ
ہونے ہوئے بھی اپنے تخریج اور صعفت استطالت میں ظاء سے جدا اور الگ ہے تو بات بجا ہے لیکن
اس میں اختلاف صوری نہیں بلکہ حقیقی ہے کیونکہ تخریج دونوں کا الٹا الٹا الگ الگ ہے اور ضاد ال استعلاء
بے ظاء میں بالکل نہیں تو پھر اختلاف صوری کیونکر ہوا؟

(۲) راقم الحروف نے حضرت فقہاء کرام کی عبارات کو سہرگز غوغا سے تعبیر نہیں کیا یہ مؤلف مذکور کا فاسد
سمیت اپنے ثبوتوں کی طرح انتہائی دجل مرمی تلبیس اور صریح بہتانان ہے ان حضرات کا یہ بیوقوفانہ طریقہ
ہے کہ عبارت کسی کی ادھوری لے لیتے ہیں اور اس کی تعبیر اور تشریح اپنی طرف سے کرتے ہیں اور پھر
چوراہے پر کھڑے ہو کر جو کچھ لکھا وادیا کرتے اور دلی دیتے چلے جاتے ہیں کہ لوگو لوگو! کیوں کیا ہو گیا
تنقید متین ص ۴۴ میں راقم کے الفاظ یہ ہیں۔ اگرچہ اس سلسلہ میں قدیگا و حدیثا خاصا اختلاف ہے
بعض مقامات پر غوغا چلا آتا ہے الخ بین القوسین (دیکھتے ہیں) جو الفاظ ہم نے لکھے ہیں اس میں
بعض مقامات کی تخریج ہے اور ہماری مراد یہ ہے کہ اس سلسلہ پر یہاں دست سوات۔ ویر۔ صوبہ بلوچستان

صوبہ ہمدانہ سبب وغیرہ بعض مقامات پر عموم الناس کا خاصہ مشہور فعل اور غوغا برہما ہوا اور اب
یہی ہوتا رہتا ہے۔ ہم بفضلہ تعالیٰ حضرت فقہاء کرام کی دینی خدمات اور عبارات کو بخوبی سمجھتے اور ان
کی بصیرت افزا عبارات کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ ملاح اور خوشنہ چین ہیں اللہ تعالیٰ مؤلف مذکور
کو قوم و دیانت عطا فرمائے۔ اور ہمارا تفصیل سے عبارات نقل کرنے کا مطلب کسی طفل مکتب سے
علمی استفادہ نہیں ہے بلکہ ان کی حیالت اور کم علمی کو واضح کرنا ہے کہ وہ فہم و فراست سے یکسر محروم
رہ کر بھی علامہ اور محقق بن بیٹھے ہیں اور اس پر بلا وجہ نازاں و شاداں ہیں۔

(۳) فقہاء کرام کے اس سلسلہ کے بارے میں اختلافات کی جو نشاندہی مؤلف مذکور نے کی ہے وہ ایک
واضح حقیقت ہے اس سے کس کو اختلاف ہوا؟ یا ہو سکتا ہے؟ صرف اتنی بات کہنے میں ہم تم کو جانب
ہیں کہ صحت صلوة کا فتویٰ بعض مشائخ کا ہی نہیں ہے بلکہ بنقل مؤلف مذکور بہت سے مشائخ نے اس
پر عموم بلوی کی وجہ سے فتویٰ دیا ہے (توضیح البیان ص ۱۸) اور خود مؤلف مذکور نے اپنا فیصلہ یہ دیا ہے
تیسری صورت یہ ہے کہ فارسی انتہائی کوشش اور رغایت اجتہاد سے اپنے خیال میں لفظ کو اس کے مخرج
سے ادا کرتا ہے لیکن ادائیگی دوسرے لفظ کے مخرج یا اس کے مشابہ کی صورت میں ہوتی ہے پس اس
صورت میں عموم بلوی کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ لایکلف اللہ نفسا الا وسعها الخ (۱۸)
مؤلف مذکور کو انصاف سے کہنا چاہیے (اگر ان کے نزدیک انصاف نام کی کوئی چیز ہے) کہ راقم تہم
نے تنقید متین ص ۱۵۶ خاصہ بحث کرنے کے بعد یہ نہیں لکھا کہ۔ الحاصل ضاد کو ظاء کے مشابہ پڑھنے میں
فقہاء کرام کا نماز کے فاسد اور نہ فاسد ہونے میں کافی اختلاف ہے لیکن عموم بلوی کی وجہ سے جب کہ
اصل تخریج سے نکلنے کی تمیز و قدرت ہی نہ ہو تو اکثر مشائخ کا قابل افتاء قول اور فتویٰ یہ ہے کہ نماز
فاسد نہ ہوگی ہاں فاسد کو اس کے کوشش کرنی چاہیے کہ ہر حرف اپنے صحیح مخرج سے نکلے امام ہو یا منفرع و
ہو یا عورت ہو یا جواں مسلک سب کے لئے یکساں ہے الخ امام قاضی خان حرف کو دوسرے حرف
کی جگہ بدلنے کی فقہی تفصیل کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں کہ

وان کان لا یسکن الفصل بین الحروفین الا
بمشقة کا الظاء مع الضاد والصاد مع السین
والظاء مع القاء اختلف المشائخ فیہ قال

اكثرهم لا تفسد صلواته (ج ۱ ص ۶۵)

فرماتے ہیں کہ نماز فاسد نہیں ہوگی۔

قارئین کرام بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ مؤلف مذکور نے اختلاف برائے اختلاف اور نزاع برائے نزاع کے پیش نظر بھی بالآخر وہی کچھ کیا جو ہم نے چھپنے والے الفاظ میں کہہ دیا تھا اور انہیں اسے تسلیم کرنے پر کوئی چارہ کار نہ رہا لیکن عوام کو کچھ کر دکھانے کی خاطر پینتر سے پینتر بدلتے رہے۔

بدل کے بھیس بھرتے ہیں ہر زمانے میں اگرچہ پیر ہے آدم جواں میں مات و منشا اور ہم پہلے بچت کر چکے ہیں کہ چارہ صفت میں ضاد ظاء کے بہر حال اور بہر کیف مشابہ ہے ان میں تشابہ کی وجہ سے عموم بلوی کے فتویٰ کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر سوال پیدا ہوتا ہے تو ظاء کے ساتھ نخرج اور صفت استطالت میں تشابہ کے ساتھ پیدا ہوتا ہے لیکن قارئین کرام باحوالہ موافق و مخالف یہ پڑھ چکے ہیں کہ اس صورت میں بھی عموم بلوی کی وجہ سے نماز جائز ہے فاسد نہیں اسی کو کہتے ہیں ع مانتے جس کو نہ تھے لیجئے پہنچے وہاں۔

(۴) اصول کی کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم لفظاً اور معنی دونوں کا نام ہے اور اسی طرح کبیری کے حوالہ سے جو بحث مؤلف مذکور نے نقل کی ہے وہ ساری بحث بعد اس مفصل بحث کے جو نزاع القاری کے باب میں عالمگیری، شامی، البحر الرائق، فتح القدیر، اور طحاوی وغیرہ کتابوں میں ہے ہیں بلا تامل و قال مستم ہے اور کسی مسلمان کا اس سے سزا و اختلاف نہیں اور نہ ہو سکتا ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ بے شک ہماری یہ نماز لوگوں کی ذبیوی کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی (مسلم ج ۲ ص ۲۰۰ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۹) ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور اس سے اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن یہ جملہ امور اس بحث سے غیر متعلق ہیں جس میں گفتگو ہو رہی ہے کہ ضاد کو ظاء کے مشابہ پڑھا جائے تو کیا حکم ہے؟ جس کے بارے میں خود مؤلف مذکور بھی عموم بلوی کے پیش نظر جو از صلوة کا فیصلہ دے چکے ہیں۔

دیوبند کے اہل حق کی قرآن میں لفظی تحریف

یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں صد اللہ فیہم کا کلام نقل کرنے کے بعد تنقید ص ۲ پر بلوی سرفراز صاحب لکھتے ہیں مولوی صاحب نے عوام کو یہ سمجھا کی کوشش کی ہے کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے والوں کی امامت جائز نہیں تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ اہل حق کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

سوال یہ ہے کہ یہ اہل حق ضاد کی جگہ ظاء پڑھتے ہی کیوں ہیں؟ کیا انہیں قرآن میں لفظی اور معنوی تحریف کرتے ہوئے کوئی خدا کا خوف دامنگیر نہیں ہوتا بلکہ لوں کیسے کہ غیر قرآن کو قرآن قرار دینے میں اور جو بات اللہ تعالیٰ نے نہیں کہی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں انہیں کوئی حیا نہیں آتی اور کذب باری کا مسئلہ کیا اسی احتذار کے لئے تو ایجاد نہیں کیا مختار بلفظہ (ص ۶۵)

المجواب ہماری طرف سے اصولی طور پر جواب تو اتنا ہی کافی ہوگا موت کلمتہ نہ تخرج من افواہم ان یفوقون الا کذباً مگر مفصل جواب بھی ضروری ہے۔

نالہ بلیل شیدا تو فنا ہنس ہنس کر اب جگہ ہتھام کے بیٹھو میری باری آئی سو گزدارش یہ ہے کہ اہل حق ضاد کی جگہ بعینہ ظاء تو نہیں پڑھتے بلکہ البتہ وہ ضاد کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ چارہ صفت (جہر، رخاوت، استعلاء، اور اطباق) میں وہ ظاء کے مشابہ ہوتا ہے اور اس طرح پڑھنا ان کے لئے قواعد تجوید اور فقہی کتب کے لحاظ سے ضروری ہے اور اس طرح پڑھنے سے نہ تو تحریف لفظی ہوتی ہے اور نہ معنوی بلکہ قواعد کے اعتبار سے قرآن کریم کی عین مطابقت ہوتی ہے۔ ہاں نخرج اور استطالت میں ضاد کے ظاء کے مشابہ ہونے میں تحریف لفظی اور معنوی کا شبہ ہو سکتا ہے لیکن اس کو کیا کچھ کہہ سکتے ہیں بلوی کی وجہ سے بہت سے مشائخ فقہ نے جواز صلوة کا فتویٰ دیا ہے اور مؤلف مذکور نے بھی اس پر صراحت کیا ہے کہ اس لفظی اور معنوی تحریف میں اہل حق کے ساتھ وہ بھی برابر کے مجرم اور بقتوائے خود معرف قرآن ہیں۔

پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بقول مؤلف مذکور کے ضاد کو ظاء پڑھنے سے تو تحریف لفظی اور معنوی ہوتی ہے جب کہ چارہ وجوہ سے ان میں مشابہت بھی موجود ہے اور ضاد کو دال پڑھنے سے جبکہ ان میں کوئی مشابہت ہی نہیں کیوں تحریف لفظی و معنوی نہیں ہوتی؟ اور قاضی خان کا فتویٰ بھی گزر چکا ہے کہ الضالین کی جگہ الدالین پڑھنے والے کی نماز فاسد ہے کیا الضالین کی جگہ الدالین پڑھنے کی عزت دینے والا تحریف لفظی اور معنوی کا ترک نہیں ہے؟ کیا مؤلف مذکور اور ان کی پارٹی کو خدا کا خوف دامنگیر نہیں ہوتا اور کیا غیر قرآن کو قرآن قرار دینے میں اور جو بات اللہ تعالیٰ نے نہیں کہی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں انہیں حیا نہیں آتی؟ آخر کچھ تو بتائیے کہ بات کیا ہے؟ امکان کذب یا خلف و عید کا مسئلہ اپنی جگہ پر اسی کتاب میں بفضلہ تعالیٰ مفصل مذکور ہے یہاں اس کی ضرورت

نہیں لیکن مؤلف مذکور یہ تو متلائیں کہ مخلوق کا ہر فرد دونوں جملے بولنے پر قادر ہے واقع کے مطابق اور خلاف واقع لیکن جب اللہ تعالیٰ کی باری آئے تو وہ خلاف واقع جملہ بولنے پر قادر ہی نہ ہو جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خالق کی قدرت سے مخلوق کی قدرت زیادہ ہے (معنا اللہ تعالیٰ) شاید اسی لئے قادر مطلق ذات سے پہلو تہی کرتے ہوئے آپ لوگ غیر اللہ سے استعانت کرتے ہیں کہ بزم آپ حضرات کے ان کی قدرت زیادہ معلوم ہوتی ہے اور کیا اسی بہانہ سے غیر اللہ سے استعانت و استمداد کا چور دروازہ تو آپ لوگوں نے اپنے لئے نہیں کھول لیا؟ ہم نے جواب کے علاوہ محبت کا حتیٰ کبھی ادا کر دیا ہے آپ تسلیم کریں یا نہ کریں۔

کبھی تو میری محبت کا تم یقین کر لو! کہیں نہ عمر گزر جائے آزمائے میں

یہ بات یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو واقع کے خلاف کوئی بات کہی ہے نہ کہتا ہے اور نہ کہے گا لیکن اگر کہنا چاہے تو اسے قدرت ہے کرنے اور کر سکنے کا فرق ملحوظ نہ رکھنا اہل علم کی شان کے قطعاً خلاف ہے خود اسی کتاب میں اور ترقیبہ متین وغیرہ میں اس کی بحث موجود ہے مسئلہ امکان کذب اور خلق عیب کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کا نقش قائم ہو بخلاوند عزیز کی قدرت کو معاذ اللہ تعالیٰ محدود سمجھنے والا اس کو ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔

مجھی پر منحصر کیا ہے شہنشاہ زمانہ بھی اسی کے آستان پر آ رہے ہیں بے نوابان کر

حرف ضاد کی تخصیص کا جواب یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے لکھا ہے کہ سر فرزند صاحب نے کہا ہے کہ فقہاء کرام کا یہ ضابطہ تو تمام حروف کو شامل ہے پھر ضاد اور ظاء کا مسئلہ ہی کیوں بیان کیا؟ اولاً جواب یہ ہے کہ ضاد کے ظاء سے ملتے ہوئے کاشا لبرضا و ثانیاً چونکہ دیوبند کے اہل حق نے قرآن کریم میں تحریف کرنے کے لئے ضاد کو خاص کر لیا ہے اس لئے صدر الافاضل سے بالخصوص ضاد کا مسئلہ بیان کیا و ثانیاً امام صاحب نے جواز منہج خفیہ کو اہل سنت کی علامت قرار دیا ہے حالانکہ سب سنتوں کا حکم یہی ہے چونکہ بتدوین شدت کے ساتھ موزوں پر مسخ کا انکار کرتے تھے اس لئے امام صاحب نے اہل سنت کی یہ علامت قرار دیا اس کے بعد شرح فقہ اکبر ص ۱۷۷ کے حوالہ سے امام صاحب سے نقل کیا کہ اہل سنت کی علامتوں میں حضرت ابو بکر و حضرت عمر کی فضیلت حضرت عثمان و حضرت علی علیہ السلام کی محبت اور موزوں پر مسخ کرنا اور ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھنا ہے پھر آخر میں لکھتے ہیں اگر

آپ کو ضد کی خصوصیت کا شکوہ ہے تو قرآن کے اس خاص حرف کی تحریف کرنا چھوڑیں ہم بھی آپ کا پیچھا چھوڑیں گے (مختصاً ص ۷۳)

الجواب مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ تحریر کیا ہے دفع الوقتی کے سوا کچھ نہیں اول اس لئے کہ ضاد اور ظاء میں چار وجوہ سے تو مشابہت ثابت ہے جیسا کہ باحوالہ بیان ہو چکا ہے اب سوال یہ ہے کہ آپ لوگ اصول و قواعد کے لحاظ سے اس ثابت شدہ مشابہت کو رد کرنے کا ادھار کیوں کھائے بیٹھے ہیں؟ آپ لوگوں کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ فن تجوید اور کتب فقہ کے مسلم حوالوں کو ٹھکرانے کے درپے ہیں؟ اور مخرج اور صفت استنطالات میں گو ضاد و ظاء سے متفاوت ہے لیکن غیر مستطیع کے لئے عموم بلوئی کے تحت جواز صلوة کا فیصلہ آپ بھی دے چکے ہیں اور حتیٰ الوسع ہر حرف کو اس کے صحیح مخرج سے ادا کرنے کے ہم بھی مقرر میں منکر نہیں تو پھر آپ کے اس جواب کی کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے؟ دوم اس لئے کہ دیوبند کے اہل حق کے ساتھ غیر مستطیع کے لئے عموم بلوئی کے تحت جواز نماز کا فیصلہ دے کر آپ بھی اس تحریف میں برابر کے شریک ہیں اور یہ فرجرم آپ پر بھی عائد ہے پھر دیوبند کے اہل حق سے آپ کے بلا سبب عناد اور چڑکی کیا وجہ ہے اور یہ بات بھی پہلے بیان ہو چکی ہے کہ ضاد کی ظاء کے ساتھ چار وجوہ سے مشابہت تو دلائل قاہرہ اور براہین ساطعہ سے ثابت ہے مگر ضاد کی دال سے مشابہت کی تو کوئی ایک وجہ بھی موجود نہیں ہے پھر آپ لوگ اس واقعی تحریف پر کیوں صبر ہیں؟ پھر آپ کے صدر الافاضل صاحب کا علمی اور اخلاقی فرض تھا کہ جہاں انہوں نے ضاد کے ظاء سے الگ ہونے کا حکم اور فیصلہ صادر کیا تھا وہاں ضاد کے کا دال سے الگ ہونے کا فتویٰ بھی صادر فرما کر امت مرحومہ پر رحم و کرم فرماتے تاکہ امت مرحومہ پر ظلم اور واقعی تحریف دونوں سے محفوظ رہیں اور اس قرآن کریم کی پابندی کرتی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بواصلہ حضرت جبرائیل امین و آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور جس میں لفظ معنی دونوں ملحوظ ہیں جب دار و مدار معنی کے تغیر پر ہے تو آپ لوگ کیوں ولا الضالین کی جگہ ولا الدالین پر اصرار کرتے ہیں جب کہ امام قاضی خان کا فتویٰ یہ ہے۔

و کذا لو قرأ غیر المغضوب بالنظاء و بالذال اور اگر غیر المغضوب کو ظاء یا ذال سے پڑھا تو نماز فاسد تفسد صلوتہ و لو قرأ الظالمین بالنظاء و

اور اگر غیر المغضوب کو ظاء یا ذال سے پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ولا الضالین کو ظاء یا ذال سے

بالذال لا تفسد صلواته ولو قواء بالذال
تفسد صلواته (فتاویٰ قاضیخان ج ۱)
ص ۶ طبع نو لکھنؤ و لکھنؤ

امام قاضی خان حضرت فقہاء کرام میں بلند درجہ کے مالک اور فقیہ النفس تھے فقہ میں ان کا مقام بہت اونچا ہے جیسا کہ اہل علم سے یہ مخفی نہیں ہے علامہ علی نے بعض متاخرین فقہاء کرام کے فتویٰ عموم بلوچی کے پیش نظر والا الدالین پڑھنے کی صورت میں بھی ایک بعید سی تاویل کے سہارے جواز صلوة کا فتویٰ دیا ہے (ملاحظہ ہو کبیری ص ۴۲۹) عموم بلوچی کے تحت ہم اس کو بھی تسلیم کر لیتے ہیں لیکن اس کا انکار تو قطعاً نہیں کیا جاسکتا کہ ضاد اور دال کا خروج بالکل الگ الگ ہے اور ان میں تجوید کے رد سے کوئی مشابہت ہی نہیں پھر اگر ایک کے پڑھنے سے تحریف ہوتی ہے تو دوسرے کے پڑھنے سے بھی تحریف ہوتی ہے آپ کے صدر الافاضل اور خود آپ کا یہ فریضہ تھا کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی بیان کرنے اور صرف ولو سے ٹریفک پر اکتفاء نہ کرتے مگر جب یہی ممکن ہے کہ آپ تعصب کی عینک اتار کر ہر چیز کو صحیح نگاہ سے دیکھنے کی رحمت اٹھائیں ورنہ خواب تھا جو کچھ کر دیکھا جو سنا افسانہ تھا اور سوچوں اس لئے کہ جواز صلوة اور عدم جواز کے سلسلہ میں جس طرح حضرات فقہاء کرام کا ضاد اور ظاء کے بارے میں اختلاف ہے اسی طرح ضاد اور دال میں بھی نزاع ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ایک بدعت سے تو آپ لوگوں کو اتنا مغر ہے کہ اس کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہیں اور دوسری بدعت کو سویدئے قلب میں جگہ سے بھی ہے اور اس کے لئے خیر سے شرح فقہ اکبر کا حوالہ بھی فراہم کر لیا گیا ہے؟ کیا یہی حوالہ والا الدالین پڑھنے والوں پر چسپان نہیں ہوتا؟ یا ان کے بدن پر کوئی ایسی انگیزی سریش لگی ہوئی ہے کہ کوئی حوالہ دال چسپان نہیں ہو سکتا کچھ ٹولب کشائی فرمائیے کہ معاملہ کیا ہے؟ آپ کو بھی یقین رکھنا چاہیے کہ جب تک آپ لوگوں والا الدالین ترک نہیں کریں گے ہم انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا قبر تک تعاقب کرتے رہیں گے اور پھر آپ جا بجا نہیں اور نکیریں سے

کس سے کہنے کیا کیا کیا ہو گیا خود ہی اپنے پر ملامت کیجئے رحلت بخش
مناسبت معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں ضاد اور دال میں نمایاں فرق کا مفصل حوالہ بھی عرض کر دین تاکہ
تصویر کا دوسرا رخ بھی کھل کر سامنے آجائے حضرت مولانا عبدالحی لکھنؤی فرماتے ہیں کہ ماہرین شریعت

غیر پوشیدہ نہ رہے کہ ضاد کا مشتبہ الصوت ہونا ساتھ ساتھ مجھ کے جملہ کتب تفسیر و فقہ و صرف و نحو سے ثابت ہوتا ہے اس کے بعد انہوں نے تفسیر عزیزی، تفسیر کبیر، حاشیہ بریضاوی، رضی شرح شافعی، جہد المقل، شرح شاطبی، تمہیدی، علم التجوید اور رعایہ مصنفہ امام ابو محمد کی التوفی ص ۲۲ اور فتاویٰ شیخ جمال حنفی کی زیر فرماتے ہیں کہ ضاد کو ظاء پڑھنا لغت اکثر اہل عرب کا ہے اور حاشیہ جہد المقل اور کیمائے سعادت کے کھوس جولے نقل کئے ہیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں حاصل یہ ہے کہ تمام کتب فقہ و تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ ضاد مشابہ ظاء ہے اور کسی قدر ذال اور ذاء کے بھی لیکن ظاء کے ساتھ بہت مشابہ ہے کیونکہ ضاد اور ظاء میں صرف ایک صفت کا فرق ہے یعنی ضاد مستطیل ہے اور ظاء قصیر ہے اگر استطالات ضاد میں نہ ہوتی تو عین ظاء ہوجاتا جیسا کہ عبارت تمہید وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے بخلاف دال کے کہ ضاد اور دال میں سات صفتوں کا فرق ہے ض زحہ ہے دال شدید ض ساکن ہے دال قلقاہ ض مطبقہ ہے دال منفقوض مستعلیہ ہے دال مستسطح ض مغضیہ ہے دال رققض مستطیلہ ہے دال قصیرہ ض منفقوض ہے دال غیر منفقوض اور ضاد کا مشتبہ الصوت ہونا ساتھ ساتھ کے آئی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے لولا غرابة المقام لانتبت بہا وہ یہ ہے رعایہ جہد المقل، منبئیہ جہد، جزئیہ، شرح جزئیہ، و شرح ملا علی القاری، نشر، منہاج، طنبیۃ النشر، تمہید، رسالہ مولانا عبدالرحیم، شرح فیض، شاطبی، تفسیر کبیر، آفتاب، کشف بریضاوی، حاشیہ بریضاوی، عزیزی، حینی، فتاویٰ قاضی خان، عالمگیری، کبیری، برہان، جنیس، خلاصۃ الفتاویٰ، درختار، طوطوی، شامی، خزائنہ المغتیبین، خزائنہ اہل علیہ، فتاویٰ نقشبندیہ، بزازیہ، غنایہ، تہذیب، خزائنہ الروایات، رسائل الارکان، تہذیب، ذخیرہ، فتح القدر، غیرہ، جامع الروایات، مفتاح الصلوة، محاشن العمل، البیان، الخلیل، احیاء العلوم، کیمائے سعادت، زاد الآخرة، شافعی، جبار بدوی، فصول کبری، فتاویٰ برہنہ، رسالہ نجم الدین، مختار الفتاویٰ، سمرقندی، منبئیہ، مجموعہ سلطانی، بغیۃ التراد، میزان، حرف البتلاء، ذخیرہ کردی اور حجت بات ثابت ہوئی کہ ضاد مشابہ ظاء کے ہے تو قاعدہ کلیہ جملہ فقہ کا یہ ہے کہ جن دو حرفوں میں فرق باسانی ممکن ہے اس کے بدل جانے سے نماز فاسد ہوتی ہے اور اگر فرق ان دونوں حرفوں میں مشکل ہے تو اکثر کا مذہب یہ ہے کہ نماز نہیں فاسد ہوتی اور یہی مذہب ہے متاخرین کا اور یہ مذہب بہت معتدل اور پندیرہ

ہے اور مذہب متقدمین کا یہ ہے کہ ضاد کو ظا پڑھنے سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے پس لفظ
 ولا الضالین کی جگہ والین پڑھنے سے سب کے نزدیک نماز فاسد ہوتی ہے اور ظاء سے اکثر
 کے نزدیک نہیں فاسد ہوتی اور اس پر فتویٰ ہے پہلے چند عبارات فقہی واسطے ثبوت اس قائلہ
 کلیہ کے لکھی جاتی ہیں بعد ازاں چند عبارات نقد سے اوپر ثبوت فساد نماز کے پڑھنے والین
 سے لکھا جاوے گا اس کے بعد انہوں نے رد المحتار - فتاویٰ قاضی خاں - فتح القدر وغیرہ
 عالمگیری اور خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالے دیے ہیں آخر میں لکھتے ہیں کہ حاصل تقدیر مذکورہ بالا
 کا یہ ہے کہ ضاد کا مشتبہ الصوت ہونا سا تھ ظاء کے بلا نزاع ثابت ہے اور جس شخص سے ظاء
 ضاد کا نہ آوے وہ ظاء پڑھے اور اس سے نماز اکثر کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی و ہذا ہو الحق والصدق
 اور ضاد کو مشابہ وال کے پڑھنے پر کوئی دلیل صرف و تجوید وفقہ و تفسیر سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ
 سب علوم اس کی غلطی ہونے پر دال ہیں اور ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا اسی سے ہوتا ہے
 کہ وہ اس کے مشابہ ہو اور ظاہر ہے کہ ضاد اور وال سے کچھ مناسبت بھی نہیں ہے نہ نخرج میں نہ
 صفات میں بلکہ ضاد اور وال سے سات صفتوں میں اختلاف ہے جیسا کہ اوپر گذرا جب یہ مسئلہ
 کتابوں سے ثابت ہوا تو مسلمانوں کو چاہیے کہ بہت جلد اس کے عامل ہو جائیں نہ یہ کہ آپس میں جنگ
 و جدل و زد و کوب جو بالاتفاق حرام ہے کریں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب فی الواقع مذہب مختار جمہور
 ضاد کی جگہ پر اگر ظا پڑھے گا یا ذال نماز فاسد نہ ہوگی فتاویٰ نزاریہ میں ہے قال غیر المغضوب بالظاہر
 والدالین بالذال او الظاء قیل لا تفسد لعموم البیلوی فان العوام لا یعرفون من خارج
 الحروف و کشیر من المشائخ افتوا بہ انتہی اور خزائن المفتیین میں خلاصۃ الفتاویٰ سے
 منقول ہے ان ذکر حروف امکان حروف وغیر المعنی فان امکان الفصل کا لظاء مکان الصاد
 تفسد صلوتہ وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقة کا لظاء مع الضاد
 والظاء مع التاء والصاد مع السین الا کثیر علی انہ لا تفسد انتہی مجموعہ فتاویٰ جلد اولی

جم ۱ ص ۲۶۵ تا ۲۷۲ طبع لکھنؤ

عموم بلوی کا جواب یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور سے تنقید تین کا حوالہ نقل کر کے لکھا ہے
 اور تو یہ فقہاء کرام پرمض بہتان ہے کہ انہوں نے علی الاطلاق ضاد کو ظاء پڑھنے کی اجازت دی ہے

سرفراز صاحب نے قرآن کریم میں تحریف ثابت کرنے کے لئے یہ خلاف واقع بات وضع کی ہے
 فقہاء کا مقام اس سے بہت بالا ہے کہ وہ تحریف خالص اور کفر صریح کی اجازت دیں و ثانیاً یہ کہ منشا
 تو آپ نے مخارج میں عدم تمیز قرار دیا کیا دیوبند کے قرأت خانہ میں ان کے اصاغروا کاہر میں کوئی شخص
 ایسا نہیں جو ضاد کو اس کے مخرج سے پڑھ سکے اس بات نے دیوبندیوں کی بے علمی کا راز فاش کر دیا
 سرفراز صاحب تنقید ص ۱۱۱ میں لکھتے ہیں کہ ضاد اور ظاء میں تیز خاصی مشکل ہے اور یہی ہم کہنا چاہتے
 ہیں کہ اہل دیوبند کے عوام تو کیا علماء کو بھی اتنی تمیز اور سلیقہ نہیں کہ ضاد کو اپنے مخرج سے ادا کر سکیں پھر
 عوام بلوی عوام کے لئے ہوتا ہے کیا دیوبند کے تمام علماء اور قاری حضرات عوام میں داخل ہیں و ثالثاً
 فقہاء کرام نے خطا اور سیانہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے والے کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی نماز فاسد
 نہ ہوگی نہ کہ عمدًا ظا پڑھنے کے متعلق اور ذیبت دیوبند تو ظاء پڑھنے پر مصر ہے اور سرفراز صاحب کو بھی
 اس کا اثر ہے اہل حق ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے میں اور جو عمدًا ضاد کی جگہ ظاء پڑھے اس کی نماز بہر حال
 فاسد ہے خزائن المغنی میں اس کی بحث ہے (محصلاً ص ۶۵ و ص ۶۹) آگے انہوں نے عالمگیری اور
 رد المحتار کے حوالے سے وہ عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ ہم مؤلف مذکور کے قلم سے پہلے نقل کر کے اس کی
 حقیقت عرض کر چکے ہیں۔ صفحہ

الجواب مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے یہ خود ان کی جہالت کا زور و تلبہ۔ اول تو اس لئے
 کہ ہم نے کب اور کہاں یہ کہا ہے کہ حضرات فقہاء کرام نے علی الاطلاق ضاد کو ظاء پڑھنے کی اجازت دی ہے
 یہ مؤلف مذکور کا ہم پر خالص بہتان اور زرافتراہ اور سفید جھوٹ ہے ہم نے حضرات فقہاء کرام کی عبارات
 کی روشنی میں اس کی تشریح پہلے کر دی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے افسوس ہے کہ مؤلف مذکور کو ضاد
 کو ظاء پڑھنے کی تحریف تو بار بار یاد آتی ہے مگر ضاد کو وال پڑھنے کی تحریف کا ذکر کبھی نہیں ان کی زبان او
 قلم سے نہیں نکلتا آخر اس کی کیا وجہ ہے اور دوم اس لئے کہ ہم نے تنقید تین مسئلے میں واضح الفاظ میں
 یہ لکھا ہے کہ اکثر و بیشتر قراء حضرات اہل حق کے مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ علم تجوید کے اصول و قواعد
 کے تحت حرف ضاد کو اس کے اصل مخرج سے نکالتے ہیں جو سننے والوں کو حرف ظاء سے مشابہ معلوم ہوتا
 ہے لہذا اس تشریح کے ہوتے ہوئے مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ دیوبند کے قرأت خانہ میں اکابر و اصاغروا میں
 کوئی نہیں جو ضاد کو اس کے مخرج سے ادا کرے اور اس سے دیوبند کی علمی کار از فاش ہو گیا و محصلہ کس قدر

وجل اور بلیس اور بے جالعصب ہے اور پھر اقم انیم پر یہ بہتان کہ وہ لکھتا ہے کہ اہل حق ضلالت
 جگہ طلاء پڑھنے ہیں علمی طور پر کس قدر بددیانتی ہے راقم کی عبارت ابھی اوپر بیان ہوئی ہے اس میں
 کشیدہ الفاظ کو بغور پڑھیں اور پھر مولف مذکور کی خیانت کی داوہیں مسجحا نذک هذا ابھت
 عظیمہ۔ باقی ہم نے جو یہ کہا ہے کہ ضار اور ظاء وغیرہ الفاظ میں فرق خاصا مشکل ہے تو اس میں
 کا اعتراض ہم پر نہیں بلکہ امام بزاز نے امام قاضی خاں شیخ القراء کی مصنفین عالمگیری اور حضرت
 عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی وغیرہ اکابر پر ہے جو چلتا چلا کر یہ فرماتے ہیں کہ ان میں فرق مشکل ہے
 بلکہ خود خاں صاحب بریلوی حرف ضاد پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ حرف ثنوا ترین حرف ہے اور اس کی
 او خصوصاً ہم پر کہ ان کی زبان کا حرف نہیں مشکل الی تو اب خصوصاً ظاء سے اس حرف کا جہاں تاں سخت
 مشکل ہے (العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ ج ۳ ص ۱۱۱) لہذا آپ ہم پر دانت پینے کی کسی
 نہ کریں اگر وہ پڑتا ہے تو ان حضرات پر دانت پیسیں پھر دیکھیں هل ینذہب کینذک ما یغیظ
 انہیں اس بات کو بھی ملحوظ رکھیں کہ مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والے حضرات بھی مستند عالم نہیں ہوتے
 اور پھر تمام علماء مستند قاری نہیں ہوتے اور ضاد وغیرہ بعض حروف کو اپنے صحیح مخرج سے ادا کرنا
 وراقی کا کام بھی نہیں ہے اس میں قاری کا بھی ہر اشاق ہونا ضروری ہے کسی مشاق اور ماہر فرق
 سے دریافت کریں وہ الشاء اللہ تعالیٰ آپ کا گھر پورا کر دے گا اس لئے ماہر اور مشاق قراء حضرات
 کے علاوہ باقی سب لوگ حرف ضاد کے مخرج کے سلسلہ میں عوام ہی میں داخل ہیں اور عموماً ہلومی کی
 فقہی رعایت کے مستحق ہیں ہاں کوشش وہ ضرور کرتے ہیں کہ ہر حرف اپنے اصل مخرج سے ادا ہوتا ہے
 اس میں کوتاہی نہ کریں جیسا کہ باحوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اور تو ہم اس لئے کہ حضرات فقہاء و کرام نے
 صرف خطا اور زیان کا مسئلہ ہی نہیں بیان فرمایا بلکہ یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اسے اپنے مخرج سے
 نکالنے کی کوشش کرتا ہے مگر مشکل ہونے کی وجہ سے وہ اس کے صحیح مخرج سے نہیں نکال سکتا تو اس کی نماز
 جائز ہے فصولاۃ بجاۃ کے الفاظ محیط ہی کے حوالہ سے پہلے نقل کئے جا چکے ہیں ہاں اسے تصحیح کی کوشش
 ترک نہیں کرنی چاہیئے اور خود مولف مذکور کے یہ الفاظ باحوالہ پہلے نقل کئے جا چکے ہیں کہ قاری انتہائی
 کوشش اور غایت اجتہاد سے اپنے خیال میں لفظ کو اس کے مخرج سے ادا کرتا ہے لیکن ادائیگی دوسرے
 لفظ کے مخرج یا اس کے مشابہ کی صورت میں ہوتی ہے پس اس صورت میں عموماً ہلومی کی وجہ سے نماز فاسد

ذہبی کی بیوکہ لایکلف اللہ نفساً الا وسعها (ص ۶۷)

کیا صورت بھی مولف مذکور کے نزدیک خطا و زیان کی ہے؟ جواب ہوش سے ہیں حضرات فقہاء
 کرام کے نزدیک عمد کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ضاد کو اپنے اصل مخرج سے نکالنے پر قدرت رکھتا ہے
 مگر قصداً اس کو دوسرے حرف کے مخرج سے نکالتا ہے تو اس کی نماز کے بطلان اور فساد بلکہ اس کے
 عند البعض کافر ہونے میں کیا شک ہے باقی عالمگیری اور رد المحتار سے نقل کی گئی عبارت کا خود مولف
 مذکور ہی کیا ہوا ترجمہ ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے وہ ساری عبارت ہماری مؤید ہے مگر سزا بقا ذکر مخالف
 جیسا کہ مولف مذکور نے اپنی کم علمی سے یہ سمجھ لیا ہے غرضیکہ ہمارے نقل کردہ مفصل حوالوں نے مولف
 مذکور کی تمام غلط فہمیوں کا پردہ چاک کر دیا ہے

رنا ڈور زبیرے کو موج بلا کا اِدھر سے اِدھر کر دیا رخ ہوا کا

امامت کی تخصیص کا جواب

یہ عنوان قائم کر کے مولف مذکور نے اس کے تحت جو بات اصولی
 طور پر کہی ہے وہ یہ ہے کہ مقتدی کی نسبت امام کا مسئلہ بیان کرنا زیادہ اہم ہے کیونکہ مقتدی کی نماز
 فاسد ہونے سے ایک کی نماز فاسد ہوگی اور امام کی نماز کے فساد سے تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہوگی
 علاوہ انہیں امام کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ امام کو عالم اور قاری ہونا چاہیئے بخلاف عوام کے کہ اقتدا کے
 لئے تجویذ و قرات کا جانا ضروری نہیں اور شاید آپ کو خطرہ پڑ گیا کہ لوگ ضاد کو ظاء د کے مشابہ
 صفتاً پڑھنے والے کی امامت سے برگشتہ ہو جائیں گے اور آپ کو روٹیاں نہیں مانگیں گی لہذا
 چند روزہ زندگی کے مقابلہ آخرت کو ترجیح دینا کے خوف کو دل میں جگہ د وضاد کو ضاد ہی پڑھو
 چند سہری سکوں کے بدلے قرآن کو زبرد اور محصلہ ص ۳۱ و ص ۳۲

الجواب یہ سلسلہ کہ امام کی نماز صحیحہ و فساد مقتدیوں کی نماز کو متضمن ہے اور یہ مسئلہ

کہ امام کو عالم اور قاری ہونا چاہیئے نزاع اور اختلاف سے بالاتر اور مفروض غنہا مسائل میں سے
 ہے خواہ مخواہ عوام کے اذہن کو شوش کرنا ایک غلط راہ و روش اختیار کرنے کے مترادف ہے ہمارا
 القراض مولف مذکور کے صدر الافاضل پر جو کاتوں بدستور اب بھی باقی ہے کہ تصحیح حرف کا مسئلہ
 فقہی طور پر اور خود صاحب محیط کے حوالہ کے پیش نظر جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، ہر نمازی کے لئے
 ہے امام ہو یا منفرد لہذا امام کی تخصیص بلا وجہ ہے۔ قاریوں کرام ان خود فرامیں کہ مولف مذکور نے اپنے

بھاگ نکلنے کے لئے کس طرح چور و زائد نکالے وہ یوں کہ وہ کہتے ہیں بخلاف عوام کے اعتراض کے لئے تجوید و قرات کا جاننا ضروری نہیں الخ ہم نے امام اور منفرد کے الفاظ استعمال کئے ہیں (ملاحظہ ہو تنقید متین ص ۵۲ و ۵۳) مقتدی کی بات ہم نے نہیں کی کیونکہ قرات اس کا کام ہے ہی نہیں مگر منفرد کا کام تو ہے اور حشری الوسیح تصحیح حروف امام کی طرح منفرد پر بھی لازم ہے مگر افسوس کہ مولف مذکور اس بات کو شیعہ اور سمجھ کر پی گئے ہیں الحمد للہ تعالیٰ راقم ایم کو جن اکابر علماء سے شرف تلمذ حاصل ہے ان کے علمی کمال اور روحانی و اخلاقی کردار سے راقم ایم کو خوفِ خدا بھی حاصل ہے اور آخرت کی بھی بہت ہی زیادہ فکر ہے اور اسی چیز نے راقم ایم کو شرک و بدعت اور غلط مسائل کی تردید پر مجبور کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس میں باحسن وجہ کامیابی حاصل ہوئی ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ راقم الحروف کی باحوالہ مدلل اور ٹھوس علمی کتابوں نے مخالفین کے بوش و حواس باختہ کر دیے ہیں کہ بیچاروں کے لئے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کا محاورہ بالکل فٹ ہے مولف مذکور کے معنی کے لئے عرض ہے کہ راقم ایم تقریباً بیستین سال سے امامتِ مہدی کے مشاہدہ جتنا کچھ ملتا ہے وہ صرف خطابت اور تدریس کا ملتا ہے اس لئے راقم کو تو امامت کا سرے سے خطرہ ہی نہیں ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولف مذکور بیع اپنے ٹولہ کے فنِ تجوید کے اس مسئلہ کے آجا کر ہونے کے بعد کراخدا چار صفات میں سامعین کے نزدیک نطاء کے مشاہدے اپنی امامت کے سلسلہ میں خاصے ٹنگیں و متفکر ہیں کہ عوام الناس کے سامنے حقیقتِ حال سامنے آنے کے بعد کہیں امامت ہاتھ سے نہ نکل جائے اور جمعرات کی روٹیاں ہی بد مزہ نہ ہو جائیں باقی ہمارے بارے میں مولف مذکور کو بہرگاہ و گلیہ نہیں ہونا چاہئے ہماری طرف سے بس اتنا ہی کافی ہے کہ

ارائے جن کے پختہ ہوں نظر جنکی خدا پر ہو تلاطم خیر منظر سے وہ گھبرا یا نہیں کرتے

لے یہ مضمون تقریباً پانچ چھ سال پہلے کا لکھا ہوا ہے اب مزید کچھ سال گزر چکے ہیں ۱۲۰۲ھ

باب دوم

مر و جہ ایصال ثواب

تنقید متین میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے دستا دَرِّ قَنَائِمٍ یُنْفِقُونَ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ سلسلہ گیارہویں - قاتحہ - تیجہ - اور چالیسواں بھی اس میں داخل ہیں اس پر علمی انداز میں جو گرفت ہم نے کی ہے وہ اصل کتاب میں ہی ملاحظہ فرمائیں مولف مذکور نے ہماری گرفت پر سیخ پا ہو کر ہمارے مضبوط صیرح اور ٹھوس حوالوں سے گھبرا کر اولاً جواب ہو کر جو کچھ لکھا ہے اس میں اہم باتیں یہ ہیں -

مولوی سرفراز صاحب نے صدر الافاضل کی تفسیر کا ابتدائی حصہ جس میں مطلق انفاق خواہ قرض و واجب ہو جیسے زکوٰۃ و نذر اور اپنے اہل کا نفقہ خواہ مستحب جیسے صدقات نافلہ اموات کا ایصال ثواب ذکر نہیں کیا صیہونی چابکدستی سے اس عبارت میں قطع و برید کی ہے اور پہلی عبارت مقررہ لکھنے کی نذر ہو گئی ہے اور اس مذموم عبارت سے سرفراز صاحب کا مدعا یہ ہے کہ عوام کو سمجھایا جاسکے کہ اہل سنت کے نزدیک مہارز قنہم ینفقون کی تفسیر سلسلہ گیارہویں اور اس کے لواحقات کے سوا کچھ نہیں (محصلا ص ۵)

الجواب ابتدائی حصہ ہم نے اس لئے نقل اور ذکر نہیں کیا کہ یہ امور تو ینفقون کی مدین شامل ہیں اور حضرات صحابہ کرام سے لے کر تا ہنوز حضرات مفسرین کرام درجہ بدرجہ ان کو اس کی تفسیر میں بیان اور نقل کرتے چلے آئے ہیں لہذا اس میں تو نزاع ہی نہیں ہماری گرفت تو اس پر تھی اور وہ ناہنہ بدستور باقی ہیں کہ گیارہویں تیجہ اور چالیسواں کس صحابی یا تابعی اور کس مفسر اور محدث و فقیہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے؟ مولف مذکور کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ادھر اور ادھر کی بالکل غیر متعلق باتیں لکھے بغیر حضرات سلف صالحین اور مستند مفسرین عظام سے

صراحت کے ساتھ دو چار حوالے نقل کر دیتے کہ لو فلاں فلاں تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ گیارہ سو میں اور
تیجا اور چالیسواں اس آیت کی تفسیر میں بیان ہوئے ہیں ناظرین کرام بھی دیکھ لیتے اور ہمیں بھی
یقین ہو جاتا کہ واقعی یہ امور بھی اس کی تفسیر میں منقول ہیں اور جب مؤلف مذکور ایسا نہیں
کر سکے اور انشاء اللہ تعالیٰ بع اپنی بدعت پسند پارٹی کے تاقیامت نہیں کر سکیں گے تو پھر ہر ایک
صحیح العقیدہ مسلمان کے لئے غور طلب بات ہے کہ یہ بدعات و خرافات شیفتون کی تفسیر میں کیسے نقل
ہو سکتی ہیں ہر اقم انیم نے جس ایمانی جسارت اور علمی اور تحقیقی مفروض سے جس اختراعی تفسیر کو کا
کر پھینک دیا ہے بفضلہ تعالیٰ اس کو مؤلف مذکور فونہیں کر سکے اور بدعات و خرافات کا سنت کے
ساتھ پیوند لگانا ہے بھی بے حد ہی مشکل اور یہ مؤلف مذکور کے بس کا روگ بھی نہیں ہے جو صبیون
کو اپنی جالت کی وجہ سے صبیون لکھتے ہیں زیادہ ہے یہ کہ لفظ بزوزن فرووس ہے قاموس ج ۴
ص ۲۵۴ میں ہے صبیون کیزون اور اس کا حوالہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے اور محض دل کی
نکالنے کے لئے لفظ خان سے گھبرا کر کبھی اسے اسرائیلی قرار دیتے ہیں اور کبھی صبیون سے تعبیر کرتے ہیں
مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہماری قوم اور برادری کا تعلق قطعاً اسرائیل سے نہیں نہ جسمانی طور
پر اور نہ روحانی طریقہ سے ہاں مسکن ہے کہ قد ہری پھانوں کا جن کے ایک فرد آپ کے خان صاحب
بریلوی بھی ہیں کوئی تعلق ہو تو ہمیں اس کا کوئی علم نہیں ہے اگر اسرائیل اور صبیون سے کوئی تعلق ہے
تو انہی کا ہوگا ترجمہ میں تحریف اور دیدہ و استودین کا جلیہ بگاڑ کر مفضوب علیہم کے ساتھ کئی گنا ان کی
مشابہت بھی ہے لہذا وہ نیر اول کے اسرائیلی اور صبیونی ہیں

اسی کو کب کی تابانی سے ہے تیر جہاں روشن زوال آدم حاکم زیاں تیرا ہے یا میرا

ہم نے یہ نہیں کہا اور نہ ہمارا یہ موقف ہے کہ شیفتون کی تفسیر کا گیارہ سوں اور اس کے لواحقات کے سوا
کسی اور چیز سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ہمارا موقف تو بالکل واضح ہے کہ زکوٰۃ انفاق علی الابل اور
جائز قسم کے صدقات کا تو اس سے تعلق ہے ہی ہاں مگر کیا صبیون تیجا اور چالیسواں وغیرہ کا اس سے قطعاً
کوئی تعلق نہیں ہے اگر کوئی تعلق ہو تا تو تفسیر میں باوجود ان کے محرکات اسباب اور دعائی کے موجود
ہونے کے ضرور ذکر ہوتا مگر ایسا ہمارے نہیں ہے یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ امور خالص بدعات
ہیں اور اس انداز سے ان کی خود بخود ترویج ہو جاتی ہے

باد صر میں شمیم راحت افزا آگئی وہ ہبک تھی شرک بدعت کی کام جھاگئی

تقرب بغیر اللہ کی بحث تنقید ستین میں گیارہ سوں پر بحث کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا کہ بعض

جہلاء غیر اللہ سے خوف ورجا اور امید و بیم کے نظریہ سے گیارہ سوں دیتے ہیں اور اس کے لئے انہوں
نے یہ افسانہ بھی تراشا ہے کہ حضرت پیر صاحب نے بارہ سال کا غرق شدہ ہیرا دریا سے نکال پار کیا تھا یہی

تقرب بغیر اللہ ہے جو حرام و شرک ہے (محصلاً) اس پر گرفت کرتے ہوئے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ
ہم مولوی سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی تحریر ہی یا تقریر ہی شہادت موجود ہے

کہ جہلاء کا یہ عقیدہ ہے ہاں اگر نہیں تو خلاف واقع ایک عقیدہ وضع کر کے کیوں جہلاء کی طرف منسوب کیا
اور خلاف نصوص شرعیہ سادہ عوام کے حق میں کیوں بدگمانی کی یا پھر خود کو عظیم بذات الصدور سمجھتے ہیں

اور یہ دعویٰ فاسدہ رکھتے ہیں کہ آپ لوگوں کے دلوں میں جھانک کر ان کے عقائد معلوم کر لیتے ہیں پھر
ہم پوچھتے ہیں کہ کیا مطلقاً کسی کو نفع و ضرر پہنچانے کا عقیدہ رکھنا تقرب اور شرک ہے تو پھر زہر

ضرر اور تریاق میں نفع سمجھنا اور آپ کا اصرام دیونند سے تقرب حاصل کرنا یہ سب شرک ہے
اور اگر علی وجہ العبادت نافع اور ضرار اعتقاد کرنا اور تقرب علی وجہ العبادت شرک ہو تو آپ کا مذہب

باطل ہو گیا۔ در مختار ص ۲۳۳ میں ہے ہم کسی مسلمان کے حق میں ہرگز یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس فعل
ذبیح کے ذریعہ کسی آدمی کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ اور اس کے تحت علامہ رشائی (رد المحتار ج ۵ ص ۲۳۳)

میں لکھتے ہیں یعنی شراح کی مراد تقرب سے تقرب علی وجہ العبادت ہے اس لئے کہ تقرب علی وجہ العبادت
ہی موجب شرک ہے اور ایسا تقرب مسلمان کے حال سے بعید ہے۔ دیدہ و عبرت کے لئے یہ سند کافی ہے

کہ شرک کا مدار کسی کو معبود سمجھنے پر ہے آپ اگر واقعی مسلمانوں کو شرک بنانے پر تہمتے ہوئے ہیں تو ثابت کیجئے
کہ جہلاء پر ہے پیر کو معبود سمجھ کر پوجتے ہیں و دوزخ طراد آئے ہم آپ کو بتائیں کہ مرنیہ گنگوہی ص ۱۰

میں مولوی محمود الحسن صاحب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی پر مرنیہ خوانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں
تہماری نرسیت انور کو دیکر کھٹور سے تشبیہ کہوں ہوں بار بار اربانی میری کی بھی ماریانی

طور پر کس ذات نے تجلی فرمائی تھی اور مولیٰ علیہ السلام نے کس ذات کے دیکھنے کے لئے بار بار اربانی فرمایا تھا
اور مولوی محمود الحسن صاحب کس کی قبر کو طور اور کس کے دیکھنے کو اربانی کہہ رہے ہیں۔ اور آپ کی طرح

یوں ہی بے سند بات نہیں ہے بلکہ پاکستان اور بھارت کے دیوبندی پرسوں کے مطبوعہ مرنیہ میں شیخ

الجواب مؤلف مذکور کی جہلاء کے عقیدہ سے کیا مراد ہے؟ اگر مراد یہ ہے کہ بارہ سال کے بیٹے کا غرق ہونا اور پھر دوبارہ ان کے زندہ کرنے کا واقعہ ہی مہر سے جعلی ہے اور یہ جہلاء کے ذمہ الزام ہے تو گذارش یہ ہے کہ ہم نے تنقید میں صلا کے عاشیہ میں ان کے مفتی اعظم پاکستان مفتی احمد یار خان صاحب کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے کہ اس دو لہائی قبر گھاٹ میں ہے اور اس کا نام کبیر الدین ہے اور وہ شاہ دو لہ کے نام سے مشہور ہے اور وہ غوث پاک کے خلیفہ ہیں رقم انیم نے یہ لکھا تھا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی وفات تو ۱۰۰۰ھ میں ہوئی ہے اور حضرت شاد دہلوی کی وفات ۱۰۰۰ھ میں ہوئی ہے درمیان میں اتنا طویل زمانہ ہے پھر وہ ان کے خلیفہ کیسے بن گئے؟ اور خود مؤلف مذکور نے ص ۵۸ میں اصرار ہے کہ حضرت پیر صاحب کی مشہور کرامت کہا ہے اور مفتی احمد یار خان صاحب کی ایک گونہ وکالت کی ہے تو آپ اپنے مفتی اعظم کی تحریر سے اور اپنے اقرار سے بڑھ کر تحریر اور ثبوت اور کیا مانگتے ہیں؟ اور اگر مراد یہ ہے کہ گیارہویں دینے والے حضرت پیر صاحب سے امید وہم نہیں رکھتے اور یہ ان پر الزام ہے اور اس کے لئے کوئی ثبوت نہیں تو معاف رکھنا رقم الحروف نے بغوش خود بعض علاقوں میں جہلاء کے یہ مشرکانه نظریات ان کی زبانی خود منے ہیں ہم نہ تو کسی کے خلاف بدگمانی کرتے ہیں اور نہ معاذ اللہ تعالیٰ ہمیں بدانت صدور ہونے کا دعویٰ ہے ہم تو لوگوں کی زبانوں سے سنی ہوئی باتوں کے پیش نظر یہ لکھتے اور کہتے ہیں اور بخوبی یہ جانتے ہیں کہ ان بعض الظلمات انہم آپ چونکہ نو عمر ہیں اور پھر ہو سکتا ہے کہ مختلف علاقوں میں آپ کو آنے جانے کا اتفاق بھی نہ ہوا ہو اور عوام و جہلاء سے اتنا اور ایسا سابقہ ہی نہ پڑا ہو جیسا ہمیں پڑا ہے یا آپ تحریک اور تعصب کے پیش نظر صلحہ ان کے اس بداد و غلط عقیدہ کا اقرار کرنا سبب نہ سمجھتے ہوں تو اس میں ہمارا کیا تصور ہے اور آپ عوام الناس کا بلا وجہ تقاضا حاصل کرنے کے لئے ان کا دامن پاک کر رہے ہیں اور مورد الزام ہمیں گردانتے ہیں جو حقیقت کے منہ اس خلاف ہے علاوہ انہیں اکثر گیارہویں کے مواقع پر لوگ بیانگ و دل پر پڑھا کرتے ہیں امداد کن امداد کن الہ اگر حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے امید ورجاء نہیں تو امداد کیوں مانگتے ہیں؟ اور شیخ اللہ کے وظیفہ کیوں پڑھتے ہیں؟

عوام تو پھر عوام ہیں آپ کے اعلیٰ حضرت تو خیر سے فاضل بریلی ہیں انہوں نے غیر اللہ سے مدد

مانگنے کا ایسا پھانک ایجاد کیا ہے جس سے گندے بغیر کوئی بریلومی بریلومی نہیں ہو سکتا اور نہ ان کا صحیح معنوں میں عقیدہ تہمند ہو سکتا ہے۔

انہیں کی اپنی بولی اور زبان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

۱۔ بیٹھے اٹھتے مدد کے واسطے۔ یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا (مدائق بخشش حصہ دوم صفحہ ۵)

یا خدا بہر جناب مصطفیٰ امداد کن۔ یا رسول اللہ از بہر خدا امداد کن (ایضاً ص ۳۲)

اے بدست تو عنان کن مکن کن لانکن۔ و سے حکمت عرش و ماتحت انتری امداد کن (ایضاً ص ۳۲)

احد سے احد اور احمد سے تجھ کو۔ کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث (ایضاً ص ۳۲)

اقتدار کن مکن حق مصطفیٰ را دادہ است۔ زیر تخت مصطفیٰ بر کرسی دیوان توئی (ایضاً ص ۳۲)

پیر پیراں میر پیراں یا شہر جیلان توئی۔ انس جان قدسیاں وغوث انس جان توئی (ص ۳۵)

خدا سے پس لڑائی وہ ہے معطی۔ نبی قاسم ہے تو وصل ہے یا غوث (ص ۳۵)

ولی کیا مرسل آئیں خود حضور آئیں۔ وہ تیری وعظ کی محفل ہے یا غوث

جسے مانگنے نہ پائیں جہاں والے۔ وہ بے مانگے تجھے حاصل ہے یا غوث (ص ۳۵)

تیری چڑیاں ہیں تیرا دانہ پانی۔ تیرا میل تری محفل ہے یا غوث (ص ۳۳)

ترضی شیر خدا مر حب کشا خیر کشا۔ سرور الشکر کشا مشکل کشا امداد کن (ص ۳۳)

یا شہید کربلا یا دافع کرب بلا۔ گل رخا شہزادہ گلگون قبا امداد کن (ص ۳۳)

اے حسین اے مصطفیٰ لراحت جان نوحین۔ راحت جان نوحین وہ بیا امداد کن (ص ۳۳)

محتاج و گدایم و تو ذوالستاج کریم۔ شیخا بلد شیخ عبدالقادر (ص ۳۵)

ذی تھر بھی ہے مازون بھی ہے مختار بھی ہے۔ کار عالم کا مدبر بھی ہے عبد القادر (حصہ اول)

یا رسول اللہ دھانی آپ کی گوشمال اہل بدعت کیجئے

غوث اعظم آپ سے فریاد ہے زندہ پھر یہ پاک ملت کیجئے

یا خدا تجھ تک ہے سب کا منتہی اولیا کو حکم نصرت کیجئے

میر سے آقا حضرت اچھے میاں ہو رضا اچھا وہ صورت کیجئے (ص ۳۵)

مؤلف مذکور عوام اور جہلاء کی بات چھوڑیں اپنے اعلیٰ حضرت کے شہ پائے ملاحظہ فرمائیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے لے کر اپنے حضرت اچھے میاں تک سب سے کھلے لفظوں میں امداد مانگتے ہیں اور یہ تصریح کرتے ہیں کہ انس و جان کا کیا کہنا چڑیاں اور دانہ اور پانی بھی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کا ہے اور تمام جہان کے وہ درجہ میں تو پھر عوام ایسے بڑے دنہ مالکین اور آپ کے اعلیٰ حضرت ہی کہتے ہیں لے مسلمان اسے سنی بھائی اسے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان ارفع کے فدائی آفتاب و ماہتاب پر ان کا کم جاری ہونا کیا بات ہے آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک ان کے نائب ان کے وارث ان کے فرزند ان کے ولیند غوث انقلین غیث اللکونین حضور نور سیدنا و مولانا امام ابو محمد شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سلام عرض نہ کرے الخرد الامن والاعلیٰ ص ۱۲۳ مشرکین مکہ کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ سورج اور چاند پر حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا جاری ہے وَ لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۙ مگر غنا صاحب یہ کہتے ہیں آفتاب ماہتاب پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم جاری ہے اور وہ سیدنا شیخ عبدالقادر پر سلام کہنے بغیر طلوع نہیں کرتا سوال یہ ہے کہ جب حضرت شیخ صاحب پیدایں نہیں ہوئے تھے تو اس وقت سورج بچارہ کیا کرتا تھا یا اور ہے کہ جس کا جس کا ثبوت نص سے ہے اور شمس جس کا ثبوت حدیث سے ہے (علیٰ اختلاف فیہ) یہ مجزہ ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے کما ترضیٰ کا فعل نہیں ہوتا۔ رہا نفع و ضرر پہنچنے اور پہنچانے کا قصہ تو ہم نے اپنی کتابوں مثلاً دل کا سرور وغیرہ میں اور خود اسی کتاب میں تصریح کر دی ہے کہ عالم اسباب اور ماتحت الاسباب اگر کسی چیز سے کسی کو نفع یا ضرر پہنچے تو یہ شرک نہیں ہے کیونکہ یہ عالم اسباب کی چیزیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان میں نفع و ضرر کا اثر رکھا ہے لہذا نہ ہر ذریعہ کا ذکر کر کے عوام الناس کو الجھاؤ میں ڈالنا اور ناخواہہ حواریوں کو یہ باور کرانا کہ ہم جواب دے رہے ہیں بے سود اور ہے ہاں مافوق الاسباب طریق سے کسی چیز میں نفع و ضرر سمجھنا اور عالم اسباب سے بالاتر ہو کر کسی سے امید و بیم کا نظریہ اور اعتقاد رکھنا یہ بالکل شرک ہے لاشک فیہ اور اوجہ بعض جہلاں اس میں باطل نظر سے گیارہویں دیتے ہیں تو اس کے شرک ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور اسی طرح علمی اور تحقیقی مسائل میں علماء دیوبند و جن کو آپ اپنے دل ماؤف کی بھڑاس نکالنے کے لئے اصنام دیوبند سے تعبیر کرتے ہیں، اکی طرف رجوع کر کے استفادہ کرنا عالم اسباب اور ماتحت الاسباب اور میں سے ہے اس کا شرک سے کیا واسطہ ہے؟ کیونکہ ہمیں ربط و تعلق سے ہر قسم کی ہے۔

مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ اور اگر علی وجہ العبادت نافع و ضار اعتقاد کرنا اور تقرب علی وجہ العبادت شرک ہو تو آپ کا مضمون باطل ہو گیا اور اس پر انہوں نے درختنا اور شامی کے حوالے دینے ہیں نہ معلوم یہ کس خیال پر مبنی ہے ایسا لگتا ہے کہ مؤلف مذکور حضرت فقہاء کرام کی عبارات سے بالکل ناواقف ہیں اور جو چیل مرکب کا شکار ہیں۔ اولاً اس لئے کہ ہم نے تنقید متین ص ۱۶۱ میں درختنا ص ۳۹۹ کا یہ حوالہ دیا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی امیر اور اسی کی مانند کسی بڑے آدمی کی آمد پر جانور ذبح کیا تو وہ جانور حرام ہو گا کیونکہ وہ مَا اُجِدَ يَغْيِرُ اللّٰهَ کی مد میں ہے اگرچہ بوقت ذبح اس پر اس نے بسم اللہ بھی پڑھی ہو اور اکلیل ج ۱ ص ۱۵ وغیرہ کے حوالے سے ہم نے ص ۱۶۱ میں نقل کیا ہے کہ تقرب بغیر اللہ کی نیت سے ذبح کرنے والا مسلمان مرتد ہو جاتا ہے اور اس کا ذبح کیا ہوا جانور حرام ہوتا ہے ان عبارات میں ذبیحہ کے حرام ہونے اور اس شخص کے مرتد ہونے کی وجہ عبادت تو نہیں بلکہ تقرب اور تعظیم ہے پھر کیونکہ شرک کو عبادت ہی کے پہلو میں منحصر سمجھا جائے؟

دو تالیما ہم نے تنقید متین ص ۱۶۱ میں البحر الرائق ج ۲ ص ۲۹۵ اور شامی ج ۳ ص ۱۶۵ کے حوالے سے مفصل عبارات لکھی ہے کہ اولیاء کرام کے تقرب کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے وہ باطل و حرام ہے ایک تو اس لئے کہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کے لئے عبادت جائز نہیں اور دوسرے اس لئے کہ جس کے لئے نذر مانی گئی ہے وہ نیت ہے اور نذر کی چیز وہ اپنی ملک میں نہیں لے سکتی اور دوسرے اس لئے کہ نذر ماننے والے کا یہ گمان ہوتا ہے کہ نیت اللہ تعالیٰ کے ورے معاملات میں تصرف کرتی ہے سو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر صرف غیر اللہ کی عبادت ہی کفر و شرک ہے تو حضرات فقہاء کرام اور علی الخصوص علامہ رشامی کو یہ میسر ہی وجہ و منہا ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ فلعلقلہ بذلک کفر، الگ بیان کرنے کی کیا مصیبت اور ضرورت تھی جب کہ پہلے وجہ میں عبادت کا صراحت سے ذکر آچکا ہے اور عجیب بات ہے کہ نذر ماننے والے نے تو صرف غیر اللہ کے لئے نذر ہی مانی ہے نہ تو لفظ عبادت کہا ہے اور نہ اُس نے اس کو عبادت سمجھا ہے مگر حضرات فقہاء کرام نذر کو عبادت ہی سے تعبیر کرتے ہیں تو لفظ مذکور کی یہ انتہائی کم علمی اور خام عقلی ہے کہ وہ شرک کو صرف دو چیزوں میں منحصر سمجھتے ہیں حالانکہ دنیا میں شرک کی بے شمار اقسام ہیں اور پہلے بھی ہم اس پر بقدر ضرورت بحث

در مختار ج ۲ ص ۲۳۷ نوکلشور دناوی عزیزی اور الف لیلہ اور الاشباہ والنظائر میں ہے

یعنی امام الفضلی اور امام اسمعیل الزاہدی کے علاوہ جمہور فقہاء کرام میں شخص کی تکفیر ہی کرتے ہیں جو کسی بڑے شخص کی آمد پر تعظیم و تقرب کے طور پر جانور ذبح کرتا ہے لیکن امام فضلی اور اسمعیل فرماتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شاید ذبح کرنے جانور تقرب و تعظیم کے طور پر ذبح کیا ہو بلکہ کرام ضیف کے طور پر یا اس کی آمد کی خوشی پر استنشاق لقمہ دہا کہ اتورا الرافعی راجع نووی ج ۲ ص ۱۱۱ و فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۲۱ ذبح کیا ہو کیونکہ مسلمان کے فعل کو کسی اچھے عمل پر ہی عمل کرنا چاہیے لیکن ذبح تو اس میں ہے کہ جو شخص غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم ہی کا قصد کرے تو اس کا کیا حکم ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب و اہل یغیر لہند کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

دکذالوذبح شاة علی النصب من الانصاب
او علی قبور من القبور و قصد به التقرب
الی صاحب القبر او صاحب النصب و ذکر
اسم اللہ علیہا الاصل بهذا النص الصریح
و صد اذکل ذالک علی قصد التقرب الی غیر
اللہ اذ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۳)

اسی طرح اگر کسی نے بتوں میں سے کسی بت پر یا قبروں میں سے کسی قبر پر بکری ذبح کی اور اس سے اُس نے صاحب قبر اور جس کے نام کا بت ہے اس کا قصد کیا اور بسم اللہ بھی اس نے اُس پر پڑھی تو اس نص صریح کی وجہ سے وہ حلال نہیں اور اس سب کا روای کی مدار تقرب الی غیر اللہ کے قصد پر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں ایسے بد بخت بھی ہیں جو صاحب قبر اور صاحب بت کے تقرب کا قصد اور نیت بھی کرتے ہیں اور ایسے ہی مشرک کے بارے ہماری گفتگو ہو رہی ہے اور تقرب اور تعظیم کا یہی پہلو بعض اوقات عبادت کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور علامہ شامی کی عبارت میں علی وجہ العبادت اسی تقرب کو مشرک کہا گیا ہے کیونکہ تقرب کی بعض صورتیں مثلاً تقرب لاکرام الضیف والانتفاع بالعلم وغیرہ ایسی بھی ہیں جو مشرک کی مد میں نہیں ہیں جن کا ذکر عقرب آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

علاوہ ازیں مؤلف مذکور نے علامہ شامی کی پوری عبارت نقل نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے ان کے دجل کی قلعی کھل جاتی ہے علامہ شامی کی پوری عبارت یہ ہے۔

قوله انه بتقرب الی الہی ای علی وجہ العبادت ان کا یہ قول کہ وہ اس طریق سے آدمی کا تقرب کرنا ہوگا

وانہ المكفر لکن لما كان فی ذالک تعظیم
لہ لم تکن التسمیة مجردة لله تعلقا حکما
کما لو قال بسم اللہ و اسم فلان حرمت
ولا ملازمة بین الحرمة و الکفر كما قد مناه
من المقدسی فافهم انتہی
(شامی ج ۵ ص ۲۱ طبع مصر)

یعنی عبادت کے طور پر کیونکہ یہی موجب کفر ہے لیکن جب اس میں غیر اللہ کی تعظیم ہے تو حکماً بسم اللہ پڑھنا اللہ تعالیٰ کے لئے خاص نہ ہوا جیسا کہ کوئی ذبح کرتے وقت کہے اللہ تعالیٰ کے نام سے اور فلاں کے نام سے تو یہ حرام ہے اور حرام ہونے اور کفر میں کوئی تلامز نہیں ہے جیسا کہ ہم نے امام مقدسی سے سیکھ لیا ہے اس کو خوب سمجھو۔

یعنی یہ ضروری نہیں کہ جو چیز حرام ہو وہ کفر بھی ہو، ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کفر نہ ہو لیکن حرام ہو گیا امام فضلی اور امام زاہدی کا جمہور فقہاء کرام سے اختلاف کفار و عدم کفار کا ہے اس کے حرام ہونے میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ آپ اگر واقعی مسلمانوں کو مشرک بنانے پر تلے ہوئے ہیں تو پھر یہ ثابت کیجئے کہ جب لہ بڑے پیر کو معبود سمجھ کر پوجتے ہیں و بدو نہ خراطاقتا یہ نصوص قطعاً سے بے خبری کا نتیجہ ہے مثلاً ان تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَإِنَّ الشَّيْطَانَ كَيْدٌ خَوْنٌ إِلَىٰ أُولِي بَيْتِهِمْ
لِيَجَادُوهُمْ وَكَوْكُهُمْ وَإِنَّ أَطْعَمَهُمْ مِنْكُمْ
لَكُنْشِرُكُمْ وَهَدَىٰ - (الانعام ۱۱۰)

ترجمہ ہم نے آپ کے اہل حضرت کا نقل کیا ہے اس کی تفسیر میں آپ کے صدر الافاضل لکھتے ہیں ص ۲۱ اور اللہ کے حرام کئے ہوئے کو حلال جانو ص ۲۴ کیونکہ دین میں حکم الہی کو چھوڑنا اور دوسرے کے حکم کو ماننا اللہ کے سوا اور کو حاکم قرار دینا مشرک ہے (ص ۲۱)

اور مفتی احمد یار خاں صاحب آخری جہاں کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں جو مشرک کرے وہ مشرک جو مشرکوں سے دینی محبت کرے وہ مشرک جو مسلمانوں سے منہ صنی نفرت رکھے وہ بھی مشرک کافر ہے (نور العرفان ص ۲۲) دنیا میں منویہ فرقہ کے بغیر جو یزدان و اہرمن کے پکر ہیں مبتلا ہے وہ کون اتنی ہے جو شیاطین اور ان کے چیلوں کو معبود سمجھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے کہ ان کی اطاعت کرنا ہی مشرک ہے اور آگے جو مشرک آپ کے صدر الافاضل اور مفتی صاحب نے کی ہے وہ بھی بالکل واضح

ہے جو شرک کی بے شمار قسموں میں سے بعض میں تو یہ دعویٰ کرنا کہ شرک جیسی ہو گا کسی کو بے سود سمجھا جائے جیسا کہ مولف مذکور نے کیا ہے نری جہالت ہے اور دین کے واضح احکام سے بالکل بے خبری ہے مولف مذکور کا شریعت گنہگار ہونے سے حضرت شیخ الحدیث کا یہ شعر نقل کرنا تہا ہی تربت انور بالکل بے موقع اور بے عمل بات ہے اور اپنے نام خواندہ اور حقیقت ناشناس حواریوں کو پھکر دکھانے کا ایک ناکام حربہ ہے اس لئے کہ حضرت مولیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ربّ آدنیٰ فرمایا تھا اور حضرت شیخ الحدیث اپنے پیرو مشد کو اسی مرتبہ میں شیخ رانی سے تعبیر کرتے ہیں تشبیہ صرف اس بات میں ہے کہ جیسے حضرت مولیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ربّ آدنیٰ فرمایا ہے رب کی رویت اور دیدار کا سوال کیا تھا میں آپ کی قبر کو طوس سے تشبیہ دے کر آپ کے دیدار کا متمنی ہوں فرمائیے اس میں شریعتاً کیا اور کونسی قباحت ہے؟ اور یہ بات باحوالہ اپنے مقام پر عرض کی جا چکی ہے علامہ عینی فرماتے ہیں۔

قلت التشبيه لا عموم له فلا يلزم ان
يكون في جميع الاجزاء
(عمدة القاری ج ۳ ص ۱۱۱)

اور حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔
والتشبيه لا يشترط فيه المساواة من
كل جهة (شرح نخبة الفكر ص ۱۱۱)

الغرض اپنے استاد اور پیرو مرشد کے فراق اور مرتبہ میں شاعرانہ تخیل کے طور پر مبالغہ اپنے مرشد کی تربت کو طور سے تشبیہ دے کر (جو خود ان کی عبارت میں مصرع ہے) یہ آرزو کرنا کہ بعد از مرگ بھی مجھے ان کا دیدار نصیب ہو اس کا شرک سے کیا تعلق ہے اور اس قسم کی غیر متعلق باتوں کی خواہ مخواہ فضول بھرتی سے مولف مذکور کو کیا حاصل ہے؟ مگر وہ کہہ سکتے ہیں۔

سے نہیں ملتا سخن اپنا کسی سے ہمارے گفتگو کا دھب جدا ہے
نذر پوری نہ ہونے پر ضرر کا ترتب | مولف مذکور کہتے ہیں کہ نذر پوری نہ ہونے پر ضرر کے ترتب کا عقیدہ آپ نے عوام اہل سنت یا جہلاؤ کی طرف بلا شہادت منسوب کر دیا ہے آپ اس پر کوئی حوالہ اور سند نہیں لائے یہ عقیدہ آپ کے سلف میں موجود ہے۔

پناہ امت دیوندا کا واحد سہارا شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کی کرامات کے باب میں ذکر فرماتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ فریاد بیک کو کوئی مشکل آ پڑی اس نے نذر مانی کہ اے خدا اگر یہ مشکل حل ہوگی تو میں اس قدر ہدیہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کروں گا پناہ وہ مشکل حل ہوگی اور وہ نذر پوری کرنا بھول گیا کچھ عرصہ بعد اس کا گھوڑا بیمار ہو گیا اور ہلاکت کی دہلیز تک پہنچا میں اس بیماری اور ہلاکت کے سبب پر مطلع ہوا اور ایک خادم کے دریلے پیغام بھجوایا کہ یہ بیماری نذر پوری کرنے کے سبب سے ہے اگر گھوڑے کی خیریت چاہتا ہے تو غلام نذر جیسے غلام جگہ مانا تھا پوری کر۔ وہ اپنے فعل پر نادم ہوا اور نذر ارسال کی اور اسی وقت اس کا گھوڑا شفا یاب ہو گیا (انفاس العارفين ص ۱۱۱)۔

اللہ اکبر آپ کہتے ہیں کسی کو نافع و ضار سمجھنا بھی شرک ہے تقرب بغیر اللہ بھی شرک ہے اور شاہ صاحب فریاد بیک کو اپنے تقرب اور اپنے نفع و ضرر کی تلقین کر رہے ہیں فریاد بیک تو خیر آپ کے نزدیک شرک ہوا ہے لیکن شاہ صاحب کا مقام آپ کے دل ابلیس سے کیا کم ہوگا؟ اپنی عبادت پر رغب کرنا شیطان لعین کا کام ہے اگر آپ کے دل میں انصاف کا شمع بھی موجود ہے تو شاہ عبدالرحیم صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب سے بیزاری کا اعلان کریں پھر جو لوگ آپ کے فتویٰ کی زد میں آتے ہیں ان کی عبارتوں کو بطور دلیل آپ کیوں پیش کرتے ہیں؟ جن امور کو دیوندا بیانگ و دل کفر و شرک حرام و بدعت کہتے ہیں ان تمام امور میں ان کے اکابر و اصغر سر سے پاؤں تک غرق ہیں آخر کب تک دیوندا کے ان تبوں کی پوجا ہوگی اب وقت آ گیا ہے کہ ان کے چہروں سے مکرو فریب کی نقاب اتار کر عوام کو ان کے اصلی چہروں سے روشناس کرایا جائے (محصلا ص ۱۱۱)۔

الجواب مولف مذکور کو ان کی پارٹی کے بعض سہارا دینے والوں نے بلا وجہ محقق۔ مناقب علامہ اور قلم کے ذہنی کا خطاب دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ مولف مذکور کو علم و فہم سے کوئی سروکار نہیں ہے بلکہ جو غیر متعلق حوالے اور ادھر ادھر سے فضول بھرتی کر کے وہ بلا وجہ خوش ہو رہے ہیں اور یہ بے کار بھرتی بھی ان کو ہرگز سود مند نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ ایک ہے نذر پوری نہ ہونے پر ضرر کا ترتب یا دوسرے اور ایک ہے اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو نافع اور ضار سمجھنا جس کے قبضہ اور بس میں نفع اور ضرر ہے۔ اب چیز ہے ان حوالے سے جو ثابت ہے وہ پہلی چیز ہے اور سلف مذکور کا دعویٰ دوسری چیز کا اثبات

ہے چنانچہ مولف مذکور انفس العارفين کا حوالہ نقل کرنے کے بعد اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمیں سماتے = انشا کہ آپ کہتے ہیں کسی کو نافع و ضار سمجھنا بھی شرک ہے۔ تقرب بغیر اللہ بھی شرک ہے اور شاہ صاحب فرما دیگے کو اپنے تقرب اور اپنے نفع و ضرر کی تلقین کر رہے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ بیماری نذر پوری نہ کرنے کے سبب سے ہے (کہا میں بیماری بسبب عدم وفاء نذر است) کیونکہ نذر و سنت ماننے والے کا کام جب پورا ہو جائے تو اس پر نذر کو پورا کرنا تقبی طور پر لازم اور واجب ہوتا ہے اور یہ تکلیف اس واجب کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے ہوتی اس میں انہوں نے اپنے نافع و ضار ہونے کی تلقین کب کی ہے؟ اور اس میں تقرب بغیر اللہ کا سبق کہاں دیا ہے؟ و تاہم اس عبارت میں تصریح ہے کہ اے خدا اگر یہ مشکل حل ہوگئی تو میں اس قدر بدیدہ شاہ صاحب علی الرحمۃ کی خدمت میں پیش کروں گا بار خدایا اگر میں مشکل برآید میں قدر مبلغ حضرت ایشاں ہدیہ برم) اس عبارت میں تصریح ہے کہ نذر ماننے والا نافع و ضار صرف خدا تعالیٰ ہی کو سمجھ رہا ہے اور اسی سے التجا کرتا ہے کہ اگر میری مشکل حل ہوگئی تو میں اس قدر بدیدہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کروں گا نذر اس نے حضرت شاہ صاحب کے لئے نہیں مانی نذر تو خدا تعالیٰ کے لئے مانی ہے ہاں اس نذر کی رقم اور ہدیہ کے مصرف شاہ صاحب ہیں اور یہ ان کے لئے ہدیہ ہے اور دینے والا جب حضرت شاہ صاحب کی زندگی میں ان کو ہدیہ دینا چاہتا ہے تو گویا ایک گونہ ان کو محتاج سمجھ کر ہدیہ پیش کرتا ہے نہ کہ نافع و ضار سمجھ کر و تاہم بعض جہادرجن کی بات ہو رہی ہو گیارہویں دینے سے قبل ہی یہ غلط عقیدہ اور نظریہ قائم کئے ہوتے ہیں کہ اگر ہم نے بردقت گیارہویں نذوی تو ہمیں نقصان و خسارہ ہوگا اور خدا نخواستہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے طبعی طور پر کسی وقت ان کو کوئی تکلیف پہنچی ہے تو جھٹکوسی اس سے ملاتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ہم سے کوئی کمی و کوتاہی سہزہ ہوگئی ہے اور یہاں معاملہ یہ ہے کہ فرما دیگے بیچارہ نہ تو پہلے اس نظریے کا قائل ہے کہ حضرت شاہ صاحب نافع و ضار ہیں اور نہ تکلیف پہنچنے کے بعد ہی وہ گھوڑے کی بیماری کا سبب سمجھ سکا ہے اس کو تو زراہ ہمدردی اور خیر خواہی حضرت شاہ صاحب نے اپنی دینی بصیرت اور علمی فراست سے یہ پیغام بھیج کر بنایا ہے کہ تیرے گھوڑے کی بیماری کا سبب عدم وفاء نذر ہے بتانے کے بعد پھر کہیں اس کو بات سمجھ آئی ہے اور حضرت شاہ صاحب نے لالچ و طمع کے طور پر نہیں دیکھو کہ وہ حضرات بڑے ہی خدا

سیدہ ہوتے تھے) بلکہ ایک مسلمان کے ساتھ ہمدردی کے طور پر یہ فرمایا کہ نذر پوری کرو تاکہ دائیہ فو
نذر وہم کا قرآنی حکم بھی پورا ہو اور دینے والا یغون (بخاری ج ۱ ص ۳۶۲) کی حدیث
کی زد سے بھی بچا جاسکے۔ الحاصل انفس العارفين کے اس حوالہ سے نہ تو حضرت شاہ صاحب کا نافع
و ضار ہونا ثابت ہے اور نہ فرما دیگے کا بغیر اللہ تقرب کرنے کا ثبوت ہے اور نہ تو وہ کافر و شرک ہے اور
نہ حضرت شاہ صاحب ہی معاذ اللہ تعالیٰ شیطان ہیں اور نہ انہوں نے اپنی عبادت کی تلقین کی ہے
اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب دونوں عالم ہونے
کے علاوہ اہل اللہ میں سے بھی تھے اور علماء و لوہندان کی صریح اور شہوس عبارات سے استدلال کرنے میں
حق بجانب ہیں اور ان کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ آپ اپنے دل مؤلف کی بھڑاس
زکانے کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو امت دیوبند کا واحد سہارا کہ اور مولوی محمد عمر صاحب
ان کو بد رنگ کہہ کر ان سے وابستگی سے گریز کرتے ہیں (دیکھئے مقیاس حنفیت ص ۵۷ طبع جہانم) جن
کی عبارات تیز نشتر کی طرح آپ حضرات کے سینوں کو زخمی کرتی ہیں اور پھر سمجھدرا نوام کے سامنے آپ
لوگوں کی جہالت اور پیٹ پروری کی جو آپ کا متاع عزیز ہے خوب خوب نقاب کشائی ہوتی ہے
کہ نہ تو اگتے بنے اور نہ نکلنے سے

کوئی صاحب نہ ہوں لہذا ناخوش ہو سکتے یہ صریح خیال حجت قومی پیچھے اور فکر شکم پہلے
بارہ سال کا بیڑا تنقید تین میں بعض جہاد کے اس غلط نظریہ کا رد کیا گیا تھا کہ کامل و نامثل ایک
بیرو و صہ با سیر چاول نہ ملنے کی وجہ سے جوش انتقام میں اگر عین شادی کے موقع پر نہ ہوا ان کا بیڑا
خوق کروے (محصلا) اور مفتی احمد یار خاں صاحب کے حوالہ کو تنقید تین میں افسانہ اور گپ سے
تعبیر کیا گیا تھا اس پر مولف مذکور گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اولاً بارہ سال کا غرق شدہ بیڑا پار
کرنا حضرت شیخ صاحب کی مشہور کرامت ہے اور لکھتے ہیں کہ آپ نے حضرت شیخ صاحب پر خالص افتراء
باندھا ہے کہ انہوں نے گیارہویں وصول نہ ہونے کی بنا پر نہ ہوا ان کا مع اپنے بھائیوں کے بیڑا خوق کر دیا
اور گیارہویں وصول کے بارہ سال بعد بیڑا پار کر دیا ہماری تحقیق یہ ہے کہ حضرت شیخ صاحب کو دریا کے
کنارے ایک معمولی بڑھیا نظر آئی دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ بارہ سال ہوئے ہیں کہ ان کا نوجوان شیام
بڑھوں کے خوق ہو چکا ہے اسلامی اور دینی ۲۱۹ سے آپ کا دل بھرا مسجد میں سر رکھ کر دھا

ناگلی اسے اللہ اس بڑھیا کے بیٹے اور برائےوں کے غرق شدہ بیٹے کو نکال دے قادر مطلق اور کارساز حقیقی نے اپنے بندہ کامل کی دعا منظور فرمائی اور غرق شدہ بھرا نکال دیا۔ جو اللہ سلطان اللہ کامل مناقب الابرار) و ثانیاً اس واقعہ کے محال ہونے کی یا تو یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ غرق شدہ بیٹے کو پار لگانا اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی سے باہر موجود قطعاً محال ہے کیونکہ ان اللہ علیٰ کل شیء قدير کیسے افسوسناک بات ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے لئے کذب اور زنا جیسی قباحت جو محال بالذات ہے ثابت کرتے ہیں اور قدرت الہیہ کا وظیفہ رٹنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ محال بالذات تحت قدرت نہیں ہوتا اور بارہ سال کا ڈوبا ہوا بیٹا ترانا امر ممکن اور جائز الوقوع ہے اسے قدرت الہیہ سے بعید سمجھ کر بے جا تاویل شروع کر دیتے ہیں جب کہ مردوں کا زندہ کرنا قدرت الہیہ میں امر ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے حضرت عزیر علیہ السلام کا سو سال کے بعد زندہ ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعدد واقعات میں جدید قیام مردوں کو زندہ کرنا ہے و ثانیاً اگر آپ اس واقعہ کو قدرت الہیہ میں جائز الوقوع مانتے ہیں تو اس کے محال ہونے کی ایک ہی وجہ رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی دعا سے کوئی اُخرق عادت نہ ظاہر فرماتا ہو قرآن کریم میں ہے کہ حضرت مرثد کے پاس بے موسیٰ پھیل آتے تھے اور اصف بن برخیا کو اللہ تعالیٰ نے تخت کو مسافت کثیرہ سے پلک جھپکنے سے پہلے لانے پر قادر کر دیا آپ کے حکیم الامت نے بھی اس کو تسلیم کر لیا ہے یہ واقعات تو سابقہ ابدالیاں کے اولیاء پر ظاہر ہوئے پھر امت محمدیہ کے اولیاء پر اور خصوصاً اس ولی پر جو قدسی ہندہ علی رقبۃ کل ولی کا وصف رکھتا ہو کرامت کا دروازہ کس طرح بند ہو جائے گا مشکوٰۃ شریف صفحہ ۹ میں ہے اگر میرا ولی مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا فرمادگا تو پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مراد پوری نہ کر کے اپنا وعدہ پورا نہیں فرمایا یا تو آپ راضیوں کی طرح حضرت شیخ صاحب کو ولی نہیں سمجھتے یا خدا کو جھوٹا سمجھتے ہیں (معاذ اللہ) و ثانیاً جی انفس العارفين سے گزر چکا ہے کہ آپ کے مسلم پیر شاہ عبدالرحیم نے نذر وصول نہ ہونے پر ایک گھوٹے کا بیڑا غرق کر دیا اور نذر لے کر چھوڑی گستاخی معاف یہ انتقام کس شریعت سے جائز ہوگا دعا سنا اگر آپ ٹھہرے ہوئے جہاز کے ترانے کے انکار پر اصرار ترک نہیں کرتے تو کرامات امدادیہ کا مطالعہ کیجئے تھانوی صاحب کے پیر کی ایسی کرامتیں مل جائیں گی اور اگر مردہ زندہ کرنے کو آپ غریب سمجھتے ہوں تو شریک لنگوہی ملاحظہ کریں یہ اجمال ہے تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ نیز بارہ سال کی ڈوبی

ہونی کتنی تزاوینے کا واقعہ بہر حال قطعی سے ثابت ہے ہی نہیں کہ اس پر ایمان لانا ضروری قرار دیا جائے اس قسم کے واقعات خطابیات کے قبیل سے ہوتے ہیں جو اگر روایات صحیحہ سے ثابت ہوں اور اصول دینیہ سے متعارض نہ ہوں تو انہیں ظن کے درجہ میں مان لینا کافی ہوتا ہے مولوی سرفراز صاحب کی اصل چونکہ اعتراض پر مبنی ہے اس لئے انہوں نے غوث اعظم کی اس کرامت کو روایت طوعاً و کرہاً تسلیم کر لیا ہے درایت تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کی یہ تاویل کی ہے کہ کسی بڑھیا کا کوئی بڑا کا دس بارہ سال آٹھ کی کے دریا میں غوطے کھاتا رہا ہوگا اور شیخ کی دعا سے ہدایت پالیا ہوگا (محصلاً) جواب یہ ہے کہ کسی بھی واقعہ کو اس کے ظاہر سے بٹانے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب اس کے ظاہری محصل پر کوئی استغناء شرعی یا عقلی لازم آتا ہو اور بارہ سال کا بیڑا ترانا امر حارق للعادۃ ہے اور اولیاء سے اس کا صدور جائز ہے شرح عقائد صلا میں ہے کہ ولی کی کرامت اس کا کسی امر حارق عادت کو ظاہر کرنا ہے جو دعویٰ نبوت سے متفرق نہ ہو اور اگر اب بھی آپ کو پس و پیش ہے تو اراج ثلاثہ کا مطالعہ کیجئے جو الف سے لے کر ایک سلف دیوبند کی مزموہ کرامات سے بھری پڑی ہے (انتہی و محصلہ) ص ۸۳ تا ۸۷

الجواب۔ مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ تحریر کیا ہے بالکل تطویل لا حاصل ہے اور زری تغافل اور دفع الوقتی ہے ہم بفضلہ تعالیٰ ترتیب و اران کی باتوں کا جواب عرض کرتے ہیں غور فرمائیں اول تو اس لئے کہ ہم نے حضرت شیخ صاحب پر کوئی افتراء نہیں باندھا بلکہ ان کو کامل ولی کہہ کر عوام اور جہلاء کا ان کے بارے غلط نظریئے کا رد کیا ہے افتراء بعض جہلاء کا ہے جس کا ہم نے رد کر کے حضرت شیخ صاحب کے دامن کو اس سے پاک کیا ہے مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ ہم نے معاذ اللہ تعالیٰ افتراء باندھا ہے بیشرہ و دماغ کی کمی پیداوار ہے ہم نے اس واقعہ کی جو توجیہ بیان کی ہے وہ اس سے کئی مرتبے بڑھ کر صحیح ہے جو انہوں نے سلطان الازکار فی مناقب الابرار کے حوالہ سے نقل کی ہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات میں احیاء موتی کا ثبوت تو قطعی الثبوت اور قطعی الدلائل نصوص سے ثابت ہے اور حضرات اولیاء کرام کی کرامات میں احیاء موتی کے واقعات کن قطعی الثبوت اور قطعی الدلائل نصوص سے ثابت ہیں تاکہ ایسے واقعہ کو تسلیم کر کے ان کا ایک فرد تصور کیا جائے یا کتب تاریخ و سیر اور کتب اسماء رجال وغیرہ میں بزرگوں کی کرامات میں بعض واقعات ہم نے بھی پڑھے ہیں اگر آپ محنت شاقہ سے دس واقعات بھی ایسے ڈھونڈ سکتے ہیں

تو بفضلہ تعالیٰ ہم باحوالہ ان سے کہیں بڑھ کر عرض کر سکتے ہیں لیکن یہ تمام واقعات ظنی ہیں قطعی نہیں آپ نے جو قدسے علمی اور کلام کی باتیں اپنی کتاب میں لکھی ہیں ان میں سے ایک آپ کے الفاظ میں یہ بھی ہے کہ نیز بارہ سال کی ڈوبی ہوئی کشتی تیرا دینے والا واقعہ بہر حال قطعی سے ثابت ہے ہی نہیں کہ اس پر ایمان لانا ضروری قرار دیا جائے اس قسم کے واقعات خطابیات کے قبیل سے ہوتے ہیں جو اگر روایات صحیحہ سے ثابت ہوں اور اصول وغیرہ سے متعارض نہ ہوں تو انہیں ظن کے درجہ میں مان لینا کافی ہوتا ہے (ص ۸۲)۔ سوال یہ ہے کہ ایسے بڑے خطابی اور ظنی واقعات کو سہارا دینے کی کیا ضرورت ہے جس سے جہلاء کے عقیدے مزید خراب ہونے کا خطرہ ہو اور فرماؤں و شواہد اس پر جو ہوں کہ وہ تنکوں کے پل پر سے اپنی نسلیں گزارنے کا وہاں کھلے بیٹھے ہوں یہ دین کی کونسی خدمت ہے۔ اور دوم اس لئے کہ بارہ سال تو درکنار بارہ ہزار سال کے غرق شدہ بیڑے کا نکال دینا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور نہ تو یہ ناممکن ہے اور نہ محال بالذات ہے لیکن سب کے لحاظ سے اس کا ثبوت بھی تو ہونا چاہیے اور آپ خود اس کو قطعی سے ثابت نہیں مانتے اور خطابی اور ظنی کہہ کر گلو خلاصی چاہتے ہیں رُطاب کا یہ لکھنا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے لئے کذب اور زنا جیسی قباحت کو جو اللہ تعالیٰ کے لئے محال بالذات ہے ثابت کرتے ہیں البتہ تو آپ کا اپنے بڑوں کی طرح نرا جمل ہے۔

کیونکہ کسی دیوبندی عالم نے اللہ تعالیٰ کے لئے معاذ اللہ تعالیٰ کذب نہیں ثابت کیا خلف و عید اور امکان کذب کا مسئلہ الگ ہے کہ کیا خلاف واقع جملہ بولنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے یا نہیں ۹۔

اصل کتاب تنقیح متین میں فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ سے اس پر باقاعدہ بحث موجود ہے کہ اہل حق کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے لیکن نہ اس نے کبھی بولا ہے اور نہ بولے گا اور اگر خلاف واقعہ جملہ بولنا محال بالذات ہے تو چاہیے کہ مخلوق بھی اس پر قادر نہ ہو حالانکہ ابھی آپ نے دیوبندیوں کے خلاف جھوٹ بولا ہے کہ وہ خدا کے لئے کذب ثابت کرتے ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ) اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ لوگوں کے نزدیک معاذ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی قدرت مخلوق کی قدرت سے بھی کمتر ہے کیونکہ محال بالذات کسی صورت اور کسی تقدیر پر واقع نہیں ہوتا اور آپ کی یہ بات بجا ہے کہ محال بالذات تحت قدرت نہیں ہوتا (اصل حالانکہ اس کتاب میں آپ نے بے شمار جھوٹ بولے ہیں نہ معلوم ان محال بالذات امور پر آپ کیسے قادر ہو گئے ہیں؟ یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اہل حق کے نزدیک صفت کلام ثابت ہے اور وہ مستکلم ہے اور کلّمہ اللہ

مؤنسی تکلیف اس کا واضح ثبوت ہے اور کتب کلام و عقائد میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث موجود ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کو تکلم تسلیم کر کے واقع کے مطابق جملہ پر اسے قادر تسلیم کرنا اور خلاف واقع جملہ بولنے پر اس کی قدرت تسلیم نہ کرنا اس کی بے انتہا قدرت کو محدود کرنا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) مولف مذکورہ کا یہ دوسرا اور صریح جھوٹ ہے کہ علامہ دیوبند کتریم اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے زنا ثابت کرتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) مولف مذکورہ کا اخلاقی فریضہ ہے جس سے وہ سراسر محروم ہیں کہ وہ صاف اور صریح الفاظ میں علامہ دیوبند کے حوالہ سے یہ ثابت کریں کہ فلاں کتاب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے زنا ثابت ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) مگر صد افسوس ہے کہ اتنا اور ایسا صریح جھوٹ بول کر بھی ان کو قطعاً شرم نہیں آتی سچ ہے کہ بے حیابا باش و بہرچہ خواہی کن۔ چونکہ زنا کے لئے جسم اور جسمانی اعضاء اور کار میں اور اللہ تعالیٰ ان سے منزہ اور پاک ہے اس لئے وہ اس قباحت سے جس مبرا ہے باقی حضرت عمر علیہ السلام کا واقعہ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجیاموتی کے معجزات خصوصاً قطعیت سے ثابت ہیں جن کا کوئی مسلمان منکر اور محال نہیں لہذا ان کا ذکر اس موقع پر بالکل غیر متعلق ہے اور سوم اس لئے کہ ہم کلمات اولیاء کرام کے منکر نہیں بلکہ دلائل کے ساتھ مثبت ہیں اور راہ ہدایت وغیرہ میں ہم نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت آصف بن برخیا کے واقعات خصوصاً قطعیت سے ثابت ہیں ہم دل و جان سے ان کو تسلیم کرتے اور ان پر ایمان لاتے ہیں ہم حرق عادات کے قورع کے ہرگز منکر نہیں بلکہ ذرئی دلائل سے ہم ان کا اثبات کر چکے ہیں اس لئے ان کو دریمان میں لانا بجا امر ہے اسی طرح حضرت شیخ صاحب کا یہ ارشاد کہ میرا قدم تمام ولیوں کی گردن پر ہے بجا ہے کہ ان کے بعد اس سلسلہ کے آنے والے ولی اور بزرگ ان سے تصوف کے فن کے خوش چین ہیں اور آج تک فارسی سلسلہ شہور چلا آرہا ہے ان کے ارشاد کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کو خدائی اختیارات حاصل تھے اور وہ نافع و ضار تھے جیسا کہ عوام کا خیال ہے اور بنی زبان سے جس کے اثبات کے درپے مولف مذکور میں حاشا و کلا خدائی کوئی صفت ان کو حاصل نہ تھی وہ بڑے موجد اور داعی توجیہ مستغنیٰ غیبیہ الطالبین اور فتوح الغیب ان کی اپنی تصنیف کردہ کتابیں ہیں اور ان میں ان کے ارشادات متویہوں کی طرح چمک رہے ہیں ہم بفضلہ تعالیٰ حضرت شیخ صاحب کو اپنے ایک سلسلہ کا رئیس اور لیار تسلیم کرتے ہیں اور ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رافضیوں اور ان کے بھائیوں کے غلط عقائد

واعمال کی دھیجان فضائے آسمانی پر بکھیر کر رکھ دی ہیں کران کے رفوگر تاقیامت ان کو رونوہ کر سکیں مائی
مشکوٰۃ شریف ص ۹۷ کے حوالے سے مولف مذکور نے جو حدیث قدسی نقل کی ہے کہ اگر میرا ولی مجھ سے سوال
کرتے تو میں اُسے ضرور عطا فرماؤں گا۔ اس سے ان کی کیا مراد ہے؟ اگر تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ولی
اللہ تعالیٰ سے جو سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و صلحت کے مطابق اور ولی کی شان کے لائق
بعض چیزیں عطا فرمادیتا ہے تو بالکل بجا ہے اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ مراد ہے کہ اللہ
تعالیٰ ولی کا ہر ہر سوال قبول فرماتا ہے اور کسی سوال کو رد نہیں کرتا تو یہ اصول شریعت کے بالکل خلاف
ہے کیونکہ نبی کا درجہ یقیناً اور قطعاً ولی سے بڑھ کر ہوتا ہے اور نہ صوص قرآن اور احادیث صحیحہ اس
پر شاہد ہیں کہ ہر سوال برہنہی کا بھی قبول نہیں ہوا قرآن کریم میں تصریح ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے اپنے بیٹے کی نجات کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا لا تستسئلی ما لیس لک
یہ حدیث صحیحہ سے اس چیز کا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں الغرض حضرت نوح علیہ السلام کا یہ سوال
منظور اور قبول نہ ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر تین دعائیں مانگیں وہ اللہ تعالیٰ
نے قبول فرمادیں اور تیسری منظور نہ فرمائی (دسلم ج ۲ صفحہ ۲۹۹ و ترمذی ج ۲ صفحہ ۲۷۰) وقال ہذا حدیث
حسن صحیح و موارد النظار ص ۱۵۳) جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول نہ ہوئی تو
پھر ولی کی ہر دعا قبول ہونے کا دعویٰ کب صحیح ہو سکتا ہے گو خدا تعالیٰ کے خواہ ہیں گواہی نہیں ہے
خطا اگرچہ ہمارا ہی رہی ہے رفو افروں عطا خدائے دو عالم کی کہیں کبھی رہی؟

اور چہا ہم اس لئے کہ انفاس العارفين کی عبارت کا مطلب ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور یہ بھی عرض کر
چکے ہیں کہ وعدہ پورا نہ کرنے پر گرفت رب تعالیٰ نے فرمائی انتقام حضرت شاہ صاحب نے نہیں لیا اور
چونچم اس لئے کہ بفضلہ تعالیٰ ہم نے کرامات امدادیہ اور مرثیہ گنگوئی اور ارواح ثلاثہ کو غور سے پڑھا اور
سمجھا ہے نہ تو ہم کرامات کے منکر ہیں اور نہ بغیر ثبوت کے کرامات تسلیم کرتے ہیں بفضلہ تعالیٰ ہم فرط
وتفریط سے سخت اجتناب کرتے ہیں اور اسی طرح شرح عقائد کا حوالہ بھی علی الرأس والعین
ہم مانتے ہیں اور ہمارے کسی نظریہ پر اس سے رد نہیں پڑتی اور یہ بات بھی ہم دلائل کے ساتھ مانتے ہیں کہ
کسی واقعہ کو جب کہ شرعی اور عقلی طور پر اس سے استحالہ لازم نہ آئے اپنے ظاہر سے نہیں پھرنا چاہیے
(النصوص من الكتاب والسنة تحلی علی ظواهرها ما لم یصرف عن ادلیل قطعی و شرح العقائد)

قرآن کریم اور سنت کی نصوص کو اپنے ظاہر پر حمل کیا جائے گا جب تک کہ کوئی قطعی دلیل اس سے مانع
ہو لیکن شرط یہ ہے کہ واقعہ کا ثبوت بھی تو قطعی ہو ورنہ محض ظنی اور خطابی امور کو بلا شرعی اور تاریخی
ثبوت بجز کون قبول اور تسلیم کرتا ہے؟ مجدد اللہ تعالیٰ ان کو سمجھنے والے اور علم و ہنر موجود ہیں
تیز حق و باطل کا کھنڈا غیر ممکن تھا نہ ہونے گر جہاں میں متاع علم و ہنر پیدا

مولوی اشرف علی تھانوی کی گپ یعنوان قائم کر کے مولف مذکور نے کرامات امدادیہ ص ۳۵

سے حضرت مولانا تھانوی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے (اور تقریباً تمام متدینین اس کو اہل حق کو لازم دینے
کی خاطر مختلف پیرویوں میں نقل کرتے رہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت تھانوی کے ایک بے دست
جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت تھے حج خانہ کعبہ کو تشریف لے جا رہے تھے کہ کبھی سے
آگبوت میں سوار ہوئے آگبوت نے چلتے چلتے ٹکر کھائی اور قریب تھا کہ چکر کھا کر غرق ہو جائے انہوں نے
جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں اور اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف
خیال کیا اور عرض کیا کہ اس وقت سے زیادہ اور کونسا وقت امداد کا ہوگا اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور کارساز
مطلق ہے اسی وقت ان کا آگبوت غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی اور توبہ واقعہ پیش آیا
اُدھر گئے روز ندم جہاں اپنے خادم سے بولنے دیا میری کرد باؤ نہایت درد کرتی ہے خادم نے کہا ہاتھ
دباتے چراہن مبارک جو اٹھا یا تو دیکھا کہ کچھل ہوئی ہے اور اکثر جگہ سے کھال اتر گئی ہے پوچھا حضرت یہ کیا
بات ہے کہ کیونکہ کچھل فرمایا کچھ نہیں پھر پوچھا آپ خاموش رہتے تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا حضرت یہ تو کہیں
کر رہی ہے اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے وہاں آگبوت دوبا جانا تھا اُس میں نہا رہی اور سلسلہ
کا بھائی تھا اس کی گریہ و زاری نے مجھے بے چین کر دیا آگبوت کو کہ کا سہارا دے کر ادا پر کواٹھا لیا جب
اُسکے چلا اور بندگان خدا کو نجات ملی اسی لئے کچھل گئی ہوگی اور اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنا۔
انتہی کلام مولوی سرفراز صاحب چونکہ کرامات اولیا کو میران اعتراض سے توڑتے ہیں لہذا ان کی خدمت
میں کچھ گزارشات ہیں اولاً آپ کے نزدیک ما فوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت شرک
ہے تھانوی صاحب کے اس دوست نے امور ما فوق الاسباب میں ہی استعانت کی ہے آپ اس کو شرک
قرار دیں گے یا خود ساختہ شرک کی تعریف سے رجوع کریں گے؟ و ثانیاً حاجی امداد اللہ صاحب نے جو
ما فوق الاسباب امر میں امداد کی ہے تو آپ انہیں خدا کا شرک قرار دیں گے یا اپنی ضلالت سے تائب ہونگے؟

وٹاٹھا تھا تو ہی صاحب نے اس روایت پر اعتقاد اور اس کو بیان کیا ہے آپ ان کو مبلغ شرک اور ایسی قرار دیں گے یا اپنے بیان کو ایسی منطبق ٹھہرائیں گے؟ ورنہ بے ایمانوں کے ہر بھائی نے حاجی صاحب کی طرف توجہ کی تو اس نے حاجی صاحب کو قادیان مطلق مانا یا نہیں؟ اگر نہیں تو شیخ جیلانی کی طرف اس حال میں توجہ کرنے سے ان کا قادیان مطلق مانا کس طرح لازم آئیگا؟ وعاشرہ حاجی صاحب باوجود شہر سے کہیں نہ جانے کے سمندر میں جہاز کندن سے پریشانے ہوئے تھے سوال یہ ہے کہ حاجی صاحب بعینہ موجود تھے یا جسم مثالی کے ساتھ برفقدیر اول مکتہ جزئی لازم آئیگا برفقدیر ثانی مثل شمی تو غیر شمی موتی ہے پس لازم آئیگا کہ نہ وینہ والا حاجی صاحب کا غیر ہونہ کہ خود حاجی صاحب و سادسا جو آدمی ایسا قادر ہو کہ کوسوں میل مسافت آن واحد میں ملے کہ کہ جہاز سیدھا کر دیتا ہو وہ اپنی کمر سے در دو کوسوں دور نہیں کر سکتا؛ و سادسا جو شخص کر دوانے میں اپنے مرید کا محتاج ہے وہ جہاز میں بیٹھے ہوئے سینکڑوں آدمیوں کی حاجت روائی کرنا کر کر سکتا ہے؟ وٹاٹھا تھا تو ہی صاحب کے دوست نے اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور ان کی بارگاہ میں عرض کی اور وہ اس کی مدد کو آئے بیچے سوال یہ ہے کہ حاجی صاحب ہر وقت ہر جگہ اپنے مریدوں کے حال پر مطلع اور ان کا کلام سنتے رہتے ہیں یا نہیں برفقدیر ثانی جب انہیں ہر وقت ہر جگہ کے حال کا علم نہیں تو اس وقت اس جگہ کے حال کا علم کیسے ہو گیا؟ اور برفقدیر اول حاجی صاحب کو جب ہر وقت ہر جگہ کا علم حاصل ہے تو بتلایے کہ وہ اس صفت میں خدا کے شریک ہوئے یا نہیں؟ اگر نہیں تو حضور علیہ السلام کے لئے علم کلی ماننے سے کوئی شخص کیسے شرک ہو جاتا ہے؟ وٹاٹھا صاحب کہ چھیلی ہوئی تھی اور کئی جگہ سے کھال اتر گئی تھی تو دیوانے سے خرم میں بیٹھ گتھی ہے پھر کہوں دیوایا؟ تھا تو ہی صاحب نے کس بھونڈے طریقہ سے اپنے پیر کی کرامت ظاہر کرنے کا جیلہ وضع کیا ہے؟ وعاشرہ حاجی صاحب کو اپنے مرید کی بیسی اور آہ و زاری نے پیر پار لگانے کی طرف توجہ کیا اور سینکڑوں بندگان خدا کی بے کسی پر کوئی رحم نہ آیا ورنہ کہنے کی کیا وجہ تھی کہ اس میں ایک تمہارا دینی اور سلسلے کا بھائی تھا اس کی گریہ و زاری نے مجھے بے چین کر دیا۔ صرف مولوی سرفراز صاحب ہی نہیں بلکہ ان کے تمام حواریوں کو دعوت ہے کہ وہ ان کے وضع کردہ اصول اور مبنی شرک کے تحت ان سوالوں کا جواب دیں اس میں بہتوں کا بھلا ہوگا ورنہ منصف مزاج مولوی سرفراز صاحب کے اصولوں کی روشنی میں تھا تو ہی صاحب کی بیان کردہ اس گپ کو کوئی وقعت نہیں دیں گے (محصلاہ ص ۸۳ تا ۸۶)

الجواب۔ اس سے قبل کہ ہم بقدر ضرورت مولف مذکور کے سوالات کا جواب میں بطور تمہید حضرت تھانوی کی چند عبارات عرض کرتے ہیں تاکہ بات سمجھنا آسان ہو حضرت تھانوی اپنی مشہور کتاب ہشتی زیور میں کفر و شرک کی باتوں کے بیان میں لکھتے ہیں کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت ضرور خبر رہتی ہے الی قولہ کسی کو دور سے پکارنا اور بے سمجھنا کہ اس کو خبر ہوگی کسی کو نفع نقصان کا مختار سمجھنا کسی سے مراد ہی مانگنا رفرمی اولاد مانگنا الخ (حصہ اول ص ۳۱) نیز وہ لکھتے ہیں ولی لوگوں کو بعض بھید کی باتیں سوتے یا جانتے میں معلوم ہو جاتی ہیں اس کو کشف اور ابہام کہتے ہیں اگر وہ شرع کے موافق ہے تو قبول ہے اور اگر شرع کے خلاف ہے تو رد ہے (حصہ اول ص ۳۲) اور تعلیم الدین ص ۳۱ میں لکھتے ہیں ولی لوگوں کو بعض باتیں بھید کی سونے جانتے میں معلوم ہو جاتی ہیں اس کو کشف والہام کہتے ہیں اگر وہ شرع کے موافق ہے تو قبول ہے اور اگر خلاف ہے تو رد ہے اتنی۔ اور ایک اور مقام میں تحریر فرماتے ہیں کسی سے غیب کی باتیں پوچھنا اور اس کا یقین کرنا کفر ہے البتہ بنعمیوں کو وحی سے اور ولیوں کو کشف اور ابہام سے اور عام لوگوں کو نشانیاں سے کوئی بات معلوم ہو سکتی ہے (تعلیم الدین منطبع خواجہ برقی پریس دہلی) اور پھر آگے ص ۳۱ میں شرک فی العلم کے عنوان میں لکھتے ہیں کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ اعتقاد کرنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت خبر ہے الخ اور ارشاد فرماتے ہیں غیب کا حال سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا البتہ نبیوں کو وحی سے اور ولیوں کو کشف اور ابہام سے اور عام لوگوں کو نشانیاں سے بعض باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔

دہشتی زیور حصہ اول ص ۳۳) اور فرماتے ہیں کہ مسلمان جب خوب عبادت کرتا ہے اور گناہوں سے بچتا ہے اور دنیا سے محبت نہیں رکھتا اور پیغمبر صاحب کی ہر طرح خوب نابلعداری کرتا ہے تو وہ اللہ کا دوست اور پیارا ہو جاتا ہے ایسے شخص کو ولی کہتے ہیں اس شخص سے کبھی ایسی باتیں ہونے لگتی ہیں جو اور لوگوں سے نہیں ہوسکتیں ان باتوں کو کرامت کہتے ہیں (دہشتی زیور حصہ اول ص ۳۳)۔

اور یہ بات اپنی جگہ باحوالہ بیان کر دی گئی ہے کہ عجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل مؤنث ہے جنہی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے (ملاحظہ ہو مسامرہ ج ۲ ص ۲۹۷ و احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۱۱ و تامل الایمان ص ۲۲) للشیخ عبدالحق الصہلوی، اسی طرح ولی کے ہاتھ پر جو خرق عادت فعل صادر ہوتا ہے وہ درحقیقت ولی کا فعل و تصرف نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے ولی اس فعل کا صرف مظہر ہوتا ہے کبھی کبھی ولی سے کرامت کا ظہور اس کے ارادہ اور

قصد کے بغیر ہی ہوتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی خاص وجہ سے ولی کے دل میں داعی پیدا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس داعی کے مطابق کرامت ظاہر فرماتا ہے اور خود حضرت تھانویؒ ہی تحریر فرماتے ہیں اور جانا چاہئے کہ کرامت کے لئے اس ولی کو اس کا علم ہونا ضروری ہے اور نہ اس کے قصد کا متعلق ہونا ضروری ہے اور جانا نا علم ہونا ہے اور قصد نہیں ہونا اور کبھی علم اور قصد دونوں امر ہوتے ہیں اس بنا پر کرامت کی توین میں ٹھہر جس ایک قسم وہ جہاں علم ہی ہو اور قصد ہی جیسے نیل کا جاری ہونا حضرت عربیؒ کے مطابق ہے وان سے اور دوسری قسم وہ جہاں علم ہوا اور قصد نہ ہو جیسے حضرت مہدیؑ علیہ السلام کے پاس یہ فصل میوں کا آجانا تیسری قسم وہ جہاں علم ہوتا ہے اور قصد بھی ہو جو صدیق اکبرؑ کے ساتھ کھانا کھانا اور کھانے کا دو چند سے چند ہو جانا زنجاری ج ۱ ص ۵۷ و ج ۲ ص ۵۷ و ج ۳ ص ۵۷ چنانچہ حضرت صلیبیؒ کو تعجب ہوا جس سے ان کے علم و قصد کا پہلے سے متعلق نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (کرامات امدادیہ مثل)

قاریین کرام! ایک طرف تو حضرت تھانویؒ کے توحید علم غیب اور بزرگوں کے کشف الہام وغیرہ کے بارے میں نظریات ہیں جن کا معنی خالص توحید ہے اور وہ اسلامی اصول کے روح کے عین مطابق ہیں اور یہ قرآن کریم و احادیث صحیحہ اور امت کے اجماع سے ثابت ہیں اور دوسری طرف اس کے برعکس اپنے اعلیٰ حضرت کی چند کہیں بھی ملاحظہ کریں تاکہ تصویر کے دونوں رخ بیک وقت سامنے آجائیں اور وضد تینوں الاشیاء کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ خانصاحب بریلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے لکھتے ہیں کہ حضور ہر قسم کی حاجت روافرا سکتے ہیں دنیا و آخرت کی سب مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں (فتاویٰ افریقہ ص ۱۱) اور لکھتے ہیں

فریاد امتی جو کرے حال زار میں۔ ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو مردان بخشش حاصلوں مسلم اور نیز لکھتے ہیں۔ خدا نے کیا تجھ کو آگاہ سب سے۔ دو عالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے (ص ۶۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو آخر خدا تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں علیہ وسلم علی جمیعہم الصلوٰۃ والسلام لیکن خانصاحب تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں بہت کچھ لکھتے ہیں کہ اکثر جن میں ایک مصرع یہ بھی ہے ع کار عالم کا مدبر بھی عبدالقادر۔ اور یہ بھی پہلے باحوالہ بیان ہو چکا ہے کہ خانصاحب فرماتے ہیں تجھ کو۔ کن اور سب کن مکن حاصل ہے باغوث۔ جب سب کن مکن کے اختیارات حضرت شیخ صاحب کو حاصل ہیں اور وہ سارے عالم کے مدبر ہیں تو پیچھے اور کیا رہ جاتا ہے؟ اب گزارش یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ تو بجز قیادت و واقعہ کرامات امدادیہ میں کرامت کی مدین لکھتے ہیں اور توحید و علم غیبیہ کرامت

کے بارے ان کے اپنے معتقدات وہ ہیں جو خود ان کی اپنی عبارات کے حوالوں سے عرض کئے جا چکے ہیں اور جو عقیدے ان کے ہیں وہی ان کے پیر بھائی کے تھے اور پیر تو آخر پیر تھے وہ تو یقیناً ان اعتقادات میں ان جیسے کامل ہی نہیں بلکہ کامل تر اور اسل تر ہوں گے کیا ایسے حضرات کرامت کے ایک واقعہ کو نقل کرنا اسی طرح کا ہو سکتا ہے جس طرح ڈوبے ہوئے بیرے کو بارہ سال کے بعد باہر نکال دینے کا واقعہ خانصاحب کے ایسے نظریات کے کسی حامل کا ہو سکتا ہے، خدا رکھ تو فرمائیے کم از کم آپ نے تلخیص المفتاح تو فرمائی ہی ہوگی اس میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جب کوئی موعود ائمتہ الزمیعہ البقیل کہتا ہے تو اس کا مطلب کچھ ہوتا ہے کہ وہ مثلاً اسناد مجازی مراد لیتا ہے اور جب دوسرے یہ جملہ بولتا ہے تو اس کا مفہوم اور ہوتا ہے الغرض ایک ہی واقعہ اور جملہ کا مطلب قائل اور فائل کے لحاظ الگ الگ اور جدا جدا ہوتا ہے ع گز فریق مراتب یعنی زندگی۔

اب اس تمہید کے بعد ملاحظہ فرمائیں کہ رقم تہم تو ہر عقیدہ و عمل میں مجد اللہ تعالیٰ اہل سنت والجماعت کا تابع ہے معتزلہ وغیرہ کے باطل نظریات کے نتیجے ہر وقت دلائل و براہین کا ٹھہ لے پھرتا ہے اور رقم کی کتابیں اس پر شاہد عدل ہیں پھر مولف مذکور کا یہ الزام کہ رقم کرامات اولیاء و کمیزان اعتبار پر توتا ہے مگر مرنیان اور صریح افتراء ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رقم تہم حضرت اولیاء کرام کی کرامت کا قائل ہے اور ان کے ذکر کو ہر خیال کر لہے سے یہ وہ در ہے کہ جس در پر بصیرت نور پاتی ہے یہ وہ گھر ہے کہ ہوتے ہیں جہاں اہل نظر پیدا

اب آگے آپ اختصار کے ساتھ ترتیب واران کے سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں کہ ان کے سب سوالات مردود ہیں اول اس لئے کہ حضرت تھانویؒ نے اپنے دوست کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ یوں سا حالت میں گھبرا پنے پر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور ذخیالی طور پر صندوق ہوض کیا کہ اس وقت سے زیادہ اور کونسا وقت اعداد کا ہوگا اللہ تعالیٰ سمیع بصیر اور کارساز مطلق ہے اسی وقت ان کا اگبوٹ غرق سے نکل گیا۔ اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ اس کا بصر پیش کرنا محض خیالی طور پر تھا نہ تو وہ اپنے یہ کو سمیع و بصیرانتے ہیں اور نہ کارساز کیونکہ اسی عبارت میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور کارساز مطلق ہے یعنی ان کی اس آہ و زاری کو سننا اور مایوس کن حالت کو دیکھنا صرف خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے اور وہی کارساز مطلق ہے اس کی سبیل وہ خود پیدا کر دیکھا چنانچہ اس کارساز مطلق نے اپنا فضل کرامت اپنے دوست اور ہمارے حاجی امداد اللہ صاحب کے ہاتھ پر صادر فرمایا کہ اگبوٹ کو غرق سے بچالیا اگر وہ اپنے پر روشن ضمیر کو سمیع و بصیر اور کارساز مطلق تصور کرتے اور ان با فوق الاسباب میں استعانت کرتے تو یقیناً شکر ہونے

الغرض نہ تو وہ حضرات مشرک ہیں اور نہ بھلا اللہ تعالیٰ ہمیں شرک کی تعریف سے رجوع کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ
قرآن کریم اور صحیح احادیث اور علماء امت کی صریح عبارات کو پیش نظر رکھ کر شرک کی یہ تعریف کی گئی ہے
جس میں بفضلہ تعالیٰ امر ہوئی نہیں ہے اور وہم اس لئے کہ کار ساز مطلق نے کشف و ابہام کے ذریعہ سے
حضرت حاجی امدا اللہ صاحب کو اس واقعہ سے مطلع فرمایا کہ ان کے ہاتھ پر یہ خرق عادت فصل صادر نہ آیا
تو حضرت حاجی صاحب معاذ اللہ تعالیٰ خدا تعالیٰ کے شریک ہیں اور نہ بھلا اللہ تعالیٰ ہم گمراہ ہیں کہ ہمیں
ضلالت سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئے و سہم اس لئے کہ حضرت تھانویؒ نے کرامت کے طور پر یہ ایک
واقعہ نقل کیا ہے نہ تو کرامت بیان کرنے والا مشرک ہوتا ہے اور نہ مبلغ شرک تو پھر بلا وجہ وہ کیوں نہیں
قرار دیئے جائیں؟ اور اس واقعہ سے ہمارے کس بیان پر رد پڑتی ہے تاکہ اس کو ابلیسی منطق قرار دیکر
اس پر غور کیا جائے یہ آپ کے خست باطن کا اثر ہے کہ خواہ مخواہ آپ ابلیس کا لفظ بول کر اس کا اظہار
کرتے ہیں اور کبھی ابلیسی منطق کا جملہ بول کر دل مؤف کو تسکین دیتے ہیں اور یوں ابلیس نے چال چل کر
عوام الناس کو اپنے شیخ غفرت دلاتے ہیں و چہا دم اس لئے کہ ما پوسانہ حالت میں اس شخص نے حضرت
حاجی صاحب کی طرف صرف خیالی طور پر توجہ کی ہے نہ تو ان کو سمیع و بصیر مانا ہے اور نہ کار ساز
مطلق کیونکہ یہ صفات تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بات ہے، جب ان کو کار ساز مطلق نہیں مانتا تو
قادر مطلق کیسے تسلیم کرتا ہوگا؟ بخلاف اس جماعت کے جس کی صفت میں آپ و کالت کرتے ہیں کہ وہ اپنے
چلا کر اور گا گا کر پھر حقیقی رہتی ہے سے امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن۔ دروین و دنیا شاکن یا شیخ عبدالقادر
اور خان صاحب کے ارشادات پر یہ عرض کئے جا چکے ہیں کہ وہ ان کو میرے عالم اور کن مکن کی خدائی کر سی پڑے
افرو تصور کئے ہوئے ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ) اور دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے قاین اثری
من اثری اور پنجم اس لئے کہ کتب عقائد وغیرہ میں تصریح ہے کہ اولیاد اللہ کی کرامت میں ایک طبعی
مسافت بعبدہ بھی ہے حضرت آصف بن برخیا کا واقعہ تو آپ کو بھی مستم ہے تکرر جزئی تو تب لازم آتا
ہے کہ بعینہ جسم عنصری کے ساتھ متعدد مقامات میں حاضری ہو اور طبعی مسافت میں یہ نہیں ہونا بلکہ ایک
ہی جسم جلدی کے ساتھ و دراز پہنچ جاتا ہے جیسا مثلاً ہوائی جہاز کا مسافر باقی اجسام مثالیہ کی
بحث اپنے مقام میں مذکور ہے یہاں اس کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور خود مؤلف مذکور کو
بھی واضح الفاظ میں اس کا اقرار ہے کہ اجسام مثالیہ متعددہ متعلقہ بروح واحد امکانہ متعددہ ہیں

موجود ہو سکتے ہیں اور یہ تکرر جزئی نہیں کیونکہ اجسام میں نوع من التفاضل موجود ہے لہذا بلفظہ توضیح
البیان ص ۲۰۳ غرضیکہ کسی شق سے تکرر جزئی لازم نہیں آتا اور شہم اس لئے کہ کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل
ہوتا ہے یہ ولی کا سبب نہیں ہوتا اور اس کے ہاتھ پر کرامت صادر ہونے کی وجہ سے وہ قادر ہو جاتا
ہے جیسا کہ مؤلف مذکور کا بے بنیاد و غوی ہے سو جتنا کام اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر ظاہر کر دیا وہ
ہو گیا اور جنہیں کیا وہ نہیں ہوا و سہم اس لئے کہ کرامت صادر ہونے کی وجہ سے معاذ اللہ تعالیٰ
ولی خدا تو نہیں ہو جاتا وہ بدستور محتاج کرامت ہی رہتا ہے لہذا مرید سے مراد ہونے کی وجہ سے ان پر کوئی
زبردستی پڑتی و سہم اس لئے کہ حاجی امدا اللہ صاحب نے توہر جگہ اپنے مریدوں کے حال پر طبعی تھے اور نہ ہر
ایک کا کام سنتے تھے اور صرف اس واقعہ کا علم بطور کشف وغیرہ ان کو اس لئے ہو گیا کہ سمیع و بصیر و کار ساز
مطلق ذات نے ان کو بتا دیا اور اللہ تعالیٰ کا ان کو بتانا ہی بظاہر مرجع ہے اور کونسا مرجع و کار ہے؟ پوچھنے
والے آپ سے بھی معجزات و کرامات کے بارے میں ایسے بے شمار سوالات کر سکتے ہیں مثلاً یہ کہ حضرت عمر
کو حضرت سائر بن زبیم کے واقعہ کی اطلاع کیوں ہو گئی؟ اور ابو لؤلؤہ قیر فزرجوسی نے حضرت عمر کو شہید
کرنے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا اور خنجر کے مسجد میں آجھی کیا اور ایک حد تک اپنا پروگرام پورا بھی کر دیا تو
حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع کیوں نہ ہوئی؟ یہ ترجیح بلا مرجع کیونکہ جائز ہو گئی؟ کرامات کے اثبات پر عقل
و نقل متفق ہیں اور کتب عقائد اس مسئلہ سے بھری پڑی ہیں اس پر اور کونسی عقلی اور نقلی دلیل آپ کو درکار
ہے؟ اور خواہ مخواہ کی لایعنی شقیں نکالنا کونسا علمی اور تحقیقی کار نامہ ہے بجز اس کے کہ آپ کے حواری آپ کو
بڑا منطقی تصور کر لیں گے۔ الغرض نہ تو حضرت حاجی صاحب کو ہر جگہ کا علم ہے اور نہ حضرت محمد رسول
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کل علم غیب ماحصل ہے یہ عقیدہ فراموش کرنا اور مخلص کا فرار ہے بحث از الہ الہ
وغیرہ میں ملاحظہ کریں انشاء اللہ تعالیٰ شکوک و شبہات کا فور ہو جائیں گے و ہم اس لئے کہ کمر کے چھلے
ماننے اور اکثر جگہ سے کمال کے اثر جانے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ گہرے زخم ہو گئے ہوں جن کو دبانے سے
تکلیف ہوتی جو بعض اوقات ایسی جگہ کو بلکا دبانے سے درد میں کمی محسوس ہوتی ہے پھر یہ کیا ضروری ہے
کہ کمر میں چھلی ہوئی جگہ کو ہی دبا دیا ہو جو سکتا ہے کہ اس کے آس پاس والی جگہوں کو دبا دیا گیا ہو غرضیکہ
جب عقلی طور پر تطبیق ممکن ہے تو اس کرامت کو انتہائی بھونڈے طریقہ سے تعبیر کرنا اخلاقی پستی کا جیتنا
جائنا مظاہر ہے اور سہم اس لئے کہ اگر بوٹ میں مایوس ہو کر آہ و زاری اور گریہ اگرچہ حضرت تھانویؒ کے ایک

دینی اور سلسلے کے بھائی نے کئی لیکن اس کی اس بے کسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے سینکڑوں بندگانِ صالحہ
 تم فرمایا اور اور ان کا بیڑا بارگیا خود اس واقعہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کے یہ الفاظ ہیں جب آگے چلا اور
 بندگانِ صالحہ کو نجات ملی اللہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی اس کرامت میں طبعِ نظر میں حضرت
 حضرت تھانفانویؒ کا دینی اور سلسلے کا بھائی اور اپنا مرید ہی نہ تھا بلکہ اس میں اور بندگانِ خدا کی نجات میں شامل
 قہمی دینی اور سلسلے کے بھائی کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا ہے کہ آہ و زاری اس نے کی تھی ورنہ اس میں
 میں سوار سبب بندگانِ خدا کی نجات ملحوظ تھی جیسا کہ خود ان کی عبارت سے ظاہر ہے بحمد اللہ تعالیٰ اپنے تئیں
 کی معنوت و امانداد کے بغیر ہی دیکھو کہ علماء و دیوبند کتنا اللہ تعالیٰ جا غنہم کو ایسے مہمل لائینی اور بے مغز مہلات
 کے جوابات دینے کے لئے قطعاً کسی توجہ کی ضرورت ہی نہیں ہے، ان کے بچنے اور بچنے کے لئے تنہا توجہ فرما
 جیسا ظالم علیؑ علم بھی کافی ہے مہ نے علامت کے قائم کردہ شہوس اصول اور قواعد کے تحت ان سے اللہ کے جواب
 دینے ہیں تاکہ ان کا تمام منصف مزاج حضرت اسلام کے ان بنیادی اصولوں کی روشنی میں حضرت تھانفانویؒ کی
 اور نقل کردہ کہ کرامت کی قدر و قیمت پہنچان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مرشد کامل حضرت حاجی صاحبؒ کو کسا
 زہرِ حمت فرمایا تھا جس کے ذریعہ سے یہ خرق عادت کام ان کے ہاتھ پر صا اور ہوا سچ ہے۔
 اگر کچھ عجیب تر تجاہل تو کرمیت بغیر ان کے نہیں ہلتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزانوں میں
 مولوی محمود الحسن کی گپ یہ عنوان قائم کر کے مولف نے مزید لنگوئی ص ۲۲ سے حضرت شیخ
 الہند کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

مردوں کو کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا اس مہجانی کو دیکھیں ذریعی ابن مریم
 اور پھر یہ لکھا سنا ہے کہ بہت سے چالاک دیوبندی عام ذہنوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس شعر کی یہ باطل تفسیر کرتے
 ہیں کہ اس شعر میں مردہ سے جاہل اور زندہ سے مراد عالم ہے یعنی جاہلوں کو عالم بنایا اور عالموں کو جاہل نہ
 بننے دیا یہ توجیہ توجیہ قطعاً باطل و مردود ہے اگر یہی معنی مقصود تھا تو پھر خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے
 تقابل کی کیا ضرورت تھی کیونکہ ہر نبی میں تعلیم کا وصف موجود تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقابل سے کیا
 میں جسی زندہ کرنا مراد ہے جب حاجی اماد اللہ صاحب نے ڈوبتے ہوئے جہاز کو تیرا اور مولوی رشید احمد
 صاحب نے مردوں کو زندہ کیا تو غوث اعظم نے بارہ سال کے ڈوبے ہوئے بیٹے کو تیرا اور مولوی مرزا صاحب
 اس کو گپ کہتے ہیں کیا ان حضرات پر حضرت جبرائیل کی وحی آئی تھی جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا؟ جو وصف حضرت

امیر اولیا علیہم السلام کے لئے شکر و ناجائز ہے وہ اپنے پیروں اور مولویوں کے لئے عین توجید اور جائز
 محض بن گیا؟ دھوپ چھاؤں کی اس پالیسی سے کیوں لوگوں کو فریب دیتے ہیں لوگوں کے پاس بھی سوچنے
 کے لئے دل و دماغ اور دیکھنے کے لئے آنکھیں ہیں جب آپ کے اقوال و اعمال کا موازنہ کریں گے تو آپ کے
 پاس کیا سوچیں گے یا جن گیسٹوں کے وام تزیور میں آپ نے عوام کو بچا س رکھا ہے جب وہ بیچ و خم کھائیں
 گے تو پھر آپ کی کیا حالت ہوگی؟ (مصلحت ۵۷ و معنی)

الجواب مؤلف مذکور نے جس انداز سے اس شعر پر اعتراض کیا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
 مؤلف مذکور کو واضح عبارات کے مفہوم سمجھنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے جب کوئی عقلمند آدمی کلام کرتا ہے تو
 اس کا انداز میں کوئی مصداق ہوتا ہے حضرت گنگوہیؒ کا زمانہ تاریخی طور پر کوئی اتنا بعید اور تاریک زمانہ
 نہیں کہ اس کے واقعات سے عوام بے خبر ہوں اگر حضرت گنگوہیؒ نے حتی طور پر یہ باذن اللہ تعالیٰ مرنے
 زمانے ہوتے تو یہ واقعات زبانِ رد و ضلالت ہوتے کہ فلاں جگہ فلاں مردہ زندہ ہوا اور فلاں جگہ فلاں مردہ زندہ
 ہوا کیونکہ شعر میں جمع کا صیغہ مردوں کو موجود ہے اسی طرح اگر زندوں کو جسی طور پر نہ مرنے دیا ہوتا تو
 بے شمار قریب الہک زندہ لوگوں کو انہوں نے موت سے بچایا ہوتا حتی کہ خود بھی نہ مرتے اور کم از کم باقی
 دارالعلم دیوبند حضرت نانوتویؒ کو تو نہ مرنے دیتے مگر تاریخ گواہ ہے کہ اسباب گز نہیں ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ
 اس شعر میں جسی موت و حیات مراد نہیں ہے بلکہ معنوی مراد ہے جو علم و جہالت ہے اور قرآن کریم میں آتا
 ہے اَدْعٰنْ كَا نَ صَيِّمًا فَالْحَيٰثِيَّةُ الْاٰيَةُ دِيْبُ الْاِنْعَامِ ۱۱۰۰ بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا پھر مرنے
 اس کو زندہ کر دیا اس میں اس کا ذکر ہے کہ جو شخص جاہل و ضلال کی موت مرچکا تھا پھر اس کو حق تعالیٰ نے
 ایمان و عرفان کی روح سے زندہ کیا۔ اس تمام میں موت و حیات سے معنوی موت و حیات مراد ہے نہ کہ
 جس جیسا کہ ظاہر ہے غر و ہدر کے واقعہ میں اس کا بھی ذکر ہے۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ
 حَيٌّ عَنْ بَيِّنَةٍ الْاٰيَةُ - (انفال - ۵) کوئی نابے قیام حجت کے بعد۔
 ایک تفسیر کے رُو سے یہاں بھی معنوی موت و حیات مراد ہے چنانچہ مولف مذکور کے صدر الافاضل لکھتے ہیں
 معنی اسحاق نے کہا کہ ہلاک سے کفر حیات سے ایمان مراد ہے الخ (ص ۲۳۶)۔ اور مفتی احمد یار خاں صاحب
 لکھتے ہیں کہ یہاں زندگی سے مراد ایمان ہے اور ہلاکت سے مراد کفر ہے (ص ۲۸۹) جب قرآن کریم سے اس

مقام پر موت و حیات سے معنوی مراد ہے اور آپ کے مسلم بزرگ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں تو انصاف سے فرمائیے کہ دیوبندیوں نے یہاں کو نسی چلائی کی ہے؟ اور کس شعبہ بازی سے صرف ایک موبہوم چکر لکھ کر بنا ڈالا ہے؟ اور یہ معنی کر کے جو خارج اور نفس الامر کے بالکل مطابق ہے کس ذہن کو گواہ کیا ہے؟ راجز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تقابل کا معاملہ تو اس پر بھی مؤلف مذکور نے قطعاً غور نہیں کیا کیونکہ حضرت شیخ الہند نے فرمایا چاہتے ہیں کہ جیسی طور پر باذن اللہ تعالیٰ مردوں کا زندہ کرنا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مشاہدہ دیکھا ہے عیاں راجح عیاں اور اس میں ان کی مسیحائی تو ایک واضح امر ہے لیکن نامساعد حالات میں حجاب برطانیہ کے دور میں اس کثرت سے معنوی موت و حیات کی مسیحائی بھی دیکھ لیں تو کیا ہی اچھا ہوا اور اس مسیحائی کو دیکھیں ذریعہ مریم خرا کر انہوں نے اس معنی کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے اگر جیسی مسیحائی ہوئی تو وہ تو انہوں نے دیکھی ہی تھی پھر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کے دیکھنے کی آرزو کا کیا معنی ہوگا معنوی بھی گو دیکھی تھی مگر قدسے محدود معنی اس سے بقول مؤلف مذکور تقابل ہی اس امر کو واضح کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسیحائی تو جیسی ہو اور حضرت گنگوہی کی صرف معنوی ہو رہا یہ اشکال کہ تعلیم کا وصف تو بہر نبی میں مٹھا پھر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تقابل کا کیا مطلب؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات انبیاء اکرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں مسیح کے لقب سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی تشریح تھے اور یہاں حضرت گنگوہی کے لئے جب ایک گورنر مسیحائی ثابت کی گئی تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہی مناسب و موزوں تھا گو ان کی مسیحائی جیسی و معنوی تھی اور ان کی صرف معنوی اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ بروایت انجیل حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دشمنوں کے ہاتھ گرفتار کرنا والا وہ شخص تھا جو بظاہر ان کا کلمہ پڑھتے والا تھا اسی طرح حضرت مولانا گنگوہی (دوسرے ان کے رفقاء) کے خلاف مجرمی کر کے اور ان کو اذیت پہنچا کر انگریز کا تقرب اور اس سے مفاد حاصل والے بھی خود کو مسلمان ہی کہلاتے تھے (اور خان صاحب ریل نے بھی انگریز کے ہاتھ مضبوط کرنے کی خاطر ان حضرات پر جس طرح کفر کی گولہ باری کی اور طعن کی مشین گن سے ان حضرات کی آبرو کی چھیننی کرنے کی لاماصل کوشش کی وہ تو آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہے) تو یہ وجہ تقابل بھی خاصی ذہنی ہے انجیل میں باب ۲۶ آیت ۱۳-۱۵ میں ہے۔ اس وقت اُن بارہ میں سے ایک نے جس کا نام یہ ہوا وہ اس کے یوتی تھا سردار کاہنوں کے پاس جا کر کہا کہ اگر میں اُسے تمہارے حوالہ کر دوں تو مجھے کیا دو گے؟ انہوں نے اُسے تیس روپے تو لے کر دئے۔

اور وہ اُس وقت سے اس کے پڑوانے کا موقع ڈھونڈنے لگا اور آیت ۲۸-۲۹-۳۰ میں ہے اور اُس کے پڑوانے والے نے اُن کو یہ نشان دیا تھا کہ جن کا میں بوسہ لوں وہی ہے اُسے پکڑ لینا اور فوراً اُس نے یسوع کے پاس آکر کہا اسے بوسے لئے یسوع نے اس سے کہا یہاں! جس کام کو آیا ہے وہ کرے اس پر انہوں نے پاس آکر یسوع پر ہاتھ ڈالا اور اُسے پکڑ لیا۔ الغرض گنگوہی نے بطور کرامت جیسی طور پر کوئی مردہ زندہ نہیں کیا، مگر حضرت شیخ صاحب کے بارہ سال کے مفروض پیرے کو اس پر قیاس کر کے ہم پر اعتراض کیا جاسکے۔ اور جس چیز کو ہم شرک کہتے ہیں اس میں پیغمبر پر اور مولوی کی قطعاً کوئی تفریق نہیں کرتے جو شرک ہے اس کو ہر ایک کے حق میں برابرا شرک کہتے ہیں سوچنے والی ہستیاں اور دیکھنے والی آنکھیں بخوبی ہمارے اقوال و افعال کو سمجھتی اور دیکھتی ہیں اور بجز اللہ تعالیٰ بے شمار لوگ ہمارے اقوال و اعمال کو دیکھ کر اور ہماری کتابیں پڑھ کر شرک و بدعت سے تائب ہو کر توحید و سنت کے شیدائی ہو گئے ہیں کیونکہ وہ جی و باطل میں فرق کر سکتے ہیں صد افسوس تو اس پر ہے کہ آپ حضرات ہی میں جنہوں نے عوام کو کیا رصیوں کی پیچھا چلیمیوں میں اور اس گرانی اور نہنگانی کے دور میں پھل فروٹ اور دودھ و حلوا کے دام ہم رنگ زمین میں الجھا کر رکھ دیا ہے مگر یارب

یہ دولت دنیا تو دو دن کا تماشا ہے دل کو غم مخفی کی جاگیر عطا کر دے
 گیارہویں حرام ہونے کے دلائل کا تجزیہ یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ گیارہویں حرام کو حرام اور ناجائز ثابت کرنے کے لئے مولوی سرفراز صاحب نے تفسیر تین میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا یہ حوالہ دیا ہے ناکولات و مشروبات و دیگر اموال را نیز از راه تقرب دادن حرام و شرک است اور لکھتے ہیں کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مطلقاً تقرب و جہر شرک و حرمت نہیں بلکہ تقرب علی و جہر العبادۃ موجب شرک و حرمت ہے جیسا کہ شافعی نے فرمایا ہے لہذا اس فتویٰ سے سرفراز صاحب کو کوئی فائدہ نہیں داتا نیا فتاویٰ عزیز کی میں ارتقام ہے کہ جب خون بہا نا تقرب لغیر اللہ کے لئے ہوتو وہ حرام ہو جائیگا اور جب خون بہا اللہ کے لئے اور تقرب الی اللہ کے لئے ہوتو وہ حلال ہو جائیگا۔ (فتاویٰ عزیز کی ج ۱ ص ۸۷) دیکھئے شاہ صاحب نے حرمت کا مدار مطلقاً تقرب الی اللہ پر نہیں رکھا اور نافع حاصل کرنے کے لئے بھی تقرب الی اللہ حرام ہوتا حالانکہ اس کو شاہ صاحب حلال قرار دیتے ہیں پس معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کے نزدیک جو تقرب لغیر حرام ہے وہ تقرب علی

وجہ العبادۃ کے سوا اور کچھ نہیں چنانچہ شاہ صاحب اس قاعدہ پر تفریح سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں کسی شخص نے بازار سے گوشت خریدا یا گائے بکری کی یا گائے بکری کی تاکہ شور باور اس کا ثواب کسی روح کو پہنچا دے تو یہ بلاشبہ جائز ہے (فتاویٰ عزیز می ج ۱ ص ۱۵۱) علاوہ انہیں اس کی مزید توضیح چھٹے باب میں آ رہی ہے سامنے آنے کے بعد مخالفین پر واضح ہو جائیگا کہ شاہ صاحب کی عبارتوں میں ان کے مذہب مسلک کے اثبات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے (محصلاً ص ۸۶ و ۸۷)

الجواب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا کالوات و مشروبات والا حوالہ بڑا اہم اور ٹھوس ہے اور لفظ مذکور نے علامہ شامی کے جس حوالہ سے علی وجہ العبادۃ کے جملہ سے سہارے کر جس طرح جان چھڑانے کی ناکامی کی ہے وہ اہل علم کے ہاں قابل دید ہے علامہ شامی کے حوالہ کا مطلب تو ہے تفصیل سے پہلے گزر چکا ہے اماہ کی ضرورت نہیں ہے البتہ ذماتیا کہہ کر انہوں نے فتاویٰ عزیز می کا جو حوالہ اور اس پر تفریح نقل کر کے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بالکل غلط ہے اور پھر کتاب کے چھٹے باب میں دلائل کے ساتھ مزید ثابت کرنے کی جو بلاوجہ و سبکی دی ہے وہ گیدڑ ہسکی کے سوا کچھ نہیں اس لئے کہ بلا زندہ صحبت باقی ہم حضرت شاہ صاحب کی قدر سے مفصل عبارت نقل کرتے ہیں جو انہوں نے بعض علماء کے جواب میں لکھی ہے۔

قولہ بنية غير الله لكن لا بنية التقوي به الى ذلك الغير بل بنية اكله وانتفاعه باللحم فعلم ان منشاء اشتباه هذا السائل انه لا يفرق بين الذبح بمعنى اراقة الدم وبين المذبوح بين اللحم والشحم فمضى كان اراقة الدم للتقرب الى غير الله حرمت الذبيحة ومعنى كان اراقة الدم لله والتقرب الى الغير بالاكل والانتفاع حلت الذبيحة لان الذبح عبادة عن اراقة لاعتن المذبوح اى الذى يحصل بعد الذبح من اللحم والشحم

ان کا قول کہ غیر اللہ کی نیت سے لیکن غیر کے تقرب کی نیت سے نہ ہو بلکہ اس کے کھانے اور اس کے گوشت سے فائدہ اٹھانے کی نیت سے ہو اس سے معلوم ہوا کہ اس سائل کے اشتباہ کا منشاء یہ ہے کہ وہ ایسی ذبح میں جو خون بہانے کے لئے ہو اور ایسے مذبوح میں جو گوشت اور چربی کے لئے ہو کوئی فرق نہیں کرتا حالانکہ جب خون بہانا تقرب فی اللہ کے لئے ہو گا تو جانور حرام ہوگا اور جب جانور کا خون بہانا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور تقرب غیر سے یہ مطلب ہو کہ وہ کھائے اور فائدہ اٹھائے تو ذبح کیا ہو جانور حلال ہے کیونکہ ذبح کا مقصد خون بہانا ہے نہ وہ گوشت اور چربی جو مذبوح سے ذبح کے بعد حاصل ہوتی ہے اور

وعلى هذا قلنا واشترى لعمام من السوق اذ ذبح بقرة او شاة لاجل ان يطبخه صرفاً وطعاماً ليطعم الفقراء ويجعل ثوابها لروح فلان حلت بلا شبهة وعلامة هذه الارادة ان ما يعين بقرة خاصة باسم ذلك الميت ولا يعلمها بشئ بل يكون عندك كل البقر سواسية في ذلك ان اللحم المشتري من السوق والحاصل بعد ذبح البقرة وفاءً في وفاق النذر۔

قولہ والفرق تحكم قد علمت وجہ الفرق فان هناك اراقة الدم باسم الله من غير نية التقرب الى الغير بتلك الاراقة بل ايصال ثواب اليه باطعامه للفقراء وايصال نفع اليه بالاكل كما في الولاثم والاعراس وفي صودة الشراخ الاراقة نفسها عما يتقرب به الى ذلك الغير (فتاویٰ عزیز می ج ۱ ص ۱۵۱ و ص ۱۵۲)

اس وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے بازار سے گوشت خریدا یا گائے اور بکری ذبح کی تاکہ شور باور لکھا تاکہ تیار کر کے فقیروں کو کھلائے اور اس کا ثواب فلاں کی روح کے لئے کرے تو بلاشبہ یہ حلال ہے اور ارادہ کی علامت یہ ہے کہ اس نے نیت کے نام پر جو کچھ مخصوص کی ہے اور اس کو کوئی نشانی بھی نہ لگائے بلکہ اس کے نزدیک اس سلسلہ میں سب کا میں برابر نہیں کہ جو گوشت بازار سے خریدا گیا ہے وہ اور اس مخصوص گائے کا جو ذبح کی گئی ہو گوشت نذر کے پورا کرنے میں بالکل برابر ہو۔ اس کا یہ قول بفرق سینہ زوری ہے بلاشبہ تو فرق کی وجہ معلوم کر چکا ہے کہ بلاشک وہاں اللہ تعالیٰ کے نام پر خون بہانا ہے اس خون ریزی سے غیر کا تقرب نہیں بلکہ فقر کو کھانا کھلا کر ایصال ثواب مراد ہے اور کھانے کا فائدہ ان کو پہنچانا ہے جیسا کہ وہیموں اور شادیوں میں ہوتا ہے اور ذراغ والی صورت یہ ہے کہ خون بہانے میں ہر مصلحت غیر کا تقرب ہو۔

مؤلف مذکور نے اس مفصل عبارت کا اول اور آخر حصہ پیش کرنے کی جرات ہی نہیں کی جس سے مسلک پر وضاحت سے روشنی پڑتی ہے اور جملہ وہ پیش بھی کیے کرتے کیونکہ جس معاملہ وہی کے وہ وہ رہے ہیں اس مفصل عبارت سے ان کا سارا کھیل ہی ختم ہو جاتا ہے اور ان کے لئے اپنا کرتب اور تماشا دکھانا ہی بالکل بے سود ہو جاتا ہے پھر جملہ وہ یہ سودا کیوں کرتے؟ اس مفصل عبارت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ تقرب فی اللہ یا تقرب الی غیر اللہ جس میں غیر کی تعظیم کا پہلو ہو وہ بہ صورت ناجائز ہے اور ذراغ بھی ضروری شق اور صورت میں ہے باقی رہا تقرب الی غیر اس نیت اور ارادہ سے کہ وہ غیر اس کا گوشت کھائے اور

اس سے فائدہ اٹھائے تو یہ ایصالِ ثواب (اور اگر کم ضیف) وغیرہ میں ہے جیسے کہ ولیمہ اور شادی وغیرہ میں جانور ذبح کئے جاتے ہیں اور ان کی قلت میں کوئی کلام نہیں الغرض تقرب الی غیر اللہ کے جس نزاعی پہلو کو وہ اجازت قرار دیتے ہیں اس کو وہ اول سے آخر تک اجازت ہی کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ولیمہ عقیقہ، نصاب کا گوشت کر کے نفع کما نا وغیرہ اس مدین نہیں ہے اور وہ بلاشبہ جائز ہے خدا کرے کہ مؤلف مذکور کو علماء کی عباتیں سمجھنے کی توفیق نصیب ہو خلاصہ کلام ہے کہ بعض جاہل عوام جس تقرب کی نیت سے گیارہویں دیتے ہیں وہ حضرت شاہ صاحبؒ کی مالوت و شروبات والی عبارت اور ان مذکورہ مفصل عبارت کی زد میں ہے لہذا اس کے حرام اور ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

ہمیں رسولؐ کی تعلیم عام کرنا ہے حیات اہل کے لئے کم ہے کیا کیا جائے

گیارہویں بصورت ایصالِ ثواب | تنقید میں یہ لکھا گیا تھا کہ جو لوگ تقرب کی نیت سے نہیں بلکہ ایصالِ ثواب کے ارادہ سے گیارہویں دیتے ہیں تو انہوں نے اس ایصالِ ثواب کے لئے امت میں سے صرف حضرت شیخ صاحبؒ کا ہی انتخاب کیوں کر لیا ہے؟ اور وہ تو ثواب اس نہیں آتا؟ اگر یہ محض ایصالِ ثواب ہے تو ماں باپ اور لواحقین کو کیوں نہیں کرتے کسی نماز و روزہ چھوٹ گیا ہوگا اور کسی سے گناہ سرزد ہوئے ہوں گے اور یہ لوگ گیارہویں کی عبادت میں صرف اسی بزرگ کو کیوں ایصالِ ثواب کرتے ہیں جو بفضلِ تعالیٰ نیکیوں سے مالامال ہیں۔

مؤلف مذکور اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولوی نمر ز صاحب کو امت مسلمہ کا بڑا درد ہے اور وہ اس بات کے بے حد آرزو مند ہیں کہ لوگ اپنے ماں باپ کے لئے ایصالِ ثواب کریں لیکن یہ گلہ سرین کے آنسو ہیں اور بناؤ فی رونا و صونا ہے اہل سنت کو مسلک ہے جیسا کہ صمد الافاضل نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ مسلک گیارہویں تیجہ چالیسواں وغیرہ سب متاخر فنہم یدفقدون میں داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ فاتحہ تیجہ اور چالیسواں عام لوگ ماں باپ اور رشتہ داروں کے ایصالِ ثواب کے لئے کرتے ہیں فاتحہ سے علی الاطلاق ثواب پہنچایا جاتا ہے اور تیجہ سے تیسرے دن اور چالیسواں پہلے دن لہذا مولوی سرفراز صاحب کا دعویٰ باطل ہو گیا اصل مقصد ان کا اگر ہوں کی طرح تیجہ اور چالیسواں وغیرہ کو بھی بدعت و مکروہ و مذموم کہنا ہے جیسا کہ تنقید میں ۷۵ میں ہے ظاہر ہو گیا کہ شیخ جیلانی کے لئے ایصالِ ثواب کرنا بھی مولوی سرفراز صاحب کے نزدیک حرام ہے اور عام اموات کے لئے بھی

ایصالِ ثواب کرنا مکروہ و بدعت سے خالی نہیں پھر وہ کونسا ایصالِ ثواب ہے جو بلاشبہ جائز اور صحیح ہے اور جس پر اکثر فتویٰ متفق ہیں؟ ممکن ہے اس کے جواب میں مولوی سرفراز صاحب یہ کہیں کہ بغیر تعیین یوم کے ایصالِ ثواب کیا جائے تو جائز ہے لیکن میں بھی یہ بتلاؤں کہ بغیر تعیین کے کسی شخصے کا تحقق کس طرح ہو سکتا ہے؟ مولوی سرفراز صاحب کا یہ کہنا قطعاً باطل ہے کہ جو بزرگ نیکیوں سے مالامال ہوں اس کو ایصالِ ثواب نہیں کرنا چاہیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کی نیکیاں ہو سکتی ہیں؟ مگر شکوۃ ۱۲۷ میں ابو داؤد و ترمذی کے حوالہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ وہ آپ کی طرف سے قربانی کریں چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے تھے کیوں سرفراز صاحب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھا کہ وہ نیکیوں سے مالامال ہیں پھر آپ نے فرمایا کہ آپ کو کیوں قربانی کے ایصالِ ثواب کے ساتھ خاص کر لیا امت کے گنہگار افراد کے لئے کیوں نہ وصیت فرمائی انھاس العاقبتین سلم میں ہے کہ شاہ عبدالرحیم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایصالِ ثواب میں ان کے پاس آپ کی نیاز دینے کے لئے کوئی چیز میسر نہ تھی آخر کار کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ پر نیاز دی ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس انواع و اقسام کے طعام حاضر ہیں اور ان کے درمیان وہ گڑ اور چنے بھی رکھے ہیں آپ نے کمال سرت و التفات سے فرمایا اور انہیں طلب فرمایا اور کچھ آپ نے تناول فرمایا اور آپ نے اصحاب میں تقسیم کر دیا۔ دیکھئے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے والذنبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں آپ ان سے سوال کیجئے کہ آپ تو ثواب سے مالامال ہیں شاہ صاحبؒ دوسروں کو ایصالِ ثواب کیوں نہیں کرتے؟ کاش نادانوں کی عقل میں یہ بات آسکتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا عنوت اعظمؓ اور دیگر مقربین حق کی بارگاہ میں ایصالِ ثواب اس لئے نہیں کیا جاتا کہ انہیں ہمارے اہداء ثواب کی احتیاج ہے اور انہیں ہم سے کسی فائدہ کی خواہش ہے بلکہ انہیں ایصالِ ثواب کرنے کی خود ہی حاجت ہے تاکہ ان کے ساتھ رابطہ قائم ہو اور ممکن ہے میدانِ محشر میں یہی تعلق اور نسبت کام آجائے اور ہم تقربین کی شفاعت سے بہرہ مند ہو جائیں مقربان حق سے فائدہ رکھنے والے اور ان کی تقصیر کرنے والے اللہ تعالیٰ کی ان وعید کو کیوں بھول جاتے ہیں جو میرے ولی سے عداوت اور دشمنی رکھتا ہے میں اس سے جنگ کا

اعلانِ اول (مشکوٰۃ ۱۹) (محصلاً ص ۸۹ تا ص ۹۲)

الجواب . ہمارے سوال کا جواب تاہنوز مولف مذکور کی گردن پر شیر بہر کی طرح سوار ہے ہم نے یہ کہا تھا کہ اگر بعض محتاط قسم کے لوگوں کے نزدیک گیارہویں ایصالِ ثواب کا نام ہے تو خیال ان کے اس اہتمام اور تعین کے ساتھ ہر علاقہ کے لوگ ہر گیارہویں تاریخ کو اپنے ماں باپ اور لواحقین کو کہوں ایصالِ ثواب نہیں کرتے؛ اس مقام پر مولف مذکور کا یہ کہنا کہ عوام فانی تہجد اور حلیم کی صورت میں اپنے ماں باپ اور لواحقین کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں بالکل غیر متعلق بات ہے ہم نے مطلق ایصالِ ثواب کی بات یہاں نہیں کی تا کہ نبرہم غلویش بعض متعین کردہ افراد پر حلیم وغیرہ کے تذکرہ سے اس سوال سے آسانی کے ساتھ گلو غلو صبی ہو جائے۔ راجح اور حلیم وغیرہ تو وہ اپنے مقام کی بحث سے ان لوگوں کا شرعاً کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ انشاء اللہ تعالیٰ اپنی جگہ پر مذکور ہو گا اور کافی حد تک ہر موعیہ پر چکا ہے نیز ہم آپ کے صدر الافاضل کا یہ ناروا بیان ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ گیارہویں تہجد اور حلیم ہمارے عقائد کی تفسیر میں شامل ہیں کیونکہ اگر یہ بدعات اس کی تفسیر میں شامل ہوتیں تو ضرور حضرات صحابہ کرام سے لے کر تاہنوز مفسرین کرام اس کی تفسیر میں ان کا ذکر فرماتے اور وہ ہرگز اس سے نہ چوتے مولف مذکور کا یہ کہنا کہ شیخ جیلانی کے لئے ایصالِ ثواب کرنا بھی مولوی سرفراز صاحب کے نزدیک حرام ہے۔ نرسے تعصب بلکہ گندہ و ہنیت کی پیداوار ہے اس لئے کہ سرفراز نے جو بات تہذیب میں کہی ہے وہ یہ ہے کہ گیارہویں بصورت تقرب حرام ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہمارے ذہنی دلائل و براہین کی موجودگی میں مولف مذکور باوجود چکر کاٹنے کے اور طرح طرح سے پیہڑ سے بدلنے کے بھی اس کی حلت ثابت نہیں کر سکے اور تہذیب میں رد میں ٹھوس دلیل کے ساتھ یہ ثابت کرنے کے بعد کہ موعود گیارہویں ایصالِ ثواب کی مدین بھی شمار نہیں کی جاسکتی۔ لکھا ہے کہ گیارہویں کو ایصالِ ثواب کی مدین رکھنا بھی کسی طرح حشر سے خالی نہیں ہے۔ کہاں یہ الفاظ اور کہاں ان کو حرام سے تعبیر کرنا عہدیں تفاق و راہ است از کجا تا کجا۔ ہاں تہجد اور حلیم وغیرہ کو بدعت مکروہ اور مذموم سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف کوئی عقلی اور نقلی صحیح دلیل موجود نہیں ہے جیسا کہ عیاں ہے اور باقی انشاء اللہ تعالیٰ عیاں ہو جائے گا باقی عام اموات کے لئے حلال و طیب مال سے شرعی طور پر وراثت تقسیم کرنے کے بعد ایمان و اخلاص و اتباع سنت کے جذبہ کے ساتھ بغیر ایام کی تعین کے جو ایصالِ ثواب ہو وہ درست ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ شرعاً ایک مطلوب امر ہے مولف مذکور کا یہ کہنا کہ بغیر تعین کے کسی شے کا تحقق کیسے ہو جاتا ہے

پان کے محض طفلانہ ذہن کا نتیجہ ہے اس لئے کہ ایک ہے تعین عرفی مثلاً بعض لوگ دوسرا بعض پانچواں بعض چھٹا بعض آٹھواں دن و علیٰ ہذا النقیاس کوئی اور دن اپنی سہولت کے لئے طے کر لیتے ہیں اس کا کوئی منکر نہیں ہے انکار اس کا ہے کہ ہر قوم اور ہر شخص اور ہر جگہ اور ہر بدعت پسند علاقہ میں تیسرا ہی دن متعین ہو و سوال دن ہی مقرر ہوا اور حلیم ہی طے شدہ ہو کہ بغیر اطلاع دینے خود بخود رشتہ دار ان دنوں میں کشاں کشاں طوعاً و کرہاً حاضر ہوں اور نہ شریک ہونے والے کو بنظر حقارت دیکھا جائے یا اس پر وہ بابت کا فتویٰ ٹھونس دیا جائے اور آنے والے بھی بعض لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ ہے تو یہ فضول رسم ہی مگر کیا کریں آخر رادری اور رشتہ داری کا معاملہ ہے نہ شریک ہوں تو ناک کی خیر نہیں رہتی اور خیر سے بچ کر نام ہی آج کل عموماً رسم قتل ہے یہ ہے تعین حقیقی جس کو ہم ہی نہیں بلکہ حضرت فقہاء کرام بھی بدعت کہتے ہیں اور بقول علامہ طیبی (رحمہم اللہ) عبد اللہ الطیبی المتوفی ۷۷۳ھ لوگ اس کو جماعت میں حاضر ہونے سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں (دیر و زار) ح من المصنوع للجماعۃ بحوالہ فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱۱ الغرض نفس ایصالِ ثواب اپنی شرعی شرائط کے ساتھ جائز اور صحیح ہے ایسی تعین بدعت ہے جس کا ذکر بھی اوپر ہوا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے یہ سوال ہوا کہ بیع الاول کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کھانا پکانا اس کا ثواب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچانا اور اسی طرح محرم کے دنوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کو اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دیگر آل اطہار کو ثواب پہنچانا صحیح ہے یا نہیں؟ و محصلہ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

جواب انسان در کار خود مختار است میرسد کہ ثواب خود برائے بزرگان با ایمان گرداند لیکن برائے اس کار وقت و روز تعین نمودن و ماہی مقرر کردن بدعت الی قولہ و ہر چیز کہ برائے ترغیب صاحب شرع و تعین وقت نباشد آن فعل عبث است و مخالف سنت سیدالانام و مخالف سنت حرام است پس ہرگز روا نہ باشد و اگر و دش خواہد

اسلم کی طرف سے قبول فرما۔

شرح حدیث بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ قربانی امت کے ایصالِ ثواب ہی کے لئے کی تھی جس میں ظاہر ہے کہ گنہگار بھی شامل ہیں اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو نبی معصوم ہیں ایصالِ ثواب کہاں جو تمام امت کے لئے کیا گیا۔ اور حضرت علی کا جو صحابی اور امتی ہیں ایصالِ ثواب کہاں؟ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے لہذا مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے آپ کے لئے ایصالِ ثواب کے لئے قربانی کی وصیت کیوں خاص کی اور امت کے گنہگار افراد کے لئے کیوں نہ وصیت کی (محصلاً) ایک لایعنی بات ہے اس لئے کہ آپ کو اپنی امت کے گنہگار افراد کا بھی جہاں غنا اور اسی لئے تو آپ نے ان کی طرف سے قربانی کی اور حضرت علی حدیث اولاً تو صحیح نہیں کہ امر و نہایتاً چونکہ وہ آپ کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے اس لئے یہ مسئلہ واضح کرنے کے لئے ان کو وصیت فرمائی تاکہ معلوم ہو جائے کہ بزرگ ترین شخصیت کو بھی ایصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے۔ الغرض آپ نے خود اپنے ہاتھ مبارک سے امت کے لئے ایصالِ ثواب کے لئے قربانی کی علاوہ انہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر دوں کے لئے دعا اور صدقہ وغیرہ کی امت کو جو یقین فرمائی ہے وہ بھی اسی خیر خواہی کی ایک کڑی ہے اور اس مضمون کی روایات پر شرح الصدور کتاب الروح اور تذکرہ قرطبی وغیرہ کتابوں میں سیر حاصل بخت موجود ہے۔ غرضیکہ امت کے گنہگاروں کو بھی بجلیا نہیں گیا آخر میں مؤلف مذکور نے حدیث من عادی دلیبا فقد اذنت بالحراب نقل کر کے عوام کو یہ باور کرانے کی اہم کوشش کی ہے کہ جو لوگ حضرت شیخ صاحب کی گیارہویں کے منکر ہیں وہ معاذ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور اولیاء کرام کی تنقیص کرنے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی وعید کی زد میں ہیں مگر ہم مفصل عرض کر چکے ہیں کہ نفس ایصالِ ثواب کے ہم منکر نہیں اور معاذ اللہ تعالیٰ اولیاء کرام اور علی الخصوص حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی توہین و تنقیص کرتے ہیں ہم تو تمام کو اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے سمجھتے ہیں اور ان کی محبت اور اتباع کو اپنے لئے نجات کا

حسب حدیث شریف المرامع من احب لیکن اگر آپ لوگ ان حضرات سے خدائی صفات کی نفی اور بدعات کی تردید کو معاذ اللہ تعالیٰ ان کی تنقیص سمجھتے ہیں تو یہ آپ لوگوں کی کم فہمی یا کج بینی کا غلط نتیجہ ہے اور ایسی نام نہاد توہین تو معاذ اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرام سے لے کر آج تک محدثین کرام فقہاء عظام اور بزرگان دین کرتے رہے ہیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز

صاحب کے حوالہ سے ایسی توہین آپ مفصل سن چکے ہیں اعلیٰ کی حاجت نہیں ہے اور اگر بقول ایکے گیارہویں دینا اللہ تعالیٰ کی دشمنی کا موجب ہے تو اس میں آپ لوگ بھی شریک ہیں کیونکہ لاکھوں بلکہ کروڑوں اولیاء کرام کے نام پر آپ لوگ بھی گیارہویں زدے کر اللہ تعالیٰ سے دشمنی مول لے رہے ہیں مگر آپ کہہ سکتے ہیں خدا پرست ہے پھر بھی بھٹک ہی جاتا ہے خطا بھی فطرت آدم ہے کیا کیا جائے

یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ سرفراز صاحب نے فتاویٰ ضویہ سے آنحضرت کی بشارت پیش کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہونخواہ میسر دن باقی یہ تعین عوفی ہے جب چاہیں کر لیں انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے و بدعت ہے اس پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ ہجرت اور تاسف کی بات ہے کہ جو چیز فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت کے نزدیک بھی بدعت ہے وہ قرآنی حکم کی تفسیر کیسے بن سکتی ہے نہ تنقید و نہ مولوی سرفراز صاحب کو پتہ نہیں چلایا جان بوجھ کر جاہل بنے ہیں اعلیٰ حضرت تو تعین ضروری جاننے کو بدعت قرار دیتے ہیں جو کہ تعین شرعی ہے اور تعین عوفی کو جائز قرار دیتے ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں کلام اس میں ہے کہ وجوب تعین کے اعتقاد کے بغیر سوئم جائز ہے یا نہیں؟ اور محمد اللہ سرفراز صاحب اس کے علم جواز پر کوئی دلیل نہیں لاسکے خود اعلیٰ حضرت کا مستقل رسالہ الحجۃ الفاطمہ چھپ چکا ہے جس میں اکابر و اہل بیہ اور دیار نہ کی عبارتوں سے جواز چہلم سوئم اور عرس پر استدلال کیا گیا ہے سرفراز صاحب میں بہت ہے تو ان عبارتوں کا جواب دیں مار کھا کر بیوزان لوگوں کی پرانی عادت ہے۔ رونے دہونے سے آپ پر رحم تو آ سکتا ہے لیکن دعویٰ تو دلائل سے ثابت ہوگا اسی طرح سرفراز صاحب نے دیگر فقہاء کرام کی عبارتوں سے مواد پیش کیا ہے کہ موت کے تیسرے دن ضیافت کرنا مکروہ ہے کہ وہ خوشی کے موقع پر ہوتی ہے اور غم اور سوگ کا موقع ہے لیکن یہ ان کو کون سمجھائے کہ سوئم میں قل فاتح اور طعام کا ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور ایصالِ ثواب کو اصولی طور پر وہ بھی مانتے ہیں جس پر وہ جملہ ائمہ فتویٰ کا اتفاق تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ ایصالِ ثواب اسی وقت خارج میں متحقق ہوگا جب کسی قید کے ضمن میں ہوگا یا وفات کے پہلے روز ہوگا یا دوسرے یا تیسرے روز اگر کسی کا من حیث ہو ہو خارج میں متحقق بدو کسی فرد کے متصور ہے تو بڑے گرم اس منطق سے زمین بھی مطلع کریں اور اگر آپ نے ایصالِ ثواب کو محض لحاظ عقلی اور مرتب حصول میں مانا ہے تو چلیے آپ اس پر کوئی صریح حدیث پیش کر دیجئے چشم

الجواب۔ ہم نے تنقیدتین میں علامہ ابن امیر الحاج امام ابن حجر مکی امام موفق الدین ابن قدامہ امام کوردی امام نووی ملا علی القاری۔ قاضی ثنات اللہ صاحب پانی پتی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تھانوی نصیر الدین اور مولانا عبدالحی کامنوی کے حوالے سے صریح عبارات نقل کی تھیں لیکن مولف مذکور ان سب کو پنی گئے ہیں اور ذکر تک نہیں لیا ان تمام عبارات میں ممانعت کی وجہ ایصال ثواب کے لئے تیسرے دن کی تعین کی صراحت ہے ان پیش کردہ عبارات میں ممانعت کی وجہ ضیافت نہیں جیسا کہ ان عبارات کی مولف مذکور نے بیجا تائیل کی ہے اور امام ابن حجر مکی کی عبارت میں یہ الفاظ موجود ہیں تیسرے دن فقراء وغیرہم کے لئے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے الی قول سب کی سب بدعات مذکورہ ہیں، مولف مذکور کس طرح عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں اور ان ٹھوس اور محکم عبارات سے گلو خلاصی کے لئے تاویل نہیں بلکہ تحریف کہتے ہیں کیا علم و دہانت اسی کا نام ہے پھر اس کے بعد ہم نے خود ان کے علی حضرت کے تین حوالے عرض کیے تھے ایک احکام شریعت کا اس کا بھی انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسرا الحجۃ الفصحی کا اس کا بھی انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا ان البنتہ الفتاوی الرضویہ کی عبارت کا جواب دینے کی ناکام کوشش کی ہے مگر خانصاحب کی عبارت خود مولف مذکور پر نفرین کر رہی ہے اور وہ خود چلا چلا کر کہہ رہی ہے کہ میرا جواب نہیں ہوا ان کے الفاظ پھر ملاحظہ کر لیں خانصاحب دوسرے اور تیسرے دن ہی کو تعین عینی کا مصداق نہیں بنا رہے وہ کہتے ہیں جب چاہیں کریں انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے اور بدعت۔ اس عبارت میں خانصاحب جس چیز کو ممانعت کی علت قرار دے رہے ہیں وہ ضیافت نہیں (یہ یاد رہے کہ جن حضرات فقہاء کرام نے یہ فرمایا ہے کہ تین دن تک میت کے گھر میں کھانا نہیں پکا نا چاہیے کیونکہ ضیافت خوشی میں ہوتی ہے نہ کہ غمی میں وہ عبارات ہم نے یہاں نقل نہیں کیں یہاں جو عبارات ہم نے نقل کی ہیں ان میں سوئم۔ سا تو ان۔ دسواں۔ چالیسواں سال کے بعد بڑی کی تصریح ہے اور بعض عبارتوں میں فقراء کے کھلانے کی اور بعض میں طعام قبروں پر لے جانے کی صراحت ہے ان تمام عبارات میں ممانعت کی صریح وجہ ایام کی تعین ہے نہ کہ ضیافت۔ ضیافت کی علت ہونے کی عبارتیں دوسرے مقام پر مذکور ہیں اور ان میں نہیں اور ممانعت صرف تین دن تک کے لئے ہے مولف مذکور اپنی جہالت کی وجہ سے ان کو گڈ مڈ کر رہے ہیں) بلکہ ایام کی تعین ہے جیسا کہ ان کی عبارت

سے بالکل ظاہر ہے اور جس تعین کو خانصاحب تعین عینی کہتے ہیں وہ صرف دوم اور سوئم میں منحصر نہیں جیسا کہ مولف مذکور نے اپنی نادانی سے یہ سمجھ رکھا ہے بلکہ اس تعین عینی میں تعین ہے جس پر خانصاحب کے یہ الفاظ دال ہیں جب چاہیں کریں اور دوم اور سوئم کی گنتی کو ضروری سمجھے کہ وہ جہالت و بدعت کہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ خانصاحب اور مولف مذکور کے نزدیک ضروری جاننے سے کیا مراد ہے؟ کیا مراد ہے کہ سوئم کرنے والا گلے میں فحول ڈال لے اور گلی بازاروں میں اسے بجاتا اور ساتھ گانا پھرے کہ لوگوں کو سوئم کو ضروری سمجھتا ہوں یا مراد ہے کہ گوزبان سے تو وہ لفظ ضروری نہیں کہتا لیکن عملاً اس کو ایسا اور اتنا ضروری قرار دیتا ہے کہ اس میں حاضر ہوئے بغیر کوئی چارہ نہیں پاتا اور عاف رکھنا بالعموم ایسا ہی ہوتا ہے اور مہور ہے حتیٰ کہ اجتماعی شکل میں اس بدرسم کو توڑنا جہاد سے کسی درجہ کم نہیں مولف مذکور ہی بہت اور جرأت کر کے اور اپنے شکم مبارک کا آزار لے کر تہجد کی تعین کے خلاف علمی مضمون لکھ کر اخبارات اور رسائل میں چھاپ دیں پھر دیکھیں کہ عوام جو بے لقط سنا لیں گے وہ تو الگ بات ہے آپ کی برادری کے حتمی ملا ہی انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے تکتے بوٹیاں کریں گے معاف رکھنا ضروری اور کس چیز کا نام ہے؟ جس چیز کو خانصاحب تعین عینی سے تعبیر کرتے لوگوں کے عمل سے وہی چیز آج کل تعین حتمی اور شرعی بنی ہوئی ہے۔ الغرض باقی تمام عبارات کو پنی کر خانصاحب کی جس عبارت کا انہوں نے جواب دیا ہے وہ بھی نری دفعہ التوفیقی اور تار عنکبوت سے فرور ہے مولف مذکور کا یہ کہنا کہ بہت اور جرأت ہے تو الحجۃ الفصحی کا جواب دین خالص طفلانہ بات ہے اس لئے کہ الحجۃ الفصحی سے کہیں بڑھ کر ان بدعات کے اثبات پر مولوی عبد السمیع صاحب نے انوار اطعمہ میں حوالے دیئے ہیں جن کا عالمائے اور محققانہ جواب البراہین القاطعہ میں دیا جا چکا ہے آپ تو توفیق ہو تو اس کی تردید کریں پھر خدا تعالیٰ کی قدرت کا کوشش دیکھیں کہ آپ کو کس طرح دن کو تارے نظر آتے ہیں مولف مذکور کا یہ کہنا کہ۔ اسی طرح سرفراز صاحب نے دیگر فقہاء کرام کی عبارتوں سے موازی پیش کیا ہے کہ موت کے تیسرے روز ضیافت کرنا مکروہ ہے الحجۃ اس کے بغیر ہم اور کیا عرض کر سکتے ہیں کہ لغتہ اللند علی الکافرین ہم نے فقہاء کرام کی جو عبارات نقل کی ہیں ان میں کسی ایک میں بھی ممانعت کی علت ضیافت مذکور نہیں ان میں جو کچھ مذکور ہے وہ ایام کی تعین ہے حتیٰ کہ خانصاحب کی عبارت میں بھی ممانعت کی علت ضیافت نہیں قرار دی گئی بلکہ دنوں کی تعین ہی قرار دی گئی ہے جنسوی ہے کہ مولف مذکور اپنے ناخواندہ حواریوں کو جنہوں نے تنقیدتین نہیں پڑھی کس طرح اندھیرے

ہیں رکھے ہیں اور کس طرح صریح جھوٹ پر مکر یا ندھلی ہے عچہ دلا اور است ورنے کے کلف چہراغ اور ہم نے حضرت شیخ عبدالحق صاحب کی یہ عبارت بھی نقل کی تھی آتائیں اجتماع مخصوص روز سوم وار تکلیف تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق تینامی بدعت است و حرام ادراج النبوت ج ۱ ص ۱۰۰ طبع نو لکشور مؤلف مذکور نے اس عبارت کا بھی قطعاً کوئی جواب نہیں دیا اور بعد ازاں ایسی صریح عبارات کا جواب لائیں بھی کہاں سے صرف موٹی سی بے مغز کتاب لکھ کر اپنے حواریوں سے داد تحسین لینا ہی ان کا کمال ہے۔ مؤلف مذکور کی یہ بات بھی بڑی ہی تعجب انگیز ہے کہ مارکھا کر بسورنا ان لوگوں کی پرانی عادت ہے بہر حال رونے دھونے سے آپ پر رحم تو آسکتا ہے لیکن دعویٰ تو دلائل سے ہی ثابت ہوگا۔ اس عبارت میں وہ اپنے سیدھے منادھے اور بھولے بھالے مگر حکم پرست حواریوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ مؤلف مذکور نے علمی توپ سے کوئی ایسا گولا چلا یا ہے جس سے سرفراز جیسا توجید و سنت کا شیدائی اور شرک و بدعت پر لڑی ضرب لگانے والا تجربہ کار اور بوڑھا جرنیل علم کے میدان کا رنار میں گھائل ہو کر گر پڑا ہے اور بیچارہ رودھورا ہے اور مؤلف مذکور کو انسانی ہمدردی کے تحت اس پر رحم آ رہا ہے شاید اش علمی مورچہ یوں ہی نا دلائل مفت میں فسخ کر لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مؤلف مذکور کو گوش موش گن لینا چاہیے کہ حق باطل سے سچ جھوٹ سے توجید شرک سے سنت بدعت سے اور علم جہل سے کبھی مار نہیں کھانا تا مل صرف اپنے ہی حلقہ درس میں اور اپنے ہی حواریوں میں ایک طرف کار وائی کرتے ہوئے صرف ہوائی فائز سے فرضی طور پر دل خوش کرنے کے لئے اپنے مدقابل کو آپ گھائل کر دیں تو یہ صرف آپ کے جھجے جھتے کے کرشمے تک ہی محدود ہے اور بس ان ناک کے بتلوں کو تو چاہے تو کندن کر

انخلاص کی قصوری سہی اکیہ عطا کر دے

الحاصل مؤلف مذکور پوری کتاب میں عموماً اور اس باب میں خصوصاً جواب دینے میں بالکل ناکام رہے ہیں ہماری کسی بات اور کسی حوالہ کا کوئی جواب نہیں دے سکے اور نہ ان سے اس کی توقع ہو سکتی ہے اور آخر میں انہوں نے جو یہ بات کہی ہے کہ اگر کسی من حیث ہو ہو کا خارج میں تحقیق بدوں کسی فرد کے متصور ہے تو اس منطق سے ہمیں بھی مطلع کریں اور اپنے منطقی ہونے کا رعب جمایا ہے یہ بھی نرمی مضحکہ خیز بات ہے اس لئے کہ کالی طبع کے سلسلہ میں مناطفہ میں خاصا اختلاف ہے جمہور علما کیہتے ہیں کہ کالی طبعی خارج میں خود نہیں بلکہ افراد کے ضمن میں متحقق ہوتی ہے اور بعض متاخرین جن میں علامہ نقضانی وغیرہ بھی شامل ہیں یہ کہتے ہیں کہ خارج میں صرف افراد جو وہیں کلی موجود نہیں یعنی افراد کے ضمن میں بھی نہیں جو کچھ خارج میں ہے وہ صرف افراد ہی افراد ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ایصال ثواب کی کلی کے افراد صرف تیسرے ساتواں۔ دسواں۔ گیارہویں چہلم اور ہری وغیرہ ہی ہیں۔ مؤلف مذکور لکھتے ہیں لیکن یہ نفس ایصال ثواب اس وقت خارج میں متحقق ہوگا جب کسی قبہ کے ضمن میں ہوگا یا وفات کے پہلے روز ہوگا یا دوسرے یا تیسرے روز لگے اور جملہ افراد اس کے افراد نہیں ہیں صرف ہی دن ہیں؟ مؤلف مذکور کس بھول میں مبتلا ہیں اور کس قسم چیز کا مطالبہ کرتے ہیں؟ بہت کم سوئم اور گیارہویں وغیرہ افراد کے علاوہ اور افراد پر ایک مضمون لکھ کر اپنا حشر تودرہ دیکھ لیں؟ اور ہم نے کب کہا ہے کہ ایصال ثواب صرف وہی فرضی اور عقلی بات ہے جس پر آپ ہم سے صریح حدیث طلب کرتے ہیں؟ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھ کی توفیق بخشے گو یہ امید عبت ہے

بجلی سے نہیں جاتی کاشنانوں کی تاریکی ایمان کے چراغوں کو نور عطا کر دے

یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ایصال

مسئلہ ایصال ثواب دلائل شرعیہ کی روشنی میں

ثواب اہل سنت کے نزدیک جائز ہے اور معتزلہ چونکہ حیات الاموات کے منکر ہیں اس لئے وہ ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں اس مسئلہ کو متکلمین نے کتب عقائد میں ذکر کیا ہے۔ پہلا حوالہ انہوں نے شرح عقائد ص ۲۵۲ کا دیا ہے کہ زندہ لوگ مردوں کے لئے جو دعائیں لگتے اور صدقات کرتے ہیں ان سے ان کو نفع پہنچتا ہے معتزلہ اس میں خلاف ہے۔ دوسرا حوالہ مشکوٰۃ ص ۱۶۹ سے پیش کیا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کنواں کھود کر ان کو بہترین صدقہ کی تلقین فرمائی تیسرا حوالہ اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۶۹ سے نقل کیا ہے کہ اہل حق کا ندب یہ ہے کہ عبادت بنیز کا ثواب بھی پہنچتا ہے اور چوتھا حوالہ مسائلربعین ص ۳۳ سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا نقل کیا ہے کہ علماء حنفیہ کے نزدیک بدنی اور مالی دونوں عبادتوں کا ثواب میت کو پہنچتا ہے جیسا کہ پہلے میں ہے اور پانچواں حوالہ بغیر صفحہ بتائے شرح الصدور ص ۱۲۹ میں ہے۔

حضرت انس کی مرفوع روایت کا ذکر کیا ہے کہ میت کی طرف سے جب کوئی صدقہ کرتا ہے تو جویرائیل علیہ السلام اس کو نورانی طبق میں رکھ کر میت سے خطاب کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں کہ تیرے اہل عمار نے پیش کیا ہے اور میت اس سے بہت خوش ہوتی ہے اور چھٹا حوالہ بھی بغیر صفحہ بتائے شرح الصدور ص ۱۲۷ میں ہے۔ صفحہ حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت کا پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عبد صالح کا درجہ جنت میں بلند فرماتا ہے وہ کہتا ہے یہ کیسے؟ تو رب تعالیٰ فرماتا ہے تیری اولاد کی دعا کی وجہ سے

الجواب معلوم نہیں کہ مؤلف مذکور نے بلا ضرورت اور غیر متعلق بحث یہاں کیوں چھیڑ دی ہے یہ حوالے تو اس شخص کے خلاف وہ پیش کرتے جو ایصالِ ثواب کا یا قبور میں حیات کا منکر اور معتزلہ کے نظریے کا حامل ہو بوجہ اللہ تعالیٰ ہم نے تسکین الصدور اور سماع الموتی میں حیات فی القبور پر باحوالہ ٹھوس بحث کی ہے جس سے بشرط انصاف کسی منکر کو انکار کی گنجائش ہی نہیں رہتی اور ایصالِ ثواب کے بارے میں ہم نے راہِ سنت و غیرہ کتابوں میں بقدر ضرورت باحوالہ بحث کر دی ہے اس مفروضہ بحث کے بجائے مؤلف مذکور کو سوئم وغیرہ آیام کی تعین کی بدعت ہونے کے بارے معقول جوابات دینے چاہیے تھے جن سے لوگوں کی علمی بیاس سچتی لیکن وہاں توخیر سے مؤلف مذکور ریشہ فحطی ثابت ہوئے اور اس غیر متعلق اور غیر ضروری بحث میں گاؤربان بن رہے ہیں شاید اپنے ناخواندہ حواریوں کو یہ بتانا مقصود ہو گا کہ سرفراز معاذ اللہ تعالیٰ معتزلہ کا ہم نوا ہے اور نفس ایصالِ ثواب کا منکر ہے اور ہمارے خلاف اپنے دعویٰ کے اثبات بردلائل تو مؤلف مذکور کے پاس ہیں نہیں اس طریقہ سے کہ کتاب میں فضول بھرتی کر کے اس کو ضخیم بنا دیا جائے تو ام سرفراز سے متنفر اور بدظن ہوں گے اور اس کی کتابیں خریدنا اور پڑھنا ترک کر دیں گے مگر یہ مؤلف مذکور کا نرا وہم ہے

بے باک ہیں دوانے راہوں میں بغاوت کے ان پاؤں کو طاقت کی زنجیر عطا کر دے

ایصالِ ثواب میں تعین کی توضیح

یعنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ سرفراز صاحب نفس ایصالِ ثواب کے قائل ہیں ماہ النزاع سوئم۔ گیا دھویں اور عس وغیرہ کی معین تاریخوں میں ہے کہ ایصالِ ثواب جائز ہے یا نہیں؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ جائز ہے کیونکہ ایصالِ ثواب کا حکم کلی جب ثابت ہے تو ایسا غوجی پڑھنے والا بھی جانتا ہے کہ کلی اپنے افراد کے ضمن میں پائی جاتی ہے لہذا سوئم وغیرہ اس کے افراد ہیں سرفراز صاحب نے اعلیٰ حضرت اور دوسرے فقہاء کرام کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ تعین بدعت ہے سو لگدازش ہے کہ مطلق تعین بدعت نہیں تعین شرعی بدعت ہے کوئی شخص یوں اعتقاد کرے کہ گیارہ تاریخ کو ایصالِ ثواب کیا گیا تو صحیح ہے اور بارہ کو حرام ہے۔ اگر ان تاریخوں میں ایصالِ ثواب فرض و واجب سمجھے تو تعین یقیناً بدعت سیدہ اور محض باطل ہے۔ اگر ہماری تحقیق نہیں مانتے تو اپنے پیر روشن ضمیر کی بات مان لیجئے وہ فیصلہ بہت مسئلہ میں تحریر فرماتے ہیں نفس ایصالِ ثواب ارواح اموات

میں کسی کو کلام نہیں اس میں بھی تخصیص و تعین کو تو قوف علیہ ثواب کا سمجھنا فرض و واجب اعتقاد کر کے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقلید یا صحیح تفسیر ہے۔ صقدر ہیئت کذا لیر ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا بصلحت نماز میں سورہ خاص معین کرنے کو فقہاء و محققین نے جائز رکھا ہے۔ اہل سنت ان عرفی تاریخوں کو فرض و واجب اور ان کے علاوہ تاریخوں کو حرام نہیں سمجھتے اور آیام میں بھی ایصالِ ثواب کو جائز سمجھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں سرفراز صاحب کو بھی طوما و کرھا اس کا آثار کز اذرا نقیدتین منہ میں ہے اب کچھ ہوشیار قسم کے لوگوں اور بطن پروروں نے یہ جملہ شروع کر دیا ہے کہ کسی جگہ تو گیارہویں تاریخ کو یہ دن منالیبتے ہیں اور کسی دوسری جگہ بارہویں اور تیرہویں کو (مجلد ۹۲ تا ۹۶) ایصالِ ثواب۔ مثل مشہور ہے کہ ساون کے اندھے کو ہر ای نظر دکھائی دیتا ہے یہی حال مؤلف مذکور کا ہے کہ ان کو ایصالِ ثواب کے لاعداد آیام میں صرف سوئم گیارہویں چیلیم۔ اور برسی وغیرہ ہی نظر آتی ہے دوسرے افراد ان کو قطعاً دکھائی ہی نہیں دیتے اور ہم بقدر ضرورت بحث اس پر پہلے کر چکے ہیں مؤلف مذکور اپنے اعلیٰ حضرت اور دوسرے فقہاء کرام کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مطلق تعین بدعت نہیں بلکہ تعین شرعی بدعت ہے کہ گیارہ تاریخ کو ایصالِ ثواب صحیح ہے اور بارہ کو حرام ہے مؤلف مذکور بھی عجیب شخصیت کے مالک ہیں اور سچ تو یہی ہے کہ دروغ گور حافظ نہ باشد۔ قائلین کرام کو یاد ہو گا کہ پہلے مؤلف مذکور نے نقیدتین میں پیش کردہ حضرات فقہاء کرام کی عبارات کے بارے میں لکھا تھا کہ سرفراز صاحب نے دیگر فقہاء کرام کی عباراتوں سے موازی پیش کیا ہے کہ موت کے تیسرے روز ضیافت کرنا مکروہ ہے اور وہاں تو ممانعت کی علت ضیافت بتلائی تھی اور یہاں انہیں حضرات فقہاء کرام سے مخالفت کی وجہ تعین آیام بیان کی ہے آخر اس دورنگی چال اور گورکھ صندے کا کیا سبب ہے؟ ممکن ہے مؤلف مذکور کے نزدیک اس پر عمل ہو گا لنگا لنگے تو گنگا کرام اور جننا گئے تو جننا داس ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور پھر دوبارہ ہوض کرتے ہیں کہ اگر آپ میں بہت اور جرات ہے تو سوئم گیارہویں چیلیم اور برسی وغیرہ کو عملاً جماعتی صورت میں اپنی جگہ سے ہٹا کر بتادیں ہم بھی آپ کی بکرامت تسلیم کر لیں گے اور یہ تمجیس کے واقع حلوہ نمودار میں بھی کوئی خالص دینی انقلابی مرد پیدا ہوا ہے اور اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں کر سکیں گے تو پھر کا طبعی کے ان چند افراد کی رام کہانی کو بار بار دہرانے کی تکلیف نہ اٹھائیں عمل صورت میں عوام نہیں بلکہ آپ جیسے خواص ہیں ان آیام میں حاضری جمعہ و جماعت میں حاضری سے بھی زیادہ اہم سمجھتے ہیں اور ان کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتے تو پھر اس کے بدعت سید اور باطل محض ہونے میں کیا شبہ ہے؟ ہمارے حضرت پیر روشن ضمیر کی عبارات

آپ کو ہرگز سو نہ نہیں کیونکہ آج کل عوام کیا بلکہ خواص بھی ان آیام کی کارروائی کو عملاً فرض و واجب سے زیادہ
 اہمیت دیتے ہیں لہذا اس کے ممنوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہاں اگر کسی موقع پر کوئی شخص وقتی مصلحت
 کے پیش نظر دوسرے دن کی تعیین کرے اور کوئی اپنی خفاگی مصلحت کی وجہ سے چوتھے دن کی کرے کوئی اور
 اپنی وقتی مصلحت کے لئے پانچویں دن کی کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں مگر آج کل ایسا کون کرتا ہے اور
 کہاں ہوتا ہے؟ حضرات فقہاء کرام نے کسی سورت کو تعیین کرنے کی صرف اس صورت میں اجازت دی ہے کہ
 اس سورت کا پڑھنا آسان ہے یا اس لئے کہ ان حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ پڑھی ہے اس لئے بطور
 تبرک اس کو پڑھنا ہے اور ظاہر ہے کہ تنازع فیہا آیام کی تعیین (دوسرے آیام سے صرف نظر کرتے ہوئے)
 نہ تو نسبت دیگر آیام کے شرعاً آسان ہے نہ عقلاً جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 کی ذات گرامی کو کیا حضرات سلف صالحین سے بھی ان آیام کی تعیین ثابت نہیں بلکہ وہ اس کو بدعت سیدنا
 سے تعبیر کرتے ہیں۔ مؤلف مذکور نے ترقیہ تہذیب کا پورا احوال نہیں جس میں بات کھلتی ہے لفظ تیرھویں
 کو۔ کے آگے یہ عبارت ہے وہ بتلاتے تو یہ ہیں کہ لیسے ہم گیارہویں تاریخ کو ہی ضروری نہیں سمجھتے لیکن
 اصل بات وہ عوام الناس سے بالکل اوچھل رکھتے ہیں وہ یہ کہ اس طریقہ سے ان کے لطف مبارک کے لئے
 متعدد جگہیں نکل آتی ہیں اور کوئی جگہ ہاتھ سے نہیں جاتی اڑ تو بظاہر مسئلہ کی ہے مگر انتظام سب پیٹ
 کا ہے اور عوام الناس کو وہ آئے دن بجائے دلائل و براہین کے چاولوں اور مٹھلوں سے مطمئن کرتے
 رہتے ہیں انتہی (صفحہ ۵۹) اس ساری عبارت کو بھی ملاحظہ فرمائیے اور پھر نتیجہ مؤلف مذکور نے اس سے
 نکالا ہے اس کو بھی ملاحظہ کریں کہ چہ میگویم و طبل من چہ میسراید مگر وہ کہہ سکتے ہیں
 بڑا ہوتا مہدم راز تو نے کیا ہم کو رسوا بڑا کہتے کہتے

گیارہویں کو حرام کہنا بدعت ہے | یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے جو کچھ اس کے تحت
 لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے عرفی تاریخوں میں ایصالِ ثواب کرنا ہمارے نزدیک واجب اور غیر میں حرام
 نہیں ہم مطلق شرعی کو اس کے اطلاق پر رکھتے ہیں لیکن آپ نے سوئم بقیعہم گیارہویں اور عرس
 وغیرہ آیام میں ایصالِ ثواب کو حرام کر کے اطلاق شرعی کو باطل اور معاذ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم کی تغلیط کی ہے۔ نیز جب آپ نے ان تاریخوں میں ایصالِ ثواب کو حرام قرار دیا اور باقی آیام
 میں جائز رکھا تو ان آیام کو آپ نے ثواب کے لئے متعین کر دیا اور یہ تعیین عرفی نہیں جس سے آپ کی جان

چھوٹ جائے بلکہ تعیین شرعی ہے تو سال کے تین سو بیسٹھ دنوں میں سے ہم پر سات دنوں کی تعیین کا اعتراض
 ہے تو آپ پر تین سو اٹھاون دنوں کی تعیین کا اعتراض ہے اس شرعی حرج اور تعیین شرعی پر آپ
 کے پاس کوئی صحیح اور صریح دلیل ہے اور تعیین شرعی کے بدعت ہونے میں کسی کو کلام نہیں مگر حساب
 ذرا ہوش میں اگر جواب دیجئے کہ تعیین شرعی بریلویوں کی بدعت ہے یا دیوبندیوں کی ع وہ الزام ہم کو دیتے
 تھے قصور اپنا نکل آیا۔ (محصلا صفحہ ۹۹ و ۱۰۰)

الجواب کہاوت مشہور ہے کہ بلی کو چھپھڑوں کے خواب ہی نظر آتے رہتے ہیں یہی حال مؤلف مذکور
 کا ہے کہ موقع محل ہویا نہ ہو سوئم۔ گیارہویں اور بیہم وغیرہ ان کے ذہن سے نکلتے ہی نہیں اور انقش فی الخ
 کی طرح یہ ان کے ذہن میں جاگزیں ہیں اور تنقید تہذیب کے ٹھوس حوالوں نے ان کو کچھ ایسا حواس باختہ کر دیا
 ہے کہ وہ کہ ان کو گیارہویں اور سوئم وغیرہ ہی یاد آتے ہیں کہ ہائے کیا بن گیا؟ اور کس طرح شکم شریف پر
 حکم حوالوں کا گولہ پڑ گیا؟ مگر اس داویل سے کیا حاصل؟ علمی گولہ جو کام کرنا تھا وہ بفضلہ تعالیٰ کچھکا ہے
 اور رہی یہی کسر بھی انشاء اللہ تعالیٰ نکل جائے گی۔ مؤلف مذکور اور ان کی پارٹی اگر بقول خود سوئم وغیرہ
 عرفی تاریخوں میں ایصالِ ثواب کو واجب اور غیر میں حرام نہیں سمجھتے تو عملی صورت میں اس پر عمل کر کے
 دکھائیں تاکہ عوام کو بھی یقین آجائے کہ جو وہ کہتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں اگر جماعتی صورت میں ایسا
 کر دکھائیں تو عوام خود بخود سمجھ لیں گے کہ واقعی آپ لوگ اطلاق شرعی کو اپنی اصل پر رکھتے ہیں ورنہ
 سب یہی تجھ پر مجبور ہوں گے کہ مؤلف مذکور اور ان کی پارٹی کے پاس ہاتھی کے دانت ہیں کھانے کے
 اور دکھانے کے اور۔ ہمارا یہ موقف تو نہیں کہ سوئم وغیرہ آیام میں ایصالِ ثواب کرنا حرام ہے عا شا و کلا
 یہ ہم پر زرا بہتان اور خالص جھوٹ ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ انہی آیام کو ایصالِ ثواب کے لئے خاص کر لینا
 اور دوسرے آیام میں ایصالِ ثواب نہ کرنا بدعت ہے۔ نہ تو ہم نے اطلاق شرعی کو باطل کیا ہے اور نہ
 معاذ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تغلیط کی ہے یہ آپ کی خالص شیطنت ہے کہ عوام کے
 جذبات کو خواہ مخواہ ہمارے خلاف بھڑکاتے ہیں جب ہم نے یہ کہا ہی نہیں کہ ان آیام میں ایصالِ ثواب
 حرام ہے تو پھر بیبیوں کی طرح یہ حساب کرنا کہ سات دن کی تعیین کا ہم پر اور تین سو اٹھاون دن کی تعیین
 کا اعتراض تم پر آتا ہے۔ قطعاً بے فائدہ ہے ان آیام کی تعیین شرعی پر آپ لوگوں کے اتفاقاً تعامل سے
 بڑھ کر اور کوئی دلیل آپ کو درکار ہے؟ آپ لوگوں کا تعامل ہی اس تعیین کو تعیین شرعی اور تعیین حقیقی

بتا رہا ہے اور ہم تو شوشویت ان آیام کے جب کہ انہی آیام کی تخصیص نہ ہو باقی تمام آیام میں بھی ایصال ثواب کو تعیین عرفی ہی سمجھتے ہیں اور ہے بھی ایسا ہی لہذا ہم سے دلیل کا مطالبہ سو دوسرے باقی سوئم وغیرہ کی تعیین کے بدعت و حرام ہونے پر ہم نے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی وغیرہ کے حوالے عرض کر دیے ہیں جن سے آپ نے کبوتر کی طرح بالکل آنکھیں بند کر لی ہیں لغرض بریلویوں کی تعیین ان کے اجماعی تعامل سے تعیین حقیقی و شرعی بن جاتی ہے جس کے بدعت ہونے کا آپ کو بھی اقرار ہے کہ تعیین شرعی کے بدعت ہونے میں کسی کو کام نہیں۔ اور ہمارا بھی اس پر صواب ہے باقی رہے اہل سنت والجماعت اور اہل حق دیوبندی تو ان کے نزدیک تعیین تعیین عرفی ہے اور ان پر عملی اور تحقیقی طور پر قطعاً کوئی تردد نہیں پڑتی جیسا کہ کسی بھی اہل علم اور منصف مزاج سے یہ بات مخفی نہیں ہے تعجب ہے کہ مؤلف مذکور نے عنوان تو یہ قائم کیا ہے کہ گیارہویں کو حرام کہنا بدعت ہے اور اگے دلیل بغیر بیہوشوں کے بے سو حساب کے اور کچھ نہیں دی گویا نرسی لفاظی سے اپنا بیہ بنیاد دعویٰ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ گیارہویں کو حرام کہنا بدعت ہے اور ہمارے سابق پیش کردہ واضح اور روشن حوالے جو ان کی آنکھوں کو تیرہ کہے ہیں وہ بالکل ان کو نظر نہیں آ رہے بقول بلگرامیؒ سے

شہرہ با حضرت خورشید گفقت چشم مرا کو چہ راسی گئی

تعیین عرفی یہ سرخی قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ سوئم، جہلم اور عرس وغیرہ ایصال ثواب کے حکم کے کلی افراد ہیں اور ان تاریخوں میں تعیین شرعی نہیں بلکہ عرفی ہے۔ جیسے شاعر نے ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے حکم مطلق ہے ظہر کی نماز اپنے پورے وقت میں سے جس وقت بھی پڑھ لی جائے اور جو جانے کی لیکن باوجود اس کے مساجد میں ادائیکل کا وقت معین کر دیا جاتا ہے کہیں ظہر پڑھنے اور کہیں دو بجے اور کہیں چھ بجے ہوتی ہے۔ یہ تعیین عرفی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان اوقات کے آگے پیچھے نماز جائز نہیں اسی طرح سوئم و جہلم وغیرہ کا معاملہ ہے ان دنوں کی تعیین عرفی ہے آگے پیچھے بھی ایصال ثواب جائز ہے (محصلاً ص ۹۹ و ۱۰۰)

الجواب مؤلف مذکور کا یہ قیاس بالکل مردود اور مع الفارق ہے اول اس لئے کہ وہ خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کہیں ظہر پڑھنے کے کہیں دو بجے اور کہیں ڈھائی بجے ہوتی ہے سوال یہ ہے کہ کیا ان کی رسم نقل بھی بدعت پسند طبقہ کے ہاں کہیں دوسری تاریخ کو اور کہیں تیسری کو اور کہیں چوتھی اور پانچویں وغیرہ کو ہوتی ہے اور ان کا چالیسواں بھی کہیں پچاسویں دن یا ساٹھویں دن کو اور برسی کہیں ڈیڑھ برس کے بعد اور کہیں رخصتی

برس کے بعد ہی بوا کرتی ہے؛ اگر ایسا ہے تو صحیح ہے ورنہ یہ قیاس قطعاً باطل و مردود ہے و ثانیاً اس لئے کہ جہاں اوقات نماز کے لئے یہ تعیین عرفی کی جاتی ہے وہاں سوئم گراما و سراما کے لحاظ سے یہ اوقات بھی اوتنے بدلتے رہتے ہیں جیسا کہ کسی بھی ذی شعور آدمی پر یہ مخفی نہیں ہے مگر سوئم اور جہلم اور برسی وغیرہ اسی بدعت میں ہیں کہ یہ اپنی جگہ سے ہلنے کا سرے سے نام ہی نہیں لیتیں ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں اور سر بار عرض کرتے ہیں کہ مؤلف مذکور ان سوئم مذکورہ بدعت کو اپنی جگہ سے جماعتی صورت میں کاسل طور سے ہٹا کر بنا دینا ہمارا پتہ چلے کہ واقعی یہ تعیین عرفی ہے مگر مفت کے لہذا نہ دیکھانے کون چھوڑتا ہے؟

مومن خدا کے واسطے ایسا متاع نہ چھوڑ دو زخ میں دال طعن کو کوئے تباہ نہ چھوڑ

تعیین عرفی کو ترجیح

مؤلف مذکور یہ عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ اگرچہ ایصال ثواب ہر دن جائز ہے لیکن لوگوں میں سوئم، جہلم اور عرس کی عادت پکڑ گئی ہے اور دوسرے ان دنوں ایصال ثواب کا انتظار کرتے ہیں لہذا ان کو ترجیح ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ عالم برزخ میں زندوں کی مدد اموات کو بہت جلد پہنچتی ہے اور اموات کو زندوں کی مدد کا انتظار رہتا ہے اور وہ یوں سمجھتے ہیں کہ وہ ابھی زندہ ہیں اور صدقات فاتحہ دعائیں اس وقت بہت کام آتی ہیں اسی وجہ سے لوگ ایک سال تک اور بالخصوص چالیس دن تک اسی قسم کی مدد کرتے ہیں (تفسیر عزیزی ص ۱۱۱) جتنے عین دیوبند کے مسلم شیخ حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ بدعت مسئلہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ رہا تعیین تاریخ یا یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول (یعنی کسی معین وقت میں اس کام کو کرنا معمول بن چکا ہو سقیدی نہیں بلکہ کسی کام کو کسی خاص وقت میں کرنے کا معمول بنا لیا جائے جو بعض تعیین عرفی ہے نہ کہ تعیین شرعی و حقیقی۔ صفحہ ۱۱۱) اس وقت وہ یاد آجاتا ہے۔ اور ضرور آتا رہتا ہے اور نہیں تو سالہا سال گذر جاتے ہیں کبھی خیال بھی نہیں ہوتا اسی قسم کی مصلحتیں ہر امر میں ہیں جن کی تفصیل طویل ہے محض بطور نمونہ چھوڑا سا بیان کیا گیا ہے ذہن آدمی خود کر کے سمجھ سکتا ہے؛ کاش کہ سرور اصحاب بھی غور کر کے سمجھ جائیں ورنہ ہم ان کی ذہانت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب ہمعادت ص ۱۱۱ میں لکھتے ہیں۔ اور اسی ضمن میں بزرگوں کے عرسوں کی محافظت کرنا ہے اور ان کی قبروں پر ہمیشہ جاتے رہنا اور ان کے لئے فاتحہ کو لازم کرنا اور ان کے لئے صدقہ دینا ہے۔ اب ذہن آدمی سمجھ جائے گا کہ شاہ صاحب مشائخ کے اعراض کی حفظ کی نصیحت فرماتے ہیں

اور یہ حفاظت معین تاریخ ہی میں ہو سکتی ہے ورنہ کسی کو کیا معلوم عرس کب ہوا؟ پس لوگ نہ وہاں جہاں کے عرس ہوگا معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کے نزدیک بھی عرفی تاریخوں کی تعیین راجح ہے مگر یہ باریک بینی سے فرما کر صاحب کے پس کار وگ نہیں۔ ہم ان کی خدمت میں شاہ رفیع الدین صاحب کا فتویٰ پیش کرتے ہیں جس میں صاف الفاظ میں اس ترجیح کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ فتاویٰ مسئلہ میں لکھتے ہیں حدیث میں ہے کہ یہود نے جناب نبوت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد اور غرق فرعون یوم عاشورہ کو کیا حضرت اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم حق موسیٰ علیہ السلام کو ادا کرنے کے زیادہ حق دار ہیں پس آپ نے عاشورہ کا تود روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی حکم فرمایا اور تیرہ حضرت بلال کو پیر کا روزہ رکھنے کی وصیت کی اور فرمایا کہ میں اس دن پیدا ہوا اور اس دن میں بچھڑا قرآن نازل ہوا اور اسی دن میں نے ہجرت کی اور اسی دن مجھے وفات ہوگی بنا بریں تاریخ ماہ و سال کو یاد رکھنے کی لوگوں میں رسم پڑ گئی ہے اگرچہ حقیقت میں اس دن کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ وقت تصدق اور دعا ہمیشہ ہے لیکن جب لوگ ان خاص ایام میں ایصال ثواب کرتے ہیں تو ان کے فوت شدہ اقارب کو ان خاص دنوں میں وصول ثواب کا انتظار رہتا ہے اور کشف سے ثابت ہوا ہے کہ اس قسم کے ایام میں ارواح مجتمع ہوتی ہیں پس ختم دعا اور کھانا کھلانے کے ثواب سے ان کی امداد کرنا بدعت مباح ہے اور اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز شاہ رفیع الدین اور حاجی امداد اللہ صاحب کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ تعیین عرفی راجح ہے پہلے تین بزرگوں کی عبارت سے سرفراز صاحب نے تنقید متین میں استدلال کیا ہے اور چوتھے مبتدعین دیوبند کے متعلق علیہ پیر اور ستم شیخ ہیں اب آپ کے لئے دوسری راستے ہیں یا تو تعیین یوم کو مباح مان کر عرس سوئم اور چیلیم کو جائز مان لیجئے یا پھر ان حضرات کو بدعتی اور مشرک قرار دے کر جنہم میں پہنچا دیجئے (محصلا ص ۱۱۰ تا ۱۱۱)

الجواب۔ مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے بالکل مردود ہے اولاً اس لئے کہ وہ عنوان تو تعیین عرفی کی ترجیح کا قائم کرتے ہیں اور پہلے ہم نے عرض کر دیا ہے کہ تعیین عرفی میں کوئی نزاع نہیں ہے بہر قوم اور ہر علاقہ کے باشندہ کو حق حاصل ہے کہ وہ شرعی قواعد و شرائط کو ملحوظ رکھ کر کبھی کوئی دن مقرر کریں اور کبھی کوئی دن اور کہیں کوئی یوم تعیین ہو جائے اور کہیں کوئی یوم۔ اور مؤلف مذکور اس عنوان کے تحت اپنے فاسد ذہن کے موافق جس تعیین کے اثبات کے درپے ہیں وہ تعیین عرفی نہیں رہتی بلکہ تعیین حقیقی اور شرعی بن جاتی ہے جس کے ثبوت

ہونے میں اصولی طور پر نہیں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے وراثتاً ہم نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالہ سے یہ بات پہلے عرض کر دی ہے کہ ایصال ثواب کے لئے دن اور عینینہ وغیرہ مقرر کرنا بدعت ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت ہے جو حرام اور ناروا ہے ان کی اس مفصل عبارت کی موجودگی میں ایک مبہم جمل اور غیر مفصل عبارت سے استدلال کا کیا مطلب؟ وراثتاً تفسیر عزیز کی کے حوالہ سے نہ تو سوئم کی تعیین ثابت ہے اور نہ چیلیم وغیرہ کی اس سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ کہ مرے ایصال ثواب کے منتظر ہوتے ہیں اور صدقات و دعائیں ان کے کام آتی ہیں اور لوگ سال تک اور بالخصوص چالیس دن تک ان کی اس قسم کی مدد کرتے رہتے ہیں غرضیکہ یہ حوالہ دعویٰ سے بالکل غیر متعلق ہے وراثتاً حضرت حاجی صاحب کی عبارت میں بھی کوئی ایسا واضح لفظ نہیں جو تعیین حقیقی و شرعی پر دل ہو بلکہ ذہن آدمی ان کی عبارت میں ربا تعیین تاریخ کے الفاظ سے تعیین عرفی ہی سمجھتا جیسا کہ کسی بھی ذہنی فہم پر یہ مخفی نہیں ہے وراثتاً حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی صریح عبارت جس میں سوئم اور چیلیم وغیرہ کی صریح الفاظ میں تردید کی گئی ہے ہم نے تنقید متین ص ۱۱۱ میں درج کی ہے جس کا کوئی جواب مؤلف مذکور نے نہیں دیا وہ خود ہی انصاف سے کہیں کہ ان کی یہ جمل عبارت اس صریح عبارت کا توڑ کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اور اس سے تعیین حقیقی کیسے ثابت ہوتی اور ہو سکتی ہے؟ باقی مشائخ کے جن عراس کی حفظ کا انہوں نے تذکرہ فرمایا ہے وہ سادھے عراس اب کس جگہ اور کہاں ہوتے ہیں جن میں اختراعی وجود اور ان کا التزام نہ ہو؟ ربا صدقہ و خیرات تو بیان ہو چکا ہے کہ ان شرعی امور کا کوئی بھی مسلمان منکر نہیں ہے۔ الغرض حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت میں بھی اس نام نہاد عرفی تعیین کا کوئی ذکر نہیں جس کو آپ عرفی تعیین سے تعبیر کرتے ہیں اور حقیقت میں وہ تعیین شرعی اور حقیقی بن چکی ہے ہمت ہو تو اس کو ذرا اپنی جگہ سے سرکار تو دیکھیں اور جو عبارت تعبیرات کے حوالہ سے ہم نے عرض کی ہے اس سے سوئم و چیلیم وغیرہ کی تعیین کا صراحتاً رد ہوتا ہے وراثتاً حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کی عبارت میں صوم عاشورہ کی تعیین کا ذکر ہے لیکن وہ تو تعیین شرعی ہے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تعیین فرمائی ہے یہ امر تو محل نزاع سے بالکل خارج اور مرفوع عنہ ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہفتہ میں پیر اور جمعرات کا روزہ اکثر رکھتے تھے پیر کے روزہ کی وجہ بھی بیافروانی کفر و ولادت وغیرہ بعثت الخ اسی طرح حضرت بلال کو پیر کے دن کے روزہ کی وصیت کی تو یہ تعیین

ماوشاکی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے اور پھر خصوصیت سے آپ نے حضرت بلالؓ کو وصیت کی تھی نہ تو تمام حضرات صحابہ کرام کو یہ وصیت فرمائی اور نہ ساری امت کو۔ آگے حضرت شاہناہ خود تصریح فرماتے ہیں کہ بنا برین تاریخ ماہ و سال کو یاد رکھنے کی لوگوں میں رسم پڑ گئی ہے اگرچہ حقیقت میں اس دن کی کوئی خصوصیت نہیں کیونکہ تصدق اور دعا ہمیشہ ہے البتہ یعنی شریعت کی طرف سے کوئی تعین نہیں۔ لوگوں کی خود ساختہ رسم ہے اور حقیقتہً اس دن کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ صدقہ اور دعا ہمیشہ درست ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا زمانہ ہمارے زمانہ کی نسبت پچھریں بیرون القرون کے قریب تھا اس میں علماء و صلحاء اور صحیح العقیدہ لوگ زیادہ تھے نام و نمود اور شہرت سے بھی اجتناب کرتے تھے اور دین کے اصول کے زیادہ پابند تھے۔ آج کل تو رسم نقل و دیو میں شرکت ایک لازم امر تصور کر لیا گیا ہے اور اس کے مقابلہ میں جمعا و جماعت اور دیگر امور دین کا نمونہ ایسا ہوتا ہے کہ ہمیں کیا جاتا ہے جتنا کہ رسم نقل و دیو کا کیا جاتا ہے و سابقا کاش کہ مولف مذکور حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ کی عبادت آخر تک پوری نقل کر دیتے تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا اور جو توجیح تدارک اور اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے، آگے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

واما از کتاب تحرمات از روشن کردن چراغ عبا و ملبوس ساختن قبور و سرودن و نواختن معازت بدعات تشیعہ اند و حضور جنین مجالس ممنوع اگر مستقدور باشد بعمل حدیث گذشتہ متن را می شناسم
 متشکراً الحمد لله عمل باید کرد و در مقام زجر پر آگندہ کردن اسباب بدعت کافی و اللہ تعالیٰ اعلم۔

بہر حال تحرمات کا ارتکاب مثلاً قبروں پر چراغ جلا نا اور قبروں پر سجادیں ڈالنا اور سرود اور معمول وغیرہ جانا تو یہ بدترین بدعات میں سے ہیں اور ایسی مجلسوں میں حاضر ہونا ممنوع ہے اگر قدرت ہو تو حدیث متن کافی شناسم متشکراً الحمد لله پر عمل کرنا چاہئے اور جس کے مقام پر بدعت کے اسباب کو پر آگندہ کر دینا کافی ہے۔

رقنا و می صلا

مولف مذکور ہی ازراہ انصاف یہ بتائیں کہ آج کل اکثر عرسوں میں کیا قبروں پر چراغان نہیں کیا جاتا، اور کیا قبروں پر چادریں اور پھول وغیرہ نہیں چڑھائے جاتے؟ اور کیا ان میں گانے گانے والے بھانڈے نہیں آتے اور گایا نہیں ہوتی؟ اور کیا ایسے عرس میں حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ شرکت کی تلقین فرماتے اور بقول آپ کے اس تعین کو ترجیح دیتے ہیں یا اس کو بدعات تشیعہ قرار دیتے ہیں؟ اور کیا ایسے عرس کی بدعات کو کبھی رکھ دینے

اور ان کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیتے ہیں یا بقول آپ کے ان میں شرکت کو ترجیح دیتے ہیں؟ جواب غور سے دین الحاصل ان بزرگوں میں سے کسی ایک کی صریح عبارت سے سوئم و جہلم اور سوسر محبوبہ کی باحت ثابت نہیں ہوتی اور نہ یہ حضرات معاذ اللہ تعالیٰ کا فر و مشرک اور جہنی ہیں یہ جملہ حضرات بفضلہ تعالیٰ مؤمن موجد قبیح سنت اور علما حق اور خادمان دین تین تھے جو زبان حال یہ کہتے ہیں۔

مرا جو ہر ہو سرتا یا پافصائے مہر پیغمبر
 مرا حیرت زدہ دل آئینہ خانہ ہونست کا
 شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی تعین یوم تشریح
 یہ عنوان قائم کر کے مولف مذکور لکھتے ہیں کہ ہم اس مسئلہ کی مزید توضیح فتاویٰ عزیز ج ۱ ص ۱۳۳ سے مدنی ناظرین کرتے ہیں۔

مسوال۔ سال کے بعد ایک دن کو زیارت قبور کے لئے معین کر لینا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سال کے بعد ایک دن معین کر کے قبر پر جانے کی کوئی صورتیں ہیں۔ اول ایک یا دو شخص اپنے عیشت اجتماع کے قبر پر جائیں اور زیارت اور دعا وغیرہ کریں اور یہ از روئے روایات ثابت ہے۔

تفسیر در مشور میں نقل ہے کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مغابر میں اہل قبور کی دعا کے لئے تشریف لے جاتے تھے (تفسیر رازی ج ۵ ص ۱۳۳) پر بھی اس قسم کی روایات موجود ہیں (سیدی) دوم ہیئت اجتماعیہ سے کثیر لوگ جمع ہوں اور حتم قرآن کریں اور شیرینی یا طعام پر فاتحہ پڑھیں حاضرین کے درمیان تقسیم کریں یہ رسم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس اور بعد خلفاء راشدین میں معمول نہ تھی لیکن اگر کوئی اس طرح کرے تو حرج نہیں کیونکہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے سوئم لباس فاخر وہ پہن کر عید کی طرح شادمانہ و فرحانہ قریب ایک معین دن جمع ہوں اور قبر پر قرض و سرود کی محفل سجائیں اور قبر پر سجدہ و طواف کریں یہ قسم حرام و ممنوع ہے بلکہ حد تک پہنچتی ہے اور یہی ان دو حدیثوں کا محل ہے جن میں ہے (لا تجعلوا قبوری عیڈاً اور اللهم لا تجعل قبوری وثناً بعد یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہیں

(فتاویٰ عزیز ج ۱ ص ۱۳۳) شاہ صاحبؒ کے اس تفصیلی جواب سے ظاہر ہوا کہ عرس کے لئے دن معین کر کے ایصال ثواب کرنا طعام و شیرینی پر فاتحہ پڑھنا حتم قرآن کرنا یہ سب جائز ہیں اور مدارحمت قبر کے لئے سجدہ و طواف کرنا اور قرض و سرود کا ارتکاب ہے نہ کہ تعین یوم ممکن ہے سرفراز صاحب کی آنکھیں کھل گئی ہوں اور اب بھی اگر بدعت کا بھوت نہ اترتا تو ایک حوالہ اور پیش خدمت ہے فتاویٰ عزیز ج ۱ ص ۱۳۳ بر شاہ صاحبؒ کے ایک معاصر کا ان پر ایک اعتراض مندرج ہے جو انہوں نے شاہ صاحبؒ

کے سال بسال عرس کرنے پر وار دیکھا ہے۔ انہوں نے اپنے بزرگوں کے عرس کو اپنے اوپر لازم کر لیا جسے سال کے سال مقابر پر چاتے ہیں طعام و شیرینی تقسیم کرتے ہیں اور بنسے کی تعریف میں مشغول رہتے ہیں۔ ایسی سوال کا جواب شاہ صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ یہ طعن ہمارے حال سے ناواقفیت پر مبنی ہے کیونکہ غیر الفاضل شریعہ کو کوئی شخص بھی فرض نہیں جانتا بلکہ قبور صالحین کی زیارت اور ان سے برکت حاصل کرنا اور ثواب سے ان کی امداد کرنا اور تلاوت قرآن و دعا کے خیر کرنا اور کھانا اور شربہ تقسیم کرنا باجماع علماء امر متسنن اور خوب ہے اور روز عرس کی تعیین اس لئے ہے کہ اسی دن ان کا وصال ہوا اور یہ دن ان کے وصال کی یاد دلاتا ہے (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۴۹) شاہ عبدالعزیز صاحب کی اس عبارت سے کسی فوائد حاصل ہوئے اول شاہ صاحب ہر سال تاریخ معین پر اپنے والد کا عرس کرتے تھے بریلیوں کو آپ کو پتے رہتے ہیں کہ وہ عرس جہلم عرس اور گیارہویں وغیرہ کرتے ہیں اور تعیین بدعت ہے اور کل بدعت ضلالتہ و کل ضلالتہ فی النار اب اپنے مشتمل شرح و مرشد کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ کیا ان کو بھی بدعتی قرار دے کر جہنم میں بھیجا گیا اگر وہ بدعتی نہیں تو آپ بریلیوں کو تعیین کی وجہ سے کیوں اہل بدعت کہتے ہیں وجہ فرق ہیں ہو روزوں کو آپ کی اصل میں شہ پر جانے لگا کیونکہ اسرائیلی نسل ہی کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ ایک کام کو اپنے اجبار و جبر کے لئے جان کر دیتے اور اسی کام کو جب مسلمان کرتے (نہیں بلکہ عام اسرائیلی کرتے) حقدار تو اسے غلط کہا کرتے تھے پھر آپ ہی بتلائیے کہ ہم آپ کو کیا سمجھیں؟ و دوم اس عبارت سے مستفاد ہوا کہ شاہ صاحب صالحین کے لئے ایصال ثواب کیا کرتے تھے ان کی عبارتوں پر تکیہ کرنے والے لکھنوی کے لئے منہ مانتے ہیں کہ وہ گیارہویں کو اس لئے حرام وغیرہ قرار دیتے ہیں کہ بڑے پیر نیکوں سے مالامال ہیں انہیں ایصال ثواب کی کیا ضرورت ہے۔ جب صالحین نیکوں سے مالامال ہیں تو شاہ صاحب سے پوچھئے کہ وہ صالحین کو ایصال ثواب کیوں جائز قرار دیتے ہیں؟ و سوم اس معنیٹ مخصوصہ کے ساتھ کیا عرس خیر القرون میں موجود تھا اگر نہیں تھا تو شاہ صاحب کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو آپ کے مساجد حرام (مؤلف مذکور کو اتنی تمیز بھی نہیں کہ لفظ حرام نہ کہے نہ کہ مؤنث اور اس کی صفت مسلم ہے نہ کہ مسلمہ۔ صفتہ) کو حلال کہنے جارہے ہیں و چہاں ہم بریلیوں کے بارے میں اپنی روایتی سو غلطی اور بدگمانی کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں کہ آٹھ تو بظاہر مسلک کی ہے مگر انتظام سب بیٹ کا ہے اور عوام الناس کو وہ آنے دن بجائے دلائل و براہین کے چاؤوں اور مٹھائیوں سے مطمئن کرتے رہتے ہیں (منقید و مک) اب شاہ صاحب کے بارے میں کیا کہنے کا چاہئے؟

تقسیم طعام و شیرینی امر متسنن و خوب است اگر یہ مسئلہ واقعی بیٹ کے انتظام کے لئے ہے تو گت فخری معاف اس کی بنیاد تو آپ کے حکمی باپ دادا نے رکھی ہے اور من سن فی الاسلام سنۃ سنیۃ فعلیہ و ذرہا و ذر من عمل بها کے فارمولے کے تحت ان اور کا وبال آپ کے معنوی آباء کے قرطاس عمل کی رسوائی قرار پائے گا اہل سنت پر تبرک کرنے سے پہلے کا ش آپ نے ایک نگاہ اپنے اسلاف پر کی ہو تو محصلہ

ص ۱۳۱

الجواب۔ مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے بالکل لا حاصل ہے اول اس لئے کہ ہم نے پہلے خود حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالے سے یہ بات عرض کر دی ہے کہ ایصال ثواب کے لئے دن مقرر کرنا بدعت ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کی خلاف ورزی ہے جو حرام و ناروا ہے و ثانیاً حضرت شاہ صاحب کی اس سابق عبارت کے پیش نظر اس عبارت کا مطلب یہ لیا جاسکتا ہے کہ اس میں تعیین حقیقی نہ ہو بلکہ تعیین عرفی ہو مثلاً کسی سال وہی دن جو جس میں کسی بزرگ کی وفات ہوئی تھی اور دوسرے سال اس کے بعد تیسرے سال اس کے بعد کا کوئی دن مقرر کر لیا جائے اور حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں ایک روز معین کر دہ جس کا معنی مؤلف مذکور نے یہ کیا ہے ایک دن معین کر کے اور ایک روز معین نمودہ کے لفظ اس کی ناپید کرتے ہیں کیونکہ اگر علی التبعین قطعی اور حتمی طور پر وہی دن مراد ہو جو کسی بزرگ کی وفات کا تھا تو وہ تو روز معین ہے پھر معین کر دہ اور معین نمودہ کا کیا مطلب ہے اور فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۱۱ کی پھر عبارت آگے ص ۱۱۲ میں آ رہی ہے کہ برائے زیارت قبور روز معین نمودہ بدعت است لہ جو اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل واضح ہے و وثالثاً تا پہلی اور دوسری صورت میں جس اجتماع کی بغیر خرافات زائدہ اور بدعات نمودہ کے حضرت شاہ صاحب نے اباحت بیان فرمائی اور یہ تحریر زبانیاً کیا کہ اس میں کوئی قباحت نہیں مؤلف مذکور ہی یہ بتائیں کہ ایسا عرس آج کل کہاں تو ہے جو ان خرافات سے مکلاً و بعضاً پاک اور خالی ہو؟ و رابعاً مؤلف مذکور نے فاتحہ بر شریعتی یا طعام نمودہ کا ترجمہ شریعتی یا طعام پر فاتحہ پڑھیں غلط کیا ہے کیونکہ حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت میں فاتحہ خواندہ نہیں جس کا معنی فاتحہ پڑھنا ہے بلکہ فاتحہ نمودہ ہے اور فاتحہ سے محض ایصال ثواب اور عام ادب و تامل ہے نہ ضروری نہیں کہ فاتحہ ہی پڑھی جائے خود حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

ہر روز ہر بندو و مسلمان وغیر ہم درامداد و بندوں اور مسلمانوں وغیر ہم کا ہر فرقہ اپنے مردوں کی

اعانت محمد کان خود بفاخر دور و دو صدقات مشغول فاتحہ دور و دو صدقات کے ذریعہ امداد اعانت اندر تحفہ اثنا عشریہ سن ۱۲۳۱ میں صرف ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہندو کب اپنے مرموم ایصال ثواب میں فاتحہ اور دور و دو پڑھتے ہیں؟ اور کب فاتحہ دور و دو کے قائل ہیں؟ مطلب بالکل واضح ہے کہ فاتحہ دور و دو صدقات وغیرہ سے محض ایصال ثواب مراد ہے۔ ہر فرقہ اپنے رزم و خیال کے لحاظ سے اپنے مردوں کو ایصال ثواب کرتا ہے اور خاص صاحب لکھتے ہیں۔ فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے جو کچھ قرآن مجید دور و دو شریف ہو سکے پڑھ کر ثواب نذر کرے آہ احکام شریعت حصہ سوم طبع رتی بریلی کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے قرآن کریم کا کوئی حصہ ہو یا دور و دو شریف ہو اس کا ثواب پہنچانا فاتحہ کبلا ہے اگرچہ اس میں علی السبعین سورۃ فاتحہ نہ تھی ہو چونکہ بعض لوگ بعض اوقات برفیقوش ایصال ثواب میں پیش کی ہوئی اشیاء پر فاتحہ بھی پڑھتے ہیں تو اس لئے مجموعہ کا نام رسمیتہ الکل باسم الخیر فاتحہ رکھ دیا جاتا ہے (ملاحظہ ہو انوار ساطعہ ص ۱۷) اور مولف انوار ساطعہ لکھتے ہیں۔ تنبیہ ہاں اگر کوئی کم فہم عوام میں ایسا ہو کہ وہ ثواب عبادت مالی کو یوں سمجھے کہ بغیر فاتحہ پڑھے نہیں سمجھے گا اس کو عقیدہ بدگمانا چھاپیے اور اس کو زجر و توبیح کرنا چاہیے الخ (انوار ساطعہ ص ۱۷) خود آپ کے صدقہ الافاضل اپنے رسالہ فیضان رحمت ص ۶۳ میں لکھتے ہیں فقط الحمد اور نقل ہوا ہند کی تخصیص مراد نہیں ہے اور ص ۱۷۲ میں حضرت شاہ صاحب کی مذکورہ عبارت کے متعلق لکھتے ہیں۔ شاہ صاحب کی اگر فاتحہ سے جو ان کی عبارت میں وارد ہے فاتحہ شریف سر سومر ہند مراد ہو تو ہمارا معین مدعا ہے۔ اور اگر فاتحہ سے مطلق مدعا مراد ہوتا ہم ہمارے لئے مضرت نہیں۔ اگر اس عبارت میں فاتحہ پڑھنا ہی قطعاً مراد ہو تو آپ کے صدقہ الافاضل کو اگر کہہ کی کیا ضرورت پیش آئی ہے؟ وغامضاً اس لئے کہ حضرت شاہ صاحب نے جو تیسری صورت لکھی ہے ثواب عرس میں آج کل یہی صورت ہوتی ہے جس کے حرام و ممنوع ہونے میں ان کے نزدیک کوئی کلام نہیں اور بقول ان کے دو حدیثوں کے مضمون سے یہی ثابت ہے مولف مذکور نے کمال استادی کی ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں دو دیگر بدعات ممنوعہ کا سرے سے ترجمہ ہی نہیں کیا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ عرس کے موقع پر قرعہ چرائی کرنا۔ چادریں چڑھانا پھول ڈالنا اور قوالی وغیرہ عام رائج ہے اور یہی دیگر بدعات ممنوعہ کا مصداق ہیں اگر اس جملہ کا ترجمہ کرتے تو ان کی کاٹری نہیں چل سکتی فقہ لہذا انہوں نے سلامتی اسی میں سمجھی کہ اس کا ترجمہ نہ کیا جائے لیکن ان کے تعاقب میں جو لگا ہوا ہے وہ کب ان کو کسی سوراخ میں گھس کر

چھینے دیتا ہے۔ غرضیکہ حضرت شاہ صاحب کی خود اپنی عبارت سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حقیقی طور پر ایصال ثواب کے لئے دن مقرر کرنا بدعت حرام اور ناروا ہے ہاں عرفی طور پر انہوں نے کبھی کوئی دن اور کبھی کوئی دن ایصال ثواب اور ختم قرآن کریم کے لئے مقرر کر لینا ساج ہے اور شہرینی پر فاتحہ پڑھنے کا مفہوم حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں قطعاً نہیں ہے یہ مولف مذکور کی اپنی خانہ ساز اختران ہے ان کی عبارت میں کھانا اور شہرینی تقسیم کرنا ہے۔ اور حضرت شاہ صاحب کے نزدیک مدارج مرتبہ میں یوم چرائی۔ چادریں اور پھول پڑھانا قرعہ و سرور قوالی اور سجدہ و طواف وغیرہ سب امور میں اور انہیں امور کو وہ بدعات ممنوعہ سے تعبیر فرماتے ہیں الحمد للہ تعالیٰ کہ سرفراز کی آنکھیں تو پہلے ہی سے کھل چکی ہیں اسی لئے وہ توحید و سنت اور شرک و بدعت کا فرق بخوبی جانتا ہے اور اکار کی عبارت کا صحیح مطلب بھی سمجھتا ہے یہ آپ اور آپ کی بدعت بند بدعت ہی ہے کہ روشن دلائل دیکھنے کے باوجود آپ کے بدعت کا ثبوت آپ کے وجود سے نکلنے کا نام ہی نہیں لیتا کیونکہ اُسے لذیذ سے لذیذ تر تو رکھیں آئے دن سوئم جہلم۔ گیارہویں اور عرس وغیرہ کی شکل میں ملتی رہتی ہیں وہ بھلا ایسے میربان کو کیوں چھوڑے؟ اور آنکھیں کیسے کھلنے دے وہ تو یہ کہنے کا ہے

بے نگاہ لطف دشمن پر توبندہ جائے ہے یہ ستم اے بے روت کس سے دیکھا جائے ہے
و سادہ اس لئے کہ قنوی عزیز ہی کی جو دوسری عبارت مولف مذکور نے پیش کی ہے وہ بھی ان کو سوند نہیں کیونکہ حضرت شاہ صاحب قبور صالحین پر اس اجتماع برائے عرس کی اجازت دیتے ہیں جو بدعات ممنوعہ سے خالی ہو جو کہ ان کے دور میں علماء و صلحاء زیادہ تھے اس لئے اُس میں بدعات ممنوعہ اور خرافات سے خالی اجتماع ہوتا ہو گا مگر آجکل یہ بالکل ناممکن ہے اس لئے حضرت شاہ صاحب ہی کی ہر سچ عبارت کے پیش نظر ان کی گنجائش نہیں ہے و سبعا لمولف مذکور نے حضرت شاہ صاحب کی عبارت سے جو نوادہ انداز لئے ہیں وہ بھی ان کیلئے نرسے ہوائی قلعے ہیں۔ اول تو اس لئے کہ حضرت شاہ صاحب جس تیسریں یوم کے قائل ہیں وہ تیسریں عرفی ہے کہ امر لہذا وہ نہ تو بدعتی ہیں اور نہ جہمی ہیں اور بریلوی جس تیسریں کے قائل ہیں وہ حقیقت میں تیسریں شرعی اور تیسریں حقیقی بن جاتی ہے اور بدعت کے بارے یہ ارشاد بالکل فٹ ہے کل بدعت ضلالت و کل ضلالت فی النار اگر اتنی واضح و جہ فرق بھی آپ کو سمجھنا سکے تو پوچھنا کہ کسی مکتب فکر کے کسی مدرس میں داخلہ لیں اور ہماری اصل میں آپ کو شبہ کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اگر شبہ کرنے پر مجبور ہیں تو قند مار سے آنے والے کسی نمان کی اصل میں کریں جو حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی اور حضرت مہار پوری اور حضرت نقانوی

جیسے بزرگوں پر بزمِ غم جویش کہ حرام کی وجہ سے کفر کا فتوہ لگاتے ہیں اور ان کے کفر میں شک کرنے والے کو بھی کافر کہتے ہیں اور حضرت شاہ شہید غلام علی کے بزمِ غم جویش سے سنگین کفر یہ عقائد بتا کر بھی ان پر کفر کا فتوہ لگایا نہیں گیا۔ علماء مجتہدین کو بھی ان کی تکفیر سے منع کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو عبارات اکابر جہ اول وغیرہ ایفرق قندھاری کے یہ ہے کہ آپا ہے جو بقول آپ کے اسراہیل نسل ہی کی خصوصیت ہے بفضلہ تعالیٰ ہم نے صرف اسی چیز کو بدعت کہہ دیا جس کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب (و غیرہ) نے بدعت کہا ہے اور جس چیز کو ہم بدعت کہتے ہیں اس کو علماء و مشائخ اور خواہم سب کے لئے بدعت کہتے ہیں اس میں کسی کی تفریق نہیں کرتے اور وہ اس لئے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جو کچھ مولانا خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے لئے بھی ہمارے نزدیک ایصالِ ثواب درست ہے ہم ہر مؤلف مذکور کا یہ نہ کہنا اور جھوٹا الزام ہے کہ ہم صالحین کے لئے ایصالِ ثواب کے قابل نہیں ہیں اللہ اللہ تعالیٰ کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وغیرہ بزرگوں کی عبارات پر تکیہ کرنے والے کا دامن بالکل پاک ہے اس طرح ہم نے مطلقاً گیارہوں کو حرام نہیں کہا حرام اس صورت میں کہا ہے جو بطور تقرب ہو یا ایصالِ ثواب کی مدد میں ایک ہی شخص اور ایک ہی دن کی تعیین کے بارے میں پہلے کہا ہے کہ یہی حدیث سے خالی نہیں ہے اور رسوم اس لئے کہ اگرچہ حضرت شاہ صاحب کے بقول بیعت مخصوصہ کے ساتھ عرسِ خیر القرون میں نہ تھا اور ان کے ساتھ ایصالِ ثواب جو عبادت ممنوعہ سے خالی تھا جیسا کہ خود ان کی عبارت میں یہ قید کر چکی ہے لیکن آپ لوگ جو عرس کرتے کرتے ہیں وہ بدعات ممنوعہ سے پُر اور خلافات سے مملو ہوتا ہے لہذا ناجائز ہے حضرت شاہ صاحب نے جو کچھ فرمایا اس پر فتویٰ نہیں لگتا اور جو کچھ آپ حضرات کرتے ہیں وہ ان کے حرام و ممنوع کے فتویٰ کی مدد سے ہرگز نہیں سچتا اور چہاں ہم اس لئے کہ محمد اللہ تعالیٰ ہم کسی کے خلاف سو ظنی اور بدگمانی نہیں کرتے ہم تو آپ لوگوں کے حالات کے پیش نظر کہتے ہیں کہ سب انتظام پیٹ کا ہے اور آپ کی کئی مساجد سے تعلق ہے حضرت اس لئے دیوبندیوں کی مسجد میں آئے ہیں اور آتے رہتے ہیں کہ وہ گیارہویں اور عرس اور عدا جانے کیا کیا ایجاد کردہ بدعات کے چندوں سے اکتا گئے تھے اور یقین جانیے کہ حضرت شاہ صاحب اور ان جیسے علماء حضرات جب طعام اور شیرینی کا تذکرہ فرماتے ہیں تو لوگوں سے بٹور ہو کر چندوں کے ذریعہ وہ ہرگز نہیں ہوں گے بلکہ حلال و طیب اور اپنی جیب سے طعام و شیرینی پیش کرتے ہوں گے اور آپ لوگ تو دنیا کے جیبوں پر بدعات کے سلسلہ میں بادشاہی کرتے ہیں چونکہ وہ حضرت بڑے نیک اور حلال خور تھے اور تعیینِ آیام کو بدعات سمجھتے تھے اس لئے وہ جو کچھ بھی ایصالِ ثواب کی مدد میں کرتے تھے وہ نیک و مستحسن تھے۔

الحدیث کی میں ہی شمار کرنے کے لائق ہے اور ان کا فرط اس عمل بالکل صاف و مستحکم ہے ان کی تکرار گزرنے کی بجائے اپنی خیر منائیے اور بفضلہ تعالیٰ ہم نے اہل بدعت کی جس کا رد الی کو بدعت سے تعبیر کیا ہے وہ صحیح ہے بدعت ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب جیسی علمی شخصیتیں بھی ان کو بدعت ہی قرار دیتی ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہم نے اپنے اسلاف کی عبارات کو بڑی گہری نگاہ سے دیکھا اور حساس اور بصیرت والے دل سے پڑھا اور سمجھا ہے جس سے آپ لوگ یقیناً محروم ہیں لیکن اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ آپ حضرات پر شرک بدعت کی وجہ پڑی ہے۔

تسرت کیا ہر ایک کو قسم ازل نے جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
 فاعلہ حضرت فقہاء کرام نے تو یہ بات صراحت سے لکھی ہے اور ہم نے راہ سنت میں ان کے کچھ حوالے بھی درج کئے ہیں لیکن ہم آپ لوگوں کی خیر خواہی کے لئے آپ کے ہی ایک سلم بزرگ مولانا عبدالسمیع صاحب رامپوری کا حوالہ عرض کئے دیتے ہیں تاکہ سوئم۔ سا تو ان۔ سو ان۔ اور جہلم وغیرہ میں حرام خوردی سے آپ لہجہ جا میں مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں۔ نصیحت جب کوئی آدمی جانے اور کوئی شخص اس کا عزیز و قریب اپنے خالص مال میں سے اس کے لئے فاتحہ کرے اس میں کسی فقیہ و محدث کو کام نہیں اور خاص میت کا مال اگر اس کام میں صرف کرنے لگیں تو اس میں یہ شرط ہے کہ اس کے وارثوں میں کوئی نابالغ نہ ہو یا نہ ہو اس لئے کہ ترکہ بعد مرث کے ملک وارثوں کا ہونا ہے پس اگر وارث نابالغ ہیں تو وہ مال خاص ان کا ہو گیا اگر کوئی وارث ان میں غائب نہیں سب موجود ہیں یا کوئی غائب تھا اور اس لئے اجازت دے دی تو اس صورت میں ان کو اختیار ہے جس قدر چاہیں میت کے لئے صرف کر دیں اور اگر سب نابالغ ہیں تو ترکہ میت سب ان کی ملک ہو گیا اس کا صرف کر دینا میت کے ایصالِ ثواب میں جائز نہیں نہ کہ بزرگانہ کھانا نہ روپیہ نہ پیسہ فقط تجنیہ و تکفین میں جو اٹھے وہی درست ہے اور اس اور اگر بعضے وارث نابالغ ہیں تب بھی نابالغوں کا حصہ کل اشیاء ترکہ میں مشترک ہے اس کا صرف کرنا بھی ایصالِ ثواب کے لئے جائز نہیں لہذا انوار ساطعہ ۱۲۵) کیا مؤلف مذکور اور ان کی جماعت نے اپنے بزرگ کی اس نصیحت اور اس میں پیش کردہ مذکورہ حوالوں سے سوئم۔ سا تو ان۔ سوئم۔ جہلم اور رسی وغیرہ میں ملحوظ رکھا ہے، اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو اکل اموالِ ریشمی کی نہیں کی۔ سے تونج گئے جو قطعی ہے اور تعیینِ آیام کی وجہ سے صرف بدعت کے مترکب ہوئے اور اگر ایسا نہیں کرتے اور ترکہ میں تقیم اور غیر حاضر وارث کے ہوتے ہوئے بھی سوئم وغیرہ میں صفا یا کر جاتے ہیں تو

پھر بقیہ علی غصہ کا مصداق ہونے کے ساتھ ساتھ پیٹ ظالم کا حصہ نہیں تو اور کیا ہے اس
ہوس دنیا کا حُب مطلب رسمی سے مجھے تفصیل سب پر اس لئے ہے

پیٹ کا منتظم کون ہے؟ یہ سرخی جہاں مولف مذکور نے لکھا ہے کہ آپ نے کھانے والے سر نہیں

دیکھے یا پھر مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام کرنے والے کاریگروں سے تجاہل عارفانہ برت رہے ہیں اب وقت

آگیا ہے کہ اس راز سے پردہ اٹھا ہی دیا جائے اس کے بعد انہوں نے تنقید میں نقل کردہ فتاویٰ شیعہ کا ہر

دیا ہے کہ ہندو ہولی یا دیوالی میں تحفہ دیں تو مسلمان کو لینا اور کھانا درست ہے (محصلاً) اس پر مولف مذکور نے

کہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہولی اور دیوالی کی تاریخیں معتین طور پر منائی جاتی ہیں جن میں اہل ہنود آگے چلے کر ہاتھ لڑ

نہیں سمجھتے جب گیا رہو میں تعیین کی وجہ سے آپ کے اہل حرام ہے تو ہولی اور دیوالی کی پوری تعیین کی وجہ سے

کس طرح جائز ہو گئی ہیں جب سبیل کی شریعت روافض کے شعائر کے تشبیہ کی وجہ سے آپ کے قطب عالم کے

نزدیک حرام ہے تو خود کفار کے شعائر کا کھانا کس طرح جائز ہو گیا؟ پھر آپ کے مفتی نے علی الاطلاق بغیر ہی ہولی

اور شرعی شہادت کے اہل ہنود کے ہاتھ کا پکا ہوا کسی قیدی استثناء کے بغیر کیسے حلال کر دیا؟ لنگھو می صاحب نے

لنگھو می صاحب کا حق فرزند ہی ادا کرتے ہوئے وکالت میں کہا ہے کہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ کافر کا مال

خواہ ہودا و خنزیر وغیرہ کی رقم ہی سے حاصل ہو جب مسلمان کے پاس آجائے تو تبدیل ملک سے حلال و طیب

ہو جائے گا۔ سبحان اللہ کیا کہنے اس استدلال کے اگر آپ کو کافر گنا اور خنزیر بھی پکا کر پیش کرے تو تبدیل ملک

کے بعد وہ بھی آپ کے لئے حلال و طیب ہو جائیگا بریں عقل و دانش بیاید گریست۔

پتہ نہیں کہ سر فرزند صاحب نے خود مغالطہ کیا ہے یا لوگوں کو بیوقوف بنانے کی کوشش کی ہے کفار کی رقم

حرام کی کمائی ہی سہی لیکن رقم کو تو نہیں جپایا جاتا اس سے خرید کر کوئی چیز کھانی جاتی ہے بخلاف کافر کے ہاتھ سے

ہلکی ہوئی چیز کہ اس کو خود کھایا جائیگا پس ان دونوں کا حکم ایک کیسے ہو سکتا ہے؟ اہل ہنود گائے کے پیشاب کو

پاک سمجھتے ہیں کتان کے برتنوں کو چائنا برتن ہے دن رات انواع و اقسام کی نجاستوں میں ملوث رہتے ہیں ان

صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے

من گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ حکومت کی جہانب سے دیئے جاتے تھے اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ مولانا

فتاویٰ رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہ تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو

اس کا شہیہ نہ گذرتا اب اسی طرح اگر حکومت مجھے یا کسی شخص کو استعمال کرے مگر اس کو یہ علم نہ ہو کہ اسے استعمال

کیا جا رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ شرعاً مانو نہیں ہو سکتا۔ دیکھا آپ نے یہ ہے سلسلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام

مولوی فتانوی اور عثمانی اپنے پیٹ کا انتظام بھی کرتے ہے اور شرعاً مانو نہیں نہ ہوئے حقیقت یہ ہے کہ

مولوی عثمانی اپنی اور فتانوی صاحب کی برائت میں خواہ کچھ کہتے رہیں لیکن سوچنے والے ضرور سوچیں گے کہ

حکومت برطانیہ آخر ان مولویوں کو اس قدر رقم کیوں مہیا کرتی تھی؟ اور دیونند کی چار دیواری کے اندر

ان سے وہ کتنا کام لیا جاتا تھا جس کے لئے حکومت ان کو بھاری قیمت ادا کرتی رہی مولوی سر فرزند صاحب

کو اس آئینہ میں بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا اور اب حقیقت راز درہی ہوگی کہ کھانے پینے کا رسیا کون ہے؟ اور

فقہی رعایتوں سے فائدہ کس نے اٹھایا ہے؟ (محصلاً ص ۱۰۳ تا ص ۱۰۴)

الجواب۔ مولف مذکور کی اپنے روحانی آبا کی طرح یہ عادت ہے۔ اور اس کتاب میں وہ نمایا

طور پر نظر آ رہی ہے کہ جب وہ معقول جواب دینے سے قطعاً قاصر اور سراسر عاجز ہو جاتے ہیں تو بالکل غیر

متعلق باتیں چھیڑ کر عوام سے داد و تحسین حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی قبیرہ انہوں نے اس

عنوان میں اختیار کیا ہے جس کے بارے میں بھی چند باتیں عرض کرنے کی ضرورت ہے اول ہم نے تنقید میں

میں مفہ حنفی کی مستند کتاب البحر الرائق کا حوالہ دیا ہے اور اس کے علاوہ مولف مذکور کے مسلم عالم حضرت

ہریر علی شاہ صاحب کے فتاویٰ ہریر کے دو حوالے دیئے ہیں جن کو مولف مذکور شہر مآدر سمجھ کر لپی گئے

ہیں ان کا اخراقی فریضہ تھا کہ وہ ان حوالوں کا ذکر کرتے اور پھر ان کو تسلیم کرتے اور بان کا کوئی معقول جواب

دیتے نہ کہ وہ ایسا نہیں کر سکے۔ دوم مولف مذکور اپنی جہالت کی وجہ سے اس کی تمیز بھی نہیں کر اپنے آپ کو

ہے مسلمان اگر کسی جانور وغیرہ کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے نافرذ کرے تو وہ حرام ہو جاتا ہے اور ما اهل
 بغیر اللہ کی مد میں چلا جاتا ہے اور کافر خود ساختہ تحریکات کے تحت بحیرہ سائب و حبیلہ اور حرام قریش
 تو اس کا کچھ اعتبار نہیں تو ہم نے حضرات فقہاء کرام کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ جو رقم کافر کے پاس ہو تو وہ
 اس سے شراب فروخت کی ہو یا سود لیا ہو اور عام اس سے کس نے خنزیر فروخت کر کے رقم حاصل کیا ہو وہ
 ہم نے رقم کی ہے نہ کہ غیر چیز کی مگر مولف مذکور نے اپنے بڑوں کی طرح خالص غیبتاً ذہن استعمال کر کے
 یہ لکھا ہے کہ اگر آپ کو کافر گنا اور خنزیر بھی پکا کر پیش کرے تو تبدیل ملک کے بعد وہ بھی آپ کے لئے
 حلال و طیب ہو جائے گا لاجل و اتلاوة الابائتہ وادویجئے مولف مذکور کی اس اہلیسا نہ ہم کی بات
 کو فروخت کر کے ان کی رقم کی ہو رہی ہے اور وہ عین گنا اور خنزیر پکا کر کھلا ہے میں مولف مذکور کو کچھ تو
 شرم کرنی چاہیے کہ بات کیا ہوتی ہے اور وہ اپنی شبعہ بازمی سے اپنے ناخواندہ حواریوں کو کیا کرتا ہے
 وچہا م مسلمان جب بھی کسی غیر مسلم کے کھانے کا ذکر کرے گا تو اس سے وہی چیز مراد ہوگی جو مسلمان کے لئے
 شرعاً حلال ہو سکتی ہے لفظ مسلمان کے ذکر کرنے ہی میں وہ تمام شرعی قیود و حدود آجاتی ہیں جو اس کے
 لئے لازم ہیں ان کو الگ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں الا لوجہ مخصوص حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بقضائے اللہ تعالیٰ نقد النعمی
 تھے جہاں شرعی اور فقہی طور پر کسی قبیلہ کے ذکر کی ضرورت ہوتی تھی وہ اس کو نظر انداز نہیں کرتے تھے اور جہاں بات
 واضح ہوتی تھی وہاں اس کا تذکرہ نہیں فرماتے تھے مولف مذکور نے اپنے کسی لائق استاد سے ضروریہ سنا ہوا
 کہ سب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بشمولیت اپنے بعض صحابہ کرام کے نیچے کے ایک یہودی کے
 ہاں دعوت کھائی اگرچہ پہلے ہی فقر نے یہ بات بتادی کہ حضرت نہ کھائیں کیونکہ اس میں زہر ہے سوال یہ ہے
 کہ کھائے وغیرہ ما کول الامم جانور کے پیشاب کے طاہر اور نجس ہونے کے بارے حضرات ائمہ اربعہ کا آپس میں
 حضرت امام محمد کا حضرت شافعی سے اختلاف ہے اور سور الکلک کو حضرت امام مالک طاہر قرار دیتے ہیں اور
 برتن دونوں کے حکم کو تہمتی کہتے ہیں مگر خنزیر و شراب (جو سب میں حرام ہو چکی تھی) کی حرمت میں تو کوئی اختلاف
 نہیں ہے حالانکہ یہود ان کو استعمال کرتے تھے اور اپنے بڑوں میں ان کو رکھتے اور پکاتے تھے اور ان کے ہاتھ
 بھی ان کو لگتے تھے پھر ان کے ہاتھ کا پکا ہونا کھانا آپ نے کیوں قبول فرمایا جب کہ یہود بھی انواع و اقسام کی
 نجاسات میں ملوث رہتے تھے وچہ فرق واضح ہونی چاہیے۔

قاریین کرام نے ملاحظہ فرمایا کہ سوئم گیا رہیوں چلم اور عرس وغیرہ کی ممانعت کے دلائل نے کس طرح

مؤلف مذکور کو محظوظ الحواس کر دیا ہے کہ ان کہی باتوں سے بھی گریز نہیں کرتے اور بالآخر شرمندہ ہوتے ہیں و پنجم
 مکاتیب الصدیقین کی عبارت سے یہ ثابت کرنا کہ انگریز علماء دیوبند کو بری بری تہمتیں دیتا تھا اور دیوبند کی جہاد یوں
 کے اندر خدا جانے وہ ان سے کیا خدمات لیتا تھا؟ مؤلف مذکور اور ان کے ہم نوا دوستوں کے شہرے دماغ کی پیدوار
 ہے اور ان کے دماغ کے بیٹھنے کی علامت ہے کیونکہ حضرت مولانا عثمانی تو یہ فرمایا جاتے ہیں کہ ہمارے سیاسی مخالف
 ہمارے متعلق جو یہ کہتے ہیں کہ ہمیں حکومت ملادیتی ہے اور ہمیں استعمال کر رہی ہے تو ایسی بے بنیاد باتیں لوگ
 حضرت تھانوی جیسے مسلم بزرگ کے متعلق بھی کہتے رہے ہیں تو یہ ان کے علم میں تھی اور نہ ہمارے علم میں پھر ایسے
 بے پرکی باتوں سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ مگر مولف مذکور عوام کو دھوکا دینے کے لئے اس سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ حکومت
 برطانیہ ان کو قیس دیتی تھی اور خود مولف مذکور کو اس کا دبی زبان سے اقرار ہے کہ اس عبارت میں مولانا عثمانی اپنی
 اور حضرت تھانوی کی برات بیان کرتے ہیں نہ کہ رقم لینے کا اثبات چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ مولوی عثمانی اپنی اور تھانوی
 صاحب کی برات میں خواہ کچھ کہتے ہیں ادا جب وہ برات کرتے ہیں اور اس سے بائیک اپنی لاطمی کا اظہار کرتے ہیں
 تو پھر برطانیہ سے رقم لینے کا کیا معنی؟ دماغ کے اسد تعالیٰ مولف کو فہم عطا فرمائے۔ و ششم الحمد للہ تعالیٰ کہ علماء دیوبند
 نے نہ تو ظالم برطانیہ کی کسی بھی صورت میں خدمت اور مدد کی ہے اور نہ وہ ان سے اپنی تائید میں کوئی خدمت لے سکا ہے
 بلکہ ہندوستان میں برطانیہ کا سب سے بڑا دشمن علماء دیوبند ہی کا طبقہ تھا جیسا کہ کسی بھی تاریخ دان سے یہ بات مخفی
 نہیں ہے بخلاف اس کے اس ظالم و جاہل برطانیہ کے دور میں آپ کے علم حضرت نے اعلام الاعلام بان ہندوستان
 دارالاسلام لکھ کر اس کے ہاتھ مضبوط کئے۔ ہم مشہور و معروف مؤرخ پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب کا
 ایک حوالہ سہر دست عرض کئے دیتے ہیں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ انگریز کی خدمات کس نے کیں تھیں؟ اور انگریز
 نے کس سے خدمات لیں تھیں قادری صاحب لکھتے ہیں۔

حکومت کی معاندانہ پالیسی | حقیقت یہ ہے کہ انگریز نے تحریک جہاد کو بری طرح کچلا مجاہدین اور
 مصلحین کو دبا پی کے نام سے مہم کر کے بدمام کیا گیا تمام ملک میں دہلیوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا
 مرکزی حکومت نے صوبائی حکومتوں سے ان کے حالات اور سرگرمیوں کی کیفیت طلب کی ایک محکمہ سرراغ
 رسائی اسی مقصد خاص کے لئے وجود میں آیا حکومت انگریزوں نے بائی اور دہلی مترواف الفاظ قرار
 دینے عائد السابین میں ان کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کیا اور ایک عام معاشرتی انقطاع شروع ہو گیا
 بعض علماء کا کردار | بہت سے علمائے مذہبی خدمات سمجھ کر دہلیوں کی مخالفت کی حکومت نے

ایسے علماء کی سرگزیشوں کو بہ نظر استحضار دیکھا اور ان علماء کو بالواسطہ یا بلا واسطہ ان خدمات کا معاوضہ دیا
 وہاں تک حکومت کی نام پالیسی اس سلسلے میں یہ رہی کہ ایسے مقدمات میں بالعموم وہابیوں کی مخالفت پارسائی
 کے حق میں فیصلہ ہوا۔ مولوی وحسی احمد سورتی ثم پہلی بھینٹی (ف ۳۲۳) نے ایک فتویٰ جامع الشواہد
 فی اخراج الوہابین عن المساجد مرتب کیا گم نام سے گم نام مولوی نے اس پر دستخط کئے اس فتویٰ کی خوب
 تشہیر ہوئی مولوی محمد لہ صانوی (ف ۳۱۳) بن مولوی عبدالقادر لدھیانوی نے اس موضوع پر ایک
 رسالہ تنظیم المساجد باخراج اہل الفتن والفساد لکھا اسی طرح لاہور کے مولوی منی بخش حلوانی نے
 اخراج المناقین من مساجد المسلمین لکھا ان فتاویٰ اور رسائل کی رو سے مساجد میں وہابیوں کو نماز
 پڑھنے سے روکا گیا ان کو زد و کوب کیا گیا ان کی تذلیل اور تشہیر کی گئی اگر ایک طرف ولیم ولسن ہٹرنے
 اور انڈین مسلمانس لکھ کر ان کے خلاف حکومت کو مواد مہیا کیا تو دوسری طرف مولانا فضل رسول بدایونی
 (ف ۱۲۸۷) ۱۸۵۷ء اور ان کے ہمنوا علماء نے غریب وہابیوں کے خلاف تصنیفات و تراجم لکھا
 انبار لگا دیا۔ مولوی فضل رسول بدایونی کی تصانیف میں سیف البحار۔ تصیح المسائل البوارق الحمد
 لرحم الشاہین النجدیہ۔ احقاق الحق و الباطل الباطل اور مجموعہ رسائل و قواعد وغیرہ ہماری نظر سے
 گزرے ہیں مولانا فضل رسول بدایونی کی تصانیف کی طباعت کے سلسلے میں ایک بات خاص طور سے ہم
 نے نوٹ کی کہ ان کی اکثر تصانیف کسی نہ کسی سرکاری ملازم کی اعانت سے شائع ہوئی ہیں۔ شاید یہاں
 یہ ذکر بھی بے محل نہ ہو کہ مولوی فضل رسول بدایونی کو ریاست جہد آباد سے سترہ روپے یومیہ وظیفہ دیا گیا
 جو بعد کو گیارہ روپے یومیہ ہو گیا اور ۱۹۱۵ء تک ان کی اولاد کو ملتا رہا جیسا کہ ان کے سوانح نگار نے لکھا
 ہے (اکمل التاریخ جلد دوم از مولوی محمد یعقوب صاحب ضیاء القادری بدایونی ۱۹۱۵ء ص ۵۷) مولانا
 حیدر علی ٹونکی نے اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ لکھی ہے کہ مولوی فضل رسول بدایونی نے مولانا اسماعیل
 شہید دہلوی کی شہادت ۱۸۳۱ء کے بیس سال بعد وہابیوں کی رو میں کتابیں لکھی شروع کیں ظاہر ہے پنجاب
 کے انگریزوں کے قبضے میں آجانے کے بعد مجاہدین کا مقابلہ براہ راست انگریزوں سے تھا مولوی فضل رسول
 کے ہمنوا علماء میں ان کے بھانجے اور داماد مولوی فیض احمد بدایونی نے تعلیم الجاہل مولوی عماد الدین سنجلی
 نے شمس الایمان مولوی محی الدین نے رسالہ حوزہ قادریہ مولوی سراج الحق نے رسالہ تحفہ المحرمین الشریفین

رسالہ مسائل فقہیہ۔ مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی نے تحفہ محمد بنی رد و باہر لکھے (ملاحظہ ہو طالع الانوار از
 مولوی انوار الحق ص ۸۵۔ ص ۹۰ و اکمل التاریخ ج ۲ ص ۲۵) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از جناب پروفیسر
 محمد ایوب صاحب قادری ص ۶ تا ۶۳ طبع پاک اکیڈمی) مولف مذکور کو یہ فصل تاریخی حوالہ بھی
 ملحوظ رکھنا چاہیے کہ انگریز کی خدمت کس طبقے کی ہے
 پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں جلا کے خاک نہ کروں تو داغ نام نہیں
 و ہفتم مؤلف مذکور تو یہ بات ثابت کرنے سے قاصر ہے کہ علماء دیوبند مسلک کی آرٹ میں پیٹ کا انتظام کرتے
 ہیں آئیے اب ہم بتاتے ہیں کہ پیٹ کا انتظام کس طبقے نے کیا ہوا اس کے لئے مسائل کی آرٹ کیسے لی؟ تمام
 اہل بدعت بشمولیت ان کے اعلیٰ حضرت کے سوئم۔ ساتواں۔ دسواں۔ گیارہویں چہلم اور برسی وغیرہ کو
 مسائل کی شکل دے کر سنگینوں کی لوگوں سے ان کی حفاظت پر کمر بستہ ہیں اور ہر مسجد راہمی ان کی اس
 پیٹ پر ہدی کو بخوبی جانتے ہاں صاحب زندہ تھے تو لوگوں کو ہاضمہ کا یہ چورن تاتے تھے چنانچہ وہ لکھتے
 ہیں نیز یہ درجاج بعض علماء کرام سے نقل فرمایا جس نے کھانا زیادہ کھالیا اور بدبھمی کا خوف ہو وہ اپنے پیٹ
 پر ہاضمہ پھیرتا ہوا تین بار یہ کہے اللیلۃ کیلکہ عجیبہ فی یا کوشی و رضی اللہ عن سیدی اہل
 عبید اللہ الشوشی۔ اے میرے معدے آج کی رات (غالبا گیارہویں کی رات ہوگی۔ صفحہ) میری عید کی
 رات ہے اور اللہ راضی ہو ہمارے سردار حضرت ابو عبد اللہ شوشی سے اھ (فتاویٰ افریقہ ص ۷۸) طبع ضوی پریس
 بریلی) یہ ہے پیٹ کا انتظام جس میں مزاج طور پر پیٹ کا ذکر بھی ہے اور ہاضمہ کا چورن بھی پیٹ پر ہاضمہ پھیر
 ہونے بتایا گیا ہے۔ اور خانصاحب جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو وفات سے چند گھنٹے پہلے یہ وصیت
 فرماتے = اوزا سے اگر لطیب خاطر مسکن ہو تو فاتح میں ہفتہ دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں
 دودھ کا برف خانہ سازا اگر چہ بھینس کا دودھ ہو مرغ کی برہانی۔ مرغ پٹاؤ۔ خواہ بکری کا شامی کباب پڑھے
 اور بالائی۔ فیرنی آرد کی پھر سری دال مع ادک و لوازم۔ گوشت چھری کچوریاں سیب کا پانی۔ انار کا پانی
 سوڈے کی بوتل دودھ کا برف اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے یوں کر دیا جیسے مناسب جانو مگر لطیب خاطر سے
 لکھنے پر مجبور نہ ہو۔ (دھیان شریف ص ۵۷ طبع لاہور) یہ ہے درحقیقت پیٹ کا انتظام کرنے کی یہ پیٹ
 پر ہاضمہ پھیرنے کے طریقہ اور ہاضمہ کے نسخے بتاتے رہے اور نے کے بعد بھی ان اشیاء کو بھیجے کہ تمنی ہیں
 اور اپنے اعزہ وغیرہم کو بھی فرماتے گئے کہ حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو اور میرا دین و مذہب میری

کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے (وصایا شریف ص ۱۰۸) ملاحظہ کیا آپ نے
کہ مخالف صاحب کیا فرما گئے ہیں؟ کہ اتباع شریعت تو حسی الامکان لیکن مخالف صاحب کا دین اور مذہب جو
ان کی کتابوں سے ظاہر ہے (جن میں پیٹ بک کا خاصا انتظام موجود ہے۔ صفحہ ۱۰۸) اس پر مضبوطی سے قائم رہنا
ہر فرض سے اہم فرض ہے امید ہے کہ مؤلف مذکور پر یہ راز منکشف ہو گیا ہوگا کہ پیٹ کا منتظم کون ہے؟ ورنہ
یازندہ صحبت باقی ہے

شیشے کے گھر میں رہ کے وہ پتھر میں بیٹھتے دیوار آئینی پر حماقت تو دیکھئے
ضابطہ سنت بیان کرنے میں سرفراز صاحب کی فاش غلطی یہ سرخی جاکر مؤلف مذکور لکھتے ہیں۔

گیارہویں کو خلاف سنت اور بدعت قرار دینے کے لئے لکھڑوی صاحب نے ایک اور مذہم کوشش کی ہے
چنانچہ تنقید ص ۵۲ میں لکھتے ہیں کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گیارہویں دینے کا حکم دیا؟ ان
کے جواب میں عرض ہے کہ اگر کسی چیز پر یہ کہ سنت ہونے کا ملاساں امر یہ ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
بالخصوص اس چیز پر حکم فرمایا ہو تو دنیا میں بے شمار چیزیں سنت ہونے سے رو جائیں گے مثلاً وعظ و تبلیغ
کرنا سنت ہے پس اب کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالخصوص مولوی
سرفراز کو وعظ کرنے کا حکم فرمایا ہے اگر ایسا ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے ورنہ ثابت ہوا کہ
لکھڑوی صاحب کا وعظ کہنا بدعت ہے۔ اس کے بعد سرفراز صاحب نے دوسرا سوال یہ قائم کیا ہے کہ
ایصال ثواب کے لئے کیا کسی ایک شخصیت کے انتخاب کا ارشاد فرمایا ہے (ص ۵۲) جو باعرض ہے کہ دروغ
گو را حافظ نہ باشد! ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہیں کہ بریلوی سوئم و جہلم وغیرہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ عام افراد
امت کے لئے ہوتے ہیں پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ ایصال ثواب کے لئے ایک ہی شخصیت کا انتخاب کر لیا ہے اگر
آپ کے خیال میں بریلوی صرف گیارہویں دیتے ہیں تو سوئم جہلم اور عرس کا نام نہ لیجئے اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ
وہ سوئم وغیرہ بھی کرتے ہیں تو یہ نہ کہتے کہ انہوں نے ایصال ثواب صرف بڑے پیر کے ساتھ خاص کر لیا ہے آپ
کے کلام میں کس قدر ناقص ہے۔ آپ نے ہم پر تبرا کیا آپ کے عقل ہوش جو اس سب ماؤف ہو گئے یا شپٹن کی بول
چڑھالی اور نشتر سے نکلیاں ہانکتے چلے گئے اس کے بعد پھر گوہاموئے کہ کسی کے ایصال ثواب کے لئے دنوں
کی تعیین کا فرمان دیا گیا ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے اور پھر گیارہویں سنت ہے ورنہ ہرگز نہیں
تنقید ص ۵۲ اس کے جواب میں گذارش ہے کہ آپ جو میں خطبہ سے پہلے وعظ کرتے ہیں کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

علیہ السلام نے اس تعیین کا حکم دیا ہے؟ اگر دیا گیا ہے تو اس کی سند باحوالہ مطلوب ہے؟ تب یہ سنت ہے ورنہ ہرگز
نہیں چلیے آپ کا وعظ جمعہ ہی بدعت ہو کر جنم کی نذر ہو گیا ان فرض آپ کا ہر عمل سر سے پاؤں تک بدعت ہی ہوگا اور پھر
آپ کا شک کا کہاں ہوگا؟ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی (مصلحہ ص ۱۱۲)

الجواب ہم نے اہل السنۃ والجماعت کی تعریف میں حضرت شیخ عبدالغفار صاحب کی غلیظہ الطالین

کا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ الباق کا اور حافظ ابن کثیر کی تفسیر کا اور حضرت شاہ عبدالعزیز
صاحب کے فتاویٰ عن عمر بنی کا جو الودیا ہے مگر انفسوں کے مؤلف مذکور ان سب کو بولی گئے ہیں اور ہم تو معلوم نہیں کہ
شپٹن کیا بلا ہوتی ہے؟ ممکن ہے مؤلف مذکور ان سب ٹھوس اور صریح حوالوں کو یہی بول سمجھ کر چڑھا گئے
ہوں مؤلف مذکور کا اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ہمارے نقل کئے ہوئے تمام حوالوں کا صریح الفاظ میں تذکرہ کرتے
اور پھر سب کا باحوالہ جواب دیتے مگر علمی باتوں کا جواب دینا تو ان کے بس میں کب ہے؟ اور امید بھی کیا
ہے؟ ہم دوبارہ گذارش کرتے ہیں کہ ہم نے سنت کا جو معنی بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور ان بالا بزرگوں
کی صریح عبارات کی روشنی میں کیا ہے اور آپ نے ان کا قطعاً کوئی جواب نہیں دیا بقضاء تعالیٰ ہم بدستور اپنے صحیح
موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں باقی جو باتیں مؤلف مذکور نے ذکر کی ہیں تو وہ خود ان کی جہالت پر وادیا کر رہی ہیں اولاً
تو اس لئے کہ ان کا دعویٰ ہے سنت کی جزئی کائنات اور اس کے ساتھ حور وہ یہ ملا ہے میں کہ سرفراز صاحب
کو آپ نے وعظ کرنے کا حکم فرمایا ہو سو گذارش یہ ہے کہ سرفراز سنت کی جزئی نہیں سرفراز تو سنت پھیل کرنے
والے کلی افراد کا ایک فرد ہے حیرت ہے کہ مؤلف مذکور پر کہ ان کو ذات اور صفت کی ہی تمیز نہیں جب قرآن
کریم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ہر امتی کو صریح حکم ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے ایک ہی نہیں بلکہ ہزاروں حضرات صحابہ کرام نے آپ کے (بخاری ج ۱ ص ۱۱۱) وغیرہ کی صحیح سند سے ثابت
شده) ارشاد ۱۱۱ بَلِّغُوا لِقَابِ رَبِّكُمْ الْمُنَادِيَاتِ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حِجَابًا مُّخَيَّبَةً فَأَكْثَرَ بَعْضُ مَا نَدَا بِهِنَّ مِنْ خَلْفِ الْوِجَاهِ بِمَا نَدَا بِهِنَّ مِنْ قُدَمَى الْوِجَاهِ
وساری ہے کہ تبلیغ ہر امتی کا فریضہ ہے تو سنت کی ایک جزئی نہیں بلکہ بے شمار جزئیات سامنے آچکی
ہیں لہذا نہ سرفراز کا وعظ کہنا بدعت ہے اور نہ کسی اور کا بل ان اگر اس وقت تبلیغ و وعظ پر کوئی عمل ہوا
ہوگا اور تبلیغ و وعظ کی ایک جزئی نہیں سامنے نہ آئی ہوتی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم نہ ہوتا تو پھر
معاملہ الگ تھا مؤلف مذکور کا مطلقاً وعظ و تبلیغ کو سنت کہنا نہ معلوم کس خیال پر مبنی ہے؟ کیونکہ تبلیغ
دن کسی موقع پر فرض کسی پر واجب کسی پر سنت اور کسی پر مستحب ہے۔ دوم ہم نے مطلق ایصال ثواب کے

کسی ایک شخصیت میں انحصار پر گرفت نہیں کی تا کہ آپ اپنے محبوب شعلہ سوئم جہلم اور عرس وغیرہ کا حوالہ دیکر گلو خلاصی کر لیں کہ تو ہم امت کے اور افراد کے لئے بھی ایصالِ ثواب کرنے میں ہم نے گیارہویں کے ایصالِ ثواب کو صرف ایک ہی شخصیت کے لئے مخصوص کرنے پر گرفت کی ہے چنانچہ تنقید تین صدیوں میں ہمارے الفاظ یہ ہیں۔ اور گیارہویں کے ایصالِ ثواب صرف حضرت شیخ صاحب سے ہی کیوں مختص کر دیا گیا ہے؟ اور باری مضبوط گرفت ابھی تک آپ کی گردن پر ہے اور ہمارا سوال بدلتور باقی ہے جس کا کوئی جواب تاہنوز نہیں ہوا اور محمد رشید تعالیٰ ہمارے کلام میں ہرگز قطعاً کوئی تناقض نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے اور راقم انہیں سمجھتا ہے کہ یہ توحید و سنت پر عمل کرنے کی برکت ہے کہ تقریباً بیستہ سال کی عمر میں بھی ہوش و حواس بالکل صحیح ہیں اور کافی تک حافظہ بھی بزرگ ہے کیونکہ فیصلہ تعالیٰ راقم انہیں سچا ہے۔ ہم اس میں آپ کے مؤید ہیں کہ دروغ گور حافظہ نہ باشد لیکن ایسا شخص جب آپ اپنا آئینہ دیکھیں گے تو آپ کو ضرور نظر آجائے گا۔ سوئم اس لئے کہ ہم نے تفسیر ان کثیر کے حوالے سے یہ لکھا تھا۔

واما اهل السنة والجماعة فيقولون في كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة رضي الله تعالى عنهم هو بدعة الخ
بہر حال اہل سنت والجماعت یہ فرماتے ہیں کہ جو فعل و قول حضرت صحابہ کرام سے ثابت نہیں وہ بدعت ہے الخ۔ (ج ۲ صفحہ ۱۵۶)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم طلبہ کے افادہ کے لئے ایک دو حوالے مزید یہاں عرض کر دیں علامہ ابو الفتح محمد بن عبد البر الشہرستانی المتوفی ۴۸۸ھ لکھتے ہیں کہ

واخبار النبي عليه الصلوة والسلام ستفتقر امتي على ثلاث وسبعين فرقة الناجية منها والحدثة والباقون هلكي قبيل ومن الناجية قال اهل السنة والجماعة قبيل وما السنة والجماعة قال ما انا عليه اليوم واصحابي (الملل والنحل ج ۱ صفحہ طبع بیروت)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمودی ہے کہ بتائید میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی نجات پانے والا ان میں سے ایک فرقہ ہوگا اور باقی عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائیں گے پوچھا گیا کہ فرقہ ناجیہ کون سا ہے؟ فرمایا اہل سنت والجماعت پوچھا گیا کہ سنت والجماعت کیا ہے؟ فرمایا جس طریقہ آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔

اس روایت میں ما انا عليه اليوم واصحابي کے الفاظ معیار اور کوئی کا درجہ رکھتے ہیں اور یہ

الفاظ مستدک حاکم ج ۱ صفحہ ۱۲۹ و در منثور ج ۲ صفحہ ۶۳ اور مجمع الزوائد ج ۱ صفحہ ۱۸۹ وغیرہ میں بھی موجود ہیں اہل بدعت حضرات ہیں انصاف سے یہ کہیں کہ کیا تیسرے رسواں۔ چالیسواں میلاد۔ ایصالِ ثواب کے کھانے کو سامنے رکھ کر اس پر کچھ پڑھنا۔ اجتماعی شکل میں ذکر یا بجز اور بلند آواز سے سجدوں میں اذان سے قبل اور بعد و در شریف پڑھنا اور گیارہویں وغیرہ بدعات جن پر وہ سختی سے کاربند اور صبر ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اور حضرات صحابہ کرام کے وقت تھیں؟ جب کہ سوائے گیارہویں کے کہ حضرت شیخ صاحب کی ولادت اور وفات کافی بصرہ بعد کو ہوئی تمام امور کے اسباب محرکات اور دواعی اس وقت موجود تھے تو ان امور کے بدعت ہونے میں کیا شک اور شبہ ہے؟ اور اہل سنت والجماعت کا یہی ناجیہ فرقہ ہوگا جس کا چہرہ قیامت کے دن سفید ہوگا اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے چنانچہ جبر الامت حضرت ابن عباس یوم تینین وجوہا وتسود وجوہا کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

يعني يوم القيمة تبيض وجوه اهل السنة والجماعة وتسود وجوه اهل البدعة والفرقة۔ یعنی قیامت کے دن اہل سنت والجماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت اور افتراق کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

تفسیر ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۳۹ در منتہا ج ۱ صفحہ ۲ تفسیر مظہری ج ۲ صفحہ ۱۱

اب مؤلف مذکور ہی غور کریں کہ کیا جنہم اہل بدعت کا ٹھکانہ ہے اہل سنت والجماعت کا؟ اور پھر حدیث کی روشنی میں کسی کون ہے اور بدعتی کون ہے؟ اور بروز قیام سفید فام کون ہوں گے اور رو سیاہ کون ہوں گے؟ اب انصاف کو ملحوظ رکھ کر فیصلہ کرنا خود ان کا اپنا کام ہے۔

اور ہم نے راہ سنت و حدیث میں ۲۴ میں مجموعہ سے قبل تقریر کرنے کے باقاعدہ صحیح اسانید سے حوالے دیئے ہیں ان کی موجودگی میں ہم سے حوالے طلب کرنا یا وہ عظیم جمعہ کو جنہم کی نذر کرنا یا ہمارے لئے کوئی ٹھکانہ تلاش کرنا ناقص جہات اور کم فہمی کا نتیجہ ہے آپ کو خود اس پر غصہ نہ دل سے غور کرنا چاہیے کیونکہ اگر ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

شاہ طبری کی عبارت کی وضاحت | یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ مولوی ہر فرزند صاحب نے اپنی سب سے بھی اور نادانی سے تعین کو بدعت قرار دینے کے لئے علامہ شاہ طبری کی ایک عبارت پیش کی ہے ہم اسے نقل کر کے مولوی صاحب کی غلط فہمی دور کرنا چاہتے ہیں شاہ طبری فرماتے ہیں ان مطلق احکام میں قید لگانا جن کی قید کسی

شرعی دلیل سے ثابت نہیں اپنی رائے سے شریعت بنانا ہے خصوصاً جب کہ اس کے معارض کوئی دلیل موجود ہو اور اگر
 ج ۱ ص ۲۸ بحوالہ مفید علامہ شاطبی کے قول میں تقیید سے اور قید و جوبی ہے مثلاً ایصال ثواب کے لئے کوئی شخص
 سوگم کو باہر طور مقرر کرے کہ اگر اس دن ایصال ثواب ہوا تو جائز اور آگے پیچھے ہوا تو ناجائز اور یہ شرع میں نہایت
 ہے اس کلام کا اس کے سوا کوئی عمل نہیں کیونکہ اطلاق شرعی کا تحقق بغیر کسی فرد کے متحقق نہیں لگھڑی سے ہم کو کسی
 اطلاق شرعی پر بغیر سے تقیید کئے عمل کر کے دکھادیں نیز حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے اس کی وضاحت نہیں
 عرس کے سلسلہ میں نقل کر چکے ہیں فائز و تدبر (محصلاً ص ۱۱۲ و ۱۱۳)

الجواب مؤلف مذکور نے محض اپنے نانو اندہ حواریوں کے مطمن کرنے کے لئے اور ان کو راقم آئیم کی بے
 سمجھی اور نادانی کی گیت سنا کر اور دوسری سے کہ علامہ شاطبی کی عبارت کی جو تاویل اور اس میں جو علمی ٹھوکرا گئی ہے
 وہ علمی اور تحقیقی طور پر ایک نرا جو ہے اور توجیہ القول بلا درستی بہ قائلہ کا مصداق ہے کیونکہ علامہ شاطبی علمی اور
 عملی دونوں قیودوں کو بدعت قرار دیتے ہیں یعنی مثلاً غیر فرض کو فرض یا فرض کو غیر فرض اعتقاد کرنا یہ علمی قیود ہے
 اور دوسری یہ ہے کہ جہاں تبیین کے ساتھ شارع سے عمل ثابت نہیں وہاں عمل کرنا اس کو بھی وہ بدعت ہی قرار دیتے
 ہیں جو علمی قیود ہے لہذا مؤلف مذکور کا غلط شاطبی کی عبارت پر قید کو مقرر فعلی قیود میں منحصر سمجھنا ان کی بے سمجھی اور کھلی نادانی
 کی واضح دلیل ہے کیونکہ علامہ شاطبی کے نزدیک مطلقاً شرعیہ میں دونوں طرح کی قیودیں بدعت ہیں ہم علامہ
 شاطبی کی چند عبارات عرض کرتے ہیں جو اس تقیید فی المطلقات کے سلسلہ میں انہوں نے تحریر فرمائی ہیں

۱) فاذا اجتمع في النافلة ان تلتزم السنن الرواتب اماد انما داماني اوقات
 السنن الرواتب اماد انما داماني اوقات
 محدود ودعلى وجه محدود و اقيمت في
 الجماعة في المساجد التي تقام فيها الفروض
 او المواضع التي تقام فيها السنن الرواتب
 فذالك ابتداء والدليل عليه انه لم يأت
 عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ولا
 عن اصحابه ولا عن التابعين لهم باحسان
 فعل هذا المجموع هكذا مجموعاً

(الاعتصام ج ۱ ص ۲۸)

نہیں ہے۔

اس عبارت میں اس امر کی تصریح ہے کہ عمل طور پر نوافل پر ایسا التزام کرنا جیسا کہ سنن نوکلت پر کیا جاتا ہے
 یا تعیین اوقات میں متعین طریقہ سے عملاً ان کا التزام کرنا یا جماعت کے ساتھ ان کو ادا کرنا بدعت ہے اور اس کی دلیل
 وہ پر پیش کرتے ہیں کہ یہ عمل اور فعل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ سے
 اس طریقہ پر ثابت نہیں ہے اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک صرف علمی قیود ہی بدعت نہیں عملی قیود
 بھی بدعت ہے۔

۲) فالعمل بالنافلة التي ليست بسنة
 على طريق العمل بالسنة اخراج النافلة
 عن مكانها المخصوص بها شرعاً ثم يلزم
 من ذلك اعتقاد العوام فيها ومن لا علم
 عندنا انها سنة وهذا افساد عظیم
 لان اعتقادها ليس بسنة والعمل بها
 على حد العمل بالسنة نحو من تبديل
 الشريعة كما لو اعتقد في الفرض انه
 ليس بفرض او فيما ليس بفرض انه فرض
 ثم عمل على وفق اعتقاد فانه فاسد
 فذهب العمل في الاصل صحيحاً فاخرجه
 عن باب اعتقاداً وعملاً من باب
 افساد الاحكام الشرعية (ج ۱ ص ۲۸)

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ جس طرح غیر سنت کو سنت اعتقاد کرنا تبدیل شریعت ہے اسی طرح غیر سنت
 پر سنت کی حد و سنت کے طریقہ پر عمل کرنا بھی تبدیل شریعت ہے اور اس عبارت میں اس کی بھی انہوں
 نے تصریح کر دی ہے کہ جو عمل اصل میں صحیح ہو لیکن اعتقاداً یا عملاً اس کو اس کی جگہ سے ہٹا دیا جائے تو اس سے
 احکام شرعیہ کا بطلان لازم آتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا بدعتین حضرت نے سوئم چلم اور برسی وغیرہ کو عمل ان ایام میں متعین کرنا کابوت قرار نہیں کر دیا؟ اور کیا وہ جماعتی صورت میں ان ایام کی تعیین توڑنے پر قادر ہیں؟
 (۳) علامہ شاطبی نے چند افعال و اعمال کا ذکر فرمایا ہے جو اصل میں جائز یا مستحب میں لیکن فرماتے ہیں کہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔
 فہذا امور دجائزۃ او مندوب الیہا
 ولکن ہم کرہوا فعلہا خوفاً من البدعة
 لان اتخاذاہ سنة انما هو بان یواظب
 الناس علیہا مظهرین لہا و ہذا شأن
 السنۃ و اذا جرت مجری السنن صارت
 من البدع بلا مشک را الاعتصام ۲۸۶

اس عبارت میں ان افعال کو علامہ شاطبی نے بدعت کہا ہے جو اصل میں تو جائز و مباح ہیں لیکن لوگ ان کو سنت کی طرح ظاہر کر کے اور ان پر موأظبت کر کے شرعی حدود سے تجاوز کرنے میں اور فرماتے ہیں کہ جب یہ مباح اور جائز امور سنت کی طرح لوگوں میں معمول بہا بن جائیں تو ان کے بدعت ہونے میں کوئی شک ہی نہیں ہے اس عبارت میں گرگی بات یہی ہے کہ عملی قید سے بھی جائز اور مستحب امر بدعت بن جاتا ہے۔ مولف مذکور ہی بتائیں کہ کیا سوئم چلم و عرس وغیرہ کی ان کے نزدیک عملی پوزیشن یہی نہیں ہے کہ لوگ ان پر موأظبت بھی کرتے ہیں اور ان کو ظاہر بھی کرتے ہیں؟ غرضیکہ علامہ شاطبی کی عبارت میں تنقید سے علمی اعتقادی اور واجبی قید ہی سمجھنا اور عملی کو اس سے خارج کر دینا مولف کی نہایت کم فہمی اور پرے درجہ کی نادانی پر مبنی ہے۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ اطلاق شرعی پر بغیر اسے متقید کئے عمل کر کے دکھادیں اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے تعیین عرس کا حوالہ ہم نقل کر چکے ہیں سو گذارش یہ ہے کہ ہم ان دونوں باتوں کا جواب پہلے عرض کر چکے ہیں وہاں ہی ملاحظہ کر لیا جائے بار بار اعادہ سے خواہ مخواہ تطویل ہوتی ہے۔
 سخن ہائے غلط کو سب نے جانا ۔ ہوا یہ تذکرہ آخر قسانا،

کیا غنیۃ الطالیین شیخ جیلانی کی تصنیف ہے؟
 یہ سرنجی قائم کر کے مولف مذکور لکھتے ہیں لکھنؤی صاحب کے ضعیف مطالعہ اور نہایت جسارت کی ایک اور بین مثال یہ ہے کہ انہوں نے غنیۃ الطالیین کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی تصنیف قرار دیا ہے حالانکہ شیخ ابن حجر مکی نے فتاویٰ حدیث میں علامہ عبدالعزیز نے ہراس میں علامہ ملتانی نے حاشیہ ہراس میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ترجمہ غنیۃ میں تصریح فرمائی ہے کہ یہ کتاب ابن جناب کی تصنیف نہیں ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم نے عبارت پیش نہیں کیں علاوہ ازیں اس کتاب میں بعض ضعیفہ کو فرقہ درجہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس میں ایسے مسائل شامل ہیں جو جمہور اہل سنت کے معتقدات کے خلاف ہیں مثلاً روایت باری تعالیٰ کا انکار حالانکہ یہ اعتزال پر مبنی ہے اہل سنت کا اس نظریہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور جناب شیخ مکی ذات تنوہ و صفات اس بدعتی فکر سے بہت بلند و بالا ہے (محصلاً ۱۱۳ و ۱۱۴)

الجواب۔ مشہور کبات ہے کہ چوہے کو سونٹھ کی گردہ کہیں سے مل گئی تھی اور اس نے اس کے بل بوتے پر جنرل میڈیکل مشورہ کھولنے کی نشان دہی تھی یہی ذہن مولف مذکور نے استعمال کیا ہے ہمنے تنقید ہتس میں کتاب غنیۃ الطالیین وغیرہ کے حوالے سے اہل سنت والجماعت کی تعریف اور حدود اور بلہ نقل کئے تھے چونکہ مولف مذکور اور ان کی جماعت اہل سنت والجماعت کی اس تعریف میں کسی طرح داخل نہیں اس لئے انہوں نے آسان طریقہ سے یوں گلو خلاصی چاہی کہ غنیۃ الطالیین حضرت شیخ صاحب کی تصنیف ہی نہیں اور مولف مذکور نے شاید اس پر عمل کیا ہو کہ نہ رہے ہانس نہ بچے ہانسری لیکن اس عنوان اور سرنجی کے تحت انہوں نے جو کچھ کہا ہے بالکل بے سود ہے اولاً اس لئے کہ واقعی علامہ عبدالعزیز فرمادہی نے ہراس ۴۷۶ میں اور اس کے محشی مولانا محمد زینور دار ملتانی نے اور شیخ عبدالحق صاحب وغیرہ نے کتاب غنیۃ الطالیین کی حضرت شیخ صاحب کی تصنیف ہونے کا انکار کیا ہے لیکن جمہور محققین اور علماء کی تحقیق کے مقابلہ میں ان چند حضرات کی رائے کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہے اب غور فرمائیے کہ یہ رقم ٹیم اپنے ضعیف مطالعہ کے پیش نظر چند حوالے عرض کرتا ہے اور قومی مطالعہ والا تو بہت ہی زیادہ حوالے پیش کر سکتا ہے وقوق مکی ذری علم علیہم ۵۔

(۱) ناقد فن رجال علامہ مہدی لکھتے ہیں کہ غنیۃ الطالیین حضرت شیخ صاحب کی تالیف ہے (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۰۰۔ والعرض البکیر ورق ۶۹ للذہبی)۔

(۲) حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحب کی تصنیف ہے۔ ملاحظہ ہو (المجموع فی الرد علی الجہمیۃ ص ۶۶)

(۳) حضرت ملا علی القاری غنیۃ الطالبین کو حضرت شیخ صاحب کی تصنیف تسلیم کرتے ہیں (ملاحظہ ہو شرح فقہ اکبر ص ۸۹ طبع کانپور)

(۴) ملا کتاب علی الخفنی اس کو حضرت شیخ صاحب کی تصنیف بتاتے ہیں (کشف الظنون ج ۲ ص ۵۹)

(۵) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اس کو حضرت شیخ صاحب کی تصنیف مانتے ہیں (ملاحظہ ہو توقیہات الہیہ ج ۱ ص ۲۷)

(۶) امام ابو الفرج عبدالرحمن کتاباب الدین المشہور بابین رجب الخبلی اس کو حضرت شیخ صاحب کی تصنیف مانتے ہیں (ملاحظہ ہو طبقات ابن رجب ص ۱۰۰)

(۷) مولف دراسات اللیب اس کو حضرت شیخ صاحب کی تالیف مانتے ہیں (ملاحظہ ہو ص ۲۵۹)

(۸) اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی (۹) علامہ عبد الغنی النابلسی (۱۰) اور علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی (۱۱) اس کو حضرت شیخ صاحب کی تصنیف مانتے ہیں (ملاحظہ ہو عقیدۃ الحمدیۃ لانا ابی عبدالرحمن عبداللہ گیلانی ج ۱ ص ۱ تا ص ۱۱) اور (۱۱) خود عقیدۃ الحمدیۃ کے مصنف بھی اس کو حضرت شیخ صاحب کی تصنیف مانتے ہیں (ملاحظہ ہو عقیدۃ الحمدیۃ ج ۱ ص ۱۱) لیکن ہم نے بفضلہ تعالیٰ آپ کے مرغوب عدد گیارہ کی گنتی کے مطابق گیارہ حوالے عرض کر دیئے ہیں اگر آپ نے کچھ لکھا اور ہماری زندگی ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم مزید کچھ عرض کریں گے۔ یا زندہ صحبت باقی۔

گرچہ چونکہ ہم مرغوم گیارہوں کے قطعاً قائل نہیں ہیں اس لئے ممکن ہے کہ کوئی کوثر مغز ہمارے ان پیش کردہ حوالوں کے عدد سے یہ ثابت کرنا چاہے کہ ایسے گیارہ حوالے دے کر گیارہوں کے قائل ہو گئے ہیں اس لئے ہم اس عدد کو جو مولف مذکور اور ان کی جماعت کا تو مرغوب عدد ہے اور ہر گیارہوں تاریخ پر ان کے واسے نیارے ہوتے ہیں) تو ذکر مزید حوالے عرض کرتے ہیں۔

(۱۲) مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں صاحب (دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۶۵ میں) لکھتے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحب کی تصنیف ہے۔

(۱۳) مولانا شاہ محمد علی حبیب الغلواروی اسوہ حسنہ ص ۱۹ میں لکھتے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحب کی تصنیف ہے۔

(۱۴) مولانا شاہ محمد علی حبیب الغلواروی اسوہ حسنہ ص ۱۹ میں لکھتے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحب کی تصنیف ہے۔

تصنیف ہے۔ (۱۴) خود آپ حضرات کے علمی اور جماعتی رسالہ رضدے مصطفیٰ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ میں غنیۃ الطالبین کو حضرت شیخ صاحب کی مشہور و معروف تصنیف بتایا اور تسلیم کیا گیا ہے۔

(۱۵) مولوی محمد عمر صاحب مقیاس حقیقت ص ۵۹ تا ۵۹۹ میں سات مرتبہ غنیۃ الطالبین کے حوالے دے کر صریح الفاظ میں اس کو حضرت پیران پیر کی تصنیف تسلیم کرتے ہیں (۱۶) مفتی احمد یار خاں صاحب بھی غنیۃ الطالبین کو حضرت پیر خانی کی تصنیف تسلیم کرتے ہیں چنانچہ وہ اشرف الشافعیہ المعروف تفسیر نعیمی پارہ سوم ص ۱۷۱ میں لکھتے ہیں حضور غوث پاک غنیۃ الطالبین جلد دوم ص ۱۷۱ میں فرماتے ہیں کہ نواں عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا

(۱۶) جامع الفتاویٰ المعروف بہ نواشریعت ص ۵۵۵ و ۵۵۶ و ۵۵۷۔ (۱۸) دافرا ساطع ص ۵۷۔ (۱۹) و کتاب

الاسنت ص ۲۳۳ (۲۰) فیصلہ شرعیہ بر حرمت تعزیر مولفہ شیخ القرآن التفسیر مولوی مہر دین جمال پوری تم لاہوری سابق مدرس دارالعلوم حزب الاحناف لاہور۔ وغیرہ کتابوں میں غنیۃ الطالبین کو حضرت شیخ صاحب ہی کی تصنیف تسلیم کیا گیا ہے۔ غرضیکہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحب کی ایسی مشہور و معروف تصنیف ہے جس کا کوئی بھی مزاج آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ بجز متعصب اور عنادی کے۔

و ثانیاً اس لیے کہ اصحاب ابی حنیفہ کو حضرت شیخ صاحب نے غنیۃ الطالبین میں مرجعہ کے فرقہ میں داخل کیا ہے لیکن کیا اس سے لازم آتا ہے کہ غنیۃ الطالبین بھی تصنیف ہی ہو؟ ان دونوں فرقوں میں شرعی عقلی اور منطقی طور پر کوئی تلامذہ ہے؟ کیا وہ مذکورہ فرقوں سے کام لیتے ہوئے ان تمام کتابوں کے مؤلفین کی تالیف ہونے سے انکار کریں گے جن میں شمولیت بعض اصحاب کے بہت اہم حدیث کو مرجعہ کے فرقہ میں داخل کیا ہے؟ ہم نے اپنی کتاب تمام ابی حنیفہ ص ۱۱۲ میں جامع میان علم لابن عبد البر اصل داخل شدہ ترقی، تمقیات الیہ شاہ ولی اللہ اور دلیل الطالب نواب صدیق حسن خاں صاحب وغیرہ کے حوالے سے تفصیل لفظ جزئی کی تفسیل اور اصحاب ابی حنیفہ کے مرجعہ ہونے کا مطلب عرض کر دیا ہے ہاں ہی ملاحظہ کریں گا۔ اور اس معنی میں مرجعہ ہونے سے ان پر حاکم غوثی زود نہیں پڑتی۔ وثالثاً مولف مذکورہ غنیۃ الطالبین میں صرف روایت بارہی تعالیٰ کا سند ہی نظر آیا ہے جس سے وہ نسخ یا ہو کر حضرت شیخ صاحب کی تصنیف ہی نہیں تسلیم کرتے خدا سلو اگر ان کو اس میں سچا حضرت اسماعیل علیہ السلوۃ والسلام کی قرآنی کھت حضرت اسماعیل علیہ السلوۃ والسلام کی قرآنی کھت نظر آجاتا ہے اور مختلف ابواب میں جعلی حدیثوں کی جھڑپ نظر آجاتی ہے (غیر لیکر مولف مذکور میں احادیث پر کھنے کی اہلیت ہو تو خدا جانے ان پر کیا کرتی؟ بلاشبکہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنے وقت سے بہت بڑے بزرگ اور صاحب کلمات ذلی اور شد و اصلاح کا درس دینے والے سترین اخطا تھے لیکن ناقہ ذوقین مجال تھے اور احادیث کے صحت و عدم کو اس طرح پرکھتے تھے جس طرح کھت میں کھت بندھی کی چند ہی اقبال کی کھال انکار کر دیتے

میں بخلاف حضرت صوفیا کرام کے کہ وہ نیک دل ہونے کی وجہ سے لوگوں کے بارے ضرورت سے زیادہ حس ظنی کرتے ہیں اور اپنے صاف و شفاف دل پر لوگوں کے دلوں کو قیاس کرتے ہیں کہ جیسے ہم مخلص و صادق ہیں واقعہ بیان کرنے والا راوی بھی ایسا ہی ہوگا اس لئے وہ تنقید نہیں کرتے امام ابن الجوزی کا یہ قول غریب کلام نہیں مشہور ہے اذ اذ وقع صوفی فی الاسناد فانسل یدیک ہندہ العرف الشذی صلیع یعنی جب کسی سند میں صوفی واقع ہو جائے تو پھر تم اس سند اور حدیث سے لائق و صوڈا کو کیونکہ وہ غیر معتبر ہے اور اس کی وجہ یہی ہے جو ہم نے ابھی اوپر بیان کی ہے۔ و البعاس لئے کہ روایت باری تعالیٰ کے انکار سے مؤلف مذکور کی کیا مراد ہے؟ کیا مراد ہے کہ قیامت کے دن مومنوں کو پیار و شفقت کے ساتھ اور دوسروں کو عوی طوری پر اللہ تعالیٰ کی جو رویت اور دیدار نصیب ہوگا اس کے حضرت شیخ صاحب منکر ہیں جس طرح کہ معتزلیہ وغیرہ منکر ہیں؟ تو یہ ان پر نرا بہتان اور خالص افتراء ہے اور حضرت شیخ صاحب کا دامن اس سے بالکل پاک ہے اور اگر مراد ہے کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ دیدار اور رویت نہیں ہوئی؟ تو یہ مسئلہ خود اہل سنت و الجماعت میں مختلف فیہا ہے اور صاحب نبراس نے چار قول اس میں اہل سنت و الجماعت کے نقل کئے ہیں (ملاحظہ ہو نبراس ص ۴۶۷ و ۴۶۸) وغامس اس لئے کہ خود مؤلف مذکور جملہ مرکب کا شکار ہیں بات دراصل کچھ اور ہے اور انہوں نے اپنی جہالت اور ضعف مطالعہ کی وجہ سے کچھ اور بھی سمجھ رکھی ہے علامہ عبدالعزیز فرمادے لکھتے ہیں۔

واما حدیث جابر روایتی مشافہة
لاشک فیہ ففی شوتہ نظر ولا یغترک
وقوعہ فی غنیة الطالبین المسنوبہ
الی الغوث الاعظم عبد القادر جیلانی
قدس سرہ العزیز فالنسبہ غیر صحیحہ
والاحادیث الموضوعۃ فیہا وافرۃ انتہی
(نبراس ص ۴۶۷)

بہر حال حضرت جابر کی حدیث جس میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو شافہ دیکھا ہے جس میں کوئی شک نہیں تو اس حدیث کے ثبوت میں کلام ہے اور اس حدیث کا غنیۃ الطالبین میں جس کی نسبت غوث اعظم عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی طرف لگی ہے واقعہ ہونا تجھ پر گڑھو کہ میں نہ ڈولے کیونکہ یہ نسبت صحیح نہیں اور اس میں موضوع حدیثوں کی بھر مادی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت شیخ صاحب معراج کی رات کی رویت کے منکر نہیں بلکہ وہ تو عیاثا اور مشاہدہ آنکھوں

کے ساتھ رویت ثابت کرتے ہیں جیسا کہ ایک جماعت کا مسلک ہے اور اس کے لئے وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس کے بارے علامہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث کی صحت محل نظر ہے قارئین کرام سمجھ گئے ہوں گے کہ بات اصل میں کیا ہے اور مؤلف مذکور نے اپنی لاعلمی قلت مطالعہ اور کم فہمی کی وجہ سے اس کا کس طرح بتنگڑ بنا دیا ہے اور علامہ عبدالعزیز اور اس طرح شیخ عبدالمق محمد ث و بلوی اپنے اس دعویٰ پر کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحب کی تصنیف نہیں کوئی دلیل نہیں پیش کر سکے بجز اس کے کہ اس میں جعلی حدیثوں کی بھر مار ہے مگر اس سے تو دعویٰ ثابت نہیں ہوتا جن کتابوں میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا ان میں بعض موضوع احادیث بھی موجود ہیں کیا ترمذی شریف اس سے خالی ہے؟ یا ابن ماجہ میں بیست سے زائد روایتیں ایسی موجود نہیں ہیں حتیٰ کہ نسائی اور ابوداؤد میں سبیل والی روایت موضوع ہے (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲) ہم نے قدرے تفصیل سے اس پر مقام ابی حنیفہ میں بحث کر دی ہے۔ یہ چند حضرات بلا دلیل غنیۃ الطالبین کے حضرت شیخ کی تصنیف ہونے کا انکار کرتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں ان سے بدرجہا زیادہ محقق اور کثیر تعداد میں علماء اس کتاب کو حضرت شیخ صاحب کی ہی تصنیف سمجھتے ہیں اور اصول کا مسئلہ ہے کہ المثبت اولیٰ من النافی ابتدا انہی حضرات کے قول و تحقیق کا اعتبار ہے اور غنیۃ الطالبین حضرت شیخ ہی کی تالیف ہے یہ الفاظ کے بچوں الجھتے نہیں دانا خواص کو مطلب ہے صدف سے گاہر سے؟ (اقبال) حق سے فرار

تنقید تین ص ۶۷ و ص ۶۸ و ص ۶۹ میں حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ کی غنیۃ الطالبین کی عبارت کے بعد ایک صحیح اور مرفوع حدیث اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی بے مثال کتاب حجۃ اللہ البالغہ اور حضرت ملا علی القاری کی مرقات کے حوالے بھی درج کئے گئے ہیں لیکن مؤلف مذکور ان کا کوئی جواب نہیں دے سکے اور کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے آگے چل دیئے ہیں ان کا اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ اپنے قارئین کو ان سے بھی روٹنا س کرتے مگر ایسا کرنے کے بعد ان کے حلوے ماند ہرگز دہرتی تھی اور ان کے مخالفت کی جن کے بل بوتے پر وہ اپنی بھولی بھالی بھیروں کو الگ بائسے میں رکھے ہوئے ہیں قلعی کھل جاتی تھی اس لئے ان کے لئے تیرا سی میں تھی کہ ان کا ذکر ہی نہ کیا جاتا۔

طعام پر فاقہ پڑھنا یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے تنقید تین کا ایک اڈھورا اور نامکمل حوالہ لکھا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں مولوی گاہر دی صاحب نے کھانے پر فاقہ پڑھنے کو بندوانی رسم قرار دیتے ہوئے ذکر کیا لیکن جس تاریخ کو کوئی مرا اس تاریخ میں انہیں ثواب پہنچانا ضرور مانتے ہیں اور کھاتے

کے ثواب پہنچانے کا نام سردھ ہے اور جب سردھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اول اس پر پندت کو بلوا کر
 بہید پڑھواتے ہیں جو پندت اس کھانے پر بہید پڑھتا ہے ان کی زبان میں ہمیشہ من کہلاتا ہے اور اسی طرح اور
 بھی دن مقرر ہیں (تفقید صلا)۔ اس بیان میں انتہائی بے باکی اور دروغ گوئی سے کام لیا گیا ہے اور اولیٰ
 سوچہ بوجھ رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں ہے کہ ہندوؤں میں زقیامت کا تصور ہے اور نہ ثواب و عذاب کا پس
 یہ کہنا کہ ہندو ثواب پہنچانے کے لئے طعام پر بہید پڑھواتے تھے ایسی باوہ گوئی ہے جسے ماننے کے لئے کوئی
 ہوشمند تیار نہیں ہو گا نیز ہم بحث استعانت میں تفسیر غزیری سے نقل کر چکے ہیں کہ جو لوگ مردوں کو جلا
 دیتے ہیں ان کے مذہب میں مرنے والوں کو زندوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تفسیر غزیری پٹ ضلع
 دیکھئے توضیح البیان ص ۱۴۴ پھر بتلائیے آپ کے حکمی داوا کی اس تحقیق کے مقابلہ میں آپ کے ہندیاں پر کون
 کان دھرے گا آپ کہتے ہیں ہندو اپنے مردوں کو ثواب پہنچاتے ہیں شاہ صاحب فرماتے ہیں این چیز با اصلا
 نسبت با ہندوا اصل مذہب انہا نیز واقع نیست اب بتلائیے کہ آپ جھوٹے ہیں یا آپ کے حکمی داوا
 انتہی بلقظہ (ص ۱۴۴)

الجواب مؤلف مذکور بھی خالص اچھو بڑ روزگار میں کہ جمل تو بلیس کے بغیر کوئی بات لکھنا ان
 کی قسمت ہی میں مقدر نہیں سچ ہے جیسے روح ویسے فرشتے تنقید تین ۶۵ تا ۶۷ میں سیوم و چہلم وغیرہ
 ایام کے اندر ایصال ثواب کے بدعت و مکروہ ہونے پر گیارہ روشن حوالے دیکر دیگر علماء احناف کثر اللہ تعالیٰ
 جماعتہم کے مذکور میں جن میں حضرت شیخ عبدالقن محدث دہلوی کا حوالہ بھی ہے۔ واما این اجتماع مخصوص
 روز سوم وارتکاب تکلیفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق متامنی بدعت است و حرام مدارج
 النبوة ج ۱ (ص ۱۲۷) اور میں حوالے ان کے علاوہ ان کے اعلیٰ حضرت کے پیش کئے تھے جن میں سے ایک شیخ
 فقہا جو امام بزاز کے حوالے سے انہوں نے نقل کیا ہے یعنی میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو
 کھانے تیار کرنے جاتے ہیں سب مکروہ و ممنوع ہیں (احکام شریعت حصہ سوم ۱۹۲۰) اور اس کے بعد حافظ
 ابن کثیر اور حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی کے حوالوں سے اصولی طور پر بدعت کی تعریف اور اس کا حرام
 اور ناروا ہونا ذکر کیا تھا مگر صد فوس کہ مؤلف مذکور نے ان میں کسی ایک کا ذکر تک بھی اپنی کتاب میں
 نہیں کیا اور نہ جواب دیا ہے اور زقیامت تک جواب دے سکتے ہیں علمی دنیا میں اس سے بڑھ کر بددیانتی
 اور کیا ہوگی؟ اور کیا ہو سکتی ہے؟ کہ جس کتاب کی تردید پر کرنا بدکھی ہے ان میں مرکزی حوالوں کا نام تک

دیا جائے اور ادھر ادھر کی فضول بھرتی اور نری لفظی سے اپنے ناخواندہ حواریوں کو یہ باور کرایا جائے کہ
 لو کتاب کا جواب ہو گیا ہے ۶ وزیر سے جنہیں شہر بارے جنس۔ معاف رکھنا اس کا نام جواب نہیں ہے اور نہ
 فضول بھرتی سے کتاب کے حجم بڑھانے کا نام جواب ہے۔ الغرض ان تمام ٹھوس۔ ناقابل تردید اور صریح
 حوالوں کو آپ جو تقریباً سات صفحات پر مشتمل میں شیر ماہد سمجھ کر ٹپ کر گئے ہیں اور اس کے بعد یہ پوری عبارت
 ہضم کر گئے ہیں۔ چنانچہ مشہور بریلوی مولوی محمد صالح صاحب کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے سے متعلق لکھتے
 ہیں کہ یہ رسم ہوائے ہندوستان کے اور کہیں اسلامی ممالک میں رائج نہیں انتہی بلقظہ تحفۃ الاحباب ص ۱۲۷
 اور یہ رسم ہندوستان کے ہندوؤں سے مانجوز ہے چنانچہ مشہور نو مسلم عالم مولانا عبد اللہ صاحب رچیلے پندت
 تھے لکھتے ہیں کہ۔ لیکن جس تاریخ کوئی رالی تو لہ اور جس دن مقرر ہیں (بلقظہ تحفۃ الہند ص ۱۶) (تفقید تین
 ص ۱۲۷) مؤلف مذکور نے جو بقول خود ہمارے نزدیک کے لئے لکھتے ہیں اس عبارت کو کسر سے پکڑا ہے نہ
 تو نو مسلم محقق عالم مولانا عبد اللہ صاحب کا ذکر کیا ہے اور نہ آخر میں ان کی کتاب کا حوالہ دیا ہے اور نہ مولانا
 محمد صالح صاحب کے حوالہ کا ذکر کیا ہے اور نہ اس کا جواب دیا ہے مؤلف مذکور کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ
 ہمارے نقل کردہ تمام حوالے بقید حروف نقل کرتے پھر ان کا جواب دیتے یا کم از کم ان کا خلاصہ ہی باحوالہ ذکر
 کرتے پھر ان کی تردید کرتے مگر شرک و بدعت میں مبتلا ہو کر اور سیوم و چہلم اور گیارہویں کے حلوے مانڈے اور
 چلبیلیاں کھا کر اور ان پر شیمس سیون اپ۔ اور کو کا کولا وغیرہ کی مکر تو بلیس چڑھا کر علم و دیانت کیسے باقی رہ
 سکتے ہیں محض مغالطہ آفرینی سے کام لے کر عوام کو گمراہ کرنا ہی ان کا شیوہ اور قیود ہے اور اسی پر ان کے پیٹ
 کا دھندہ چلتا ہے یا کُلُّونَ فِي بَطُونٍ نَبِيْمٌ نَارًا قَارِئِينَ كَرَامٍ ملاحظہ کیجئے کہ مؤلف مذکور کس وجہ سے لکھتے
 ہیں کہ مولوی لکھنوی صاحب نے کھانے پر فاتحہ پڑھنے کو ہندوانی رسم قرار دیتے ہوئے ذکر کیا الی قول اس بیان
 میں انتہائی بے باکی اور دروغ گوئی سے کام لیا گیا ہے البتہ سوگند ایش ہے کہ لکھنوی خود اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ
 ایک مشہور و معروف شخص لکھے ہندو بلکہ پندت کے حوالے سے لکھتا ہے جو سالہا سال تک ہندو اور پندت
 رہے اور ہندوؤں کے عقائد و اعمال کے ایسے ہی ماہر و عالم تھے جیسے آپ لوگ ختموں کے ماہر استاد ہیں و
 صاحب الہیت اور ہی بمابینہ اور ان کے ٹھوس اور صریح حوالے کے بعد کہ ہندو اپنے مردوں کو ثواب پہنچانے
 ہیں ہمیں کسی مزید حوالہ کی ضرورت نہیں ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ان ہندوانہ رسوم و بدعات سے
 تائب ہونے کی توفیق دی اور سچے دل سے وہ مسلمان ہو گئے اور تحفۃ الہند نامی قیمتی اور معلومات انداز کتاب

لکھی اور اس میں انہوں نے جو کچھ لکھا بالکل حق اور صحیح لکھا مگر چونکہ انہوں نے آپ کے بیوم و حیلیم نور پور سے پہلے
 علمی لات ماری ہے اس لئے آپ کو ان کی صحیح کاروائی دروغ گوئی نظر آتی ہے زہد مولف مذکور کا یہ کہنا کہ ہندو
 میں زقیامت کا تصور ہے اور نہ ثواب و عذاب کا پس یہ کہنا کہ ہندو ثواب پہنچانے کے لئے طعام پر بیدار ہونے
 جتنے ایسی یادہ گوئی ہے جیسے ماننے کے لئے کوئی ہوشمند تیار نہیں ہوگا نیز ہم بحث استعانت میں تفسیر عریضی سے
 نقل کرتے ہیں کہ جو لوگ مردہ کو جلا دیتے ہیں ان کے مذہب میں مرنے والوں کو زندوں سے کوئی فائدہ نہیں
 پہنچتا (جھلملہ) نہ معلوم یہ کس خیال پر مبنی ہے اگر یہ کہا جائے کہ ہندو قیامت اور ثواب و عذاب کے بارے
 اس طرح کا نظریہ نہیں رکھتے جس طرح کہ اہل اسلام کا ہے تو بجا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ہندوؤں میں بعض فرقے
 کالیہ قیامت کے منکر ہیں جیسا کہ مشرکین عرب میں ایسے لوگ موجود تھے تو اس میں بھی کوئی کلام نہیں اور اگر
 یہ کہا جائے کہ ہندوؤں کا کوئی بھی طبقہ کسی بھی معنی میں قیامت کا اور ثواب و عذاب کا قائل نہیں تو یہ بالکل غلط
 ہے ہم مولف مذکور کے معلومات کے لئے مہرشی سوامی دیانند سرسوتی کی مشہور کتاب ستیا رتھ پرکاش کے چند
 اقتباسات پیش کرتے ہیں ان کو غور سے دیکھیں (۱۰) سورگ ٹسک بھوگنے کا نام ہے اور بزرگ دکھ کا اگر جو
 آتما کی سستی زانی جائے تو سسک دکھ کا محسوس کرنے والا کون ہے؟ جیسے اس وقت ٹسک دکھ بھوگنے والا جو
 یعنی روح و حیات ہے ویسے اگلے جنم میں بھی ہوگا کیا لاستیازی اور پراوپکار وغیرہ نیک افعال
 بھی ورنہ انٹرم والوں کے رائیگاں جائیں گے؟ ہرگز نہیں انتہی بلفظ (۲) جس چیز کی (مثلاً روح)
 ہستی ہے وہ بالکل نیست و نابود نہیں ہست جیونیست و نابود نہیں ہو سکتا جسم جل جاتا ہے جیونیست
 جیونودوسرے جسم ہیں داخل ہو جاتا ہے اس لئے جو لوگ قرضہ لیکر بیگانے مال سے اس جہان میں فزے
 اڑاتے ہیں اور قرضہ ادا نہیں کرتے وہ یقیناً گنہگار ہوتے ہیں اور دوسرے جنم میں زرگ یعنی دکھ بھوگتے
 ہیں اس میں کچھ شک نہیں (بلفظ) (۳) جسم سے نکل کر جیون دوسرے مقام اور دوسرے جسم میں چلا جاتا
 ہے اور اس کو پہلے جنم اور کنبہ وغیرہ کا علم بالکل نہیں رہتا اس لئے پھر کنبہ میں نہیں آ سکتا (بلفظ)
 (۴) لال برہمنوں نے پریت کرم (مردہ کے متعلق رسوم) اپنی روزی کی خاطر جاری کئے ہیں جو تکبیر وید کے
 مطابق نہیں اس لئے قابل تردید ہیں (بلفظ) ستیا رتھ پرکاش ص ۲۳۵) مولف مذکور کو بار بار یہ عبارت پڑھ
 کر غور کرنا چاہیے کہ ہندوؤں کے روشن خیال فرقہ آریہ کا ہارو کیا کہا ہے کہ فی الجملہ اگلا جنم یعنی رزخ و قیامت
 بھی ہے اور دکھ اور ٹسک بھی ہے فی الجملہ قیامت اور ثواب و عذاب کے لئے ہندوؤں کا اور کونسا احوال

آپ کو درکار ہے؟ البتہ سرسوتی صاحب نے اس عبارت میں ایک اور مزید بات بھی صفائی سے کہی ہے وہ یہ
 کردہ کے متعلق بیوم مثلاً تیجہ ساتواں سوال برسی وغیرہ اور کھانا سانسے رکھ کر اس پر کچھ پڑھنا وغیرہ یہ وہ
 کی تعلیم کے خلاف ہیں اور قابل تردید ہیں یہ تو برہمنوں نے اپنے پیٹھ کے دھندے اور روزی کی خاطر جاری کی ہیں
 جیسے بعینہا یہ بد رسوم سختی ملاؤں نے اپنی روزی اور پیٹھ کے دھندے کی خاطر نہ صرف یہ کہ ایجاد کئے ہیں بلکہ
 سنگینوں کی نوکوں سے ان کی حفاظت کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں تو یہ امور بدعات ہیں ہی اور
 فقہاء ملت سختی سے ان کی تردید کرتے ہیں جن کے واضح حوالے ہم نے تقییدتین میں دیئے ہیں مگر مولف مذکور
 ان کو بلی گئے ہیں اسی طرح یہ امور وید کی تعلیم کے لحاظ سے بھی بدعات ہیں اور برہمنوں کی ایجاد ہیں اب دیکھئے
 کہ بلاوجہ سما قارورہ معتزلہ سے ماننے والوں کا اپنا قارورہ کن سے جا ملتا ہے؟

کنندہ جنس باہم جنس پرواز کبوتر یا کبوتر باز با باز
 سرسوتی صاحب کی اس عبارت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ ہندوؤں میں ایصال ثواب کا عقیدہ
 اور تصور موجود تھا اگر نہ ہوتا تو ہر جنم میں رسوم کے ذریعہ اپنی روزی کمانے کی خاطر ان کا استحصال نہ کرتے اور نہ
 کر سکتے یہ سب باتیں ہندوؤں کا اپنے وقت میں سب سے بڑا مذہبی رہنما اور ہوشمند لکھ رہا ہے معلوم نہیں
 کہ مولف مذکور جیسے ہوشمند ہونے کے دعویدار کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے یا نہیں؟

عجیب و ہو کہ | مولف مذکور نے لکھا ہے کہ نیز ہم بحث استعانت میں تفسیر عریضی سے نقل
 کرتے ہیں کہ جو لوگ مردوں کو جلا دیتے ہیں ان کے مذہب میں مرنے والوں کو زندوں سے کوئی فائدہ
 نہیں پہنچتا تفسیر عریضی ص ۱۱۲ صفحہ دیکھئے توضیح البیان ص ۱۱۲

الجواب | مولف مذکور سے عرض ہے کہ ہم نے تفسیر عریضی سے آپ کی نقل کردہ عبارت کی
 تشریح پہلے باحوالہ کر دی ہے لیکن معاف رکھنا وہاں جو تیجہ آپ نے حضرت شاہ صاحب کی عبارت سے نکالا
 تھا وہ آپ کی بولی میں یہ تھا شاہ صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اولیاء سے بعد الوصال استعانت اور ان کا
 مدد کرنا یہ مسلمانوں کی خصوصیت ہے اور مادہ و استمداد کا نہ ہونا یہ کفار کا خاصہ ہے پس اب آپ غور فرمائیے کہ
 اولیاء سے استعانت کا انکار کر کے سرفراز صاحب نے اپنا قارورہ کس جماعت اور کس گروہ سے جا لایا ہے؟
 (ص ۱۱۲) رسوگدراش ہے کہ اس سے معلوم تو ہوا کہ بقول آپ کے ان لوگوں (یعنی کفار) کا مذہب ہے
 کہ ہندو سے جلا دینے جلتے ہیں وہ نہ تو از خود زندوں کی مدد کرتے ہیں اور نہ ان سے استمداد کی جا سکتی ہے۔ اور

یہاں آپ کسی عبارت سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جو لوگ مردوں کو جلا دیتے ہیں ان کے مذہب میں مرسلہ والوں کو زندوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا صحیح ہے کہ دروغ گورہا حفظ نہ باشد دروغ گوئی کی نسبت آپ دوسروں کی طرف کرتے ہیں اور غیر سے خودا قراری دروغ گوئی ثابت ہو رہے ہیں آخر معاملہ کیا ہے؟ کیا یہ بات درست نہیں کہ تشبیہ متین کے مفہوم اور جواب سوالوں نے آپ کو بدحواس کر دیا ہے اور بدحواس ہو کر آپ کچھ کا کچھ لکھ دیتے ہیں۔ الغرض جس چیز کو ہمارے حکمی داد اتا میت کر رہے ہیں وہ اور ہے اور جو نتیجہ آپ اپنی کم فہمی کی وجہ سے اس سے انداز کر رہے ہیں وہ اور ہے لہذا ہم بھی سمجھتے ہیں اور ہمارے حکمی دادا بھی سمجھتے ہیں بفضلہ تعالیٰ ہم میں سے کوئی بھی جھوٹا نہیں جھوٹا تو وہ شخص ہے جس کو اپنا لکھا بھی یا نہیں رہتا کیونکہ دروغ گورہا حفظ نہ باشد کاش کہ آپ اہل دیوبند کے کسی مدرسہ میں کچھ عرصہ رہ کر ابتدائی طالب علموں سے ہی کچھ پڑھ لیتے تو آپ کو یوں اور دلیل کی مطابقت کا اور تقریب نام کا مفہوم تو کم از کم سمجھ آجاتا اور یوں اندھی اولیائی کی طرح اندھیرے میں ٹھوکریں نہ دکھاتے پھرتے۔

مرکزی پیر کا حوالہ

مؤلف مذکور لکھتے ہیں جس کا نہایت مختصر خلاصہ یہ ہے کہ آپ طعام پر قرآن پڑھنے کو کھانے پر مہید پڑھنے کی مشابہت کی وجہ سے حرام کہتے ہیں اور آپ کے مرکزی پیر حاجی املا داد صاحب نہا جہ کی فیصلہ ہفت مسئلہ میں لکھتے ہیں کہ تشبیہ تو تب ہو کہ وہ عادات اس قوم کے ساتھ مخصوص ہوں کہ جو کہ اسی قوم سے سمجھا جائے جب دوسروں میں بھی وہ پھیل کر عام ہو جائیں جیسا کہ امور متعلق عادات و ریاضات جو غیر قوموں سے ماخوذ ہیں جو مسلمانوں میں اور درویش مالوں کے گھروں میں بھی پائی جاتی ہیں مذہب نہیں قصہ نظیر اہل قبا اس میں کافی حجت ہے۔ پس یہ بیعت مروج ایصال ثواب کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور گیا ہوں۔ دسویں۔ بیسیویں چہلم۔ ششماہی رسالہ اور توشیح احمد عبدالرحمن دیوبندی اور سرسرخا حضرت شاہ بوعلی قلندرز و علو اے مشرب برات اور دیگر طرق ایصال ثواب اسی قاعدہ پر مبنی ہے (محصلاً) (توضیح البیان ص ۱۱)

الجواب۔ بلاشبہ حضرت مولانا املا داد صاحب مرکزی پیر تھے لیکن آپ کا استدلال اس صحیح نہیں ہے۔ اولاً اس واسطے کہ رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ حضرت حاجی صاحب کا نوشتہ نہیں چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱ میں ہے کہ یہ رسالہ ہفت مسئلہ ان کا لکھا ہوا نہیں کسی نے لکھا ان کو سنا دیا انہوں نے اصل طلب کو دیکھ کر اباحت کی تصحیح کر دی اور حال اہل مذہب سے خبر نہ ہوئی فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ریش احمد علی غنہ

اس کے حاشیہ میں ہے: و نقل ضمیمہ فیصلہ ہفت مسئلہ بعد الحمد والصلوة اشرف علی تھا نوی خدام استاد حضرت شیخ الشیخ سید السادات مولانا و مرزا الحافظ الحاج الشاہ محمد املا داد صاحب ضوہ وقت برکاتہم اپنے پیر صحابیوں اور دیگر ناظرین فیصلہ ہفت مسئلہ کی خدمت میں عرض رسا ہے کہ رسالہ ہفت مسئلہ جو بیعت اس کے کچھ بوجہ ضعف فتاویٰ حجازیہ حضرت ممدوح کو خود قلم مبارک سے لکھنے میں تکلف ہوتا ہے حکم حضرت ممدوح بعبارت اس خدام کبغرض محاکمہ بعض مسائل تحریر ہو کر تقریباً عرصہ چار سال کا ہوا کہ شائع ہوا ہے چونکہ بعض صاحبوں کو اس کے مقصود اصل سمجھنے میں غلطی ہوئی اور حضرت ممدوح کو علی الاطلاق ان اعمال وغیرہ کا مجوز قرار دیا یا نکل خلاف واقعہ ہے اس لئے محض غیر خواہی کی نظر سے حضرت صاحب کی غرض اور تحقیق کا اظہار ضروری سمجھ کر اطلاع عام دیتا ہوں تاکہ مجھ کو حق پوشی کے گناہ سے اور دوسرے صاحبوں کو التباس و اشتباہ سے نجات ہو ظاہر ہے کہ یہ امور و اعمال جن میں بیعت و کیفیت سے مروج و شائع ہیں اکثر عوام خصوصاً جبلانے ہندوستان اس کے سبب انواع انواع مفاسد اعتقادی و عملی میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کا تجربہ و مشاہدہ ہر عاقل فہیم منصف کر سکتا ہے مثلاً مولد میں بعض قیود کو نوکد سمجھنا اور ترک قیود سے دل تنگ ہونا ایصال ثواب کے طرق میں علاوہ تاکد قیود کے اگر اولیاء کی روح کو ہوتوان کو حاجت روا سمجھا اور ترک التزام میں ان سے خبر رسائی کا خوف کرنا اور اگر امام آقارب کی روح کو ہوتوان اکثر تصد نام آری ہونا اور وطن و شہر سے ڈرنا اور سماع میں زیادہ مجمع اہل بہو و باطل کا ہونا اور امداد رادہ کی جمع ہے ریش صفت و نساء سے اختلاط اعلا اس میں اولی تو فساق و فجار کا مجمع ہونا اور یہی ہوتو دادائے رسم کی خدمت کو قرض وام کرنا پڑھنے والوں کا اکثر طعام و شیرینی کے لئے یا وجاہت داعی کی وجہ سے پڑھنا املا داد غیر انہیں بعض کم فہموں کا سنا دینی کو خیر و تقدیر جاننا کام پڑھا ہونے پر ان کو فاعل و متصرف سمجھا جماعت ثانیہ اکثر جماعت اول میں مستی کرنا جھٹ و زل میں جماعت اولی کو فوت کر دینا اور اس پر متاسف رہنا ان کے مسلوں میں باری تعالیٰ کے عجز کا اعتقاد کر لینا اور اسی طرح کے بہت سے مفاسد ہیں جن کی تفصیل استقرا و تتبع سے معلوم ہو سکتی ہے سو حضرت ممدوح ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کو یا ان کے مقدمات و اسباب کا پائز نہیں فرماتے حضرت ممدوح پر ایسا گمان کر کے علی الاطلاق ان امور کے مجوز پر تمسک کرنا یا حضرت ممدوح سے سوہ عقیدت کر لینا حضرت ممدوح کے کمال اتباع و تلمذ ہے

اور آپ کی تقریر دلہنہ کی غرض سے ناواقفی ہے خلاصہ ارشاد حضرت ممدوح کا یہ ہے کہ جس شہود کے ساتھ لوگوں میں شائع ہیں وہ بدعت ہیں کیونکہ اس رسالہ میں مصرح ہے کہ غیر دین کو دین میں داخل کرنا بدعت ہے سو جو لوگ ان قیود کو جو فی نفسہ مباح ہیں منکر کرتے ہیں وہی غیر دین کو دین میں داخل کرنے والے ہیں اس مرتبہ میں اعلیٰ حق پر ہیں اور بلا التزام قیود و رسم و لزوم مفاسد اجابتا کر لینا اور اجابتا کرنا یہ مباح ہے اس کو حرام کہنا مانعین کا تشدد ہے وہی اس مرتبہ میں جواز ہے باین معنی دونوں کو آپ نے حق پر قرار پایا چنانچہ بعض اکابر مخصوصین کے پاس جو حضرت ممدوح کا والانا مرتبہ ہی آیتا اس میں فقط موجود ہیں کہ نفس ذکر مندوب اور قیود بدعت میں اسی طرح دیگر مسائل میں تفصیل ہے جو اصول شرعیہ میں غور کرنے سے مفہوم ہو سکتے ہیں اس توضیح کے بعد کسی کو اشتباہ والتباس کا محل باقی نہیں رہ سکتا اگر رسالہ ہدای کی کوئی عبارت اس تقریر مذکور کے خلاف پائی جائے وہ اس غلام کی عبارت کا قصور سمجھا جاوے اور حضرت صاحب دامت فیہ نعیم و برکاتہم کو بالکل مبرا اور منزه از اختلاف کیا جائے و ما علینا الا البلاغ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ مطبوعہ مجتہبی دہلی ماہ ستمبر ۱۹۹۵ء بلقظہ رماتیہ فتاویٰ رشیدیہ (۱۲۰۰)

اس واضح تفصیل و تشریح کے بعد اولاً تو رسالہ فیصلہ بدعت لکھنا حاجی صاحب کی نمودنوشہ تحریر سمجھنا اور یہ یاد کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور لکھتے ہیں آپ کے مرکزی یہ حاجی امداد صاحب مہاجر کی فیصلہ بدعت رسالہ میں لکھتے ہیں کہ تحقیقت حال سے بچے تحریر کا نتیجہ ہے و ثانیاً حضرت فتاویٰ جو اس رسالہ کے مضمون کو اپنی عبارت میں مرتب کرنے والے ہیں ان کی اس تحریر کے بعد ان کی مراد کے بغیر کوئی اور مطلب لینا جیسا کہ مؤلف مذکور ان کی جماعت ایسا کرتی ہے خالص سینہ زوری اور رب و دھرمی ہے و ثانیاً رسالہ فیصلہ بدعت مسائل میں مندرج مسائل کے بارے فتاویٰ رشیدیہ میں تصریح ہے کہ اور مسئلہ نماز غیر میں صاف صاف (اس رسالہ میں - صقدا) حق لکھا ہے کہ نماز غیر اگر حاضر و غایب جان کر لگا تو شرک ہوگا اور جو بے اس کے شوق میں کہتا ہے تو مفہوم ہے گنہگار نہیں اور جو بدو عقیدہ شرک کہے یہ سمجھ کر کہے کہ شاید ان کو حق تعالیٰ خبر کر دیوے تو خلاف محل نفس میں خطا و گناہ ہے مگر شرک نہیں اور جو نص سے ثبوت ہو جیسا صلوة و سلام بخیرت فخر عالم علیہ السلام کے مانگہ کا پہنچنا تو وہ خود ثابت ہے سو یہ سب حق ہے اس میں کوئی اہل حق مخالف اس کے نہیں کہتا۔ اب ہے میں مسئلہ قیود مجلس مولود کے اور قیود ایصال ثواب کے اور عرس بزرگان دین کا کرنا سو اس میں وہ خود لکھتے ہیں کہ دراصل یہ مباح ہیں۔ اگر ان کو سنت یا ضروری جانے بدعت و تعدی حدود اللہ تعالیٰ و گناہ ہے اور بدو ان کے کرنے میں وہ اباحت لکھتے ہیں ہم لوگ منع کرتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ ان کو رسوم اہل زمانہ سے

خبر نہیں کہ یہ لوگ ان قیود کو ضروری جانتے ہیں لہذا باعتبار اصل کے مباح لکھتے ہیں اور ہم لوگوں کو عادت ملوام سے متعلق ہو گیا ہے کہ یہ لوگ ضروری اور سنت جانتے ہیں لہذا ہم بدعت کہتے ہیں پس فی تحقیقت مخالفت اصل مسائل میں نہیں ہوئی بلکہ بسبب عدم علم حال اہل زمانہ کے یہ امر واقع ہوا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا امام صاحب نے صابی کو ایک حکم دیا اور صاحبین کے دوسرا حکم یہ کہ بسبب اختلاف صابی کے ہوا ہے کہ امام صاحب کے وقت ان کا حال اہل کتاب جیسا تھا اور صاحبین کے وقت مجوس جیسا پس اختلاف اصل مسئلہ کا نہیں بلکہ بوجہ حال اہل زمانہ کے ہے ایسا ہی دیگر مسائل میں ہے پس ایسا ہی ان تین مسائل بہت مسئلہ میں سمجھ لو ورنہ حضرت سلمہ کے عقائد ہرگز بدعت کے نہیں ہیں کہ اہل فہم و دانش خود عبارت رسالہ سے سمجھ سکتا ہے الہ فتاویٰ رشیدیہ (۱۲۰۰) علاوہ ازیں میدان فتویٰ میں مشائخ کی بات حجت نہیں ہوتی حضرت فقہار کرام کی بات ہی حجت ہوتی ہے چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ میں ایک سوال کے آخر میں یہ بھی درج ہے - اور ثانیاً ہے کہ آپ کے یہ صاحب حاجی امداد صاحب بھی مولود کہتے تھے جو اب تفصیل سے فرمائیے اس کے جواب میں لکھا ہے، الجواب - مجلس مولود کا مفصل براہین قاطعہ میں دیکھو براہین قاطعہ اس پر خاصی ملامت بحث موجود ہے وہ میں حافظ ابن حجر اور شیخ عبدالحق سے محفل ملا میں شرکت کے جو انہر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ بعد اس کے سنو کہ اس وقت مجالس مولود میں کوئی امر غیر شروع نہ ہوتا تھا اور نفس ذکر ولادت کو مجیب اور کوئی عالم منع نہیں کرتا اس وقت کی محافل میں اگر کوئی امر مباح اتفاقی تھا اس پر تا کہ گمان و عقاب ہو قلوب عوام میں تا کہ وہ وجوب بلکہ بقول ان حضرات کے سنتی اور غیر سنتی ہونے کی ماہ الامتیا ز وجہ میلاد و ختم وغیرہ قرار پانچکے ہیں۔ صقدا) نسخ ہوا تو مکروہ ہو گیا کہ کوئی امر ہوتا ہے اور علماء کو اس وقت اباحت موجودہ کا خیال ہوتا ہے اور مال کاری مفسدہ پر دھیان نہیں ہوتا تو اس وقت جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اور پھر آخر میں اس میں کہ امت پیدا ہو جاتی ہے تو اس وقت ممنوع ہوا جاتا ہے پس تعامل ان لوگوں کا موجب جواز نہیں ہوتا البتہ قیود غلطی کا تعامل حجت ہوتا ہے لہذا امر مخصوص مباح بھی بعض اوقات بسبب اس تا کہ مکروہ ہو جاتا ہے جیسا صلوة نعمی کہ داعی و انتہام سے مساجد میں ادا کرنے سے صلوة خصل مستحب کو حضرت ابن عمر نے بدعت فرمایا تو پس شیخ عبدالحق اور ابن حجر کی تحریر سے اس حالت موجودہ میں یہ محفل ترویج ہرگز جائز نہیں ہو سکتی گو اس وقت میں مباح تھی الہامی اور حجت قولی و فعلی مشائخ سے نہیں ہوتی بلکہ بقول و فعل شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور افعال مجتہدین جرحہم اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے حضرت نصیر الدین چرخ دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں جب ان کے

پیر سلطان نظام الدین قاسم سرہ کے فعل کو حجت کوئی لانا کہ وہ ایسا کرتے ہیں تم کیوں نہیں کرتے کہ فعل مشایخ حجت نہ باشد اور اس جواب کو حضرت سلطان الاولیاء بھی پسند فرماتے تھے لہذا جناب حاجی صاحب سلوٹ کا ذکر نامسالات شریعہ میں ہے جاہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ ۱۳۱۰ھ قسطنطنیہ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۵ طبع جمید برقی پریس دہلی

ہم نے تحقیق میں دس سے زیادہ حضرات فقہاء کرام کی ٹھوس اور صریح عبارتیں سوم وغیرہ کے مکروہ بدعت اور حرام ہونے پر نقل کی ہیں جو ان کے مفاسد شریعہ سے واقف و آگاہ تھے اور انہیں کی بات دینی امور میں قابل قبول ہے اور مؤلف مذکور کے ہم مسلک مولوی محمد صالح صاحب کی عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ بغیر ہندوستان کے اور کسی اسلامی ممالک میں کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کا رواج نہیں (محصلاً) اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ دیگر ممالک کے مسلمانوں نے اس نامبارک حرکت کو نہیں اپنایا اور یہ ہندوستان کے ہندوں میں ہی رائج تھی اور انہیں سے جاہلوں اور پش پشوں نے اس کو لیا ہے تو یہ رسم عام تو نہ ہوئی اور تشابہ بالیغیر کی حد سے ذکی اور حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں۔ ورنہ اکثر امور متعلق عبادت اور ریاضات جو غیر قوموں سے ماخوذ ہیں مسلمانوں میں اس کثرت سے نہیں گئے ہیں کہ کسی عالم درویش کا گھر بھی اس سے خالی نہیں ہے اور اس بدعت کو ہندوستان کے بغیر کسی دوسرے اسلامی ملک میں سرے سے کوئی جانتا ہی نہیں تو یہ رسم تشبہ بالیغیر سے کیونکر اور کیسے خارج ہو گئی؟ غرضیکہ حضرت حاجی صاحب کا نقل کردہ حوالہ بھی مؤلف مذکور کو کسی طرح مفید نہیں ہے گمراہی۔

لاف و گزاف

مؤلف مذکور نے اس کے بعد ایک زالی منطق یا ایک مبہم متر پیش کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ طعام پر قرآن پڑھنا اہل منور کی مشابہت نہیں بلکہ سرسراہر مخالفت ہے کیونکہ وہ وید پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھتے ہیں جیسے مشرکین جانور ذبح کرتے وقت بتوں کا نام لیتے تھے مسلمان ان کی مخالفت میں اللہ کا نام لیتے ہیں تو جس طرح جانور بتوں کی جگہ اللہ کا نام لینا کفار کی مشابہت نہیں مخالفت سے اسی طرح طعام پر وید کی جگہ کلام اللہ پڑھنا ان کی مخالفت ہے ورنہ آپ کے قاعدہ کے مطابق ذبح پر اللہ کا نام لینا طواف میں اللہ کے لیتے لاشریک اللہ کہنا یہ سب کفار کی مشابہت قرار پائے گا ممکن ہے سرفراز صاحب اپنی روایتی بکروی سے یہ غدر پیش کریں کہ ذبح پر اللہ کا نام لینا اور طواف میں تلبیہ کے لفظ کا تو مخصوص ہیں طعام پر کلام پڑھنے کی کوئی نص موجود ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مخصوص جزئیہ پر نص

دس مشرکین کی مخالفت تو ثابت ہے باقی یہ قدر کہ دونوں کا ثواب اکٹھا کیوں پہنچایا جاتا ہے الگ الگ فاتحہ اور طعام کا ثواب کیوں نہیں پہنچایا جاتا؟ جواب یہ ہے کہ الگ الگ بھی جائز ہے اور الگ پہنچانے میں آپ کو زمین اور سوزن کا علاج کیجئے اور دونوں کو جمع کر کے ثواب پہنچانا بھی جائز ہے اور جمع بین العبادات ثابت ہے جیسے قرآن میں حج و عمرہ کو جمع کرنا حالت جہاد میں ذکر کرنا۔ عید گاہ جاتے ہوئے تکبیرات پڑھنا حضرت علیؓ کا حالت نماز میں زکوٰۃ دینا اہل مکہ کا تراویح و طواف کو جمع کرنا اہل مدینہ اور امام مالکؒ کا تراویح کا پیش رکعات کے ساتھ طواف کے قائم مقام سولہ رکعتوں کو جمع کرنا شیخ محقق اشعۃ الامعات ج ۱ ص ۲۲ پر فرماتے ہیں ایک عمل خیر میں ثواباں متعددہ کی نیابت جمع کی جا سکتی ہیں (از زیارت حق در) انتظار نماز (۳) اعضا کو معاصی سے پاک رکھنا (۴) اعتکاف (۵) قصد و رو (۶) تہجد و ریلے ذکر (۷) قصد اور اک ثواب جمع و عمرہ (۸) افادہ و استفادہ (۹) زیارت برادر دینی (۱۰) سلام (۱۱) تفکر و مراقبہ (۱۲) قصد شادہ حق اور نیت کے بارے حدیث ہے نیت المؤمن خیر من عملہ جب ایک وقت میں بارہ عبادتیں جمع ہو سکتی ہیں تو طعام اور تلاوت کے ایصال ثواب کی دو عبادتیں جمع ہونے میں کوئی چیز مانع ہے؟ (محصلاً ص ۱۱ و ص ۱۱)

الجواب مؤلف مذکور کو فہم و بصیرت سے بالکل کوئی سروکار نہیں وہ صرف صفحات سیاہ کرنے کا نام ہی تصنیف سمجھے بیٹھے میں اس مضمون میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کی کہ نہیں کا شاخسار ہے اور بس اولاً اس لئے کہ مشابہت میں من کل الوجوه مساوات مرا نہیں ہوتی حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ والتشبیہ لا یشترط فیہ المساواة من تشبیہ میں من کل الوجوه مساوات شرط نہیں ہے۔ کل جہۃ (شرح غیۃ الفکر ص ۱۱)

بلاشبہ آپ حتی لوگ طعام سامنے رکھ کر اس پر قرآن کریم پڑھتے رہیں اور برہمن بید پڑھتے رہیں تشابہ پھر بھی ہے کیونکہ ایصال ثواب کا کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کی کاروائی بغیر ہندوں کے اور کسی قوم میں اور خاص طور پر مسلمانوں میں نہیں کی گئی اور نہ اسلامی ممالک میں یہ موجود ہے یہ ہندو اور رسم ہے اور انہیں سے رسم پرتوں اور بیٹوں نے لے ہے لہذا بہر حال تشابہ برقرار ہے و ثانیاً خود مؤلف مذکور کو اس کا اقرار ہے کہ جانور پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لینا اور تلبیہ خصوصاً احکام میں اور خود ہی سرفراز کے مضبوط عملہ کا بیت تکبوت میں داخل ہو کر دفاع بھی کر رہے ہیں اور یہ بھی صاف لفظوں میں تسلیم کرتے ہیں کہ کھانا

اور مرکزی پیر کی بات شرعی دلائل کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ وہ خود قابل تاویل ہے کہ بلا التزام اجتناب ایسا ہو تو جائز ہے ورنہ بدعت ہے جیسا کہ پہلے مفصل حوالہ عرض کر دیا گیا ہے اور آج تو اس کو اہل سنت کی بدعت قرار دیتے ہیں اور ان کے لئے تو اس کو ترک کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مولف مذکور خود تجزیہ کر دیکھیں علوم کا انعام اس کو علماء پر واجب سے اہم قرار دیتے اور اس پر عمل کرتے ہیں حتیٰ کہ جمعہ اور جماعت وغیرہ کے تارک کو ایسی اور کسی اور غضبناک نگاہ سے نہیں دیکھتے جس سے وہ ان بد رسوم کے تارک کو دیکھتے ہیں۔

شریعت کے بادشاہ کا فیصلہ | مولف مذکور لکھتے ہیں کہ حاجی صاحب آپ کے طریقت کے شہنشاہ اور شاہ عبدالعزیز صاحب شریعت کے بادشاہ کہلاتے ہیں اب ہم آپ کو بادشاہ شریعت کی زبان سے طعام پر فاتحہ پڑھنے کے حجاز کا حکم سنواتے ہیں شاہ صاحب لکھتے ہیں حتم کلام اللہ کنندہ و فاتحہ بر شریعتی یا طعام نمود تقسیم و میان حاضران نمایند این قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفاء راشدین نبود اگر کسی اس طور بکند باک نیست زیرا کہ درین قسم قبیح نیست بلکہ فائدہ اعیاء و اموات را حاصل سے شود و قنایہ عزیزی ۱۷ ص ۳۵

اور فتاویٰ عزیزی مسأله میں لکھتے ہیں کہ۔

طعامیکہ ثواب آن نیاز حضرت الما میں نمایند ہرگز
فاتحہ و قل و درود خواندن تبرک میشود و خوردن
بسیار خوب است (ص ۱۱۹ و ۱۱۹ توضیح البیان)
وہ کھانا جس کا ثواب نذرانے کے طور پر دو اماموں کو پیش کرتے ہیں اور اس پر فاتحہ قتل اور درود پڑھتے ہیں وہ تبرک ہو جاتا ہے اور اسکا کھانا بہت خوب ہے۔

الجواب حقیقت شریعت کا بادشاہ اللہ تعالیٰ ہے اور مجازاً شریعت کے بادشاہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے حضرت خلفاء راشدین ہیں اور حضرت شاہ صاحب خود فرماتے ہیں کہ یہ طریقان بادشاہوں میں نہ خلفا سودینی طور پر خیریت اسی میں ہے جو عمل انہوں نے کیا علاوہ انہوں نے کچھ نہیں بلکہ التزام ایسا کرنا فی نفسہ مباح بھی ہو لیکن علوم اس کا روائی کا ایسا التزام کریں اور آج کل فی الواقع ایسا ہی ہوتا ہے اگر ترک کرنے پر دل آمادہ ہی نہ ہو بلکہ ترک کرنے والے کو طاعت کریں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنے لگیں تو ایسا معاملہ مال کے لحاظ سے بدعت ہو جاتا ہے اور مولف مذکور کا بھی اس پر صاف ہے کہ تارک اور حضرت شاہ صاحب کے اس جملہ سے کہ وہ فاتحہ پر طعام شریعتی نمود یہ سمجھنا کہ کھانا سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ پڑھنے کی جیسا کہ مولف مذکور کا عمل ہے درست نہیں ہے کیونکہ فاتحہ و درود اور فاتحہ بر شریعتی نمود کا مطلب ایصال ثواب ہے

یہ نہیں کھانا سامنے رکھ کر اور نہ فاتحہ اٹھا کر اس پر فاتحہ پڑھیں جانے بلکہ میں قاطعاً صحت میں ہے فاتحہ و درود کے معنی ایصال ثواب کے ہوتے ہیں مجازاً متعارف کے طور پر لفظ اور نمان صاحب بریلوی لکھتے ہیں فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے جو کہ قرآن مجید و درود شریف سے ہو سکے پھر کہ قرآن مذکور کے لفظ و احکام شریعت حصہ سوم صفحہ ۱۵۵ طبع برقی پریس مراد آباد

اور فتاویٰ عزیزی ۱۷ ص ۱۱۹ کی عبارت خوب است کے آگے یہ عبارت بھی ہے جس کو مولف مذکور نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

لیکن بسبب برون آن طعام پیش تعزیر ہا و نہایت
پیش تعزیر وغیرہ تمام شب بلکہ پیش قہور حقیقتہً
ہم تشبہ بکفار و بت پرستان سے خود پس ازین جہت
کراہت پیدا می کند و اللہ اعلم (در اجلاس)

لیکن اس کھانے کو تعزیروں کے سامنے لے جانے اور تعزیر وغیرہ کے سامنے شب بھر رکھنے بلکہ حقیقتہً قروں کے سامنے رکھنے میں بھی کفار اور بت پرستوں سے مشابہت آتی ہے پس اس وجہ سے کراہت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ مشابہت کسی صورت میں اور کسی طرح بھی نہیں ہونی چاہیے اور چونکہ کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنا ہندوؤں کا طریقہ ہے اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہیے اور اقل درجہ یہ ہے کہ اس چیز میں کراہت پیدا ہو جاتی ہے غالباً جن حضرات نے کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کی اجازت دی ہے ان کے علم میں یہ بات نہ ہوگی کہ یہ ہندوؤں کی رسم ہے اور ان سے مانو ہے اور پھر وہ اس کا روائی اعتقاد و عمل ضروری بھی نہیں سمجھتے ہوں گے بخلاف ان حضرات کے جن کو اس کا علم ہے انہوں نے اس بد رسم کی نفی کی ہے اور اصول کا قاعدہ ہے کہ من عرف حجتہ علی من لم یعرف کرہانے والوں کی بات نہ جانے والوں پر حجت ہے **تشبہ بالکفار کا ضابطہ** | حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے کفار کے ساتھ تشبہ کے ممنوع اور غیر ممنوع ہونے کے سلسلہ میں شرعی قاعدہ تحریر فرمایا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

موافق تو اعد شرع شریف چیزیکہ مخصوص بکفار
باشند و مسلمانان آزا استعمال کنند خواہ در لباس
خواہ در اکل و شرب داخل تشبہ و ممنوع و آنچه مخصوص
بکفار نیست گو کہ کفار آزا بیشتر استعمال میکنند
مسلمانان کمتر پس مضائقہ ندارد الی تواریق و تشبہ

شرع شریف کے قواعد کے موافق جو بات ہے وہ یہ ہے کہ جو چیز کفار کے ساتھ مخصوص ہو اور مسلمان بھی اس کو استعمال کرتے ہوں خواہ وہ لباس میں ہو یا کھانے پینے میں وہ تشبہ میں داخل ہے اور ممنوع ہے اور جو چیز کفار کے ساتھ مخصوص نہیں اگرچہ کافران کو زیادہ مسلمانان کمتر پس مضائقہ ندارد الی تواریق و تشبہ

در عبادات و اعیان مطلقاً ممنوع است و اما در
 والبرین بسیار اند غرضیکه تشبیه با نہا ہر چونکہ باشد
 داخل منع است از فتاویٰ غزنی ج ۱ ص ۱۵۸

اور مسلمان کم استعمال کرتے ہوں اس میں کوئی مضائقہ
 نہیں (اگے فرمایا) ربوہ تشبہ جو عبادات اور عباد
 میں ہے وہ مطلقاً ممنوع ہے اور اس پر بے شمار
 حدیثیں دلالت کرتی ہیں غرضیکہ ان سنان میں تشبہ
 جس طرح بھی پونج میں داخل ہے۔

اس عبارت میں خط کشیدہ جملے صراحت سے اس پر دلالت کرتے ہیں کہ کفار سے عبادات و اعیان میں مشابہت
 مطلقاً منع ہے اور کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنا مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے نزدیک عبادات میں داخل
 ہے یہی وجہ ہے کہ وہ جمع بین العبادتین سے اس کو تعبیر کرتے ہیں اور یہ بھی باحوالہ گذر چکا ہے کہ کھانا سامنے رکھ
 اس پر پڑھنا بغیر ہندوستان کے اور کسی اسلامی ملک میں نہیں پایا جاتا اور ہندوستان میں یہ ہندو اور ہندوؤں
 سے مانوڑ ہے لہذا ممنوع ہے علاوہ ازیں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت شاہ صاحب ہی فرماتے ہیں کہ کھانے
 پر قرآن کریم پڑھنا بعض صورتوں میں بے ادبی بھی ہے اور بعض صورتوں میں یہ واجب بھی ہے چنانچہ ایک سوال
 اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

سوال اگر کوئی شخص کھانے پر کلام اللہ یا قرآن کریم
 کی کوئی آیت پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ایک شخص
 کہتا ہے کہ کھانے پر اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھنا ایسا ہی
 ہے جیسا کہ بیت الخلا میں پڑھنا سزا دہندہ تعالیٰ
 جواب اس طرح کہنا جائز نہیں ہے بلکہ بے
 ادبی ہے ہاں اگر اس طرح کہے کہ اس موقع پر پڑھنا بے
 ادبی ہے تو مضائقہ نہیں اور وہ بھی اس صورت
 میں کہ وعظاً و نصیحت کے طور پر نہ ہو اور اگر وعظ و
 نصیحت کے طور پر ہو اور شرک و بدعت سے منع کرنے
 کے لئے ہو تو ہر جگہ پڑھنا جائز ہے بلکہ بدعت کیلئے
 پڑھنا کبھی واجب بھی ہو جاتا ہے۔

سوال کسے کلام اللہ یا آیت کلام مجید را بر طعام
 خواند چه حکم است شخصے میگوید کہ کلام اللہ بر طعام
 خواندن آنچنان است کہ کسی در جائے ضرور بخواند
 فعوذ باللہ نہما۔ جواب بایں طور گفتن روایت
 بلکہ سو ادبی است اگر ای چنینی گفت کہ در چو اینجا
 خواندن سو ادبی است مضائقہ ندارد و آن ہم
 وقتے است کہ بطریق وعظ و پند بخواند و اما بطور
 وعظ و پند و منع از شرک و بدعت خواندن در چو
 رواست بلکہ برائے رو بدعت گاہ واجب بشود
 (فتاویٰ غزنی ج ۱ ص ۱۵۸)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ کہنا کہ قرآن کریم کا ایسی جگہ یعنی طعام وغیرہ کے مقام پر پڑھنا بے
 ادبی ہے تو یہ درست ہے لیکن یہ بے ادبی ہی صرف اس وقت ہوگی جب کہ قرآن کریم کا پڑھنا وعظ و نصیحت
 کے طور پر نہ ہو اگر وعظ و نصیحت کے موقع پر ہو اور شرک و بدعت کی تردید میں ہو تو ہر جگہ جائز ہے بلکہ بدعت
 کے لئے کبھی قرآن کریم کا پڑھنا واجب ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کھانے پر کلام اللہ پڑھنا حضرت شاہ صاحب کے نزدیک بھی ایک گونا بے ادبی ہے
 اگر اس کا پڑھنا مطلقاً اور سبہمہ وجوہ جائز ہوتا تو بے ادبی نہ ہوتا پھر حضرت شاہ صاحب کا زمانہ اور ان کا
 ماحول خالص علمی تھا ان کے تصور میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو شرعی طور پر وراثت تقسیم
 کے بغیر یتیموں اور غائب وارثوں کی اجازت کے بغیر ہی مشترکہ مال سے گونا گون کھانے اور پھیل فروٹ سامنے
 رکھ کر ان پر قرآن کریم پڑھا کر ختم دلاویں گے اور اس کا روائی کو ایسا ضروری سمجھیں گے کہ اس کو اہل سنت
 و الجماعت کی علامت قرار دیں گے اور بسا نہ کرنے والوں کو وہاں سے روپ سے داغیں گے اور یہ کہ رحم قن
 کا ایسا التزام کریں گے کہ زمانہ جمعہ اور جماعت چھوٹ جائے تو کوئی پرواہ نہیں مگر سوئم وغیرہ ہاتھ سے ہرگز
 نہ چھوئیں گے اور یہ کہ کئی لوگ محض ناک اور دکھلاوے کی خاطر اور ناموری کی خاطر یہ کاروائی کریں گے
 اور جائے فقراء کے غنیوں امیروں اور اپنی برادری کے لوگوں کو بھاجی کے طور پر کھلائیں گے اور یہ کہ بعض
 لوگوں کی کمائی خالص حرام ہوگی مگر ختمی طاقن و ہاں بھی حاضری دیں گے اور یہ کرنا بائع چون تک کے لئے جو
 سکھت ہی نہیں ہوتے رسم قتل التزام ہوگی یہ اور اس قسم کے دیگر بے شمار مفاسد ان کے ذہن میں بھی نہ ہوں
 گے اور مؤلف مذکور بھی اس امر سے بخوبی آگاہ ہوں گے کہ اگر ختم کے کھانے پر کچھ بھی نہ پڑھا جائے اور ویسے
 کھائی لیا جائے تو ختم دوانے والوں کا دل کبھی مطمئن نہیں ہوگا اور وہ اس کا روائی کو ایک خامی تصور کریں
 گے اسی کو کہتے ہیں غیر ضروری کو ضروری سمجھنا اور غیر سنت کو سنت سمجھنا جس کے بدعت ہونے پر مؤلف مذکور
 بھی متفق ہیں کہ اگر حضرت شاہ صاحب اس دور میں ہوتے اور عوام کے یہ نظریات ان کے پیش نظر
 ہوتے تو یقیناً مذکور کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کی اجازت کبھی نہ دیتے اور اس کو بدعت بھی قرار دیتے
 لہذا نیاز حضرت امیرین کے کھانے پر فاتحہ وغیرہ پڑھنے کے حوالہ پر آجکل کے سوئم وغیرہ کے پڑھنے کو قیاس کرنا قیاس
 صحیح الفاسق ہے مؤلف مذکور کو صرف حوالہ ہی نہیں دیکھنا چاہیئے بلکہ ماحول بھی دیکھنا چاہیئے اور اوڈو ج ۱
 ۲۲۲ وغیرہ میں ہے کہ آپ نے بوزرے کو روزہ کی حالت میں مباشرتاً یعنی عورت کے بدن سے بدن ملانے کی

آخری حصہ | مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ہم طعام پر فاتحہ پڑھنے کے جواز و اباحت کے قائل ہیں لیکن فرض و واجب نہیں سمجھتے اور آپ اس تعین کو حرام کہتے ہیں اس میں غمی کو جائز کہتے ہیں اسے فرض واجب نہیں سمجھتے اور آپ اس تعین کو حرام کہتے ہیں اب گزارش ہے کہ ہم سے تو ایک امر کی اباحت پر اس قدر تردد ہے کہ ہم نے اس حدیث صحیح کا مطالبہ ہے وحاشیہ پر تنقید متین ص ۲۵ کا حوالہ لکھتے ہیں کہ مرفوز صاحب لکھتے ہیں کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گیاڑھوں دینے کا حکم اجراء فرمایا ہے؟ یا ایصال ثواب کے لئے کسی ایک شخصیت کے انتخاب کا ارشاد فرمایا ہے؟ یا کسی کے لئے ایصال ثواب کیلئے دنوں کی تعین کا فرمان دیا ہے؟ اگر ایسا فرمایا ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے پھر گیاڑھوں سنت ہے ورنہ ہرگز نہیں ہیں ہم بھی کہتے ہیں کہ آپ گیاڑھوں کو حرام کہتے ہیں اور حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہوتی ہے بلکہ قرآن کریم کی کوئی نص قطعی یا خبر متواتر میں گیاڑھوں کو حرام کیا ہے؟ اور اگر کوئی خبر متواتر ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے پھر گیاڑھوں حرام ہے ورنہ ہرگز نہیں بلغظہ لیکن آپ جو حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں آپ کے پاس اس مخصوص حکم کی حرمت پر کوئی صریح اور متواتر حدیث یا قرآن کریم کی نص قطعی موجود ہے جس کی وجہ سے آپ نے طعام پر فاتحہ پڑھنے کو یک جہش قلم حرام کر دیا اگر کوئی دلیل قطعی ہے تو پیش کیجئے کہ قرآن کریم کی فلاں آیت یا فلاں حدیث متواتر سے سوئم چلم عرس گیاڑھوں اور فاتحہ علی الطعام کی حرمت ثابت ہے ان امور کی حرمت پر آپ دلیل قطعی تو بجائے خود خبر واحد بھی نہیں لاسکتے ہیں قیامت تک بہت دے کر بتدعین دیوبند کی پوری جماعت کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اپنے حرمت کے دعویٰ پر کوئی صاف اور صریح نص پیش کریں فان لم تفعلوا الا یہ بغیر کسی دلیل کے اپنی اہوا سے اللہ کے حلال کردہ کو حرام کرنا اللہ اور رسول کے منصب پر فاصیحا قبضہ ہے جو شرکین کا شعار ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اہل دیوبند کے پاس کوئی صریح دلیل ایسی موجود نہیں ہے جس سے وہ فاتحہ علی الطعام یا سوئم یا چلم کی حرمت ثابت کر سکیں کہیں کل بدعت ضلالت کے ٹھوم سے استدلال ہوگا کہ یہی نفس بدعت کو لے کر دیا جائے گا کہیں من احدث فی امرنا ہذا لیس منہ فہور دے احتجاج ہوگا کہیں سوئم ظنی سے عقائد اخترع کئے جاہلین کے غرضیکہ دعویٰ کسی خاص امر کی حرمت کا کریں گے اور دلیل میں ایسے عموماً اور اطلاقات شرعیہ کو لائیں گے جن کا دعویٰ سے دور کا علاقہ بھی نہ ہوگا۔ مولوی لکھنوی صاحب

نے اگرچہ ایصال ثواب کا اقرار کیا ہے لیکن ایصال ثواب کی جس قدر مکمل صورتیں تعین ان سب کا انکار کر کے حقیقت میں نفس ایصال ثواب کا ہی انکار کر دیا ہے کیونکہ وہ کسی تعین و قید کو ماننے پر تیار نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ قید اور تعین کے نفس ایصال ثواب کا تحقق ممکن نہیں پس قید اور تعین کا انکار کرنا حقیقت میں نفس ایصال ثواب کا انکار کرنا ہے اور ایصال ثواب کا انکار معتزلہ نے کیا ہے طحاوی علی مرقی الفلاح ص ۲۶ میں ہے کہ معتزلہ نے کہا ہے کہ کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے عمل کا ثواب اپنے غیر کو پہنچائے پس ایصال ثواب کا انکار کر کے مولوی لکھنوی نے اپنا قارورہ کن لوگوں سے جا ملایا۔
(توضیح البیان ص ۱۱۹ تا ۱۲۱)

الجواب۔ اس مضمون میں مؤلف مذکور نے جس کوتاہ فہمی اور جہالت کا ثبوت دیا ہے وہ صرف ان کا اور ان کی جماعت کا خاصہ لازمہ ہے اور یہ ان کو کسی طرح بھی منع نہیں اور نہ ہمیں مضر ہے اولاً اس لئے کہ جواز اور اباحت بھی ایک شرعی حکم ہے اور بلا دلیل وہ صحت ثابت نہیں ہوتا آپ نے اس پر کوئی شرعی دلیل پیش کی ہے؟ کتاب وسنت و قیاس مجتہدین سے کوئی دلیل آپ نے اس پر باحوالہ نقل کی ہے؟ ہم نے راہ سنت ص ۱۰۶ تا ۱۰۷ میں یہ بات باحوالہ لکھی ہے کہ مباح وہ چیز ہے جس میں شارع نے اس کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا ہو الغرض ہمارا آپ سے امر مباح پر دلیل شرعی طلب کرنا بالکل صحیح اور منہی برائصا ہے لہذا آپ اباحت اور جواز کی آڑے کر ڈیل بیان کرنے سے تو نہیں چھوٹ سکتے اور آپ کو ایسا کون چھوڑتا ہے و تاہم مطلق امر مباح کے لئے وقت مقرر کرنا اور اس پر اصرار اور اس کا التزام کرنا بھی بدعت ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ

سوال میرا ہے زیارت ایشان روز معین نمودن یا سوال ان کی زیارت کے لئے دن مقرر کرنا یا ان کے عرس روز عرس ایشان کہ معین است رفعت و دست است یا سوال جواب برائے زیارت تبور روز معین نمودن بدعت است و اصل زیارت جائز و تعین وقت در سلف زلود ایل بدعت ازاں تعین است کہ صلش جائز است و خصوصیت وقت بدعت مانند صافہ بعد العصر کہ در ملک توران وغیرہ راجح است روز

اگر برائے یاد و نیندن وقت دعا برائے میت
اور عرس کا دن میت کے لئے دعا کے یاد کرنے کی خاطر
اگر باشد مضائقہ نیست ولیکن التزام آن روز
اگر ہو تو مضائقہ نہیں لیکن اس دن کا التزام کرنا بھی
نیز بدعت است انما قبیل گذشت -
بدعت ہے اسی قبیل سے جیسا کہ بیان ہوا۔

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۵۹)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی چیز اصل میں جائز بھی ہو لیکن اس کا التزام کیا جائے تو یہ بھی بدعت ہے
اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک عرس بھی بدعت ہے لہذا فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص
۳۳ کی عبارت سے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے مغالطہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ عرس ختم قرآن کریم
اور ایصال ثواب کے لئے لوگوں کے جمع ہونے کا ذکر ہے۔ اب آپ ہی ازراہ دیانت و انصاف فرمائیے کہ
آپ نے یا آپ کی بدعت پسند جماعت نے کسی مرنے والے کا تیجہ یا گیارہویں وغیرہ کبھی ترک کیا ہے؟ اور
کیا لوگوں سے کہا ہے کہ کبھی تیجہ اور گیارہویں وغیرہ ترک کر دیا کرو؟ اگر صحیح آپ نے ایسا کیا اور کہا
ہے تو یہ صرف جو ازاں اور اباحت کے درجے میں رہے گا گو ہے بلا اذن شارع اور بلا دلیل ہی لیکن
اگر آپ نے کبھی ترک کرنے کا سبق نہیں دیا اور نہ موقع میسر ہوتے وقت عملاً ترک کیا ہے تو پھر یہ صحیح
و جائز ہی نہ رہا بلکہ ضروری سمجھ لیا گیا جو بدعت قرار پائیگا کسی بیماری یا سفر یا لاعلمی یا کم فرصتی وغیرہ کی
وجہ سے کسی تیجہ اور گیارہویں وغیرہ میں شریک نہ ہو سکا اصولاً ترک نہیں کہلاتا اس لئے خلط صحبت
کا شکار ہرگز نہ ہوں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ہی ایک اور سوال کے جواب میں یہ تحریر فرماتے ہیں۔

سوال اکثر مردان بعد نماز صبح سلام علیک
سوال اکثر لوگ صبح کی نماز کے بعد سلام علیک
میکند سنت است یا نہ؟
دکھتے اور کرتے ہیں یہ سنت ہے یا نہیں؟
جواب التزام مداومت او بدعت است
جواب اس کی مداومت پر التزام کرنا بدعت ہے

(فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۷)

ظاہر ہے کہ مسلمان کو سلام کہنا اور مصافحہ کرنا شرع شریف کے واضح دلائل سے ثابت ہے اور جائز ہے
لیکن حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا بعد نماز صبح التزام اور مداومت بدعت ہے۔

و ثانیاً ہم نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالے سے عرض کیا ہے کہ شرع شریف کے قواعد کے

موافق عبادات میں کفار سے تشبیہ طلاقاً ممنوع ہے اور کرنے والے اس کو عبادت سمجھ کر ہی کرتے ہیں اور نیز
ہم نے باحوالہ بھی عرض کیا ہے کہ یہ دینی مندوانہ رسم ہے اس لئے بھی ممنوع ہے اور حضرات فقہاء
کرام نے بھی اس کو ممنوع ہی قرار دیا ہے کما تر و راجعاً مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ تم تعین عری کو جائز کہتے ہیں
فرض و واجب نہیں سمجھتے آپ سے حرام کہتے ہیں الہ انسوس ہے کہ مؤلف مذکور کو تعین حقیقی اور تعین عری
کا فرق بھی کسی استاد نے نہیں سمجھا یا جس کو وہ تعین عری سے تعبیر کرتے ہیں وہ تحقیق اور عوام الناس کے
ہاں تعین حقیقی ہی ہے ہر جگہ اور ہر ایک کے لئے متعین طور پر تمیز سے دن ہی رسم قل وغیرہ ہوتی ہے عواماً
رشتہ داروں اور احباب کو بتلانے اور اطلاع دینے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی وہ خود بخود چلے آتے ہیں اور اس
رسم کے نہ ہونے پر ناراض ہو کر چلے جاتے ہیں جیسا کہ حتی تلام اور حفاظ وغیرہ سوئم وغیرہ کے پھل فروٹ
اور مٹھائوں کی طرف کشاں کشاں چلے جاتے ہیں وہاں سے کچھ نہ لے لے تو صلواتیں سناتے جاتے ہیں تعین
عری اس کو کہتے ہیں جو ہر جگہ سب کے لئے متعین نہ ہو بلکہ اپنی مصلحت کے پیش نظر کوئی دن مقرر کر کے
رشتہ داروں اور احباب کو اطلاع دی جائے جیسے شادی اور جلسہ وغیرہ میں ہوتا ہے کہ ہر ایک کو اطلاع
دینے بغیر یہ نہیں ہوتا کہ کب یہ کارروائی ہوگی۔ وہاں ہر ایک نے کیا دیکھا ہے کہ جس شخص کو حرام کہا ہے
اس کی دلیل کی طرف تفتید متین ۵۵ میں اشارہ کر دیا ہے الفاظ یہ میں ظاہر امر ہے بغیر اللہ سے خوف و
رجاء اور امید و بیم کے اسی نظریہ کو تقرب بغیر اللہ کہا جاتا ہے جس کے حرام اور ترک ہونے میں کوئی شک
و شبہ نہیں ہے بیشتر عوام اسی غرض سے کیا دیکھا ہے اور تفتید متین ۵۵ میں اشارہ ۱۱ تک
کا اہل بہ بغیر اللہ کی مسوط باحوالہ بحث ہے اور صفحہ ۱۶۱ و ۱۶۲ میں تفسیر کلید اور در مختار کے حوالے
درج ہیں کہ بغیر اللہ کا تقرب ما اھل الایۃ کی مدین ہے اور صفحہ ۵۵ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا یہ
حوالہ بھی ہم نے درج کیا ہے کہ۔ مالکوت و مشروبات و دیگر اموال را نیز از راہ تقرب بغیر اللہ دادن حرام و
شرک است (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۷۵) مؤلف مذکور کا اخلاقی غرض تھا کہ اس مقام پر ہمارے نقل کردہ
تمام حوالوں کو پیش نظر رکھ کر اس کے مطابق گفتگو کرتے اور ان کا مناسب جواب دیتے اگر نہ پڑتا مگر ان
کو تو صرف اپنے عوام کو ترخانا ہی ہے کہ تو تفتید متین کا جواب ہو گیا ہم نے کیا دیکھا ہے کہ تقرب بغیر اللہ کی
شخص کو حرام کہا ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی نص قطعی ما اھل قطعاً بغیر اللہ سے اس کی حرمت ثابت کی
ہے اور اس پر حضرات مفسرین کرام اور فقہاء عظام کی مستند کتابوں کے باقاعدہ حوالے دیتے ہیں آپ

ہم سے اور کونسی اور کس طرح نص قطعی مانگتے ہیں؟ یہ اب آپ کا اخلاق اور عمل فریضہ ہے کہ کیا دوسری
 تقرب بغیر اللہ کی شوق کے جائز اور مباح ہونے کے لئے کوئی نص یا نتیجہ تو آپ پیش کریں اور آپ کو یہ نص
 کی جماعت کے قیامت تک اس کی ہدایت ہے دیدہ باید مگر ایصال ثواب کی جائز شوق کو تقرب بغیر اللہ کی
 میں گذرند کریں وسادسا مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ آپ نے طعام پر فاتحہ پڑھنے کو بیک جنبش قدام حرام کر دیا
 اگر کوئی دلیل قطعی ہے تو پیش کیجئے؟ الخ ہمیں بار بار مؤلف مذکور کی کم فہمی پر افسوس آتا ہے کہ کم فہمی کا شکار
 ہونے کے ساتھ بددیانتی سے بھی کہیں نہیں چوکتے ہم نے کہا نا سنا سنہ رکھ کر اس پر فاتحہ پڑھنے کو حرام نہیں
 کہا خاص بدعت کہا ہے الفاظ یہ ہیں مگر ایصال ثواب کے لئے جو کھانا فقرہ کو دیا جاتا ہے اس کو سامنے
 رکھ کر اس پر قرآن وغیرہ کچھ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں اور یہ خاص بدعت ہے الخ تنقیح الثمین ص ۱۰۸ مؤلف
 مذکور کا فریضہ تھا کہ وہ ہمارے اس جاندار دعویٰ کو صحیح صریح اور مرفوع حدیث سے یا خبر القرون کے تعامل
 سے رد کرتے کہ لو ایصال ثواب کے کھانے کو سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کا یہ احوال ثبوت موجود ہے مگر وہ ایسا
 نہیں کر سکے اور نہ کر سکتے ہیں وہ اپنی جماعت کے دیگر افراد کی طرح محض عوام کو بھڑکانا اور اہل حق سے متنفر
 کرنا ہی جانتے ہیں اور یہی کھانا کو پڑھایا جاتا ہے اور یہی کچھ انہوں نے سیکھا ہوتا ہے اور اس کی کجی پڑھنے
 پر ہی ان کے شرک و بدعت کی کاٹھی چلی ہے وَذَٰلِكَ مَبْتَلُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اور حمد اللہ تعالیٰ جس چیز
 کو ہم نے حرام کہا ہے اس پر دلیل قطعی پیش کی ہے سوئم چہلم اور عرس وغیرہ کو ہم نے بدعت کہا ہے تو اس پر
 حضرات فقہاء کرام کے صریح اور عیسوی حوالے نقل کئے ہیں اور حمد اللہ تعالیٰ یہ سب حوالے تنقیح الثمین میں موجود
 ہیں جن کا ذکر تک مؤلف مذکور نے نہیں کیا۔ اگرچہ گاؤں کو دن کے وقت بھی سورج نظر نہ آئے تو اس میں ہمارا
 کیا تصور ہے؟ محض بلاوجہ چیلنج بازی سے اہل حق کو محروم کرنا اور اپنے ناتوانانہ حواریوں کو خوش کرنا بغیر
 طفل تسلی یا گیدڑ بھیل کے اور کچھ نہیں ہے۔

ہرگز نہ کر سکے مرے خالص سے سرکشی پیدا سرنگوں سے ہے عجز عیان تیغ
 وسابعا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو حرام کرنا اللہ تعالیٰ کے منصب پر غاصباً قبضہ ہے کیونکہ
 اشیاء کی تخلیل و تخریم صرف اسی کا منصب ہے اور اس کا بیان کرنا اللہ تعالیٰ کے رسول برحق کا منصب
 اور مقام ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیکن حرام کو حلال کرنا بھی تو اسی قاعدہ کی زد میں ہے کیا نا محصل پر اللہ
 کو حلال قرار دینا اللہ تعالیٰ اور اس کے برحق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مناصب پر قبضہ کرنا نہیں ہے؟

اور کیا یہ شرکین کا شعاع نہیں ہے؟ خدا رکھ تو فرمائیے کہ معاملہ کیا ہے؟ تصویر کے دونوں رخ دیکھئے ایک طرف
 وریفک نہ چلائیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے۔

اور ت کہو اپنی زبان کے جھوٹ بنا لینے سے کہ یہ
 حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ کا بہتان
 باندھو بے شک جو لوگ بہتان باندھتے ہیں اللہ
 تعالیٰ پر جھوٹ کا وہ فلاح نہیں پاسکتے۔

عَلَىٰ اللّٰهِ الْكُذِبُ لَمْ يُقَالْ لَٰكُم مِّنْ قَبْلِ ۗ
 هٰذَا حَلَالٌ ۗ وَهٰذَا حَرَامٌ ۗ لِّتَفْتَرُوْا
 عَلَىٰ اللّٰهِ الْكُذِبَ طَرِيقَ الَّذِيْنَ يَقْتَدُوْنَ
 عَلَىٰ اللّٰهِ الْكُذِبَ لَآ يُفْلِحُوْنَ ۝

(النحل - ۱۵)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح اپنی خواہش سے کسی چیز کو حرام کہنا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا افتراء
 باندھنا ہے اسی طرح کسی چیز کو حلال کہنا بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا افتراء باندھنا ہے اور یہ آیت بدعتا
 کی تردید میں نص ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے کوئی ایسی
 بدعت نکالی جس میں اس کے پاس کوئی شرعی دلیل
 نہیں یا جس نے محض اپنی رائے اور چاہت سے
 اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال یا اللہ تعالیٰ کی جائز
 کردہ چیز کو حرام قرار دے دیا ہو۔

وَيَدْخُلُ فِيْ هٰذَا اَكْلُ مَنْ اَبْتَدَعَ بِدْعَةِ لَيْسَ
 لَهٗ فِيْهَا مَسْتَدَ شَرْعِيٌّ اَوْ حَلَلَّ شَيْئًا مَّا
 حَرَّمَ اللّٰهُ اَوْ حَرَّمَ شَيْئًا مِّمَّا اَبَاحَ اللّٰهُ مَجْزُؤ
 رَاْيَهُ وَتَشْبِيْهِهِ وَتَفْسِيْرِهِ ۝ ۷ ۝

ذنا مشا مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ اہل دیوبند کے پاس فاتحہ علی الطعام یا سوئم اور چہلم کی حرمت ثابت
 کرنے کے لئے کوئی صریح دلیل نہیں کل بدعت ضلالتہ یا نفس بدعت یا من احداث فی امرنا نذامایس مرتقبو
 را سے احتجاج ہوگا کہیں سوئم طہنی سے عقائد اختران کئے جائیں گے غرضیکہ دعویٰ کسی خاص امر کی حرمت
 کا کرنے کے اور دلیل عموماً اور اطلاقا شرعیہ کو لائیں گے جن کا دعویٰ سے دور کا علاقہ بھی نہ ہوگا تاہم
 کرام غور فرمائیں کہ مؤلف مذکور کس سطحی ذہن سے کام لے رہے ہیں ہم نے فاتحہ علی الطعام کے بدعت
 ہونے پر اور اسی طرح سوئم اور چہلم وغیرہ کے بدعت ہونے کے بارے تنقیح الثمین میں عیسوی حوالے عرض کر دیئے
 ہیں جن کا مؤلف مذکور کی طرف سے جواب بالکل نلارہ اور اس کتاب میں بھی پہلے اشارہ کر چکے ہیں اعادہ
 کی ضرورت نہیں ہے البتہ یہاں جو بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو مؤلف مذکور خود ہمارے دلائل

کا تذکرہ کرتے ہیں کہ کل بدعت ضلالت یا بدعت کے مذموم ہونے کی احادیث اور سن احداثی امرنا ہندالیس من
 فہور سے استدلال و احتجاج کرنے ہیں اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ ان کے پاس دلیل ہی کوئی نہیں ملتی
 مذکور کو اصولاً اس کا تو حق حاصل تھا کہ وہ یہ کہتے کہ یہ احادیث و دلائل کتابوں میں موجود ہی نہیں یا یہ احادیث
 سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں اور ان میں غلام غلام راوی ضعیف و کمزور ہیں لہذا ان سے استدلال درست
 نہیں ہے لیکن وہ ایسا نہیں کہہ سکے اور نہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ ان کو بخوبی معلوم ہے کہ یہ صحاح کی مرکزی
 روایات و احادیث ہیں اور ان کا رد کرنا خارجی کا گھڑ نہیں ہے البتہ وہ اپنی روایتی کم فہمی کی وجہ سے یہ سب
 کا شکار ہیں وہ یہ کہ بقول ان کے ہم لوگ دعویٰ کسی خاص امر کی حرمت کا کرتے ہیں اور دلیل عموماً اور
 اطلاقات شرعیہ سے لاتے ہیں اور بقول ان کے دعویٰ کا اس دلیل سے دور کا علاقہ بھی نہیں ہوتا اسوں
 کے بارے اول تو گزارش یہ ہے کہ جب دعویٰ خاص ہو اور دلیل عام ہو تو تقریباً نہیں ہوتی اور علمی
 طور پر اشکال پیش آتا ہے مگر محمد اللہ تعالیٰ ہم اس کے ترکب نہیں ہیں بلکہ ہمارا موقف تو یہ ہے کہ عام رجوع
 مخصوص البعض نہ ہو) اپنے تمام افراد پر حاوی سبب مشتمل اور سب کے لئے مستغرق ہوتا ہے اور جن افراد
 پر عام مشتمل ہوتا ہے ان کے لئے اس کا حکم بھی قطعی ہوتا ہے اور آپ حضرت اس امر کو تسلیم کرتے ہیں
 کہ نبیہ جلیلہ اور طعام پر قرآن کریم پڑھنا وغیرہ امور دینی امور اور عبادات ہیں اسی لئے تو آپ ان کے اثبات
 کے درپے ہیں تاکہ بزعم آپ کے یہ امور ثابت ہو جائیں اور شک مبارک پر گرانی کے زمانہ میں نہ دہیں نہ ہڑے
 اور دلائل قاطعہ اور برابرین ساطعہ سے یہ امر ثابت ہے کہ باوجود محرک و داعیہ اور سبب کے موجود ہونے کے
 یہ امور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانہ اور خیر القرون میں نہ تھے تو ان امور کے شرعاً بدعت
 ہونے میں کیا اشکال ہے؟ اگر فقہاء ملت کے ان امور کے بارے بدعت کے الفاظ کی تصریح موجود رہی
 ہوتی تب بھی یہ بدعت ہی ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے ہر مسلک کے فقہاء و اکرام کو کہ انہوں
 نے دین کا نقشہ محفوظ رکھنے کے لئے اور دین کا صاف و شفاف چشمہ گنہ گار ہونے سے بچانے کے لئے
 صریح الفاظ میں امت کی خیر خواہی کے لئے ان امور کو بدعت کہا الغرض یہ اور اس قسم کے دیگر افتراء
 اور سبب بدعات ہیں اور کل بدعت ضلالت اور سن احداثی امرنا ہندالیس من فہور وغیرہ عموماً اپنے تمام
 افراد پر حاوی سبب کو شامل اور سب کو مستغرق ہیں کیا آپ حضرات کے نزدیک عام اپنے افراد کے لئے
 حاوی نہیں ہوتا یا جن افراد پر عام حاوی ہوتا ہے کیا ان کے لئے اس کا حکم قطعی نہیں ہوتا؟ آخر بتائیے تو

اسی کہ ہم نے کوئی نئی بات کہی ہے جو کتب اصول میں موجود نہیں ہے اور آپ لوگ کیوں عوام کا لانعام کو
 مخالفت میں الجھا کر ان صحیح روایات پر عمل کرنے سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں؟ ہاں اگر آپ حضرات ان
 امور کو دین تصور نہ کریں صرف رسوم تصور کریں تو ہم ان کو لغو رسوم سے تو تعبیر کریں گے لیکن بدعات نہیں
 کہیں گے چنانچہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ۔

واعلم ان البدعة مالا يكون اصله في
 الاصول الاربعة ويزعمها لنا ظرفيدانه
 من امور الدين فعلم ان رسوم النكاح
 ليست ببدعة وان كانت لغوا فان
 الناظر لا يزعمها من امور الشرعية
 بخلاف الرسوم الماتحرفان الناظر
 يزعمها من امور الشرع۔

تو جان لے کہ بدعتک بدعت وہ چیز ہے جس کی اصل
 اصول اربعہ کتاب سنت۔ اجماع و قیاس میں نہ ہو
 اور دیکھئے والا اس کو اور دین میں سے سمجھے تو اس سے
 معلوم ہو گیا کہ نکاح کی رسمیں بدعت نہیں ہیں اگرچہ
 لغو اور سبہودہ ہیں کیونکہ دیکھئے والا ان کو امور شرعیات
 سے نہیں سمجھتا بخلاف مردہ کی رسوم کے تمجید و سوال
 وغیرہ کیونکہ دیکھئے والا ان کو امور شرع سے سمجھتا ہے۔

والعرف الشذی ص ۳۳

الغرض جب یہ امور بدعات ہیں تو کل بدعت ضلالت وغیرہ کے عموماً اپنے جملہ افراد کو شامل ہیں یہ نہیں کریں
 دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام ہے جیسا کہ مؤلف مذکور نے کم فہمی سے یہ سمجھ رکھا ہے اور دوم یہ کہ قرآن
 کریم اور حدیث شریف میں عموماً اور اطلاقات شرعیہ ہی ہیں کیا ان کے جزئیات اور افراد پر ان سے
 استدلال و احتجاج درست نہیں؟ مثلاً قرآن کریم میں آتا ہے آيَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاَتُوا الزَّكٰوةَ تو کیا اس
 سے یہ استدلال درست نہیں کہ زید ساکن لاہور پر جو عاقل و بالغ اور صاحب نصاب ہے نماز اور زکوٰۃ
 فرض ہے؟ کیا وہ یہ کہہ کر جان چھڑا سکتا ہے کہ میرے تعلق قرآن کریم سے مخصوص دلیل ثابت کرو۔
 کیونکہ میں تو خاص شخصیت ہوں عموماً اور اطلاقات شرعیہ سے استدلال میرے لئے حجت نہیں؟ اول
 اسی طرح زانی اور چور وغیرہ کیا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ عموماً سے احتجاج ہم پر فٹ نہیں؟ اور ہم پر حرم
 و سنگسار اور قطعید کا قانون لاگو نہیں ہو سکتا کیونکہ دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام ہے؟
 اگر اسی غلط فہم کو معیار بنا لیا جائے تو قرآن و حدیث سے کوئی حکم ثابت نہیں ہو سکے گا رمعاذ اللہ
 تعالیٰ اور غالباً ایسے ہی موقع کے لئے کہا گیا ہے کہ ع خویش را تاویل کن نے ذکر را۔

راہنویں مذکورہ کا یہ کہنا کہ ہمیں سو وطنی سے عقائد و اختراع کئے جائیں گے اور تو اس سے کیا مراد ہے؟ اگر مراد ہے کہ ہم نے اپنے لئے عقائد و اختراع کئے ہیں اور یہ سو وطنی کا نتیجہ ہیں تو صاف لفظوں میں اس لئے کہ محمد اللہ تعالیٰ ہمارے تمام عقائد و اعمال وہی ہیں جو حضرات صحابہ کرام اور سلف صالحین کے تھے اور ہم سو بھی ان سے متفاوت نہیں ہیں ہاں بشری تقاضا کے تحت عمل کمزوریوں کا انکار نہیں لیکن وہ ہمارے گناہ اور خطائیں ہیں اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ اور اگر یہ مراد ہو کہ ہم نے اپنی طرف سے آپ کے لئے اور آپ کی جماعت کے لئے عقائد و اختراع کئے ہیں اور اس میں سو وطنی کا فرمایا ہے تو آپ کو نصیب ہے کہ ہماری کتابوں سے ان کی باحوال نشاندہی کریں کہ فلاں عقیدہ ہمارا نہیں اور تم نے اختراع کر کے ہمارے گلے مڑھا ہے، بخلاف اس کے آپ کے اکابر نے ہمارے اکابر کے خلاف اس قسم کے بے بنیاد الزامات لگائے ہیں قدامتے تفصیل کے لئے راقم اشیم کی کتاب عبارات اکابر پہلا حصہ ملاحظہ کریں۔

مؤلف مذکور کا اختراع | مؤلف مذکور کہتے ہیں کہ مولوی لکھنوی صاحب نے ایصال ثواب کی جس قدر ممکن صورتیں تعین کر کے انکار کر کے حقیقت میں نفس ایصال ثواب ہی کا انکار کر دیا ہے کیونکہ قید اور تعین کے بغیر ایصال ثواب کا تحقق ممکن ہی نہیں اور ایصال ثواب کا انکار کر کے اپنا قیادہ معتزلہ سے جملنا یا ہے (محصلہ) مؤلف مذکور نے یہ بات بھی خوب کہی ہے اور دل میں بڑے ہی خوش ہوئے ہوں گے کہ میں نے منکرین بدعات کو خوب لتاڑا ہے لیکن درحقیقت اس بات میں مجھ کے پریشاننا ذہن بھی نہیں ہے کیونکہ ہم نے تعین عرفی کا کوئی انکار نہیں کیا تعین حقیقی کا انکار کیا ہے اور کھانا سانسے رکھ کر اس پر پڑھنے کی قید کا انکار کیا ہے۔ کیا ثواب سوئم۔ سوئوں اور جہلم ہی کو پہنچتا ہے آگے بھیجے ایصال ثواب کا راستہ بند ہے؟ اور کیا طعام سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے سے ہی ثواب ملتی ہو تا ہے ویسے بگ نہیں ہو سکتا؟ کیا ایصال ثواب کے بارے میں ہم نے شرعی قواعد کے مطابق سہولت رکھی ہے یا آپ لوگوں نے؟ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ مرنے والے کی موت کے سے لے کر زندہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک ایصال ثواب کیا کرے یہی نہیں کہ میرے۔ ساتویں۔ دسویں۔ جمعرات اور جہلم اور برسی کی ہی انتظار ہو اور آپ لوگ ان دنوں کی تعین پر پڑھیں اب انصاف سے فرمائیں کہ ایصال ثواب کے ہم منکر ہیں یا آپ لوگوں نے اسے پیچھے اور غلطی کی پٹاری میں بند کر رکھا ہے۔ خدا را فرمائیں کہ بات کیا ہے؟ نیز ہم تو کہتے ہیں کہ ہر آدمی خود ایصال ثواب کر سکتا ہے اور آپ نے بھائی چارہ کے طور پر چستی ملاؤں کے

لئے ہر سبتہ راز اور نکتہ تلاش کر رکھا ہے کہ کھانا سانسے ہو اور خاص ترتیب سے قرآن کریم کی آیات اس پر پڑھی جائیں تاکہ مسلسل اور مرتب نہ ہونے کی وجہ سے نہ تو عوام انہیں یاد رکھ سکیں اور نہ سمجھ سکیں کہ کہاں کہاں کی آیات کریمات پڑھی گئی ہیں اور وہ ناچار ختمی ملا کو بلائے پر مجبور ہوں غور سے فرمائیں کہ ایصال ثواب کے لئے جو حدود و قیود آپ حضرات نے اختراع کی ہیں ان سے ایصال ثواب کرنے میں کمی واقع ہوتی ہے یا فیود اور لایینی شرائط کو بلائے طاق رکھ کر شرعی قواعد کے مطابق جو سہولت اور رفیق ہم نے پیش کیا ہے اس سے کمی واقع ہوتی ہے انصاف سے فرمائیں؟

یہ غدر امتحان جذبہ دل کیسا نکل آیا | میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا
راہنویں مذکورہ کا عوام کو بظن اور متنفذ کرنے کے لئے معتزلہ سے ہمارا قیادہ ملانا تو یہ جمل و تلبیس کے سوا اور کچھ نہیں راقم اشیم کی کتاب راہ سنت سماع الموقی اور تسکین الصدور وغیرہ ملاحظہ کریں کہ ان میں معتزلہ کے غلط نظریات کی کس علمی انداز سے تردید کی گئی ہے اور اہل سنت والجماعت کے حق مسلک کو کس طرح انکار کیا گیا ہے اور راہ سنت اور تنقید تینوں وغیرہ میں کس نوٹ اور مدلل طریقہ سے ایصال ثواب کا اثبات کیا گیا ہے افسوس ہے کہ مؤلف مذکورہ دوسروں کو اختراع عقائد کے طعن سے ملوث کرتے ہیں اور خود اس لاعلاج بیماری میں چوٹی سے ایڑی تک مبتلا ہیں۔

عہد رسالت میں ایصال ثواب | یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور پہلے تو راقم کی کتاب راہ سنت ص ۱۶ کا حوالہ نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو بیسیاں تین صاحبزادیاں اور چچا محترم آپ کی زندگی میں وفات پا گئے لیکن آپ نے ان کا تیجہ ساواں۔ دسواں اور چالیسواں کچھ نہ کیا (محصلہ) اس کے بعد کہتے ہیں کہ اسی صفحہ پر سر فرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ایصال ثواب تو ہوتا تھا مگر نہ تو دنوں کی تعین ہوتی تھی اور شکر ہے کہ آپ نے ایصال ثواب کا اقرار کر لیا اور ہم آپ کا کیا بگاڑ دیتے رہی دنوں کی تعین تو اگر مطلب یہ ہے کہ عہد رسالت میں جن دنوں میں ایصال ثواب ہوتا تھا وہ نفس الامری میں تھے تو پاگل خانے میں جا کر ہی عقل کا علاج کریں اور اگر یہ مطلب ہے کہ شرع میں کسی دن کو تعین کرنا واجب نہ تھا تو بسہر چشم ہم صدمی ہی کہتے ہیں کہ شرع میں ایصال ثواب کے لئے کوئی دن تعین نہیں کہ سوئم جہلم اور گیارہویں کو ایصال ثواب کیا جائے تو جائز ہو اور اس کے سوا کسی اور تاریخ کو کیا جائے تو ناجائز ہو ہم ان تاریخوں کو ضروری نہیں سمجھتے اور دوسری تاریخوں میں ایصال ثواب کرتے ہیں اور آپ کو بھی مکروہ انداز میں اس کا اقرار ہے چنانچہ تنقید تینوں میں ہے کہ آپ کچھ

ہوشیار اور بطن پروردگوں نے یہ حیل شروع کر دیا ہے کہ گیارہویں بارہویں اور تیرہویں تاریخ کو بھی منائے جائیں تاکہ بطن مبارک کے لئے متعدد جگہیں نکل آئیں گو کہتے تو وہ یہ ہیں کہ ہم گیارہویں تاریخ ہی کو ضروری نہیں سمجھتے (محصلہ نیت کا حال تو خدا کو معلوم ہے لیکن سرفراز صاحب کی سوغطنی سے یہ بات بہر کیف معلوم ہو گئی کہ انہیں ایصال ثواب ہی سے ضد ہے کیونکہ وہ ایصال ثواب کی سنت ہی کو اپنے طرز عمل اور انداز تبلیغ سے مشاونا چاہتے ہیں۔ کیونکہ جب ہم کہتے ہیں کہ گیارہویں ہی تاریخ ضروری نہیں دوسری تاریخوں میں بھی ایصال ثواب درست ہے تو وہ کہتے ہیں بطن پروردی کا سامان ہے اور اگر معروف تاریخوں پر کیا جائے تو کہتے ہیں بدعت ہے کیا ایصال ثواب کا حکم حضور نے بدعت کے لئے دیا ہے یا بطن پروردی کے لئے (محصلہ توضیح البیان ص ۱۲۱ تا ۱۲۲)

الجواب مؤلف مذکور اپنی اسی کج روی کی ڈگر پر چل رہے ہیں جس پر ان کے بڑے اور بیشتر حضرات چلتے رہے اور چلتے ہیں اور یہ چیز گویا ان کے حیرتیں و دلیت رکھی گئی ہے کہ اس کے بغیر انہیں چہیں اور کچھ نہیں آتا مؤلف مذکور کو اس کا اقرار ہے کہ سرفراز ایصال ثواب کا اقرار کرتا ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ راقم ایام اس نیک کام کا ہم صرف تقری نہیں بلکہ حسب وسعت اس پر عمل بھی کرتا ہے مؤلف مذکور کا فریضہ تھا کہ جن بزرگوں کا ہم نے ذکر کیا تھا بحوالہ صحیح روایات سے ان کا تہنیت۔ سواتوں۔ دسواں اور چالیسواں نقل کرتے تاکہ پتہ چلتا کہ ان حضرات کے لئے انہی مخصوص آیام میں ایصال ثواب ہوا لہذا تعین ثابت ہے اور اگر ان کے سلسلہ میں نقل نہیں کر سکے تو آپ کی زندگی میں کوئی اور واقعہ ہی صحیح سند کے ساتھ نقل کر دیتے کہ وہ سوئم اور چہلم وغیرہ کا ثبوت ہے اور وہ روایت جعلی اور موضوع نہ ہوتی لیکن وہ ایسا کہاں سے کرتے جب کہ نفس الامر میں خیر انقرون میں کوئی ایسا واقعہ کسی صحیح سند سے ثابت ہی نہیں ہے رہا ان کا یہ کہنا کہ عہد رسالت میں جن دنوں میں ایصال ثواب ہوتا تھا اگر وہ نفس الامر میں معین نہ تھے لہذا تو یہ زری یا گلوں کی بڑے جو بے برکی ہانکا کرتے ہیں کیونکہ جن دنوں میں ایصال ثواب ہوتا تھا وہ تو نفس الامر میں متعین ہوتے تھے لیکن ایصال ثواب کرنے والے اپنی طرف سے بقیہ سوئم و دہم چہلم وغیرہ ان کی تعین نہ کرتے تھے جب کہ نزاع ہی صرف اس بات میں ہے مؤلف مذکور کا یہ باطل آمیز اقرار خاصہ ذرا ہی ہے کہ اگر مطلب یہ ہے کہ شرع میں کسی دن کو معین کرنا واجب نہ تھا تو بسر و چشم ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ شرع میں ایصال ثواب کے لئے کوئی دن معین نہیں ہے کہ سوئم اور چہلم اور گیارہویں کو ایصال ثواب کیا جائے تو جائز ہو اور اس کے سوا کسی اور تاریخ کو کیا جائے تو جائز ہوا لہذا یہ عبارت حق و باطل کا مانع ہے یہ تو حق اور صحیح ہے کہ شرع میں ایصال ثواب

کے لئے کوئی دن متعین ہی نہیں ہے واجب کہاں سے ہوتا۔ لہذا مؤلف مذکور کے واجب نہ تھا کہ الفاظ باطل پر متعلق اور سینہ زوری پر مبنی ہیں۔

انصاف سے فرمائیں کہ آپ حضرات نے کسی بھی جہل کر ہی ہی سوئم۔ گیارہویں اور چہلم نامہ ہونے دیا ہے؟ یا بغیر کسی مجبوری کے جماعتی صورت میں ان کے علاوہ اور ایام میں ایصال ثواب کا یہ فریضہ ادا کیا ہے یا کرتے ہیں؟ آپ حضرات نے عوام کا ذہن ہی یہ بنا دیا ہے کہ وہ ان ایام ہی میں بلا بلائے خود بخود کشاں کشاں چلے آتے ہیں ان کے ہاں جمعہ و جماعت سے یہ امور مقدم سمجھے جاتے ہیں کیا عملیہ اصرار و التزام اور مداومت و جوب اور ضروری ہونے سے کم ہے؟ پھر ان ہی ایام کی تعین کی کیا ضرورت ہے جواز کے لئے اور دن بھی تو ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ اور دنوں میں آپ اس جواز اور کار ثواب پر عمل نہیں کرتے؟ بھلا اللہ تعالیٰ نہ تو ہم کسی کے خلاف سوغطنی میں مبتلا ہیں اور نہ ہمیں ایصال ثواب سے ضد و عناد ہے۔ ہمیں تو ضد صرف بدعت سے ہے اور عشق و محبت صرف سنت سے ہے اور بس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت سے ایصال ثواب کا جو طریق ثابت ہے اس کا آپ کو بھی اقرار ہے کہ شرع میں ایصال ثواب کے لئے کوئی دن معین نہیں ہے۔ لہذا جب چاہیں کریں ان ایام کی تعین و تخصیص کو مشانا آپ کا بھی فریضہ ہے عرفی تعین کے ذریعہ جب چاہیں ایصال ثواب کریں یہ بات تعین حقیقی پر ہی موقوف نہیں ہے اس طریقہ پر عمل کرنے سے سنت پر عمل ہوگا اور بدعت سے بھی اجتناب ہو جائے گا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی ارشاد ہے کہ سنت پر عمل کرو اور بدعت سے اجتناب کرو اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ قارئین کرام! اہل بدعت کے لئے گیارہویں وغیرہ ایام کو ترک کرنا کوئی سہل کام نہیں ہے وہ گیارہویں تاریخ کو اپنی جگہ سے ہلنے نہیں دیتے ہاں ملی بھگت کے طور پر آپس کی ساز باز کے تحت کسی جگہ یا دنوں اور کسی جگہ تیرہویں وغیرہ کو بھی ساتھ ملا لیتے ہیں تاکہ کسی جگہ کے پھل فروٹ برقی اور ٹیلیاں اور جاول وغیرہ ہاتھ سے نہ نکل جائیں اور بطن مبارک پر زد نہ پڑے

بدعت سیدۃ کا ضابطہ مؤلف مذکور راقم کی کتاب راہ سنت ص ۶۵ کا یہ حوالہ نقل کرتے ہیں ایسے اہل حدیث جن کے اسباب و دواعی و محرکات اُس وقت موجود تھے نہ قیاس ہو سکتا ہے اور نہ بدعت حسنہ کا دہر پاسکتے ہیں یہ امور قطعی طور پر بدعت قبیحہ اور سیدہ کی حد میں داخل ہیں اس میں ایک رتی برابر شک نہیں چنانچہ علامہ قاضی ابراہیم الحنفی تحریر فرماتے ہیں لہذا اس کے بعد مؤلف مذکور کہتے ہیں سرفراز صاحب نے

جو بدعت سینہ کا یہ ضابطہ وضع کیا ہے چند وجہ سے مردود اور باطل محض ہے اولاً مرقات ج ۳ ص ۱۹۳ پر ہے کہ امام سیوطی نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ اہل مدینہ کے لئے اہل مکہ کی مشابہت کی وجہ سے چھتیس رکعات تراویح پڑھنا مستحب ہے لہذا اگے لکھتے ہیں سوال یہ ہے کہ طواف کا داعیہ کیہ معتبر ہے اور وہ بعد رسالت میں بھی موجود تھا اور تراویح کا داعیہ رمضان ہے اور وہ بھی دور نبوی میں کئی بار آیا اور پھر باوجود سبب اور عدم مانع کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو تراویح چھتیس رکعت پڑھیں نہ دو ترویحوں کے درمیان طواف کیا پھر اہل مکہ کے لئے مع طواف کے اٹھائیس رکعات اور اہل مدینہ کے لئے بغیر طواف کے چھتیس رکعات کس طرح مستحب ہو گئیں جس کو آپ بدعت سینہ اور قیومہ قرار دیتے ہیں اسی کو امام سیوطی مستحب فرمایا ہے میں اور یہی امام مالک کا مذہب ہے (محصلہ) وثانیاً قرآن کریم پر اعراب حجاج بن یوسف نے لگانے میں وہ آپ کی تحقیق کے مطابق خیر القرون میں سے نہیں ہے کیونکہ راہ سنت ۳۴ میں ہے کہ قرآن کا معنی ہے انسانوں کا بہترین طبقہ اور حجاج بن یوسف کے بارے علامہ عینی بنیہ شرح ہدایہ ج ۱ ص ۲۲۷ میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کا سب سے زیادہ فاسق شخص تھا پس ثابت ہوا کہ وہ خیر القرون سے خارج ہے اس بدترین فاسق کا احداث فی الاسلام کس طرح جائز ہو گیا اعراب لگانے کا داعیہ اور سبب بعد رسالت میں بھی موجود تھا کیونکہ آپ کے زمانہ اقدس میں بے شمار عجمی اسلام لائے تھے۔ اور عبدالقوی و عثمانی میں تو اسلام کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا تھا معلوم ہوا کہ اس وقت بھی سبب اور داعیہ تھا اور مانع بھی نہ تھا مگر اعراب نہ لگانے پر احداث حجاج بن یوسف نے کیا اور یہ بدعت تعمیر ہے تو جن صحابہ کرام اور ائمہ دین نے اس کی تائید کی آپ ان کو کس کھاتے میں رکھیں گے (محصلہ ۱۲۳ تا ۱۲۵)۔

الجواب۔ اگر مؤلف مذکور راہ سنت ۳۴ میں یہ عقیدان خیر القرون کا تعامل محبت ہے تو چاہیے اور اس کے تحت ۳۴ تا ۳۵ تک پھیلے ہوئے ٹھوس حوالے ملاحظہ کر لیتے تو ان کو کچھ کہنے کی رحمت ہی پیش نہ آتی کیونکہ خیر القرون تبع تابعین تک ہے اور حضرات تبع تابعین کا دور سنہ ۲۲ تک ہے اور حضرت امام مالک کی وفات سنہ ۱۷۹ میں ہوئی ہے اور یہ سبب خیر القرون کا زمانہ ہے اور اس دور کا تعامل محبت اور سنت ہے نہ کہ بدعت غلط بحث عقلاء کی نشان سے بعید ہے چہ جائیکہ علما کی شان سے۔ بلاشبہ طواف کا داعیہ کیہ معتبر موجود تھا اور تراویح کا سبب رمضان بھی موجود تھا مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں باجماعت تراویح پڑھانے میں ایک مانع تھا اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے تین تین تو باجماعت نماز تراویح پڑھانی پھر نہیں پڑھائی اور یہ فرمایا کہ۔

آئی خشیت ان تکتب علیکم الحدیث بخاری ج ۱ ص ۱۴

بلاشبہ مجھے خوف ہے کہ یہ تم پر کہیں فرض نہ کر دی جائیں۔

اور ایک روایت میں ہے۔
حقی خشیت ان یکتب علیکم فلو کتب ما
تستمر بہ الحدیث بخاری ج ۲ ص ۱۰۳

اور آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد فرضیت کا خورشید اور مانع جاتا رہا کیونکہ آپ کے بعد وحی کے ذریعہ کسی حکم کے نازل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے اہل مدینہ نے اس پر خیر القرون ہی میں عمل کیا اور حضرت امام مالک نے اس کو مسلک بنالیا تو یہ کاروائی راہ سنت میں پیش کر وہ کسی حوالہ اور عبارت خلاف نہیں بلکہ مؤید ہے علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد رمضان مبارک مکہ میں گزارا جب اس کے کفر کے سال ۱۰ھ میں آپ مکہ مکرمہ میں فاتحہ شان سے داخل ہوئے اور پھر غزوہ حنین اور اوطاس اور غزوہ طائف جیسے اہم معرکے درپیش رہے الغرض جس چیز کو امام سیوطی نے مستحب فرمایا اس کا ہماری کسی عبارت اور کسی حوالہ سے بدعت تعمیر اور سینہ ہونا ثابت نہیں ہوا۔

قرآن کریم کے اعراب کا مسئلہ | مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ قرآن پر اعراب حجاج بن یوسف نے لگانے اور وہ خیر القرون میں سے نہیں ہے اور بڑا فاسق شخص تھا باوجودیکہ اس کا داعیہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت عمر و عثمان کے زمانہ میں موجود تھا تو یہ بھی بدعت سینہ اور قیومہ قرار پائیگا جس کی تائید حضرت صحابہ کرام اور ائمہ دین نے کی یہ کس کھاتے میں رہیں گے؟ (محصلہ) تو اس سے مؤلف مذکور کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اولاً اس لئے کہ ہم نے راہ سنت ۳۴ میں باحوالہ چار قول نقل کئے ہیں اعراب قرآن کریم کے ساتھ اول ہی سے موجود تھے حجاج بن یوسف کے حکم سے۔ لہذا ہر عامر نے اعراب لگانے اس کے حکم سے یہی حق تعبیر کرنے لگائے اور یہ کہ قرآن کریم کے اعراب ابوالاسود دہلی نے لگانے اگر حجاج بن یوسف ہی اعراب لگانے والا ہو تب بھی اس کی وفات سنہ ۳۹ھ میں ہوئی اور اس کے بعد سنہ ۳۹ھ تک صحابہ کرام کا دور تھا اور ہم نے بعض صحابہ کرام کی وفات کے سن بھی باحوالہ وہاں عرض کئے ہیں اگرچہ خود حجاج بن یوسف بڑا ظالم اور فاسق تھا لیکن اس کا دور خیر القرون کا دور تھا یعنی حضرت صحابہ کرام اور تابعین کا دور تھا اور اس کے اس فعل اور کاروائی پر اس دور میں کوئی گرفت نہیں ہوئی حضرت صحابہ کرام اور اس وقت کے ائمہ دین کا اس کی

تائید کرنا ہی اس فصل کی خیریت کی دلیل ہے اور یہ انا علیہ واصحابی کی بشارت کے نیچے داخل ہے واثباتِ قرآن
 مذکور نے راہ سنت ۳۴ سے ایک مختصر عبارت نقل کر دی ہے کہ قرن سے انسانوں کا بہترین طبقہ مراد ہے
 لیکن قرن کے معنی کی پوری تشریح جو مفہوم اور صاف میں مذکور ہے وہ نقل نہیں کی جس میں یہ عبارت بھی ہے
 کہ دورانِ روایات کی تشریح میں امام نووی اور علامہ ابن خلدون کی عباریں بھی نقل کی جا چکی ہیں کہ قرن اول
 سے حضرت صہابہ کرامؓ اور ثانی سے تابعینؓ اور ثالث سے تبع تابعینؓ کے پاک نفوس اور خود ان کی برگزیدہ سنی
 مراد ہیں (ص ۱۸) اس لحاظ سے مطلب بالکل واضح ہے کہ جو کارِ وائی یہ حضرات خود کریں یا جس کا روائی کی
 تائید و تصدیق کریں وہ خیر القرون کا تعامل کہلائیگا اور وہ حجت ہے اگرچہ حجاج بن یوسف ظالم اور فاسق
 اپنے نفس اور شخص اور فرد ہونے کے لحاظ خیر القرون کے اس بالا مفہوم میں داخل نہیں لیکن طبقاً اور دور کے
 لحاظ سے اس کا زمانہ خیر القرون کا دور تھا اب اگر اس کے بے پناہ مظالم کو کوئی سنت اور حجت ثابت کرے
 تو باطل ہے کیونکہ اس کی تائید حضرت صہابہ کرامؓ اور تابعینؓ نے نہیں کی بلکہ ترویج کی ہے اور ایک تاریخی روایت
 کے رُو سے اس نے قرآن کریم پر اسباب لگانے کا حکم دیا تو اس دور کے بہترین انسانوں کی تائید سے وہ اس
 کا فعل نہ رہا ان حضرات کا فعل قرار پایا اور سنت و حجت ہو گیا۔ وناثنا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے زمانہ میں اگرچہ کچھ بھی مسلمان ہو چکے تھے لیکن ان میں بیشتر وہ حضرات تھے جو غلاموں کی مد میں تھے اور عرب
 کے ملک میں رہ کر عربی زبان سے مانوس تھے اور اس میں کچھ شیعہ بدھ بھی رکھتے تھے اور آپ کے فیض
 صحبت سے ان کے دماغ بڑے صاف تھے اور وہ اسلام کی ہر ادا پر مرمتا جانتے تھے البتہ حضرت عمرؓ
 کے مبارک دور میں بکثرت عجمی تو ہیں مسلمان ہوئیں مصر۔ عراق۔ شام۔ روم کا کچھ حصہ اور ایران مکمل طور پر
 اسلام کے جھنڈے کے نیچے آ گیا اور بائیس لاکھ مربع میل علاقے ان کے دور میں فتح ہوئے چونکہ ان کا دور
 جہاد کا دور تھا اس لئے تقریباً سب حضرات کی توجہ اس اہم امر کی طرف تھی اور فروع و جزئیات کی طرف
 کم تھی حضرت عثمانؓ کے دور میں جب کچھ حضرات کی جزئیات کی طرف توجہ ہوئی تو بعض اختلافات رونما ہونے
 لگے تو ان کو لغت قریش (جس میں اولاً قرآن کریم نازل ہوا تھا اور باقی چھ لغات میں پڑھنے کی اجازت تھی)
 میں ہی قرآن کریم لکھوانے اور اس کو حدود و ملکیت میں پھیلانے اور تقسیم کرنے کی ضرورت پیش آئی چنانچہ
 بخاری شریف کی وہ روایت جو حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے اس کی واضح دلیل ہے جس میں

آتا ہے کہ۔

ابن حذیفہ بن الیمان قدم علی عثمان وكان
 يعاذا اهل الشام في فتح ارمينية و
 آذربيجان مع اهل العراق فانزع حذيفة
 اختلافهم في القراءة فقال حذيفة
 لعثمان يا امير المؤمنين ادرك هذه
 الامة قبل ان يختلفوا اختلاف اليهود والنصارى
 فارسل عثمان الى حفصة ان ادسلي اليها
 يا نصحف نسختها في المصاحف ثم زودها
 فارسلت بها حفصة الى عثمان فامر زيد بن
 ثابت وعبد الله بن الزبير وسعيد بن العاص
 وعبد الرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها
 في المصاحف وقال عثمان للدهق القرشيين
 الثلاثة اذا اختلفتم استمروا زيد بن ثابت
 في شئ من القرآن فاكتبوه بلسان قریش
 فانما نزل بلسانهم ففعلوا الحديث
 (بخاری ج ۲ ص ۴۷)

حضرت حذیفہ بن الیمان حضرت عثمانؓ کے پاس آئے
 جب کہ وہ شامیوں اور عراقیوں کو ارمینیہ اور
 آذربائیجان کی فتح کے لئے تیار کر رہے تھے حضرت حذیفہؓ
 کو لوگوں کے اختلافِ قرآن نے پریشان کر دیا تھا
 حضرت حذیفہؓ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ اے
 امیر المؤمنین اس امت کا اس سے قبل تدارک کریں
 کہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف میں مبتلا ہو جائے
 تو حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کو بیغام بھیجا کہ اپنا
 قرآن کریم ہماری طرف بھیج دین تاکہ ہم اس سے قرآن
 کریم کے کئی نسخے نقل کروا کر آپ کو واپس کر دیں حضرت
 حفصہؓ نے حضرت عثمانؓ کو وہ بھیج دیا انہوں نے حضرت
 زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ حضرت
 سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمن بن الحارثؓ
 بن ہشام کو حکم دیا کہ اس نسخہ سے قرآن کریم کے نسخے
 لکھیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور حضرت عثمانؓ
 نے تین قریشیوں کی جماعت سے فرمایا کہ جب تمہارا زید
 بن ثابت سے اختلاف ہو تو لغت قریش میں لکھا کیونکہ
 انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب اس کارِ وائی کا داعیہ پیش آیا تو یہ کارِ وائی اس وقت انہوں نے
 کی اسی طرح اس تاریخی روایت کے پیش نظر کہ اعراب بعد کو لگایا گیا داعیہ پیش آنے کے بعد یہ کارِ وائی ہوئی
 تاکہ عجمی لوگ پڑھنے میں غلطی نہ کریں اور اختلافِ زمانہ نہ ہو تو اس میں کیا حرج ہے پہلے اس کا داعیہ یا تو
 پیش ہی نہیں آیا ہو گا اور یا اس کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی ہوگی کیونکہ بعض امور ایسے بھی ہوتے ہیں کہ
 ابتدائی اسباب تو پیش آچکے ہوتے ہیں لیکن ان کے بارے عجلت سے کام نہیں لیا جاتا سو چنے بچنے اور

مشاورت کی ضرورت ہوتی ہے ایسا ہی اس کو سمجھیں

بہتر مندی سے ہو تو کیوں کھلے عیب

کہ وہ ستار ہے جو عالم الغیب

تکرار بلا فائدہ و کوہم اور بے ربط جوڑ اس لایعنی بحث کے بعد مؤلف مذکور نے ص ۱۲۵ اور ص ۱۲۶

میں فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۳۱ کی عبارت نقل کی ہے اور اس سے اپنے مطلب کا نتیجہ اخذ کیا ہے مگر کلام اللہ

تعالیٰ ہم نے اسی کتاب کے ص ۱۲۳ میں اس کا جواب عرض کر دیا ہے اس لئے اب دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں

ہے وہاں ہی ملاحظہ فرمائیں اس کے بعد مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ پس اب اس کے سوا اور کوئی مفسر نہیں کہ آپ نے

بدعت سیدہ کا معیار مقرر کیا ہے وہ باطل اور مردود ہے اصل میں بدعت سیدہ نہ وہ نیا امر ہے جو مزاج اسلام

کے خلاف اور اس کا مغیر ہو جس کا منشا کتاب و سنت میں موجود نہ ہو اور اس کو دین میں داخل کر لیا جائے

شامی ج ۱ ص ۳۹۳ اور جو شخص کسی ایسی بدعت سیدہ کا ارتکاب کرے وہ بدعتی ضال اور ضل ہے خواہ کوئی

بھی ہو صحابہ کرامؓ تابعین عظامؓ اور ائمہ دینؒ نے جن امور کا احداث کیا ان سب کی اصل کتاب و سنت سے ثابت

ہے اور وہ منشا اسلام کے مطابق ہیں ان پر بدعت سیدہ اور قبیحہ کی تعریف کسی طرح سچی نہیں آتی بدعت کیا

ہے نینے حیات انبیاء کے انکار کا عقیدہ بدعت سیدہ ہے۔ امکان کذب کا عقیدہ بدعت سیدہ ہے۔ عطالی علم

غیب کے انکار کا عقیدہ بدعت سیدہ ہے علم الہی کا حادث ماننا رکمانی بلغۃ الحیران، بدعت سیدہ ہے۔

انبیاء کرام کی شان میں تنقیصی اور توہینی کلمات کو صحیح کہنا بدعت سیدہ ہے الغرض مجموعی طور پر پورا کا نیا پور بدعت

بدعت سیدہ ہے کاش آپ نے کسی بریلی طالب علم سے پڑھ لیا ہوتا تو یہ سوئیاں مقدر بننتیں اور ابراہیم الخلیلؑ

کی عبارت ہمارے نزدیک ان امور پر محمول ہے جن کا منشا شریعت میں ثابت نہ اور بے شک جس کا منشا شریعت

میں موجود نہ ہو اور جو ایسے منکرہ کا مصداق ہو وہ مردود ہے اور جس کا داعیہ عہد رسالت میں موجود ہو اور مانع کوئی

نہ ہو اور پھر بھی حضور اس کو نہ کریں یہ اسی وقت مردود ہو گا جب اس کا منشا اسلام میں موجود نہ ہو اور وہ

مزاج اسلام کے خلاف ہو اور یہی بدعت سیدہ ہے بخلاف اہل سنت کے معمولات کے کیونکہ ان میں سے ہر

ایک کا منشا اسلام میں موجود ہے (توضیح البیان ص ۱۲۵ و ۱۲۶)

الجواب بفضلہ تعالیٰ ہم نے بدعت سیدہ اور قبیحہ کا جو معیار باحوالہ عرض کیا ہے اس کا کوئی استغناء

توڑا اور جواب آپ کی طرف سے نہیں دیا جاسکا پھر وہ محض لفظوں سے کیسے مردود اور باطل قرار پایا؟

اور آپ کے کس صریح اور مقبول حوالہ سے وہ باطل و مردود ٹھہرا؟ ارشاد تو فرمائیں؟ آپ نے شامی کے

حوالے کا حال نقل کر دیا ہے آپ کا فریضہ تھا کہ آپ ان کی پوری عبارت نقل کرتے اور پھر کچھ کہتے سر دست

ہیں اس کے نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ ان کی مفصل عبارت مع تشریح کے اپنے مقام پر مذکور

ہے جب آپ کی طرف سے کچھ کہا گیا تو انشا اللہ العزیز پھر ہم بھی کچھ عرض کریں گے مگر صد افسوس ہے کہ آپ

نے شامی کی عبارت کے ما حاصل پر بھی غور نہیں کیا اولاً اس لئے کہ اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ ہمارے دعویٰ

کے کسی طرح خلاف نہیں ہے جس پر آپ بھولے نہیں سماتے؟ علامہ شامی نے بدعت کی تعریف میں جو کچھ فرمایا

ہے وہی کچھ باحوالہ ہم نے عرض کیا ہے اگر فرق ہے تو صرف تعبیر کا ہے بدعت کا جو فرد بھی ہے وہ مزاج اسلام

کے خلاف اور اس کا مغیر ہے اور اس کا منشا کتاب و سنت میں ہرگز موجود نہیں ہے اور کرنے والے اس

کو دین ہی سمجھ کر کرتے اور اس پر مصر ہوتے ہیں و ثانیاً آپ حضرات کی جو اختراعی بدعات میں شکار تہجد و نولوں

چہلم برسی اور کھانا سنانے رکھ کر اس پر پڑھنا وغیرہ ان میں کوئی چیز اسلام کے مزاج کے موافق ہے؟ اگر

یہ اشیا اسلام کے مزاج کے موافق ہوتیں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؒ

ان پر ضرور عمل پیرا ہوتے کیونکہ ان کے اسباب محرکات اور دواعی سبب اس وقت موجود تھے کیا مزاج

اسلام کے وہ حضرات زیادہ واقف تھے یا آپ لوگ زیادہ واقف ہیں؟ کیا اس وقت لوگ مرتے نہیں تھے؟

یا ان کو ایصالِ ثواب کرنے والے نہیں ہوتے تھے؟ یا مسکینوں کو کھانا نہیں کھلایا جاتا تھا؟ یا قرآن کریم نازل

نہیں ہوا تھا؟ یا پڑھنے والوں میں کوئی الٹی تھی؟ یا مردہ کے ساتھ ہمدردی کرنے والے نہیں ہوتے تھے؟ آخر

ان بدعات و مختصرات کے لئے کوئی نیا داعیہ پیش آیا ہے؟ اور ظاہر امر ہے کہ دین کے کسی بھی پہلو اور شعبہ

کا جو نقشہ اس وقت تھا اس میں ادنیٰ تغیر بھی مغیر اسلام ہے اور اس سے اسلام کا وہ پیارا اور سادہ نقشہ

بدل جاتا ہے جو غیر انقرون میں تھا پھر آپ نے یہ بھی صراحت کے ساتھ حوالہ دے کر بیان نہیں کیا کہ ان بدعات

و مختصرات کا منشا قرآن کریم کی کسی آیت کریمہ میں ہے؟ اور کس صحیح و صریح حدیث میں موجود ہے؟ یا کس امام

اور مجتہد نے بیان کیا ہے؟ آپ کا فریضہ یہ تھا کہ قرآن کریم کی کسی آیت یا کسی صحیح اور صریح حدیث سے اس پر

روشنی ڈالتے یقین جانیے کہ یہ تمام بدعات و اختراعات قبیح اور برہمی ہیں اور ان کا منشا قرآن و سنت میں موجود

نہیں اور آپ لوگ ان کو دین سمجھ کر کرتے ہیں اور ان پر مصر ہیں یہ تمام روح کفار مجرم سے اور خاص طور پر ہندوؤں

سے ماخوذ ہیں اور ہندوؤں نے یہ سب میں اور در روح اسلام کے سراسر مخالف اور یقیناً مزاج اسلام کے خلاف ہیں

باقی حضرات صحابہ کرامؓ و تابعین عظامؓ اور تبع تابعین کا تعامل تو وہ خود حجت ہے جیسا کہ ہم نے راہ سنت میں

اس پر بسلا مزید علیہما بحوالہ بحث کر دی ہے اور حضرات ائمہ دین کا قیاس و اجتہاد کے ذریعہ کچھ فرمائے گئے۔
 وسنت کے اصول سے ماخوذ ہے اس کو درمیان میں لاکر غلط بحث کرنا انصاف سے بعید ہے اور یہ بالکل
 بجا ہے کہ ان پر بدعت سیدہ و قیس کی تعریف کسی طور پر سچی نہیں آتی اللہ تعالیٰ کم فہموں کو فہم و بصیرت
 عطا فرمائے کہ بات کی تہ تک پہنچ سکیں۔

تعلیماً بالامتہ اٹھائوں عرض طلبت بھلا کیوں کر کہ ہے دست دعائیں گوشہ دلمان اجابت کا

بے پور شوشہ
 مؤلف مذکور جب ہمارے مستحکم حوالوں کا جواب نہ دے سکے اور اپنی پسند کی بدعات
 و اختراعات کو بالذات ثابت نہ کر سکے تو عوام الناس کو ہم سے بدظن کرنے کے لئے اپنے بڑوں کا فرسودہ ہتھیار
 استعمال کرتے ہوئے یوں بہتان تراشی کر کے اپنے بے بصیرت دل کی بھڑاس نکالی اور لکھا کہ سینے جیات (جمہار
 کے انکار کا عقیدہ بدعت سیدہ ہے الخ سوال یہ ہے کہ علماء دیوبند میں کون جیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
 والسلام کا منکر ہے آپ کو کم از کم الہندل المفند اور راقم اہم کی کتاب تسکین الصدور کا ہی مطالعہ کر لینا چاہیے
 انشاء اللہ تعالیٰ آپ پر حقیقت بالکل آشکارا ہو جائے گی اور جو رول کی طرح اندھیرے میں میٹھ کر بیٹھے
 تیر جانے سے دستگیری حاصل ہو جائے گی الغرض علماء دیوبند میں جیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا منکر
 کوئی نہیں اور اگر کوئی ہے تو وہ دیوبندی نہیں وہ آپ لوگوں کی طرح بدعتی ہے رہا امکان کذب کے عقیدہ
 کا بدعت سیدہ ہونا تو یہ بھی آپ کا اختراع شوشہ ہے اور اصل بات پر پردہ ڈالنا ہے آپ جہد المقل فی تفریح
 المعز والندل - فتاویٰ رشیدیہ - راقم اہم کی کتاب عبارات کا برہنہ حاصل ملاحظہ کریں انشاء اللہ الغریب
 طبیعت صاف ہو جائے گی اور انشاء اللہ الغریب اپنے مقام پر اہل کی کچھ بھٹ آئی رہی ہے اسی طرح
 عطانی علم غیب کا منتر بھی انزالہ الہیب کے مطالعہ سے انشاء اللہ الغریب بالکل کافور ہو جائے گا اس
 کا ضرور مطالعہ کریں۔ نیز علم الہی کو حادث ماننے کا خالص الزام نہ بہتان اور سقیہ جمعوت بھی راقم کی
 کتاب راہ ہدایت پر حصے سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بالکل رفع ہو جائیگا اور یہ صریح بہتان کا حصہ
 انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں تنقیصی اور توہین کلمات کہتا بدعت سیدہ ہے عبارات اکابر
 سے بخوبی رد ہو جاتا ہے۔ بعلاوہ کون مسلمان ہے کہ جو ان اکابر کی شان میں گستاخی کرتا ہو اور گستاخی کرنے
 کے بعد مسلمان بھی رہ سکتا ہو، خواہ خواہ کی بہتان تراشیوں کا اس دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے الغرض اہل
 دیوبند کا کارخانہ توحید و سنت پر چلتا ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ اس مبارک جماعت کا کوئی بھی عمل بدعت نہیں

ہے اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و مہربانی سے ہمارے اکابر اور لائق اساتذہ کرام نے کتاب وسنت کی روشنی
 میں ہیں وہ اصول پڑھائے ہیں جن کو رد کرنے کی استطاعت آپ کے اعلیٰ حضرت کو اور ان کے صف اول
 کے تلامذہ کو بھی حاصل نہیں چہ جائیکہ دوسروں کو رعیاں راجہ بیان۔ آپ کو کسی دیوبندی مکتبہ فکر کے
 ابتدائی مدرسہ میں داخلہ کر علم کی ابتدائی باتیں ضرور حاصل کرنا چاہئیں کب تک بے علمی کے دلائل
 میں پھنسے رہیں گے علم کا عشق شوق ہی پیدا کریں ع علم ہے پیدا سوال عشق ہے پنہاں جواب۔

قاضی ابراہیم الحنفی کی عبارت کے پیش نظر آپ لوگوں کا ہر عمل بدعت ثابت ہے اور آپ لوگوں کے
 تمام ایسے بدعتی معمولات روح اسلام اور منشا اسلام کے بالکل خلاف ہیں اور ان میں سے ہر ایک امر
 مایس منہ کا مصداق ہے اور یقیناً باطل و مردود ہے البتہ حق سے انکار اور پھراس پر لصر کا کوئی مدعا نہیں ہے
 مجھے مار ڈالو ابے انکار نے پھر نہ کہنا کہ کیا مجھ پر دعویٰ کسی کا

مؤلف مذکور کی ملنگانہ پڑ
 وہ یہ عنوان قائم کرتے ہیں بدعت حسنہ کا استنباط اور اس کے تحت

لکھتے ہیں۔ راہ سنت مطہرہ سرفراز صاحب لکھتے ہیں باقی غیر مجتہد کا اجتہاد خصوصاً اس زمانہ میں ہرگز
 کسی بدعت کو حسنہ قرار نہیں دیتا۔ الجواب مجتہد سے کیا مراد ہے مجتہد فی الشرع جس کا کام اصول کلیہ
 وضع کرنا ہے یا مطلقاً خواہ کسی درجہ کا مجتہد ہو اگر شوق اول مراد ہے کہ مجتہد فی الشرع کا غیر کوئی بھی کسی
 ضرورت کے پیش نظر کسی اصل سے کوئی امر مستنبط نہیں کر سکتا تو یہ بابت باطل ہے کیونکہ ہر نماز میں
 تثنوی کو متاخرین فقہاء نے مستحسن قرار دیا اور ان میں سے کوئی بھی مجتہد فی الشرع نہیں ہے نیز
 ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں جو نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں انہیں حل
 کرنے کے لئے اس زمانہ میں کونسا مجتہد ہے مثلاً لاؤڈ اسپیکر پر نماز، ریڈیو اور ٹیلیفون پر چاند لگا کر
 سسما اور ٹیلی ویژن وغیرہ کا جواز اور عدم جواز اور ایسے صدہا مسائل جن کے بارے میں صریح نصوص
 موجود نہیں ہیں بتلائیے آپ اور آپ کی جماعت کے جفا داری علماء انہیں حل کرتے ہیں یا نہیں؟
 اور ب کو چھوڑیے آپ کے قطب عالم نے جو کو کھانے کو کار ثواب اور مولیٰ دیوالی کی پوریوں کو جواز
 قرار دیا ہے اس پر کونسی صریح اور صریح نص موجود ہے اور بغیر کسی نص صریح کے جو آپ کے پیشوانے
 یہ اجتہاد کیا ہے اس کو کس کھاتے میں رکھئے گا۔ نیز آپ جو اپنے فاسد اجتہاد سے خدا رسول کے پیشمار
 حلال کر دے اور کون رات حرام کرتے ہیں وہ کونسی شرعی اجتہاد سے انجام دیتے ہیں۔ سرفراز صاحب

نے راہ سنت میں بدعت کی بخت میں دیوبندی نظریے کو جو سہارا دینے کی کوشش کی تھی بفضلہ تعالیٰ ہم نے اسے میوندین کر دیا ہے اور اگر سرفراز صاحب اس مردہ کو پھر اکھاڑنا چاہیں تو بصد شوق وہ انشاء اللہ ہمیں اپنے نقاب میں کرسیتہ پائیں گے (ذاتی بلفظ توضیح البیان ص ۱۲۷ و ۱۲۸)

الجواب۔ مؤلف مذکور کی ساری ہی کتاب بے علمی اور کم فہمی کا واضح ثبوت ہے مگر اس مقام پر جو باتیں انہوں نے لکھی ہیں وہ تو ان کی جہالت کا واضح ترین ثبوت ہے اولاً اس لئے کہ اجتہاد و قیاس کی حاجت اور ضرورت ان مسائل میں پیش آتی ہے جن کا محرک داعیہ اور سبب خیر القرون میں نہ پایا گیا ہو اور اب پیش آیا ہو اور ہندو عین جن بدعات پر مضر ہیں ان میں سے ہر ایک کا محرک اور داعیہ اس وقت بھی موجود تھا ایسے ہی اور میں اجتہاد کا کیا معنی راہ سنت ص ۹۲ و ۹۳ میں ہم نے فرقات ج ۱ ص ۱۴۱ اور اشعة اللمعات ج ۱ ص ۱۲ کی عبارات درج کی ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

اتباع اچھان کر در فعل واجب است و ترک
اتباع ہے جو جس نے کسی ایسے کام پر مواظبت کی جو
نیز می باید پس آنکہ مواظبت نماید بر فعل آنچہ
شارع نکرده باشد مبتدع بود۔ کذا قال المحققون
شارع نے نہیں کیا تو وہ بدعتی ہے اسی طرح محدثین
کرام نے فرمایا ہے۔

زمانہ سال میں جو جو کام اہل بدعت کرتے ہیں ان کا ترک سنت ہے کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خیر القرون نے باوجود ان کے اسباب کے یہ کام نہیں کئے افسوس کہ مؤلف مذکور ایسے صریح حوالے بھی پا کر پئی گئے ہیں اور ان کا نام تک نہیں لیا۔ وثانیاً مجتہد مطلق۔ یا مجتہد مستقل یا مجتہد فی المذہب تو فقہ حضرات قبویں تھے یہ درجہ ان کے بعد کسی کو حاصل نہیں ہاں مجتہد منتسب بعد کو ہوتے رہے اور بعض علماء اہل عمل کے نزدیک ایسا جزوی اور فی الجملہ اجتہاد قیامت تک ہے گا اور نئے نئے حوادث اور نوازل کو اپنے تفقہ سے ایسا مجتہد حل کرتا رہے گا ہم نے بقدر ضرورت مقام ابی حنیفہ میں اس کی بحث کر دی ہے لیکن یہ اجتہاد ایسے مسائل میں ہو گا جو نئے نئے پیدا ہوں اور ان کے اسباب و دواعی پہلے سے موجود نہ ہوں اور آپ کو خود اس کا اقرار ہے چنانچہ آپ کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ کہ موجودہ زمانہ میں جو نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں انہیں حل کرنے کے لئے اس زمانہ میں کونسا مجتہد ہے مثلاً لاؤڈ اسپیکر پر نماز یا ہم میں اس پر صا کرتے ہیں کہ ایسے مسائل کو حل کرنے کے لئے علماء کرام کو اپنے تفقہ اور اجتہاد سے کام لینا چاہیے اور یہاں تک کہ آپ حضرات جن

بدعات برائے ہوئے ہیں ان کا کونسا سبب اور داعیہ پیدایا ہے جو خیر القرون میں موجود تھا؟ اور دوسرے بدعات کے اس کو حل کیجئے وثانیاً ہم نے راہ سنت ص ۱۳۸ و ۱۳۹ میں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ثنویہ کی بدعت ہونا یا حوالہ درج کیا ہے اور علامہ غزالیؒ کا یہ حوالہ بھی درج کیا ہے کہ سلف صالحین نے جن بدعات کا انکار کیا ہے ان میں سے ایک ثنویہ بھی ہے (الاعتصام ج ۲ ص ۱۱۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے بلند پایہ صحابی اور حضرت علیؓ جیسے خلیفہ راشد کے ارشاد اور سلف صالحین کے فیصلہ کے مقابلہ میں بعض متأخرین کی غلطی کو کون تسلیم کرتا ہے؟ اور کون اس کو اجتہاد کی مدین رکھنا چاہتا ہے؟ اور کون اس کو مانا علیہ و اصحابی کے مقابلہ میں مستحسن ماننے کے لئے تیار ہے؟ اور معاف رکھنا سبب متأخرین فقہاء بھی ایسا نہیں کہتے بلکہ صرف بعض اور چند نفوس ایسا کہتے ہیں جو متأخرین فقہاء میں بھی آئے ہیں نمک کے برابر ہیں اور یہ ان کی صریح غلطی ہے اور جبہوران کی اس معاملہ میں پر زور زور دیکر کہتے ہیں لہذا اس خالص بدعت کو اجتہاد کی مدین رکھ کر ہرگز مغالطہ نہیں اور نہ کوئی مغالطہ میں آتا ہے اگر آپ نے کچھ لکھا تو انشاء اللہ تعالیٰ یار زندہ صحبت باقی و رابعا آپ نے ہمارے دلائل سے عاجز آکر اپنی فطرت کے مطابق عوام کو بھڑکانے کے لئے کوسے اور بولی دیوالی کی پوریوں کا سہارا لیا ہے یہ بھی آپ کو سو دمنہ نہیں اس لئے کہ کوسے کی اقسام اور اس کے مباح اور غیر مباح اور مکروہ اور غیر مکروہ ہونے کے بارے میں ائمہ دین اور فقہاء کرام کا قدیم و حدیثاً خاصا اختلاف ہے ہم نہایت اختصار کے ساتھ صرف دو حوالے حضرت فقہاء احناف کے عرض کرتے ہیں۔

(۱) امام محمد بن محمد بن حنفی الحنفی المتوفی ۲۴۱ھ اپنی مشہور اور مستند کتاب مبسوط میں کوسے کی اقسام اور ان کے احکام کے بارے میں بحث کرتے ہوئے یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ۔
فان كان الغراب يجثب بخلط في اكل الجيف
تارۃ والحب تارۃ وقد روى عن ابی يوسف
رحمہ اللہ تعالیٰ انه يكره لانه اجتمع فيه
الموجب للحل والموجب للحرمۃ وعن
ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ انه لا یأمن باكله
وهو الصحیح علی قیاس الدجاجة فانه لا یأمن
بها (مبسوط ج ۱ ص ۲۲۷)

الگو کہ وہ جو کبھی گندگی کھاتا ہے اور کبھی دانے تو حضرت ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ وہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں حلت اور حرمت کے دونوں موجب جمع ہو چکے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور یہی صحیح ہے مرغی پر قیاس کرتے ہوئے کیونکہ اس کے کھانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس عبارت میں حضرت امام ابوحنیفہ کی یہ روایت بتائی ہے اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ تو سے کاکھا نا درست ہے حضرت مولانا گنگوہی تو ہمارے ہی پیشوا ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت میں انہیں کی معیت نصیب فرمائے لیکن یہ تو فرمائیے کہ امام ابوحنیفہ کو تو آپ بھی اپنا پیشوا تسلیم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اس عبارت کو بار بار دیکھئے کہ امام سرخسی امام صاحب سے کیا روایت نقل کر گئے ہیں اور کس طرح اس کو صحیح قرار دے گئے ہیں اور اس کو بھی نظر انداز نہ کریں کیا تو سے کے بارے حکم ہمارے پیشوا ہی سے ثابت ہے یا حضرت امام ابوحنیفہ سے بھی کچھ ثبوت بتیا ہو گیا ہے وح جادو وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے

(۷) علامہ اکل الدین محدث برقی الحنفی المتوفی ۷۷۹ھ کو سے کی اقسام اور ان کا حکم بیان کرتے ہوئے آخر میں اسی کو سے کے بارے میں جو حفاظت اور دانے دونوں چیزیں کھاتا ہے لکھتے ہیں کہ۔

وهو غير مكروه عند ابي حنيفة ومكروه عند الامام ابوحنيفة کے نزدیک مکروہ نہیں ہے ہاں عند ابي يوسف مکروہ ہے۔

(دعنا یہ شرح ہدایہ ج ۸ ص ۲۷۷)

حضرات فقہاء کرام کی یہ اصطلاح ہے کہ لفظ عند مذہب پر دلالت کرتا ہے اور عن روایت پر دلالت کرتا ہے مقدار ثلثہ الرعاہ میں تصریح موجود ہے۔

فاذا قالوا هذا عند ابي حنيفة دل ذلك یعنی جب فقہاء کرام یہ فرماتے ہیں عند ابي حنيفة علی انه صدھد الہ (ص ۱۲)

اب امام اعظم کا مذہب یہ ثابت ہوا کہ جو کو حفاظت اور دانے وغیرہ دونوں چیزیں کھاتا ہے وہ مکروہ نہیں ہے اور بقول امام سرخسی یہی بات صحیح ہے جس طرح مرغی کہ حفاظت بھی کھاتی ہے اور دانے وغیرہ بھی مگر حلال ہے مگر افسوس ہے کہ مرغی کا مسئلہ تو اہل بدعت نے کبھی نہیں چھیڑا کیونکہ یہ ان کا لہذا لیکھنا ہے بلکہ اس سے بچنا سے لے کر بطن مبارک کی تواضع کرتے ہیں اور اگر کہیں جلسوں اور دعوتوں میں یہ جنس نہ ملے تو عین بچیں ہوتے ہیں اور طرح طرح کی بولیاں بولتے اور اشارات کرتے رہتے ہیں

اب کوئی کیا کرے علاج شکم مرغ نے بھی دیا جواب ہمیں فرمائیے کہ فقہ حنفی کی مستند ترین کتابوں کے حوالے سے حضرت امام ابوحنیفہ کے مذہب سے جو بقول امام سرخسی صحیح ہے اور کونسا صریح حوالہ آپ کو دے گا کہ ہے؟ الغرض ہمارے پیشوا کے سامنے فقہ کے یہی حوالے

تھے انہوں نے اپنی طرف سے قیاس و اجتہاد کچھ نہیں کیا آپ ذر اپنے مطالعہ کو وسعت دیں باقی رہا ہولی دیوالی کی پوریوں کا مسئلہ تو اگر مؤلف مذکور ہمارے پیشوا کے فتاویٰ سے پوری عبارت نقل کر دیتے تو کس کو شبہ پیدا ہوتا مگر ان لوگوں کا کام صرف عوام کے دلوں میں ہمارے خلاف جذبات پیدا کرنا اور عوام کو غماظ میں الجھانا ہے فتاویٰ کی اصل عبارت یہ ہے۔ مسئلہ ہندو ہوا رہولی یا دیوالی میں اپنے استاذ یا حاکم یا نوکر کو کھلیں یا پوری یا اور کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاذ و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟ الجواب درست ہے فقط (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۲۷۷ طبع جدید برقی پریس ہلی)

اس سوال میں اس کی تصریح موجود ہے یہ کھانا بطور تحفہ و ہدیہ ہے اس سوال میں مرکزی نکتہ لفظ تحفہ ہی ہے چونکہ ہر قوم اپنے خوشی کے ایام میں اچھا کھانا تیار کرتی ہے اس لئے اس دن تحفے تاحف کا بھی خیال رہتا ہے اور اس عبارت میں استاذ وغیرہ کا تذکرہ بھی موجود ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا مشرکوں اور کافروں سے ہدیہ اور تحفہ لینا ناجائز ہے؟ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۷ میں باب ہے۔ باب قبول الہدیہ من المشرکین پھر اس کے تحت اجمالاً چند احادیث کا تذکرہ ہے مثلاً ایک یہ کہ ایک جاہل اور کافر بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت باجرہ علیہا السلام بطور تحفہ و ہدیہ دی تھیں۔ اور ایک یہ کہ ایک کے بادشاہ اگید نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سفید چھوڑ دی تھی اور ایک یہ کہ غزوہ خیبر کے موقع پر پیوندنے سازش کر کے بکری کے گوشت میں زہر ڈال کر آپ کو دعوت دی اور آپ نے قبول کی اور اس کے بعد پھر بعض مفصل احادیث ہیں۔ اور بخاری ج ۲ ص ۲۳۳ کی روایت میں ہے کہ آپ نے اس دعوت سے کچھ کھا یا نہیں تھا غرضیکہ ہمارے پیشوانے اس میں اجتہاد نہیں کیا بلکہ قبول الہدیہ من المشرکین کے شرعی قواعد کے تحت یہ بات فرمائی ہے۔

یہ لکھئے اپنے اعلیٰ حضرت کا ایک حوالہ بھی سن لیجئے۔

مسئلہ ہندو کے یہاں کی شیرینی پر فاتحہ دینا جائز ہے یا نہیں اور اس کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں۔ الجواب اولیٰ یہ ہے کہ فاتحہ کے لئے شیرینی مسلمان کے یہاں کی ہو اور ہندو کے یہاں کا گوشت حرام ہے باقی کھانوں میں مضائقہ نہیں اگر کوئی وجہ شرعی مانع نہ ہو واللہ تعالیٰ اعلم دعوتان شریعت حصہ اول ص ۱۷ طبع مراد آبادی غور کیجئے کہ آپ کے پیشوانے بھی ہندوؤں کے ہاں سے بغیر گوشت کے باقی کھانوں کے دجن میں بڑی وغیرہ بھی داخل ہے ہوا ز کا فتویٰ دے دیا ہے باقی شرعی مانع اور کیا ہو سکتا ہے کیونکہ ہولی اور دیوالی

میں مسلمان شریک نہیں ہوا اور ان دنوں کی تعظیم اس کے دل میں ہے ہندو خود بطور متحد مسلمان کے گھر کو دیکھتا ہے اور غیر مسلم کا تحفہ اور ہدیہ قبول کرنا درست ہے ہاں اگر غیر مسلموں کے مخصوص ایام کی تعظیم مسلمان سے تشبیہ مسلمان کرے تو وہ دوسرا مسئلہ ہے اور اس بارہ میں حضرات فقہاء کرام کے سخت فتوے موجود ہیں لیکن فتاویٰ شیعہ کے سوال میں بطور تحفہ کے لفظ صراحتہ موجود ہیں غلط بحث عقلا کو زرب نہیں دیتی خلاصہ کے فتویٰ سے یہی ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک ہندوں کے یہاں سے آئی ہوئی شیعہ پر بھی فاتحہ دینا جائز ہے ہاں اولیٰ یہ ہے کہ مسلمان کے گھر سے آئی ہوئی شیعہ پر فاتحہ دی جائے اور لفظ اولیٰ اس کا واضح قرینہ ہے۔

ہم نے کسی مسئلہ میں کوئی اجتہاد نہیں کیا نہ تو ہم اجتہاد کے اہل ہیں اور نہ ہی مجاز ہیں اور ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے برحق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حلال کردہ امر کو حرام نہیں کیا اور نہ کہا ہے ہم نے صرف ان ہی امور کو بدعات و اختراعات اور حرام کہا ہے جن کو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امت مسلمہ کے مستند علماء اور فقہاء نے بدعات و اختراعات اور حرام فرمایا ہے اور ہمارا کسی ایک مسئلہ میں بھی آپ سمیت اپنی پوری جماعت کے ایسا اجتہاد نہیں ثابت کر سکتے ہم نے بفضلہ تعالیٰ ہر بات با دلیل اور باحوالہ کہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راہ سنت کے تمام جاندار ذہنی اور زندہ دلائل اور قطعی براہین اپنی جگہ پر میدان میں قائم ہیں آپ ان میں سے کسی ایک کا جواب نہیں دے سکے اور نہ یہ آپ کے اور آپ کی پوری جماعت کے بس کا روگ ہے نرسے چند صفحات سیاہ کر کے خوش ہو جانا اور ڈھینگے مارنا کہ جواب ہو گیا اور اپنی جماعت سے داؤتحمین حاصل کر لینا کوئی حیثیت نہیں رکھنا اسی طرح آپ کے مقرر اور صدق مقدمہ باز بزرگ کا آپ کی اس لایعنی کتاب کے بارے میں یہ لکھنا کہ تو اب یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں ہے کہ ایسی جامع مختلف الانواع کتاب آج تک منصفہ شہور پر جلوہ گر نہیں ہوئی (ص ۱۸) اور نیز یہ کہ بلکہ ہر دعویٰ کو براہین سے مبرہن کیا ہے (ص ۱۸) نرسے طفل تسلی سے اور ایسا لگتا ہے کہ ان بزرگ کو راہ سنت وغیرہ کتابیں اور ان میں درج شدہ ٹھوس حوالے اور دلائل دیکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی اور یا ان میں دلائل و براہین کے پرکھنے کا مادہ ہی نہیں ورنہ کسی عالم کو موازنہ اور محاکمہ کرنے کے بعد بشرط انصاف و دیانت ایسی غیر ذمہ دارانہ بات کہنے کی کبھی جرأت و جسارت نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے اگر آپ کے دلائل اور براہین کا معیار یہی ہے تو معاف رکھنا۔

یہی کچھ ہے تو براہین کو طوفان اور بھی ہونگے تمہاری خاک کے ذرے پریشان اور بھی ہونگے

لطیفہ تنقید متین ص ۷۷ میں کافر کے مال کے جائز ہونے کے بارے میں ہم نے البحر الرائق ص ۲۷۲ اور فتاویٰ مہربہ ص ۲۲۹ کا حوالہ بھی دیا تھا فتاویٰ مہربہ کے الفاظ یہ تھے کافر نے جو صنف مسجد میں بچھائی ہے اس پر نماز پڑھنی جائز و درست ہے کیونکہ کافر کا کل مال حلال ہے خواہ ربا و سود سے حاصل کیا ہو یا غیر ربا مثل تجارت وغیرہ سے پیدا کیا ہو انتہی مگر مؤلف مذکور شیر مادر سمجھ کر ان حوالوں کو پٹی گئے ہیں اور ان کا ذکر تک بھی نہیں کیا تاکہ ان کے غلط مسئلہ کی قلعی رکھل چلنے تو اسفا سے وہ حالی ندر ہے ان کا کہ گاہ بھول سے بھی کسی کے سامنے یہ ماجرا بیان نہ ہوا

قارئین کرام! آپ بخوبی ملاحظہ کر چکے ہیں کہ ہم نے مؤلف مذکور کی طرح دہوکہ دہی کی کاروائی نہیں کی کہ انہوں نے تنقید متین کی تردید میں یہ قیصرہ اختیار کیا ہے کہ ایک آدھ حوالے لیا اور اس کا بزعم خویش رد کر کے باقی صریح اور محکم حوالوں سے کہو تو ترکی طرح آنکھیں بند کر کے آگے نکل گئے ہیں کیونکہ عوام الناس نہ تو اصل حقیقت سے باخبر ہوتے ہیں اور نہ انہوں نے اصل کتاب دیکھی ہوتی ہے وہ تو ایک آدھ چھٹی سن کر خوش ہو جائیں گے کہ واہ واہ ہماری جماعت کے محقق نے کمال ہی کر دیا ہے کیسا جواب دیا اور وہاں بیوں کو کسی کسی نے لفظ سنائی ہیں؟ بھلا اللہ تعالیٰ ہم نے یا تو مؤلف مذکور کی اصل عبارت پوری نقل کی ہے یا اس کا ایسا خلاصہ عرض کیا ہے جس میں ان کی گرفت کا کوئی پہلو نہ چھوٹا ہو اور پھر اس کا رد کیا ہے تاکہ پڑھنے والے بخوبی سیکھ سکیں کہ طرفین کی باتیں ملاحظہ کر لیں کہ انہوں نے کیا کہا اور انہوں نے کیا کہا؟ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو حق سمجھنے کی اور پھر اس پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین ثم آمین۔

وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَآصْحَابِهِ وَأَذْوَابِهِ وَأَتْبَاعِهِ الرِّبِّيُّ يَوْمَ الْقِيَامِ
 أَحَقُّكَ ابُو الزَّاهِدِ مُحَمَّدٌ بْنُ مُحَمَّدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَصَدْرُكَ مَدْرَسَةُ نَهْضَةِ الْعُلُومِ كَوْنِ ابْنِ الْوَالِدِ
 ۱۸ شوال ۱۴۰۱ھ ۱۹ اگست ۱۹۸۱ء

۱
اِمْتَامُ الْبُرْهَانِ

فِي رَدِّ
تَوْضِيحِ الْبُكْيَانِ

حصه سوم

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سر فر از خان صاحب مدظلہ العالی

مکتبہ صفدریہ نورد مدرسہ نصرۃ العلوم

گوجرانوالہ

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ سوم

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۹	ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو کیوں سجدہ نہیں کیا؟	۱۴	۱	نور و بشر	۱
۱۰	آپ کے صدر الافاضل پر ہماری تنقید بدستور باقی ہے	۱۵	۱	حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بشر کہنا کفار کا دستور ہے (مراد آبادی)	۲
۱۱	ناقابل تر وید حوالے	۱۶	۱	اس پر علمی تنقید کا اشارہ	۳
۱۱	ان پر لایعنی تنقید	۱۷	۱	انبیاء و علیہم السلام جنس بشر اور نوع انسان میں سے ہیں (توضیح البیان)	۴
۱۲	الجواب	۱۸	۱	الجواب	۵
۱۳	لا یعنی مطالبہ اور اس کا جواب	۱۹	۲	اس حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے ماننے والے بھی موجود ہیں	۶
۱۴	لطیفہ ظریفہ	۲۰	۲	رسالہ حنفی کا حوالہ	۷
۱۵	تقویۃ الایمان کی عبارت پر گرفت	۲۱	۲	دیوان محمد سی کے حوالے	۸
۱۵	الجواب	۲۲	۳	آپ ذات کے لحاظ سے بشر اور صفت کے لحاظ سے نور ہیں۔	۹
۱۵	آخری تیر	۲۳	۴	کلمات کے لحاظ سے آپ کی مخلوق میں کوئی مثل نہیں۔	۱۰
۱۵	مزید لنگوہی کے شعر پر اعتراض	۲۴	۴	براہین قاطعہ کا حوالہ	۱۱
۱۶	الجواب	۲۵	۴	کفار آپ کو کس معنی میں اپنے جیسا بشر کہتے تھے بشر محضہ اور بشریت	۱۲
۱۶	توجید الضمیر کا قصہ	۲۶	۴	بعض ان نبوت میں فرق ہے	۱۳
۱۶	الجواب	۲۷	۸		
۱۷	تفسیر ابوالسعود کا حوالہ	۲۸			
۱۸	تفسیر کبیر کا حوالہ اور اسکی تشریح	۲۹			
۱۹	حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۰			
۲۱	آپ کے نور ہونے کے متعدد حوالے	۳۱			
	الجواب	۳۲			

فہرست مضامین تمام البرہان حصہ سوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۳	اولیت اضافی کا جواب	۲۳	۵۲	الجواب	۲۳
۳۴	تعدد حوالے	۲۴	۵۳	آپ کے نور سے سوئی ملنے کی روایت	۲۴
۳۵	الجواب	۲۸	۵۴	جعلی ہے۔	۲۸
۳۶	مواہب لدنیہ اور زرقانی کا حوالہ	۲۳	۵۵	الاتحاد المرفوعہ	۲۳
۳۷	اسناد دین کا حصہ ہے (مسلم کا حوالہ)	۲۵	۵۵	سیرت النبی	۲۵
۳۸	امام عبدالرزاق بن ہمام شیبہ فقہ	۳۵	۵۶	بخاری و مسلم کی روایت	۲۵
	(دراہن خلدون)		۵۷	امام نووی سے اس کی تشریح	۲۷
۳۹	نور محمدی اور روح محمدی ایک چیز ہے	۲۶	۵۸	عمدة القاری کا حوالہ	۲۸
۴۰	واسطہ فی العروض کی بحث	۲۷	۵۹	اول المخلوقات کے بارے	۲۸
۴۱	مولانا نانوتوی کی متعدد عبارات	۲۷	۶۰	مرقات کا حوالہ	۲۸
۴۲	حضرت شیخ عبدالحق صفا کی عبارت	۴۰	۶۰	موضوعات کبیرہ کا حوالہ	۵۰
۴۳	دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ	۴۱	۶۱	بیان القرآن اور حاشیہ کا حوالہ	۵۱
	والسلام کی نبوت کا انکار معاذ اللہ	۴۱	۶۲	نفی نخل	۵۲
۴۴	اس کا جواب	۴۱	۶۳	ابن الجوزی اور ملا علی قاری کا حوالہ	۵۲
۴۵	حضرت تھانوی اور حدیث نور	۴۳	۶۴	علامہ مناوی اور جسوس کا حوالہ	۵۳
۴۶	جواب	۴۳	۶۵	الجواب	۵۴
۴۷	تفسیر عزیزی کا حوالہ	۴۴	۶۶	مجمع الزوائد کا حوالہ	۵۴
۴۸	آپ کی بشریت پر بشر الطیب کا حوالہ	۴۵	۶۷	مجمع الزوائد کی روایت	۵۵
۴۹	نورائیت محمدی کی تابناک شعاعیں	۴۵	۶۸	وقت کے اشتراک اور عدم اشتراک	۵۵
۵۰	جمع الوسائل کا حوالہ	۴۵	۶۹	کے بارے حضرات ائمہ رو کا	۵۶
۵۱	انفاس العارفين کا حوالہ	۴۵	۷۰	اختلاف	۵۶

فہرست مضامین تمام البرہان حصہ سوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۹	سایہ ہونے کی روایت کاراوی	۵۷	۸۴	سند احمد اور مجمع الزوائد کی حدیث	۷۴
۵۰	آپ کی جوتیاں نجاست پر پڑتی تھیں	۵۸	۸۵	بادل کا سایہ	۷۵
۵۱	ابو داؤد دارمی - حوارہ الظمان	۵۸	۸۶	انفاس العارفين کا حوالہ - الجواب	۷۶
۵۲	اور مستدرک وغیرہ	۵۸	۸۷	آپ پر بادل کے سایہ کی صحیح روایت	۷۶
۵۳	حضرت ذکوان کی روایت کا جواب	۵۹	۸۸	بخاری شریف سے۔	۷۷
۵۴	الجواب	۶۲	۸۹	آپ پر درخت اور چہارہ وغیرہ سے	۷۷
۵۵	فتاویٰ شیبہ اور ملوہ السلوک کا حوالہ	۶۶	۹۰	سایہ کا ثبوت (بخاری)	۷۷
۵۶	بزرگوں کے اقوال کے بارے مولف	۶۸	۹۱	بادل اور مشتوں کے سایہ کی روایات	۷۸
۵۷	مذکورہ کا جواب	۶۸	۹۲	مستدرک اور تیسرا ہاشم کی روایت	۷۸
۵۸	مسئلہ سایہ اور شیبہ	۶۹	۹۳	مگر یہ جعلی ہے (علامہ ذہبی)	۷۸
۵۹	الجواب	۷۰	۹۴	قسطوانی اور زرقانی کا حوالہ	۷۸
۶۰	جن روایات سے سایہ ثابت ہوتا ہے	۷۱	۹۵	طبقات ابن سعد کا حوالہ	۷۹
۶۱	الجواب	۷۱	۹۶	اس کی سند میں واقعی ہے جو کذاب تھا	۷۹
۶۲	نفی الفنی - الجامع الصغیر اور السراج	۸۰	۹۷	تہذیب التہذیب کا حوالہ	۷۹
۶۳	النیر کا حوالہ	۷۲	۹۸	دلائل النبوة العصبانی کا حوالہ	۷۹
۶۴	مسلم کی حدیث - امام ترمذی کا بیان	۷۳	۹۹	اس کی سند میں بھی واقعی ہے	۷۹
۶۵	سایہ کی دوسری حدیث	۷۴	۱۰۰	مواہب لدنیہ - خصائص الکبریٰ	۸۰
۶۶	اس پر گرفت - الجواب	۷۴	۱۰۰	اور زرقانی کا حوالہ	۸۰
				اس کی سند میں بھی واقعی ہے	۸۰
				میر النبی کا حوالہ - روایات کا تقابل	۸۰

یہاں اختصار کے پیش نظر اجمالی کام کیا گیا ہے اور جس جگہ اس موضوع پر بحث ہے وہاں تفصیل کو پیش کر دیا ہے اور اس عبارت میں بھی بشرکتہ و اہل سے وہ لوگ مراد ہیں جو انبیاء و کرام کو اپنی مثل بشرکتہ ہیں تیسری جگہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ اس امت میں بہت سے بد نصیب سیدالانبیاء کو بشرکتہ ہیں اور تیسری کا خیال فاسد رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں گمراہی سے بچائے اس سے بھی معلوم ہوا کہ صدر الافاضل نفس بشر کی تحقیق کو جائز رکھتے ہیں البتہ ہم مثالی کے عقیدہ کو فاسد قرار دیتے ہیں اصل تفسیر میں جو مراد آباد کے قدیم مطبوعہ نسخہ میں موجود ہے یوں ہی فقہا جب تاج کینی میں یہ شائع ہوا تو بعض بددیانت سرفرازوں نے اس میں اس طرح تحریف کر دی اس امت میں بھی بہت سے بد نصیب سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرتے ہیں اور قرآن و حدیث کے منکر ہیں تاج کینی کا معذرت نامہ بھی چھپ چکا ہے بہر حال صدر الافاضل کا مقصد یہ ہے جو نص ناطق ہے کہ بد نصیب اور گمراہی بشرکتہ اور تیسری کا خیال فاسد رکھنا ہے لیکن سرفراز صاحب ہم مثالی کے خیال کو شیراز سمجھ کر مضموم کر گئے ہیں حالانکہ مرکزی نقطہ ہی ہے (محصلاً توضیح البیان ص ۱۲۱ تا ۱۲۲)

الجواب۔ اس تمام مضمون سے ذیل کے امور وضاحت سے ثابت ہو گئے ہیں جن میں کوئی شک نہیں ہے (۱) مولف مذکور اور بقول ان کے ان کی جماعت حضرات انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جس بشر اور نوع بشر سے تسلیم کرتی ہے اور اس کا ان میں کوئی منکر نہیں ہے۔ بلاشک اکثر بریلوی صاحبان جمہ حضرات انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو جس اور نوع کے لحاظ سے بشر۔ آدمی اور انسان ہی تسلیم کرتے ہیں لیکن ان میں سے بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے ذاتی نور سے مخلوق مانتے ہیں (معاذ اللہ) چنانچہ بریلوی حضرات کے ماہنامہ رسالہ حنفی لاہور بابت ماہ اپریل ۱۹۵۶ء کے ابتدائی نمائش پر مختصر عقائد اہل سنت والجماعت کے عنوان سے چند عقائد درج ہیں بعض یہ ہیں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے ذاتی نور پاک سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور انور کو پیدا کیا پھر اس نور سے تمام کائنات کا ظہور فرمایا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جابرہ بشریت میں اللہ تعالیٰ کے بے مثل نور ہیں۔ وہ آپ دافع البلاء والوباء والنقط والمرض والام ہیں مع حضور سیدالانبیاء وحبیب کبریاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعلطائے الہی عالم الغیب میں اور عالم ماکان و مایکون اور ہر انصاف اور عقل مند آدمی جس کو عبارت سمجھنے کا ادنیٰ سلیقہ بھی حاصل ہے وہ اس عبارت میں اللہ و اللہ سے یہی سمجھے گا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اللہ تعالیٰ کے ذاتی اور بے مثل

نور سے جدا ہوا ہے اور آپ کے نور کا مادہ (معاذ اللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ کا ذاتی اور بے مثل نور ہے اور بقول ان کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعلطائے الہی عالم الغیب بھی ہیں اور ان باطل عقائد کو انہوں نے اہل سنت و جماعت (یعنی بریلویوں) کے عقائد قرار دیا ہے جن جن لوگوں کے لاطخوں میں یہ رسالہ پہنچا ہو گا خدا معلوم ان میں سے کتنے لوگوں نے زعم خویش اہل سنت و جماعت کا مسلک سمجھ کر اس پر یہ عقیدہ اپنایا اور اختیار کیا ہو گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ذاتی اور بے مثل نور سے پیدا ہوئے علاوہ ازیں بریلویوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا بنا لے بغیر صین نہیں پاتے سر و دست ہم ان کے مشہور و معروف بزرگ خواجہ محمد یار صاحب (متوفی ۱۳۶۷ھ) کے دیوان محمدی کے چند اشعار نقل کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں۔

خدا کہتے ہیں جس کو مصطفیٰ معلوم ہوتا ہے جسے کہتے ہیں بندہ خود خدا معلوم ہوتا ہے
 (دیوان محمدی ص ۱۰۱)

مہ مصطفیٰ محشر میں طہ بن کے نکلیں گے اشکار مہم کا پردہ ہویدان کے نکلیں گے
 حقیقت جن کی شکل تھی تماشا بن کے نکلیں گے جسے کہتے ہیں بندہ قل ہوا اللہ بن کے نکلیں گے
 بجاتے تھے جوانی عبودہ کی بنسری بروم خدا کے عرش پرانی انا اللہ بن کے نکلیں گے
 (دیوان محمدی ص ۱۰۳)

احمد احمد میں فرق نہیں اے محمد ا عشاق یار رکھتے ہیں ایمان نئے نئے
 (دیوان محمدی ص ۱۰۷)

ن گر تمہارے محمد کو خدا مان لیا پھر تو سمجھو کہ مسلمان ہے دغا باز نہیں
 (دیوان محمدی ص ۱۰۸)

مہ محمد وہی صورت ہے صورت خدا دی میرے دل توں نقشہ شا کوئی نہیں سگدا (ص ۱۱۲)

مہ احمد نال احمد ر لایوں نہ ڈر یکھاں حبیب خدا کون خدا کیوں نہ ڈر یکھاں (ص ۱۱۳)

مہ محمد محمد یکیندی گذر گئی احمد نال احمد یکیندی گذر گئی
 میں اپنی حیاتی توں قربان تھیواں خدا کون محمد سئیندی گذر گئی (ص ۱۱۵)

مہ احمد احمد کوں ڈوں نہ کر من گھن چراؤ پھوں نہ کر (ص ۱۱۶)

غور فرمایا قارئین کرام نے کہ اس خالی نامزد عاشق نے کس طرح اعداد اور احمد کو ایک کر دکھایا ہے۔ اور معاذ اللہ تعالیٰ کس طرح خالق و مخلوق کو گڈنڈ کر دیا ہے علماء اور سمجھدار لوگ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور کہتے ہیں یا نور من نور اللہ سے تعبیر کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد یہی ہوتی اور ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور ہدایت بنا کر بھیجا اور آپ کا بایں معنی نور ہونا اللہ تعالیٰ کے نور کا فیض ہے لیکن عوام کا لانا معنی تو کیا بعض خالی خواص بھی اس شاعر مذکور کی طرح خدا اور رسول کو (معاذ اللہ تعالیٰ) گڈنڈ کر دیتے ہیں اور وہ جب آپ کو نور کہتے ہیں تو وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے نور کا ایک حصہ بنا کر اور نور من نور اللہ نور زور سے کہہ کر عوام کو یہ باور کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کا نور ہیں اور اس کے نور سے کشیدہ ہیں اور احمد و احمدی کوئی فرق نہیں ہے ایسے ہی خالی لوگوں کی تردید کے لئے اہل حق کو نور و بشری بحث اور اس کی باحوالہ تفصیل ذکر کرنا پڑتی ہے تاکہ عوام گمراہ نہ ہو جائیں (۲) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشریت اور نورانیت دونوں کے علی وجہ اکمال جامع ہیں اور اس اجتماع میں کوئی منافات نہیں کتاب و سنت سے آپ کی نورانیت بھی ثابت ہے انہذا محصلہ مؤلف مذکور کی یہ بات بھی درست اور صحیح ہے کسی مسلمان کو اس میں تردد نہیں ہو سکتا ہم نے اپنی کتاب تنقید تین ص ۱۱۱ میں یہ تصریح کی ہے کہ ہمارا ایمان اور تحقیق یہ ہے کہ امام الرسل خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر بھی ہیں اور نور بھی جنس اور ذات کے لحاظ سے تو آپ بشر ہیں اور صفت و ہدایت کے اعتبار سے آپ نور ہیں آپ کی بدولت دنیا نے ظلمت کو روشنی نصیب ہوئی الی قولہ کوئی مسلمان اس حقیقت کا منکر نہیں ہے ہاں اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بایں معنی نور سمجھا اور کہا جائے کہ معاذ اللہ تعالیٰ آپ کی بشریت۔ آدمیت اور انسانیت ہی کا سر سے انکار کر دیا جائے تو نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہم اس کے قطعاً منکر ہیں الہ۔

ہمارے اس واضح بیان کے ہوتے ہوئے مؤلف مذکور کا ص ۱۱۱ میں نبی علیہ السلام کی نورانیت کا عنوان قائم کر کے قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ الْآیۃ پیش کرنا اور پھر ص ۱۲۲ اور ص ۱۲۳ میں حضرت امام رازی اور حضرت ملا علی القاری اور علامہ آلوسی سے یہ نقل کرنا کہ نور سے آپ کی ذات بھی مراد ہو سکتی ہے بلکہ بقول علامہ آلوسی آپ نور الانوار ہیں اور ص ۱۲۱ میں اس تفسیر کو قوائد اور زجاج سے نقل کرنا اور اس کو ان کا مختار قرار دینا اور ص ۱۲۵ میں تفسیر جلالین اور صاوی اور ابو سعید سے یہ نقل کرنا کہ نور سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کی ذات مراد ہے اور اسی طرح ص ۱۲۸ میں تفسیر میضابوی۔ خازن اور نسفی سے اور ص ۱۲۹ میں صرح البیان کے حوالے سے یہ نقل کرنا کہ نور سے مراد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور ص ۱۳۰ میں امداد السلوک ص ۸۶ کے حوالے سے اور مولانا نقانوی کے رسالہ انوار ص ۳ کے حوالے سے اور مولانا عثمانی کے تفسیر کے حوالے سے یہ نقل کرنا کہ شاید نور سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب میں سے قرآن کریم مراد ہے اور پھر ص ۱۳۱ میں رسالہ التوسل ص ۵۳ سے اور قاضی عیاض کی شفا ص ۱۱ سے اور ص ۱۳۵ میں حضرت ملا علی القاری کی شرح شفا ج ۱ ص ۱۱ سے اور پھر تفسیر خازن سے اور ص ۱۵۵ میں تفسیر کبیر کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نور اور سراج منیر ہونے کے حوالے نقل کرنا اور عوام کو یہ باور کرنا کہ معاذ اللہ تعالیٰ گویا ہم اس کے منکر ہیں قطعاً غلط ہے یہ حوالے سب برحق ہیں اور ان میں کوئی ایک حوالہ بھی ہمارے خلاف نہیں ہے بلکہ سب ہمارے مؤید ہیں۔ مؤلف مذکور نے اپنے ناخواندہ حواریوں پر محض اپنا علمی رعب ڈالنے کے لئے یہ غیر متعلق حوالے نقل کر کے کتاب کا حجم خواہ مخواہ بڑھایا ہے اس کا کون سا مان منکر ہے؟ ہم نے خود قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ الْآیۃ کی تفسیر نقل کرنے کے بعد کہ ان دلائل اور قرآن کے تحت نور سے قرآن کریم مراد ہے اور عطف تفسیری ہے مگر دوسری تفسیر کو بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ تنقید تین ص ۱۲۲ میں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر مفسرین کرام نے نور و کتاب تین میں نور سے قرآن مراد لی ہے ہاں بعض نے نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ہستی بھی مراد لی ہے لیکن وہی مفسرین کرام اپنی تفسیروں میں دوسرے مقامات پر آپ کی بشریت اور انسانیت کا کھلے لفظوں اقرار کرتے ہیں تو اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ بشر آدمی اور انسان ہوتے ہوئے نور تھے جیسا کہ ہم نے ابتداء میں عرض کیا ہے الہ قارئین کرام! ہمارے طرف سے اتنی اور ایسی واضح تصریح کے بعد مؤلف مذکور کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور ہونے کے حوالے پیش کرنے سے ان کو فائدہ کیا ہے اور ہمیں نقصان کیا ہے؟ اکثر مفسرین کرام نے اس مقام پر نور سے قرآن کریم ہی مراد لی ہے اگر اس بارے میں مؤلف مذکور کو شبہ ہو تو کتب تفسیر بھی موجود ہیں اور انشاء اللہ العزیز قلم بھی موجود ہے اور یہ اکثر اور بیشتر مفسرین کرام اہل سنت والجماعت ہی سے متعلق ہیں گو اصول عربیت کے تحت اس تفسیر میں ان کے ساتھ بعض معتزلہ بھی شریک ہیں لہذا مؤلف مذکور کا ص ۱۵۵ میں یہ عنوان قائم کر کے کہ قد جاءکم من اللہ نور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کی نفی کرنے والے کون تھے؟ آنگے وح العالی

کایہ حوالہ نقل کرنا کہ ابوعلی الجبائی اور علامہ زرخشیری نے اس مقام میں نور سے کتاب ہی مراد لی ہے اور پھر ص ۱۵۶ میں یہ لکھنا کہ صاحب کشف اپنے آپ کو ابوالمعتز کہتے تھے اور ابوعلی جبائی بصرہ کے معتز میں سے تھے اور آخر میں مؤلف مذکور نے یہ یوقیانہ بولی بول کر دل کی بھڑاس بول نکالی ہے کہ پس اب غور فرمائیے کہ بولوی سرفراز صاحب گنگوڑی نے نورینت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے کن لوگوں کے برابر میں اپنے عقیدہ کو شامل کر لیا ہے بلفظ - لاجول ولا قوۃ الا باللہ تعالیٰ داد و دہیے مؤلف مذکور کی اس سو قیانہ بولی کی اور سفید جھوٹ اور خالص افتراء کی سرفراز نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نورینت کا کب انکار کیا ہے؟ تنقید متین میں تو آپ کے نور ہونے کا صاف اقرار موجود ہے جیسا کہ حوالے اوپر گذر چکے ہیں مؤلف مذکور کے بارے اس سے زیادہ ہم اس جہان میں کیا کہہ سکتے ہیں کہ لعنتہ اللہ علیہم انکا ذمہ اپنے سہرا میں شریک اور بتقدارہ نظر یہ کی حفاظت اور حمایت میں اس قدر جبل اور تلبیس؟ تو یہ تو یہ - مؤلف مذکور کا فریضہ تھا کہ ہمارے تمام حوالے بقیہ حروف نقل کرنے یا ان کا باحوالہ خلاصہ لکھتے پھر ان کی تردید کرتے تاکہ عوام کے سامنے دونوں کے دلائل پیش نظر آسکتے مگر ایسا کرنا مؤلف اور ان کے استادوں کے مزاج کے بالکل خلاف ہے وہ تو اوصو سے حوالے ہی نقل کر کے عوام کو اہل حق سے بظن کرنے کے فکر میں رہتے ہیں مگر اس سے کیا حاصل ہوتا ہے حق حق ہے اور باطل باطل ہے۔

آدمی فرض آشنا ہی نہیں آدمی حق طلب بھی ہوتا ہے

(۲۳) کمالات کے اعتبار سے آپ کی بشریت میں کوئی آپ کا مثل نہیں الخ یہ بات بھی محل نزاع سے بالکل خارج ہے کسی مسلمان کو اس میں رتی بھر شک و شبہ نہیں اور نہ ہو سکتا ہے اور خود مؤلف مذکور نے ص ۱۳۶ میں برابریں قاطعہ کا یہ حوالہ نقل کیا ہے - پس کوئی ادنیٰ مسلمان بھی فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقدر و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا البتہ نفس بشریت میں مماثل آپ کے جلد بنی آدم میں بلفظ برابریں قاطعہ کے اصل الفاظ یہ ہیں - پس کوئی ادنیٰ مسلم بھی فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقرب و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا البتہ نفس بشریت میں مماثل آپ کے جلد بنی آدم میں کہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اور بعد اس کے یوحٰی الٰہی کی قید سے پھر وہی شرف تقرب کو بعد اثبات ممانکت بشریت کے ثابت فرمایا الخ بحمد اللہ تعالیٰ ہمارا اور ہمارے اکابر کا یہی عقیدہ ہے جو اس عبارت میں بیان ہوا ہے اس کی موجودگی میں ہم پر یہ الزام و بہتان باندھنا کہ معاذ اللہ تعالیٰ ہم

کمالات کے لحاظ سے آپ کی بشریت میں آپ کا کسی کو مثل کہتے یا مانتے ہیں خالص جھوٹ اور محض کذب ہے (۲۴) کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی مثل بشر کے اپنے اس سے کیا مراد ہے اگر مراد یہ ہے جنس اور نوع کے لحاظ سے کسی کو جائز نہیں تو یہ نظر یہ نص قطعی قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے ملر خلاف ہونے کے ساتھ مؤلف مذکور کے (اور ان کی اکثر جماعت کے خیال نظر یہ کے بھی خلاف ہے خود مؤلف مذکور نے لکھا ہے کہ علماء اہل سنت نے انبیاء علیہم السلام کے جنس بشر اور نوع انسان سے تبعوث ہونے کا کب انکار کیا ہے الخ (ص ۱۳۶) اور نیز اپنے صدر الافاضل کی عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں بشریت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں متحقق ہے (ص ۱۳۶) اور اگر مراد یہ ہے کہ تقرب اور شرف کمالات کے اعتبار سے کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل بشر کے تو بجا ہے اور گذر چکا ہے کہ اس میں کسی ادنیٰ مسلمان کو بھی ذرہ بھر شک نہیں ہے اور نہ کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہے۔

(۲۵) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنی مثل بشر کہنا ہمیشہ سے کفار کا طریقہ ہے الخ اس سے کیا مراد ہے اگر مراد یہ ہے کہ کفار حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جنس بشر اور نوع انسان میں سے ہونے میں اپنے جیسا مانتے تھے تو معاف رکھنا پھر تو یہ آپ کا اور بقول آپ کے علماء اہل سنت کا مذہب بھی ہے اس لحاظ سے جو طریقہ کفار کا تھا سو وہ آپ کا بھی ہے دونوں میں فرق کیا رہا؟ جس کے لئے وہاں پر دعائی دی جا رہی ہے۔ اور اگر مراد یہ ہو کہ کفار اور مشرکین حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وصف نبوت اور رسالت سے خالی مان کر اور ان کے خدا و کمالات اور فضائل سے انہیں معاذ اللہ تعالیٰ متبرک تسلیم کر کے اپنے جیسا بشر کہتے تھے اور حقیقت بھی یہی ہے جیسا کہ نصوص قطعیہ اور دلائل واضح سے ثابت ہے تو اس میں کون مسلمان کفار کے ساتھ شریک ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نبوت و رسالت اور کمالات و فضائل سے الگ کر کے ان کو اپنے جیسا بشر کہتا ہو؟ الغرض کفار جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہتے تھے تو وہ ان کی نبوت اور رسالت کا انکار کر کے ایسا کہتے تھے جس کے ثبوت پر قطعی دلائل موجود ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

عَلَيْهِ الدِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا الْاٰتِيْنَ (چک - القمر - ۲) کیا ہم سب میں سے اس پر نہ کرنا لایا

یہاں ذکر سے مراد وحی ہے جیسا کہ اسی ترجمہ کی تشریح میں آپ کے صدر الافاضل لکھتے ہیں وحی نازل کی گئی (ص ۶۶) یہ تو حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کا بیان ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے کفار نے کہا اَنْزَلَ عَلَيْنَا السَّكْرَ مِنْ بَيْنِنَا الْآيَةَ (ص ۶۷)۔ کیا ان پر قرآن اتارا گیا ہم میں سے۔ چونکہ وحی نبی پر اترتی رہی ہے اس لئے اس مضمون میں کفار نے ان پر نزول وحی کا انکار کیا ہے اور وحی و رسالت کا انکار کر کے ان کو اپنے جیسا بشر کہنا یہ کفار کا دستور تھا اور ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نفس بشریت اور نوع انسانیت میں سے ہونے کا اقرار یہ کفار کا دستور نہیں اس کے تو خود مؤلف مذکور بھی قائل ہیں کہ اگر بعد ان کا ص ۱۳۲ و ۱۳۵ میں قرآن کریم کی سورہ ہو دو سورہ مؤمنوں اور سورہ نیس وغیرہ سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کفار کے یقولے نقل کرنا (آدشراً مثلنا۔ لا بشر مثلكم۔ بشر مثلكم۔ لبشرین مثلنا وغیرہ بالکل غیر متعلق بات ہے کیونکہ کفار نے جن معنی میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہا وہ ان کو نبوت اور رسالت سے الگ کر کے کہا اور مسلمان جب ان کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جنس بشر اور نوع انسان ہونے میں بے تمیز ہمارے جیسے بشر ہیں یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم سے ان کو نبوت و رسالت اور کمالات علمیہ و عملیہ سے نوازتا ہے اور ان کمالات میں ان کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہوتا اور دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے

فخر انسانیت خاتم المرسلین جن کا ہم سر زمانے میں کوئی نہیں

خود مؤلف مذکور نے ص ۱۳۶ میں یہ عنوان قائم کیا ہے۔ بشریت محضہ اور بشریت بحیثیت نبوت کا فرق اور اس کے تحت انہوں نے طویل کلام میں یہ بھی لکھا ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت اور برتری کا سبب محض بشریت نہ تھی بلکہ وہ ان کی جہالت علمی اور خلافت و نبوت تھی جس نے فرشتوں کی گردنوں کو سجدہ ریز کر دیا الی قولہ اے ایلیس کی نظر بشریت پر پڑی اور اس نے سجدہ سے انکار کر دیا قال لیس لاسجد لبشر الا آتت من عند ربی (ص ۱۳۷) اور ص ۱۳۸ میں تفسیر کبیرہ ص ۲ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ فرشتوں کو آدم کے سجدہ کا اس لئے حکم دیا گیا تھا کہ نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آدم کی پیشانی میں تھا۔ جس کی نظر نبی کے نور پر تھی وہ سجدہ میں گر گئے۔

اور قرب خداوندی حاصل کر میں اور جس کی نظر نبی کی بشریت پر تھی وہ کبہ کر کے لعنت کا طوق پہن گیا (محصلا)۔ مگر مؤلف مذکور کی بحث لا حاصل ہے اولاً اس لئے کہ بشریت کا مقام علی الاطلاق تمام مخلوق سے بلند ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ الْآيَةَ اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم و عقل اور معتدل قامت اور اس کے علاوہ اور بہت سی فضیلتیں دی ہیں نیز بشریت محضہ اور بشریت بعنوان نبوت و خلافت میں فرق موجود ہے اور اس کا کوئی بھی منکر نہیں ابھی ہم یہ بات عرض کر چکے ہیں۔ وثالثاً اس لئے کہ مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ اے ایلیس عین کی نگاہ صرف بشریت پر پڑی قرآن کریم کی تعلیم سے بے خبری کا نتیجہ ہے کیونکہ قرآن کریم کی نصوص قطعہ سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اے ایلیس عین کی موجودگی میں حکم دیا تھا (اور اذ اصررتك کے الفاظ اس کی صاف دلیل ہے) اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيفَةً لَكَ بے شک میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں یہ ان کی جہالت علمی اور خلافت کی واضح دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ کا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اَسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ سَمَ امْرَاةً لَا تُقْرَبَا الْآيَةَ سے نہی کرنا ان کے نبی ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس وقت کوئی اور نبی نہ تھا (شرح عقائد) اور دوسرے مقام پر ہے کہ جب میں اس کو درست کر چکوں تو تم اس کو سجدہ کرنا فرشتے تو سب سجدہ ریز ہو گئے مگر اے ایلیس عین نے انکار کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کرنے اور نہ کرنے میں نری بشریت ملحوظ نہ تھی بلکہ بشریت بعنوان خلافت و نبوت ملحوظ تھی اور اسی کا انکار اے ایلیس عین نے کیا تھا کہ محض بشریت کا اور اے ایلیس عین کا یہ قولہ قَالَ اَرَايْتَلَا الَّذِي كَفَرْتُمْ عَلٰى الْآيَةِ اِسْمِي كِي طرف مشیر ہے الغرض حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جس بشریت کا تذکرہ ہو رہا ہے وہ بشریت بشرط فشی کے درج میں ہے اور مؤلف مذکور نے اپنی کم علمی کی وجہ سے اسے بشرط اشمی سمجھ رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ الجھن میں پڑے ہوئے ہیں ہم نے تفہیمتین ص ۱۳۷ میں اس کی طرف اشارہ بھی کر دیا تھا چنانچہ بعض الفاظ یہ ہیں اس مضمون کے پیش نظر جو شخص بشر میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو دیکھ رہا یا تلاش کر رہا ہے تو وہ اے ایلیس کے طریقہ کو اپناتا ہے انہ اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تو خواص بشر ہیں سے ہیں ان کو ان کے فضائل و کمالات سے الگ کر کے کون مسلمان اس کا

تصور کر سکتا ہے؟ آپ کے ہی صدر الافاضل لکھتے ہیں۔ اور خواص بشر یعنی انبیاء علیہم السلام میں ملائکہ سے افضل میں الخ (ص ۱۹) واثالث حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور مبارک کے وجود کا قصہ سند کے لحاظ سے محدثین کرام کے ہاں خاصا بحث طلب ہے قطع نظر اس سے ابلیس لعین کی نظر صرف بشریت پر زنی بلکہ بشریت بعنوان خلافت و نبوت پر بھی مبنی کما تر اور منطقی لحاظ سے کسی نوع کا تحقق بغیر جنس کے نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے اس لئے ابلیس لعین کو حکم خداوندی سے انکار اور ابا کی صورت میں بشر اور مخلقت یعنی طین کا سہارا لینا پڑا اور جس کا ذکر کیا گیا اس کو بشریت محض تصور کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے سمجھ رکھا ہے کم فہمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ۔ اور جس کی نظر نبی کی بشریت پر بھی اس نے تکبر کر کے لعنت کا طوق پہن لیا (مصلحہ) اسی کم فہمی کا نتیجہ ہے مگر شرک و بدعت میں مبتلا ہو کر دینی امور میں معاملہ فہمی رہتی کہاں ہے؟

آپ کے صدر الافاضل پر ہمارے تنقید بدستور باقی ہے

آپ کے صدر الافاضل کے الفاظ یہ ہیں۔ مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے اس لئے قرآن پاک میں جا بجا انبیاء علیہم السلام کے بشر کہنے والوں کو کافر یا گیا اور حقیقت انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے بلفظ اس پر جو تنقید ہم نے تنقید متین میں کی ہے وہ بدستور باقی ہے اس کا کوئی معقول جواب آپ کی طرف سے نہیں دیا گیا اس عبارت میں اپنی مثل بشر کا کوئی لفظ نہیں صرف لفظ بشر ہے اور اسی پر ہمارے تنقید مبنی اور اب بھی ہے اور انشاء اللہ العزیز ہے گی اور اسی طرح آگے بھی لفظ بالکل صاف ہیں قرآن پاک میں جا بجا انبیاء علیہم السلام کو بشر کہنے والوں کو کافر یا گیا یہاں بھی لفظ مثل وغیرہ نہیں ہے سوال یہ ہے کہ فتویٰ دیتے وقت اور تکفیر کرنے وقت ایسے مقام پر ایسے اہم اور بنیادی لفظ کو نظر انداز کر دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ لہذا اس صریح عبارت کی تاویل میں سورہ کہف اور سورہ طہ سجدہ کی تفسیر پیش کرنا بالکل مردود ہے جیسا کہ مؤلف مذکور نے ص ۱۳ اور ۱۳ میں ان عبارت کی آڑے کر لگو خلاصی چاہی ہے فتویٰ اور خصوصاً کسی کی تکفیر کے موقع پر اختصار اور اجمال سے بالکل گامری نہیں چلتی مفتی کا فریضہ ہے کہ احتیاط کو ملحوظ رکھ کر فتویٰ کی تمام حدود و قیود اور اوصاف و شرائط کو ملحوظ رکھے آپ کو شاید اپنے اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد معلوم نہ ہو وہ لکھتے ہیں

ضروری تنقید احتمال وہ معتبر ہے جس کی گنجائش ہو صریح بات میں تاویل نہیں لی جاتی ورنہ کوئی بات بھی کفر ذرے الی قولہ شفا شریف میں ہے ادعاء التاویل فی لفظ صراح لا یقبل صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ نہیں سنا جاتا بشرح شفا کے قاری میں ہے ہو مردود عند قواعد الشرع ایسا دعویٰ شرعیات میں مردود ہے الخ (ص ۱۳) لہذا مؤلف مذکور کا حاشیہ ص ۱۳ میں یہ لکھنا کہ ممکن ہے کسی کو شبہ ہو کہ صدر الافاضل نے یہاں صراحتاً بیان کیوں نہیں کیا کہ اپنی مثل بشر کہنا کفار کا دستور ہے جواب یہ ہے کہ یہاں اختصار کے پیش نظر جمالی کلام کیا گیا ہے اور جس جگہ اس موضوع پر بحث ہے وہاں اس تفصیل کو پیش کر دیا ہے فافہم واستقر انتہی بلفظ تری طفل تسلی ہے اس لئے کہ مسئلہ کے عنوان سے وہ مسئلہ تو یہاں لکھتے ہیں اور تکفیر کا فتویٰ وہ یہاں دیتے ہیں پھر اس ضروری لفظ مثل کو جس پر مسئلہ فتویٰ اور تکفیر کی مدار ہے کیوں یہاں نظر انداز کرتے ہیں؟ اور نیز ہمارا اس عبارت پر اعتراض بھی بحال ہے کہ جا بجا کا قصہ ہی چھوڑیے قرآن پاک میں ایک ہی ایسا مقام بتائیے جس میں یہ حکم موجود ہو کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بشر کہنے والا کافر ہے اس پر صحیح ہے اور صریح ہو اس سے بڑھ کر قرآن کریم پر خالص بہتان۔ صریح افتراء۔ اور سفید جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک خالص کافر اند اور شرکاء عقیدہ کو قرآن کریم کا عقیدہ بتلایا جائے الخ (تنقید متین ص ۱۳)۔ الغرض جب تک اس تکفیری عبارت میں جو عنوان مسئلہ تحریر کی گئی ہے لفظ مثل نہیں آئے گا ہمارا اعتراض اس پر تا قیامت برقرار رہے گا کیونکہ یہ مسئلہ اور فتویٰ ہے محض عبارت نہیں جس میں اجمال و اختصار کا عذر رنگ قبول ہو اور مصنف کے بغیر کوئی دوسرا آدمی مصنف کی عبارت میں اپنی طرف سے کوئی لفظ زائد کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ ناقابل تردید حوالے | بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے تنقید متین از ص ۲۵ تا ۲۷ میں قرآن کریم کی آیات و واضحات کے علاوہ سات صحیح حدیثیں باحوال حضرات انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بشر ہونے کے سلسلہ میں پیش کی ہیں اور ستائیس حوالے حضرات فقہاء کرام کے اور تقریباً چودہ پندرہ حوالے بریلوی حضرات کے بشمولیت ان کے اعلیٰ حضرت کے ہم نے نقل کئے ہیں جن کے بارے میں لاجواب ہو کر مؤلف مذکور یوں گویا ہیں: اور گامبر کے حرف نے اپنی تنقید میں بیظاہر کیا ہے کہ مولوی نعیم الدین صاحب نبی علیہ السلام کی بشریت کا انکار کرتے ہیں اور بشر کہنا کفار کا دستور بتاتے ہیں اور پھر علماء اسلاف کی عبارتیں یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کیں کہ آپ میں بشریت متحقق ہے گذارش یہ ہے کہ اگر اس تصنیف سے آپ کا مقصد محض صبرتی کرنا تھا

تو وہ اشارت چشم بزر خوب پورا ہو گیا اگر مقصد صدر الافاضل کا رد کرنا تھا تو معاف کیجئے آپ کو حاصل نہ ہو سکا کیونکہ صدر الافاضل نے نفس بشریت کا انکار نہیں کیا بلکہ وہ آپ کی مہمبری کا انکار کرتے ہیں اور محض بشر کہنے کو نہیں بلکہ اپنا ہم مثل بشر کہنے کو کفار کا دستور قرار دیتے ہیں اگر آپ میں جرات تھی تو اس امر کی تردید کے لئے قلم اٹھاتے مگر یہ آپ سے نہ ہو سکا (توضیح البیان ص ۱۲۷)

الجواب - یہ بات تو مؤلف مذکور کو ستم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کے اثبات کے لئے تنقیح متین میں علماء اسلام کی عبارات کی بھرا رہے اور بقول ان کے اس مقصد کے اثبات میں راقم اشیم خوب کامیاب ہے ع والفضل ماشہد بہ الاعداء۔ ان البتہ ان کا یہ زعم باطل ہے کہ راقم اشیم ان کے صدر الافاضل پر تنقید کرنے میں کامیاب نہیں رہا لیکن مؤلف مذکور بچاڑے رسم المفتی کی ابتدائی اصطلاحات ہی سے ناواقف ہیں جیسی تو وہ ایک غلط بات پر مصر ہیں اور تعصب و تحریب میں مبتلا ہو کر اپنے صدر الافاضل کو با دلیل جرم سے بری قرار دینے کا ادھار کھائے بیٹھے ہیں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ آپ کے صدر الافاضل اپنی جماعت کے ذمہ دار عالم اور مفتی ہو کر مسئلہ کے عنوان سے ایک شرعی مسئلہ اور فتویٰ بیان کرتے ہیں اور ان کی اس عبارت میں کوئی اور لے سا اشارہ بھی ایسا موجود نہیں جس سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہو کہ اس کی بحث آگے بھی آئے گی پھر کیا وجہ ہے کہ ذمہ داری سے ایک مسئلہ بیان کرتے وقت اور فتویٰ صادر کرتے ہوئے ایک اہم چیز (لفظ مثل اور مہمبری) کو وہ مطلقاً نظر انداز کر گئے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ کسی بھی مکتب فکر کے لائق اور قابل مفتی سے دریافت کر لیں کہ رسم المفتی کے قواعد کے مطابق کیا اس کی گنجائش ہے کہ جس چیز پر فتویٰ کی مدار ہو اس کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے اور فتویٰ صادر کر دیا جائے؟ ہمارا لائحہ عمل تردید و عومی ہے اور اس میں ہم بفضلہ تعالیٰ سو فیصد کامیاب ہیں کہ آپ کے صدر الافاضل کی اس عبارت کے پیش نظر ہمارے وہ تمام اعتراضات اور تنقیدات جو ہم نے ان پر کی ہیں بجا لاتی ہیں اور آپ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے باقی سو ذہنیت اور سورہ فہم سجدہ میں ان کی بیان کردہ تفسیر الگ اور جدا ہے اور باوجودیکہ وہ ہمارے پیش نظر بھی ہے اور تھی بھی مگر ہم نے اس پر کوئی گرفت نہیں کی کیونکہ *وَصِنَ النَّاسِ الْاٰیٰتِیَہِ* کی تفسیر میں ان کا بیان کردہ مسئلہ اپنی جگہ پر بالکل مکمل ہے اور ہمارا تنقید اس پر بستور بر حال ہے اور پزیرتے پر پزیرتے دینے کے باوجود بھی مؤلف مذکور اس کے جواب میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

مرے کہنے کو شاید مان جائے **عجبت** جسے بیان فشانہ جہان جائے **لا یعنی مطالبہ** مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے ہم نے جہاد اللہ یہ امر واضح کر دیا ہے کہ انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا یا کفار ہی کا دستور ہے مولوی سرفراز صاحب میں اگر ہمت ہے تو وہ قرآن کریم کی کسی ایک ہی آیت سے ثابت کر دیں کہ انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا مومنوں کا دستور ہے مگر شرط یہ ہے کہ آیت بالکل صاف اور صریح ہو کوئی ہمیر پھیرا اور صیہونی حکمہ ہوا لہذا (ص ۱۳۷ و ۱۳۸)

الجواب - ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اپنے جیسے سے اگر مراد جس بشر اور نوع انسانیت کے لحاظ سے بشریت مراد ہے تو *قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ* کا جس قطعی اس مماثلت کو مومنوں اور کافروں سب کے لئے ثابت کرتی ہے کیونکہ قرآن کریم تمام مکلف مخلوق کی ہدایت کا ذریعہ ہے اور اس کے احکام مومنوں اور کافروں سب کے لئے ہیں اور علماء اصول کا یہ قاعدہ اپنی جگہ ہے کہ *العبرة لعوم* اللفظ لخصوص المورد اور تنقید متین میں ہم نے حدیث کا یہ حوالہ بھی دیا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام سے اپنا منصب بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا *اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ* الحدیث (بخاری ج ۱ ص ۵۵ و مسلحہ ص ۱۱۱) کہ میں تمہاری طرح کا بشر ہوں لہذا تو جب آپ حضرات صحابہ کرام جیسے مومنوں کی طرح بشر ہیں تو یقیناً وہ بھی آپ کی طرح ہی بشر ہیں اس میں شک و شبہ کی کیا مجال اور کیا گنجائش ہے؟ اور اگر اپنے جیسے سے مراد درجہ شان اور کمال ہے تو خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق میں آپ کی کوئی نظیر اور مثل نہیں اور اسی معنی میں *وَ اَیُّكُمْ مِثْلٰی* *اِنِّیْ اَبِیۡنٌ یُّطْعِمُنِیْ رِیۡتٰی وَ یَسْقِیۡنِیْ* وارد ہوا ہے (بخاری ج ۱ ص ۲۶۳ وغیرہ) یعنی تم میں سے اس صفت میں میرے جیسا کون ہے بلاشبہ میں رات گزارتا ہوں مجھے برابر رب (روحانی غذا اور پانی) کھلاتا اور پلاتا ہے۔ غرضیکہ ایسے لایعنی مطالبہ سے ممکن ہے کہ آپ کے بعض جاہل حواری تو خوش ہوں گے کہ ہمارے محقق نے کیا مطالبہ کر دیا؟ لیکن علم و تحقیق کے میدان اور مقام میں اس کی پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں ہے اور لفظ *صُنِیۡوُنَ* کی رسم الخطی اور تلفظ کے بارے سے قاموس کے حوالے سے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ یہ لفظ بز و ن بردون ہے حروف ہا و پہلے ہے اور یا بعد کو ہے مؤلف مذکور کو اس کی بھی کچھ خبر نہیں اخبارات میں جو لکھا دیکھا پتے باندھ لیا وہ جگہ جگہ یہ لفظ صیہون ہی لکھتے ہیں جو لغوی غلطی ہے

طبیقہ ظریفہ ہمارے ایک لطیف الطبع اور ظرافت پسند مولانا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی مولوی صاحب نے کوئی مضمون نہ دیکھا ہو یا اثنائاً تفسیر میں دیکھا ہو مضمون ختم ہو جائے تو مولوی صاحب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام وغیرہ کا کوئی نہ کوئی قصہ چھیڑ کر وقت پاس کرتے اور مجمع کوثر خادیا کرتے ہیں کہ ان کی لامی کا بھرم بھی نہ کھٹے اور خوب واہ واہ بھی ہو جائے کم و بیش یہی حال بریلوی حضرت کا ہے کہ جب ان کے پاس دلائل کی کائنات ختم ہو جاتی ہے اور برہین قائم کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو وہ تقویۃ الایمان وغیرہ کی عبارات کو بیان اور نقل کر کے دل کی خوب بھڑاس بھی نکال لیتے ہیں اور جاہل عوام میں اہل حق سے سنفر بھی پیدا کرتے ہیں یہی مذموم طریقہ مؤلف مذکور نے ص ۱۳۱ تا ص ۱۳۲ میں اختیار کیا ہے کہ تقویۃ الایمان کی بعض عبارات مثلاً یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں اور یعنی میں بھی ایک دن مرکز میں ملنے والا ہوں اور جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں اور ہر مخلوق بڑا ہوا چھوٹا اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چار سے بھی ذلیل ہے نقل کر کے علمی اور دلائل کے لحاظ سے اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کی لا حاصل سعی کی ہے ہم نے ان عبارات کی تشریح اپنی کتاب عبارات اکابر حصہ اولیٰ میں کر دی ہے اور بعض کا جواب دل کا سرور میں دیدیا ہے اس لئے ہم اس پر یہاں کچھ عرض نہیں کرنا چاہتے جب ان کا جواب آئے گا تو پھر بشرط زیست وصحت ہم کچھ عرض کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ تقویۃ الایمان کی ایک عبارت میں ہے کہ جیسے قوم کا چودھری اور گاؤں کا سردار ہوتا ہے سوان معنوں میں ہر پیغمبر اپنی قوم کا سردار ہوتا ہے۔ اس پر مؤلف مذکور نے گرفت کرتے ہوئے لکھا ہے کیا چودھری کی اطاعت گاؤں والوں پر فرض ہوتی ہے؟ کیا چودھری کو زمانے سے گاؤں کے لوگ کا فر ہو جاتے ہیں؟ پھر اس لغو تشبیہ سے کیا حاصل؟ و محصلہ ۱۳۹ و ۱۴۰) الجواب اس میں تشبیہ دینی منصب کے لحاظ سے تو سب گز نہیں تاکہ کفر و اسلام کا سوال چل نکلے اور تشبیہ میں تشبیہ کی مشبہ بہ کے ساتھ من کل الوجوہ مماثلت ضروری ہوتی ہے کہ اگر اس میں تشبیہ صرف اس امر میں ہے کہ جیسے گاؤں کا چودھری اسی قوم کا ایک فرد ہوتے ہوئے بڑا اور قابل احترام سمجھا جاتا ہے اسی طرح ہر پیغمبر اپنی قوم کا سردار ہوتا ہے حالانکہ وہ اسی قوم کا ایک معزز و محترم فرد ہوتا ہے اس میں کیا شک ہے؟

جن کی آمد سے ہمارے اندھیرے چھٹے کفر و محاد کی آندھیاں ختم گئیں

تقویۃ الایمان کی عبارت پر گرفت مؤلف مذکور تقویۃ الایمان کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ یعنی جو خوبیاں اور کمالات اللہ نے مجھ کو دیئے ہیں سو بیان کرو وہ سب رسول کہہ دینے میں آجاتے ہیں کیونکہ بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں ہے اس پر گرفت کرتے ہوئے مولف مذکور لکھتے ہیں یہ ٹھیک ہے رسالت سے بڑھ کر بشر کا کوئی مرتبہ نہیں مگر حضور کو صرف رسول کہہ دینے سے آپ کے تمام کمالات کس طرح آجاتے ہیں رسول تو مین سویرہ ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ اَلِیٰ قَلِیْمٍ وَدَعَا بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ (ص ۱۳۱ محصلہ)

الجواب۔ مؤلف مذکور اپنے بڑوں کی طرح دن رات یہ گیتیں گاتے رہتے ہیں کہ ہمارے مخالفین حضرات اہیا و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بچائے خوبوں اور کمالات کے معاذ اللہ تعالیٰ ان کی خوبیاں کا پہلو ملحوظ رکھتے ہیں مگر خود دوسروں کی خدا اور مخالفت میں آکر صریح خوبوں سے بھی کیونکر کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں جیسا کہ مؤلف مذکور نے یہاں کیا ہے تقویۃ الایمان کی عبارت میں یہ تصریح موجود ہے کہ یعنی جو خوبیاں اور کمالات اللہ نے مجھ کو دیئے ہیں سو بیان کرو وہ سب رسول کہہ دینے میں آجاتے ہیں اس عبارت میں صراحت موجود ہے کہ مطلق رسول کی بحث نہیں ہو رہی تاکہ مین سویرہ کی گنتی کی ضرورت پیش آئے بلکہ اس میں واضح عبارت ہے کہ جو خوبیاں اور کمالات اللہ نے مجھ کو دیئے ہیں سو وہ بیان کرو اور وہ سب رسول کہہ دینے میں آجاتے ہیں یہاں ہر رسول کی بات نہیں بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہو رہی ہے اور آپ کو رسول کہنے میں آپ کی وہ تمام خوبیاں اور کمالات آجاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمائے ہیں کیونکہ دلائل قطعیہ و اجماع امت سے یہ عقیدہ ثابت ہے کہ آپ کی خوبیاں اور کمالات اور کسی رسول میں نہیں پائے جاتے اور یہ بالکل ایک خالص حقیقت ہے کہ۔

ع آچھے خوبیاں ہمہ دارند تو تنہا داری

آخری تیسرا مؤلف مذکور تقویۃ الایمان کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں یعنی کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر یوں اور جو بشر کی کسی تعریف ہو سو ہی کرو سو اس میں بھی اختصار ہی کرو۔ اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ نبی علیہ السلام کے بارے میں تو ان کا یہ فتویٰ ہے کہ بشر کی کسی تعریف میں بھی کی کرو اور اپنے مولویوں کی شان میں اس طرح رطب اللسان ہیں۔

تیری تربت کو دے کر طور سے تشبیہ کہوں ہوں پار بارانی میری کس میں دانی

الجواب ایسا لگتا ہے کہ مؤلف مذکور صحیح حدیث لا تطرفی کہا اطراف التصادی عیسیٰ بن مریم فانما ناعبدہ ولكن قولوا عبد الله ورسوله (بخاری ج ۱ ص ۲۹) سے بالکل بے خبر ہیں اور اس طرح حدیث لانا نفعونی فوق ہدوی الہیث (مشکوٰۃ ص ۱۹۰ صحیح) سے بھی ناواقف ہیں ورنہ اس عبارت پر گرفت نہ کرتے کیونکہ حضرت امیاء کریم علیہم السلام کے بارے میں جہاں تفریط کی گئی ہے وہاں افراط کرنے والوں نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی آپ ہی کے جماعت کے خواجہ محمد یار صاحب کے چند اشعار پہلے گذر چکے ہیں اس لئے اس عبارت میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ بزیرگوں کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو جو حیرت ہے کہ رالف مذکور کو اختصار اور کسی میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا کیونکہ تقویۃ الایمان کی عبارت میں اختصار کا لفظ ہے جس کو مؤلف مذکور نے جہالت یا شرارۃ کی کرو سے تعبیر کیا ہے راثریرہ گنگوئی کے شعر پر اعتراض تو کاثر کو مؤلف مذکور نے کھل کر اس میں شرعی اور عقلی خیالی بیان کی ہوتی تو ہم بھی ان کے بیان کردہ عقائد کے بارے میں کچھ عرض کر سکتے باقی تشبیہ کے بارے میں پہلے عرض ہو چکی ہے بار بار عاودہ کی ضرورت نہیں ہے۔

توحید الضمیر کا قصہ ہم نے تنقید متین ص ۱۲۲ اور ص ۱۲۳ میں نو نور و کتاب توحید کی تشریح میں یہ بات ہی عرض کی تھی کہ نور سے خود ذفران کریم مراد ہے اور عطف محض تفسیری ہے اگر نور سے آپ کی ذات گرامی اور کتاب میں سے الگ چیز مراد ہوتی تو تثنیہ کی ضمیر بہا مناسب تھی نہ کہ مفرد کی ضمیر بہ (محصلا) اس پر مؤلف مذکور نے اعتراض کرتے ہوئے ص ۱۲۶ اور ص ۱۲۸ میں ایک بات تو یہ کہی ہے کہ قرآن کریم میں ایسی بے شمار نظیریں موجود ہیں جن میں امور متعددہ کی طرف ضمیر واحد کا علی اسمیل البدیۃ (الصیح البدیۃ) کا لایحییٰ علی التدریب صدقہ (ارجاع کیا گیا ہے لیکن بغض رسالت کی وجہ سے سرفراز صاحب کو پورے قرآن میں یہی ایک مقام کھٹکا ہے۔ دوسری بات یہ کہی ہے کہ علامہ ابوسعود اہیت کہ تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں ضمیر مجرور کو واحد یا تو اس لئے لایا گیا ہے کہ ان کا مرجع متحد بالذات ہے دیکھو کہ احکام قرآنی کی جامع انسانی صورت اگر تصور ہو سکتی ہے تو وہ آپ کی ذات مقدسہ ہے اور آپ کی ذات صفات کی اگر کوئی جامع عبارت حاصل ہو سکتی ہے تو وہ قرآن کریم ہے، یا اس لئے کہ دونوں کا حکم ایک ہے دیکھو کہ دونوں واجب الاطاعت ہیں) اور یا ضمیر دونوں کی طرف مذکور کی تاویل سے راجع ہے اور اسی قسم کے جوابات قاضی رضادجی اور اسمعیل حققی وغیرہ تفسیر میں نے دیئے ہیں اور تیسری بات یہ کہی ہے کہ چلو اگر اسی پر اصرار ہے کہ جب ضمیر واحد ہے تو مرجع بھی واحد ہونا چاہیے تو کیوں نہیں ہو سکتا کہ دونوں

سے مراد بنی کر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہو اور یہی جواب حضرت علامہ القاری نے شرح شفا میں اور علامہ اوسمی نے روح المعانی میں دیا ہے جسے ہم ابھی نقل کر چکے ہیں (محصلا) توضیح البیان)۔
الجواب۔ مؤلف مذکور کا یہ سبب بیان فضول ہے اولاً اس لئے کہ ہم نے اس کا انکار تو نہیں کیا کہ متعدد امور کی طرف مفرد کی ضمیر راجع نہیں ہو سکتی اور نہ اس کا انکار کیا ہے کہ قرآن کریم میں اور مقامات نہیں صرف یہی ایک مقام ہے جس میں متعدد امور کی طرف مفرد ضمیر راجع ہے چونکہ بحث نور و کتاب میں کی جا رہی ہے اس لئے اس مقام کا ذکر ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی محبت اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیان کردہ شریعت کی پیروی میں ہم نے یہ بیان عرض کیا ہے یہ الگ بات ہے کہ کھینکے کو یہ محبت بھی بغض کی صورت میں نظر آئے اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے؟ وثانیاً اس لئے کہ مؤلف مذکور نے علامہ ابوسعود کی پوری عبارت ہی نقل نہیں کی کیونکہ اس سے ان کی مختار تفسیر کا پتہ چلتا ہے جو مؤلف مذکور کو ضرر ہے ان کی پوری عبارت یہ ہے۔

و العطف لتنزیل المغایرة بالعنوان
منزلة المغایرة بالذات وقیل المراد
بالاول هو الرسول علیہ الصلوٰۃ
والسلام و بالثانی القرآن یمہدی بہ
توحید الضمیر المجرور لالتحاد المرجع
بالذات اولکونہما فی حکم الواحد
او ایدین یمہدی بما ذکرنا
(تفسیر ابوسعود ج ۲ ص ۱۲۱)

یعنی باوجودیکہ نور اور کتاب سے ایک ہی چیز مراد ہے پھر عطف اس لئے ہوا کہ عنوان کی مغایرت کو بمنزلہ مغایرت ذات کے قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کتاب میں سے قرآن کریم مراد ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے یہ کی ضمیر مجرور کو اس لئے مفرد لایا گیا ہے کہ مرجع متحد بالذات ہے (یعنی قرآن کریم جو روشنی کا ذریعہ بھی ہے اور کتاب میں بھی ہے) یا اس لئے کہ دونوں میں کتاب نبوی واحد کے حکم میں ہیں یعنی دونوں ہدایت و روشنی کا ذریعہ ہیں) یا مذکور کی تاویل سے یہ ضرور ہے۔
اس تفسیر میں علامہ ابوسعود نے جو بڑے نکتہ رس مفسر ہیں پہلے نمبر پر یہ تفسیر بیان کی ہے کہ نور اور کتاب میں سے ایک ہی چیز مراد ہے اور پھر باوجود ذات کے ایک ہونے کے عطف اس لئے ہے۔ کہ عنوان الگ الگ ہے (اسی کو ہم نے تنقید متین ص ۱۲۲ میں یوں تعبیر کیا ہے اس میں لفظ نور سے

خود قرآن کریم مراد ہے اور عطف محض تفسیری ہے جس میں معطوف و معطوف علیہ میں ذاتاً تغایر نہیں بلکہ محض صفت کے لحاظ سے تغایر ہے (۱) اور پھر لفظ قیل سے جو عموماً کمزور اور ضعیف قول پر بولا جاتا ہے یہ تفسیر کی ہے کہ نور سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اور کتاب میں سے قرآن کریم مراد ہے اور پھر ضمیر کو مفرد لانے کی وجہ اول یہ بیان کی ہے کہ چونکہ نور اور کتاب میں سے ایک ہی چیز مراد ہے جو قرآن کریم ہے اس لئے ذات کے متحد ہونے کی وجہ سے ضمیر مفرد ہے اور یا اس لئے ضمیر مفرد ہے کہ دونوں یعنی کتاب اور نبی ہوتا اور رفتی کا ذکر یعنی اعتباراً نہ کور کے ضمیر مفرد آئی ہے اور اکثر مفسرین کرام نے یہی مطلب لیا ہے جو علامہ ابوالسعود نے بیان فرمایا ہے مؤلف مذکور کو غور کرنا چاہیے کہ کیا ابوالسعود کی تفسیر سے ان کو کیا فائدہ حاصل ہوا؟ اور اس سے ہمیں کیا نقصان ہوا؟ کیا علامہ ابوالسعود نے وہی کچھ نہیں فرمایا جو ہم نے کہا ہے؟ مؤلف مذکور نے ص ۱۲۳ میں امام رازی کی تفسیر کبیر سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تین اقوال نقل کئے ہیں۔ تیسری یہ کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم ہوا اور یہ کمزور بات ہے کیونکہ عطف تغایر کو چاہتا ہے پھر آگے موج میں آکر لکھتے ہیں اب غالباً مولوی سرفراز صاحب کو پتہ چل گیا ہوگا کہ جس قول پر انہوں نے اپنے عقیدہ کی عمارت کھڑی کی ہے وہ تیسرے درجہ کا قول ہے جس کو امام رازی نہایت کمزور قرار دیتے ہیں الخ سو گذارش ہے کہ اگرچہ امام رازی نے اس کو صرف کمزور کہا ہے (نہایت کمزور نہیں فرمایا) لیکن دیگر جمہور مفسرین کرام اسی کو قوی اور مختار قرار دیتے ہیں جن میں علامہ ابوالسعود بھی ہیں جن کی عبارت مرض کی جا چکی ہے اور امام رازی نور سے اسلام بھی اول ہے۔

ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ص ۱۲۵، آپ اسی قوی تفسیر کو کیوں نظر انداز کرتے ہیں؟ و ثانیاً اس لئے کہ حضرت ملا علی القاری نے وفد حوال بعض المفسرین الخ کے الفاظ سے یہ تفسیر نقل کی ہے کہ کتاب میں سے بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہو جیسا کہ نور سے بھی مراد آپ کی ذات مفرد ہے اور چونکہ ذات ایک ہے اور تغایر لفظی ہے لہذا ضمیر مفرد لانی گئی ہے سو عرض یہ ہے کہ مؤلف مذکور کو شاید کسی لائق اور فنی استاد نے یہ بتایا ہو کہ لفظ بعض کی جب جمع کی طرف اضافت ہوتی ہے تو اس سے ایسا دو کیلہا ہی مراد ہوتی ہے نہ کہ اکثریت سوال یہ ہے کہ قرآن کریم کے سیاق و سباق اور دیگر دلائل متواترہ اور براہین قطعیہ اور جمہور مفسرین کرام کی رائے کو ترک کر کے ایک دو کیلہ مفسرین کے قول پر عقیدہ کی عمارت کیسے کھڑی کی جاسکتی ہے؟ یہی ہوگا کہ بعض کے طور پر ایک تفسیر بعض سے یہ بھی منقول ہے اور یہ اللہ علی الجماعہ کے زین اصول اور ضابط

کو چھوڑ کر شاذہ اور فاوہ کے پیچھے پڑنا دین کی کونسی خدمت ہے؟ اسی طرح علامہ آلوسی نے صرف ایک احتمال کے درجہ میں یہ تفسیر نقل کی ہے ولا یبتعد ان یراد بالنور والکتاب المبین النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الخ آپ خود ہی انصاف سے فرمائیں کہ کیا محض ایسے احتمالات سے دین کا کوئی بنیادی مسئلہ ثابت ہو سکتا ہے؟ یا اس طرح کے احتمالات پر عقائد کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے؟ ایسے احتمالات کا اگر دین کے اصول و ضوابط سے ٹکراؤ نہ ہو تو قبول کئے جاسکتے ہیں بصورت دیگر جو وہ خود قابل تاویل ہوتے ہیں یہی نہ ہو تو مرد ہونے میں بقول قلندراہوری ع الخ ص ۱۳۳ تا ۱۲۵ میں حضرت جابر کی روایت پر ہوا بحث

حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

منقیدین ص ۱۲۵ تا ۱۳۳ میں حضرت جابر کی روایت پر ہوا بحث کی گئی ہے جس میں یہ آتا ہے کہ اسے جابر نے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور کے سبب سے پیدا کیا الخ اس حدیث کے بارے جو باتیں ہم نے عرض کی ہیں ان میں سے صرف دو تین باتوں کی طرف محض اشارہ کئے بغیر اور کسی حوالہ کا ذکر مؤلف مذکور نے نہیں کیا حالانکہ ان کا اخلاقی فائدہ تھا کہ ہماری پوری باتیں نقل کرتے یا ان کا خلاصہ ہی بیان کر دیتے اور پھر بن پڑتا تو ان کا معقول جواب دیتے مگر ان کا یہ طریقہ ہے کہ ہمارے اکثر خصوص حوالوں سے نظر بچا کر وہ نکل جاتے ہیں اور ایک آدھ بات کو لے کر بڑے غم خویش اس کا تسلی بخش جواب دے کر اور غیر متعلق اور اکثر غیر مستند حوالے بیان کر کے اور اپنی رائے منکر اور صفحات کے صفحات سیاہ کر کے آگے نکل جاتے ہیں مگر یہ عقلمند آدمی سمجھتا ہے کہ کسی کتاب کی تردید کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ کتاب کے ایک آدھ حوالے کو لے کر اس پر کچھ لکھ کر باقی حوالوں سے کہو کہ اس طرح آنکھیں بند کر کے آدمی آگے چلے اور نادانی سے یہ سمجھ بیٹھے اور عوام کو یہ سمجھانے کے درپے ہو کر لو فلاں کتاب کا جواب ہو گیا ہے اس مقام پر ہم نے جو باتیں بیان کی ہیں وہ قارئین کرام خود منقیدین میں ملاحظہ فرمائیں ہم یہاں ان کو نقل کر کے خواہ مخواہ معاملہ کو طول نہیں دیتے ہاں البتہ جو باتیں مؤلف مذکور نے بیان کی ہیں ان کا خلاصہ عرض کر کے ان کا رد کرنا اپنا علمی فریضہ سمجھتے ہیں سو گذارش ہے کہ آپ نور سے ملاحظہ فرمائیں۔

مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ مولوی سرفراز صاحب نے اپنی کتاب مسئلہ میں نورانیت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دوسری دلیل حدیث جابر سے دی ہے۔ اور کہا کہ یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ امام عبدالرزاق شیعہ تھے اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے مجروح ہے وغیرہ وغیرہ اس جرح کا جواب دینے سے پیشتر ہم

آپ کے سامنے اہل سنت کے اکابر علماء کی عبادت پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے امام احمد کے استاذ اور امام بخاری و مسلم کے استاذ الامام عبدالرزاق اپنی تصنیف میں اور امام بیہقی دلائل النبوة میں حضرت جابر سے مرفوعاً قد خلق قبل الاشياء نود نبیك من نودك الحدیث روایت کرتے ہیں اور امام قسطلانی مواہب لدنیہ مقصد اول میں ارقام فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کا ارادہ مخلوق کو پیدا کرنے کا اور اس کے رزق مقرر کرنے کے ساتھ متعلق ہوا تو اس نے حقیقت محمدیہ کو حمدی انوار سے بارگاہ احیاء میں ظاہر فرمایا اللہ اور اس کی شرح میں امام زرقانی مشرح مواہب میں ارقام فرماتے ہیں کہ اور جزا میں است کہ حقیقت محمدیہ ہی تمام حقائق کی حقیقت ہے کیونکہ حقیقت محمدی کا ثبوت خلق وسطیہ میں ہے جو کہ میں نور احمدی ہے جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا۔ امیر عبدالقادر الجوزی الحنفی اپنی کتاب موافق کے موقف ۵۹ میں فرماتے ہیں کہ بلا ریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت وہ رحمت غفلت ہے جس نے ہر شے کو احاطہ کر لیا ہے الی قولہ اور بالتحقیق حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اے جابر! سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ اور سیدی عبدالکریم جیلی ناموس اعظم کی کتاب النور باب اول میں فرماتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سعادت کبریٰ اور تمام لوگوں کے لئے ظاہر ہی اور باطنی نمونہ بنا کر پیدا فرمایا اور وجود میں آپ کا مرتبہ اللہ نے سب سے پہلے رکھا جس کے اوپر اور کوئی مرتبہ نہیں ہے۔

اور شیخ عبداللہ البوسنی مطالع النور السنی کے مطلع اول میں فرماتے ہیں یاور کھو کہ جب حق تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ اسماء الہیہ کے آثار کے ظہور سے بارگاہ الوہیت کی تجلیات کی معرفت کرائے تو اس نے سب سے پہلے روح محمدی کو جامع صورت میں پیدا کیا الی قولہ جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا تو آپ نے فرمایا اے جابر! وہ تیرے نبی کا نور ہے جس کو اللہ نے اپنے نور کے سبب سے پیدا فرمایا اللہ۔

مدارج النبوة میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔ بہر کیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود میں اول ہونا پس وہ اس لئے ہے کہ پہلی وہ چیز جس کو اللہ نے پیدا کیا وہ میرا نور ہے اور نبوت میں اول ہونا اس لئے ہے

کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی زمین پر افتادہ تھے۔

ان اکابرین کے علاوہ امام ابن حجر مکی، علامہ فاسی، علامہ دیوبند، سیدی عبدالغنی نابلسی، امام ابوالحسن اشعری وغیرہم نے بھی اس مضمون جلیل کو اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے اور اس پر اظہار اعتماد فرمایا ہے (محصلا ۱۵۱ تا ۱۵۳)

الجواب۔ مؤلف مذکور کی یہ ساری کاوش بے سود ہے اولاً اس لئے کہ اس روایت کا مدار امام عبدالرزاق کی سند پر ہے اس کے بعد مؤلف مذکور اس روایت کے بارے امام بیہقی کی دلائل النبوة کا حوالہ دیتے ہیں یہ ان کا فریضہ تھا کہ امام عبدالرزاق اور امام بیہقی کی سند اور اس کے روایت کتب اسماء الرجال سے باحوال نقل کر کے توثیق نقل کرتے تاکہ ہمارے اس اعتراض کا جواب ہو جاتا کہ اس کی سند کا علم نہیں کہ کسی ہے اور امام عبدالرزاق شیعہ تھے گو عالی نہ تھے مگر بعض چیزوں میں وہ منفرد ہیں ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا اور امام ابن عدی کے حوالے سے ہم نے لکھا ہے کہ عبدالرزاق نے فضائل کے باب میں ایسی روایات بھی بیان کی ہیں جن میں ان کی کسی نے موافقت نہیں کی اور ان کے بھانجے احمد بن عبداللہ نے ان کی کتابوں میں باطل روایتیں بھی داخل کر دی تھیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے امام عبدالرزاق کی مصنف کو طبقہ ثنائیہ میں شمار کیا ہے اور اول ما خلق اللہ القلم کی صحیح روایت اسکے خلاف ہے (محصلا تنقید ۱۲۵ تا ۱۲۸) آپ ہی کے اعلیٰ حضرت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث ماننے اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لئے ثبوت چاہئے بے ثبوت نسبت جائز نہیں اللہ (عقوان شریعت حصہ سوم مسئلہ ۲) اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ بغیر سند کے اور اس کے روایت کی توثیق کے حدیث کا ثبوت نہیں ہو سکتا ہم نے جو حدیث اول ما خلق اللہ القلم پیش کی ہے۔ البوداؤد اور ترمذی کا حوالہ دے کر جو صحاح ستہ کی مرکزی کتابیں ہیں ساتھ تصحیح بھی نقل کی ہے لہذا اس کے مقابلہ میں یہ روایت جس کی سند ہی معلوم نہیں کیا حیثیت رکھتی ہے نہ خالصاً بریلوی ہی تحریر کرتے ہیں کہ بعض مجتہد بدست یا نیم تلامذہ ثبوت پرست یا جھوٹے صوفی باد بدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابلہ میں بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعہ یا تشابہ پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصد ابے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف متعین کے آگے محتمل محکم کے حضور تشابہ واجب الترتیب ہے اللہ احکام شریعت حصہ اول مسئلہ ۲)

و ثانیاً پیشتر حوالے مؤلف مذکور نے اپنے اعلیٰ حضرت کی کتابوں مثلاً نفی الفی اور صلوات الصفا وغیرہ سے نقل کئے ہیں اور خانصاحب صلوات الصفا میں اس روایت کو امام عبدالرزاق کے مصنف کی طرف منسوب کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں امام مجمل سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم کے استاذ استاذ حافظ الحدیث احمد الاعلام عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام نے اپنی مصنف میں حضرت سیدنا و ابن سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی اچانکہ کتاب مصنف عبدالرزاق طبع ہو چکی ہے ہم مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے نہایت ہی مشکور ہوں گے کہ وہ یہ روایت مصنف سے ہمیں بتادیں اور ان کے علم حضرت ہی صلوات الصفا میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث امام بیہقی نے بھی دلائل النبوة میں بخوہ روایت کی اچانکہ اس سے معلوم ہوا کہ امام بیہقی کی نقل کردہ روایت کے الفاظ بعینہما وہ نہیں جو امام عبدالرزاق کی روایت کے ہیں ورنہ ان کے اعلیٰ حضرت بخوہ نہ کہتے بشلہ کہتے دیو کہ محمد بن کرام کے نزدیک جب روایت بالمعنی ہو تو اس موقع پر وہ اوکا قال او نحوہ اور شہبہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص ۳۱۳ وغیرہ) اور چونکہ اس روایت میں مرکزی الفاظ نور کے ہیں اس لئے خانصاحب کے بخوہ کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دلائل النبوة للبیہقی کی روایت میں شاید یہ لفظ نہیں ہیں یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خانصاحب نے اس کے الفاظ نقل نہیں کئے ورنہ وہ ایسے موقع پر ان کو بھی نظر انداز نہ کرتے بہر حال اصل حقیقت تو دلائل النبوة کی روایت کے الفاظ اور اس کی سند سامنے آنے ہی سے واضح ہو سکتی ہے ویسے نہیں۔

و ثانیاً مؤلف مذکور نے بعض بزرگوں سے اس مضمون کی اجمالاً و تفصیلاً کچھ عبارات نقل کی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور سب سے پہلے پیدا ہوا اور اس لحاظ سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے کہ ان بزرگوں نے اس سے استدلال کیا ہے۔ اور علامہ بوسنی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ سب سے پہلے روح محمدی کی خلقت ہوئی لیکن ان تمام حوالوں سے ان کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ حدیث کی صحت اتصال سند اور اس کے روایت کے ثقب ہونے سے ثابت ہوتی ہے محض اس کو نقل کرنے سے اس کی صحت ثابت نہیں ہو سکتی کمالی یعنی اور نہ صرف نقل کرنے سے اظہار اعتماد ہوتا ہے خصوصاً ان حضرات کی نقل جو محض صوفی اور بزرگ ہیں اور فن حدیث کی پرکھ اور نقد و جرح کی جہارت ان کو نہیں علاوہ ان میں سے ہر تنقید

۱۲۹-۱۳۱ھ میں باحوالہ یہ بات تحریر کی ہے کہ نور محمدی سے روح محمدی مراد ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ نور محمدی کا مطلب روح محمدی ہے الی قولہ اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ عبدالحق صاحب نے مدارج النبوة ج ۱ ص ۱۰۱ میں دعویٰ کیا ہے تو اس معنی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں لہذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں بل اس سے نصوص قطعیہ صحیحہ کا رد کرنا اور آپ کی بشریت۔ آدمیت اور انسانیت کا انکار کرنا جیسا کہ بعض اہل بدعت کا ذمہ ہے قطعاً غلط اور سراسر بے بنیاد ہے لہذا تنقید متین ص ۱۳۱ افسوس ہے کہ مؤلف مذکور نے نہ تو ہماری یہ عبارت نقل کی ہے اور نہ اس کا حوالہ دیا ہے جو اب دینا تو درکنار بل حالانکہ علمی طور پر ان پر لازم تھا کہ ہماری اس عبارت کا حوالہ دیتے مگر ان کو دیانت و انصاف سے کیا واسطہ؟ ان کو تو اپنے حواریوں کے سستی شہرت کی داد حاصل کرنا ہے اور اہل حق کے خلاف اپنے دل کا وبال نکالنا ہے اور بس۔ الغرض ہمارا یہ اعتراض کہ اس حدیث کی سند اور روایت کی توثیق معلوم نہیں بدستور آتی ہے اس کا اہم تک کوئی جواب نہیں دیا جاسکا اور دھڑلے کی باتیں کر کے اور غیر معصوم اقوال و عبارات اور غیر متعلق حوالے نقل کر کے ان کا جواب تصور کر لینا طفل تسلی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اس حدیث کی باحوالہ سند اور روایت کی کتب اسماء الرجال سے توثیق مطلوب ہے و ۵۵۵ خَرُوطُ النَّقَّادِ۔

اولیت اضافی کا جواب یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے ص ۱۳۱ تا ص ۱۳۲ تک جو کچھ لکھا ہے اس کا نہایت اختصار سے خلاصہ اور تجزیہ یہ ہے۔

(۱) سر فرزند صاحب نے حدیث جابر کو رد کرنے کے لئے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ حضور اقول خلق نہیں موضوعات کبیر میں ہے کہ قائم اول خلق ہے تنقید ص ۱۳۱ میں ہے کہ اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے قلم تقدیر پیدا کیا گیا تو بلا وجہ قلم کے اول حقیقی ہونے کے بجائے اول اضافی پر محمول کرنا قابل ماعت نہیں۔

(۲) مولوی صاحب نے دبی زبان سے اعتراف کیا ہے کہ مرقات ج ۱ ص ۱۴۹ اور جمع الوسائل میں اول مخلوقات میں آپ کے نور کا ذکر ہے اور خود ان کتابوں میں تصریح ہے کہ نور سے روح مراد ہے مولوی صاحب کو معلوم تھا کہ اگر مرقات کی ایمان افروز عبارت نقل کر دی تو قصر دیوبند منہدم ہو جائے گا اس لئے اس کو دیوالی کی پوریاں سمجھ کر صاف مضمم کر گئے ہیں جس کو نقل کرنے سے وہ خوف کھاتے ہیں عبارت (کا ترجمہ) یہ

ہے ابن حجر نے کہا کہ اول مخلوق کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور خلاصہ یہ ہے جیسا کہ میں نے شرح شمائل
ترندی میں بیان کیا ہے کہ بالیقین اول مخلوقات وہ نور ہے جس سے نبی علیہ السلام کو پیدا کیا گیا پھر پانی کو
پھر عرش کو۔ ملا علی القاری کے اس کلام سے ظاہر ہو گیا کہ حضور کی اولیت کو حقیقی قرار دینے میں وہ تنہا
نہیں ہیں بلکہ ابن حجر بھی اس کی تصریح کرتے ہیں اور صاحب ازہار بھی ایسا ہی کہتے ہیں اور بے شمار دیگر
علماء اسلام نے نور محمدی کی اولیت حقیقی پر نص صریح قائم کی ہے جیسا کہ مابقی میں حوالے گذر چکے ہیں۔

(۶۲) انصار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی مقدار کو آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے پچاس ہزار
سال پہلے لکھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا یعنی قلم کی پیدائش اور کتابت سے پہلے عرش پیدا ہو
چکا تھا اور وہ پانی پر تھا اس کو سلم نے روایت کیا اور ابن عباس سے وہ کان عرش علی الماء کے بارے میں
استفسار کیا گیا کہ عرش تو پانی پر تھا پانی کس چیز پر تھا تو فرمایا کہ ہوا کی میٹھ پر اسے بیٹھنے نے روایت کیا۔
دیس ثابت ہوا کہ قلم کی پیدائش ہوا پانی اور عرش کے بعد ہے اور جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ نور
محمدی ہے جیسا کہ میں نے المورد والمورد میں بیان کیا ہے۔

(۶۳) شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوة ج ۲ ص ۱۱۱ میں ارقام فرماتے ہیں۔ جان لو کہ اول
مخلوقات اور واسطہ خلق عالم و آدم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اللہ
تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا پھر آگے اول خلق میں عقل کا ذکر بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ
محققین اور محدثین کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں اور پھر آگے قلم کا ذکر کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے
پس معلوم ہوا کہ قلم کی پیدائش سے پہلے کچھ ہو چکا تھا اور وہ عرش و کرسی اور ارواح تھیں اور نور محمدی
ان سب سے پہلے پیدا ہوا پس اس تقدیر پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ ماکان سے مراد اس نور کے صفات
اور احوال ہیں اور مایکون سے مراد وہ امور ہیں جو بعد میں دنیا میں ظاہر ہوں گے۔

مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ملا علی القاری صاحب ازہار اور شیخ محقق کے اس محققانہ کلام کو دیکھنے
اور مولوی سرفراز صاحب کے کزور مطالعہ پر تحسین و آفرین کیجئے وہ تو عدوت رسول میں روایت صحیح
مسلم دیوانہ وار یہ ثابت کر چکے تھے کہ قلم سب سے پہلے پیدا ہوا اور ثابت یہ ہوا کہ قلم جو تھے نمبر پر ہے جب
خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا اور آپ کے فرمان
صریح سے اس کی اولیت اضافی ثابت ہو گئی تو آج جناب کوزر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید کی جرات کیونکر

ہوئی کہ قلم کو اول حقیقی کہا گیا آپ کے مذہب غیر مذہب میں فرمان نبوی بھی قابل سماعت نہیں ہوا تو کیا وہ ان
ابھی بند نہیں ہوا ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ فکر آخرت کرو اور توبہ کرو اور نہ تنقیص رسالت میں بیرون
کے حساب سے لکھی ہوئی کتابیں آپ کی لٹیا ڈبونے کے لئے کافی ہیں اور ان کی فروخت سے جو دنیاوی
سکے حاصل کئے ہیں وہ اس دن کام نہ آسکیں گے۔

(۵) سرفراز صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ نور سے مراد روح ہے جیسا کہ ملا علی القاری نے لکھا ہے یہیں
مصر نہیں اور اس لئے کہ نور جو روح ہو مقصد تو یہ ہے کہ آپ اول خلق ہیں وراثتاً اس سے آپ کو
کوئی نفع نہیں نفع تب ہوتا کہ نور اور روح میں تباہی ہوتا حالانکہ ملا علی القاری فرماتے ہیں۔ آپ کا فرمان
کہ سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے کہ میری روح کو پیدا کیا دونوں کا معنی
ایک ہے کیونکہ ارواح نورانی ہوتی ہیں۔

(۶) سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ محققین شرح حدیث اور ارباب تاریخ نے جہاں اول مخلوقات
کی تحقیق اور بحث کی ہے وہاں قلم عرش اور عقل وغیرہ کا ذکر تو کیا ہے مگر نور کا ذکر نہیں کرتے (تفہیم)
جو اب اعراض ہے کہ ہم مابقی میں امام عبدالرزاق، امام بیہقی، امام احمد قسطلانی، امام زرقانی،
عبد القادر بجز الرمی، ملا علی القاری، حنفی، شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کا کلام نقل کر چکے ہیں
اس میں غور فرمائیے کہ یہ اکابر ائمہ اولیت خلق میں نور محمدی کا ذکر کرتے ہیں یا نہیں؟ یہ اور بات ہے کہ جن
کی آنکھوں پر المیسی نے بعض رسالت کی سچی باندھ دی ہوا نہیں عبارت میں نور محمدی نظر نہیں آئیگا۔

(۷) سرفراز صاحب حدیث جابر پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی سند کا علم نہیں کہ کیسی ہے اور امام
عبدالرزاق شیعہ تھے گو عالمی نکتے اور بعض چیزوں میں وہ منفرد بھی ہے خصوصاً فضائل کے بارے میں اور
ان کا ساتھ بھی کسی نے نہیں دیا (مصلحتاً تنقیداً) محض تشیع کی طرف نسبت سے امام عبدالرزاق کی روایت
کو ناقابل اعتبار قرار دینا صحیح نہیں ہے اہل بدعت کی روایات کے بارے میں شیخ محقق مقدمہ شرح مشکوٰۃ
میں ارقام فرماتے ہیں کہ مختاریہ ہے کہ اہل بدعت کی روایت اگر اس کے مسلک کی تزیین اور ترویج میں
ہو تو مقبول نہ ہوگی اور اگر ایسی نہ ہو تو مقبول ہوگی اور جامع الاصول کے حوالے سے لکھا ہے کہ ائمہ حدیث
نے خوارج، قدریہ، روافض اور دیگر اہل بدعت سے بھی روایت لی ہیں چلو اگر امام عبدالرزاق شیعہ
تھے تو اہل بدعت تو شیعہ تھے جنہوں نے دلائل نبوت میں یہ روایت نقل کی ہے علاوہ انہیں امام عبدالرزاق

اس میں منفرد نہیں بلکہ عاماً اعلام نور محمدی کے اول خلق ہونے میں امام کے ساتھ ہیں جن کی عبارتیں گذر چکی ہیں لہذا سرفراز صاحب کا یہ کہنا کفضائل میں انہوں نے ایسی روایات بھی ذکر کی ہیں جن میں ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ بالکل غیر متعلق ہے۔

(۸) نور محمدی کے اول خلق ہونے کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی سرفراز صاحب نے کہا کہ ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر مسلمانوں کو کیا پڑی ہے کہ وہ قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح و متواتر حدیث کی تاویل بے جا کریں اور معاذ اللہ تعالیٰ ان کو رد کر کے عذاب خداوندی کا شکار ہوں اور آتش و دوزخ کا ایندھن نہیں معاذ اللہ تعالیٰ و تنقید صلا

اب آئیے ذرا مولوی سرفراز صاحب کے حکمی خاندان پر نظر ڈالیں کہ ان میں سے کتنے صاحب جتہ و دستار جنم کا ایندھن بن چکے ہیں۔ سرخیل دیوبند مولوی قاسم نانوتوی محدثات عشرہ میں محدودوں کے جواب میں لکھتے ہیں۔ اب سینے کہ روح پُر فتنوح محمدی صل اللہ علیہ وسلم جو اصل موصوف نبوت ہے اور ارواح انبیاء باقیہ کے لئے موقوف علیہ ہے اور اسی وجہ سے آپ کو تقدم بالخلق لازم ہوا مگر مخلوقیت روحانی کو تولد جسمانی لازم نہیں اور آپ کے نزدیک لازم ہوتا تو ثابت کیجئے۔ اور اول ماخلق اللہ نوری وغیرہ مضامین کی تغلیظ فرمائیے رالی ان قال اور اگر یہ سزا اس جرم کی ہے کہ میں نے موقوف علیہ کیوں کہا اول ماخلق اللہ نوری کیوں نہ کہا تو اب سہی،

معیار دیوبند کے اس مضمون سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے (۱) نور محمدی اول مخلوق ہے (۲) نبی علیہ السلام تمام انبیاء کے لئے موقوف علیہ ہیں (۳) آپ کی نبوت بالذات اور باقی انبیاء کی نبوت بالعرض ہے (۴) اول ماخلق اللہ نوری نہ صرف لائق احتجاج ہے بلکہ دیوبند کے پیر مغال نے اس سے استدلال کر کے بے شمار نصوص قرآنیہ کو رد کر دیا کہما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ تحذیر الناس صلتہ پر دلائل کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے مولوی قاسم صاحب نے کہا۔

باقی رہا آپ کا وصف نبوت میں واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہونا اور انبیاء و ماتحت علیہ و علیہم السلام کا آپ کے فیض کا معرض اور موصوف بالعرض ہونا وہ تحقیق معنی خاتمیت پر موقوف ہے جس کی شرح و بسط کا مینٹنی اوپر کر چکا ہوں

اس کے بعد مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ جو موصوف بالعرض ہو واسطہ فی العروض ہو

ان کے ساتھ وصف کا قیام نہیں ہوتا بلکہ وصف کا قیام موصوف بالذات کے ساتھ ہوتا ہے اور موصوف بالعرض کو مجازاً موصوف بالذات کی مجاورت کی وجہ سے موصوف کہتے ہیں مثلاً جالس فی السیفینۃ کے ساتھ حرکت کا قیام نہیں ہوتا لیکن اس کو مجازاً متحرک کہتے ہیں کیونکہ وہ متحرک بالذات یعنی سفینہ کا مجاور ہے جو کہ واسطہ فی العروض ہے پس اس تقریر سے لازم آیا کہ باقی تمام انبیاء کے ساتھ وصف نبوت قائم نہ ہو اور نبی علیہ السلام سے مقارنت کی بنا پر انہیں مجازاً نبی کہا گیا ہو۔ مولوی قاسم صاحب نے اپنے کلام میں حضور کے سوا تمام انبیاء کی نبوت کا انکار کر کے قرآن کی صدمہ نصوص کو رد کر دیا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَفْرُقْ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ علماء ابو السعود فرماتے ہیں اس لئے کہ معتبر ہے کہ رسولوں کے درمیان نفس رسالت میں فرق نہ کیا جائے نہ کہ باقی اوصاف مخصوصہ میں۔ مؤلف مذکور لکھتے ہیں اور سابقہ غیر دیوبند کی منطق فرمائیے (شاید ملاحظہ فرمائیے ہو۔ صفحہ ۱۰ جنہوں نے نبی علیہ السلام اور انبیاء علیہم السلام میں نفس رسالت میں فرق کیا اور آپ کے لئے وصف نبوت کو واسطہ فی العروض کے مرتبہ میں مان کر باقی انبیاء سے نبوت کی نفی کر دی اور اس کی بنیاد وہی مقدم ہے۔ جس کو وہ کہیں موقوف علیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور کہیں اول ماخلق اللہ نوری سے قیام علیہ اب سرفراز صاحب سے پوچھنے دیجئے کہ اگر یہ روایت باطل اور موضوع ہے تو اس کو ماننے والوں میں آپ کے پیر مغال بھی شامل ہیں ان کے بارے کیا ارشاد ہو گا؟

اور اس باطل روایت کے چکر میں پڑ کر نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کا انکار کون کر رہا ہے اور اس موضوع روایت کو اس بنا کہ ایک نے عقیدہ کی طرح کس نے رکھی۔

۶ وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اگر اجازت ہو تو اب ہم بھی کہہ دیں کہ مولوی قاسم نانوتوی نے اس ایسی چکر میں پڑ کر قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح متواترہ حدیث کی تاویل بے جا کی ہے اور معاذ اللہ ان کو رد کر کے خداوندی کا شکار ہوئے اور اپنے آپ کو آتش و دوزخ کا ایندھن بنا لیا ہے اور سچ پوچھنے تو قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں جس ظلی اور بروزی نبوت کا راستہ دکھایا ہے اس راہ پر چل کر مرزا ملعون نے دعویٰ نبوت کیا اور امت دیوبند آج تک مرزا میر کے اس استدلال سے جان نہیں چھڑاسکی اگر اب بھی آپ کی طبیعت صاف نہ ہوئی تو لیجئے حکیم الامت حاضر ہیں وہ بقول آپ کے باطل روایت

کے چکر میں پڑ کر جنم کے کس طبقہ میں جانے پہنچے ہیں حضرت جابرؓ کی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد مولوی اشرف علی تھانوی نے ف سے فائدہ کا عنوان قائم کیا کہتے ہیں۔

ف اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باوہیت حقیقیہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اوہیت کا حکم آیا ہے ان اشیاء کا نور محمدی سے متاخر ہونا اس حدیث میں مخصوص ہے انتہی (نشر الطیب ص ۱۱) لیکن ان حکیم صاحب نے تو آپ کے سارے کئے دھرے پر پانی پھیر دیا آپ کسی طور پر اوہیت حقیقیہ نہیں مانتے اور فقہانہ جہوں کے حکیم الامت اوہیت حقیقیہ کو مخصوص قرار دیتے ہیں اب یا تو اپنی جہالت کا اعتراف کر کے حکیم الامت کے پیر پکڑ لیجئے یا انہیں جاہل اور غالی قرار دے کر جہنم میں جھونکیئے یہ آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد کا معاملہ ہے ہم نے صلح صفائی کی غرض سے ایک معاملہ بھی کی بات عرض کی ہے مصلد (ص ۱۶ تا ۱۷)

الجواب مؤلف مذکور نے اس ساری گرفت میں اسی جہل مرکب کا ثبوت دیا ہے جس کے بظہور میں وہ ساری کتاب میں غوطے کھا رہے ہیں اور کسی طرف نکلنے کی راہ نہیں پاتے اور اپنے بڑوں کی سنت اس مقام پر بھی انہوں نے پوری کی ہے کہ اصل اور مکمل عبارات سے کیوں نہ کی طرح آنکھیں بند کر کے کوئی اٹھوڑی عبارت لے لی اور اس پر کج بحثی شروع کر دی اور اپنی طرف سے عبارات کے معانی اور مطالب تیار کر کے ملغوبہ بنا کر دل کی بغیر اس نکالنا شروع کر دی صدافسوس ہے اس علم و دیانت پر اور ہزار ترف ہے ایسی تحقیق پر آپ ترتیب وار جوابات سنئیے۔

(۱) جس طرح ہم نے کتب حدیث کے حوالے سے اول ماخلق اللہ القلم کی حدیث نقل کی ہے اور سابقہ ہی اس کی تصحیح میں باحوالہ عرض کر دی ہے مؤلف مذکور کا یہ اختلافی اور علمی فریضہ تھا اور ہے، کہ وہ اول ماخلق اللہ نورس کی حدیث کسی بھی حدیث کی معتبر کتاب سے باسناد نقل کرتے اور پھر اس کی سند کی تصحیح بھی ساتھ نقل کرتے مگر وہ ایسا نہیں کر سکے اور انشاء اللہ العزیز نہیں کر سکیں گے تو جو روایت داوود ماخلق اللہ القلم کتب حدیث میں موجود ہے اور محمد میں کلام کی تصریح کے ساتھ وہ صحیح بھی ہے تو اس کو کیوں نہ اول حقیقی پر محمول کیا جائے اور اس کے مقابلہ میں غیر ثابت روایت کو کیوں اول حقیقی پر محمول کیا جائے کیونکہ بقول آپ کے اعلیٰ حضرت کے حدیث ماننے کے لئے ثبوت درکار ہے اور اسی سے آپ اور آپ کی جماعت عاجز ہے آپ کو وہ سند سامنے لانی چاہیے جس سے یہ روایت مروی ہے تاکہ سند

کے لحاظ سے اس بحث کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے (دیدہ یا دید)

(۲) ہم نے تنقید متین ص ۱۲۹ و ص ۱۳۰ و ص ۱۳۱ میں شرح الشفا لملا علی القاری مرقات اور نسیم الریاض للحنفاجی اور نشر الطیب ص ۵ کے حوالے سے یہ عرض کیا ہے کہ نور محمدی سے مراد روح محمدی ہے۔ اور اس کے بعد یہ عرض کیا ہے۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ عبدالحق صاحب نے مدارج النبوة ج ۱ ص ۱۱۱ میں دعویٰ کیا ہے تو اس معنی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں لہذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں ہاں اس سے نصوص قطعیہ صریحہ کا رد کرنا اور آپ کی بشریت۔ آدمیت اور انسانیت کا انکار کرنا جیسا بعض اہل بدعت کا وتیرہ ہے قطعاً غلط اور سراسر بے بنیاد ہے الخ (تنقید متین ص ۱۳۱)

غور فرمائیے کہ ہماری اس تصریح کے بعد مرقات کے حوالے سے قصر دیوبند پر کیا زد آتی ہے؟ اور کیا اس سے اس کی کوئی اینٹ یا روڑ یا پلستر ہی اپنی جگہ سے ہلتا ہے؟ بلکہ ان حوالوں سے تو قصر دیوبند اور مضبوط ہوتا ہے کہ جو معنی مرقات میں حضرت ملا علی القاری نے بیان کیا ہے وہی معنی حضرت تھانوی نشر الطیب میں بیان کرتے ہیں اور ہماری عبارت میں تضاد سے مراد جیسا کہ تنقید متین کی عبارت سے بالکل ظاہر ہے ایسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس طرح تو تسلیم کیا جائے جس سے آپ کی بشریت کا رد لازم آتا ہو جو قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اس میں تضاد ہے مگر مؤلف مذکور اپنی کم فہمی اور جہالت کی وجہ سے اول ماخلق اللہ القلم کی حدیث کا اول ماخلق اللہ نورس سے تضاد سمجھ رہے ہیں اور ان میں سے ایک کو بعض حضرات اول حقیقی پر اور دوسرے کو اول اضافی پر حمل کرتے ہیں گو ہمارے نزدیک اول ماخلق اللہ نورس کی حدیث سند کے لحاظ سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے اور تو اس میں نور سے مراد روح ہے جس کی ہم نے تصریح کی ہے اور لکھا ہے کہ اس سے کسی نص کے ساتھ تضاد لازم نہیں آتا اور اس کے تسلیم کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں کیونکہ اس بیان کے مطابق آپ کی ذات بشر اور آپ کی صفت نور ثابت ہوتی ہے۔ اور تنقید متین میں ہم نے اس کی تصریح کی ہے بلاشبہ حضرت ملا علی القاری اول مخلوقات میں آپ کے نور کا ذکر کرتے ہیں اور اسی کو راجح قرار دیتے ہیں اور حافظ ابن حجر اول خلق کے بارے میں اختلاف تو نقل کرتے ہیں لیکن ترجیح حدیث قائم کو دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہی حدیث صحیح ہے جیسا کہ موضوعات کبیر

کے حوالہ سے یہ بات تنقید متین میں عرض کر دی گئی ہے لہذا مؤلف مذکور کا حافظ ابن حجر کو حضرت علامہ القاری کا اس میں ہمنوا قرار دینا محض سینہ زوری ہے حافظ ابن حجر ارضی لحاظ سے اس کی تردید کرتے ہیں کہ اول مخلوقات میں نوری کی حدیث ہونہ یہ کہ اس کی تائید کی تصریح کرتے ہیں جیسا کہ مؤلف مذکور نے کم فہمی سے یہ سمجھ لیا ہے۔ اسی طرح علامہ اسلام اور انہار کی عبارات میں آپ کے نور کے اول مخلوقات ہونے کا ذکر ہے اور دیگر بہت سے علمائے اس کا ذکر کیا ہے لیکن نزاع اس میں ہے کہ صحیح حدیث کی رو سے اول مخلوقات کیا ہیں ثابت ہے نزاع علمائے عبارات اور اقوال کے بارے تو نہیں خدا کرے کہ مؤلف مذکور بات کو سمجھ سکیں۔

(۳) انصار کی عبارت میں مسلم کی جن روایت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ۔

كتب الله مقادير الخلائق قبل ان يخلق السموات والارض بخمسين الف سنة قال وعرضه على السماء۔
 اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی خلقت سے پہلے ہزار سال قبل مخلوقات کی تقدیر لکھ دی تھی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عرض پانی پر تھا۔

(مسلم ج ۲ ص ۳۵۵)

اس صحیح اور مرفوع روایت سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ مخلوقات کی تقدیر آسمان اور زمینوں کی خلقت سے پچاس ہزار سال قبل لکھی گئی اس میں قلم کی خلقت کا کوئی ذکر نہیں کروہ کب ہوئی ممکن ہے کہ قلم تقدیر کی خلقت اس سے بھی بہت قبل ہو لیکن اس کے ساتھ لکھنے کا معاملہ آسمانوں اور زمین کی خلقت سے پچاس ہزار سال قبل ہوا جیسا کہ زمین کا مادہ آسمانوں کی خلقت سے پہلے بنایا گیا اور دو روز میں کھینچا گیا، بعد کو ہوا نوسیدک مسلم کی روایت سے قلم کی پیدائش کے بارے قطعیت سے کچھ ثابت نہیں ہوتا ہاں اس سے بظاہر عرش اور پانی کی خلقت آسمانوں اور زمینوں کی خلقت سے پہلے ثابت ہوتی ہے جیسا کہ امام نووی الشافعی راتونی ص ۶۶ لکھتے ہیں کہ۔

وعرضه على الماء اى قبل خلق السموات والارض والله اعلم وشرح مسلم ج ۲ ص ۳۵۵
 اور اس کا عرض آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے پانی پر تھا۔

صاحب انہار کی یہ تفریح یعنی قلم کی پیدائش اور کتابت سے پہلے عرش پیدا ہو چکا تھا اور وہ پانی پر تھا اس کو مسلم نے روایت کیا ہے ان کا اپنا ذاتی نظریہ اور خانہ زاد تفریح ہے اور یہ تفریح اور بہت سے علماء سے منقول ہے بلکہ بعض نے اس کو الاصح اور بعض نے قول الجمهور سے تعبیر کیا ہے۔ مگر مسلم کی روایت میں

اس کا کوئی ذکر نہیں اسی طرح حضرت ابن عباس کے موقوف قول اور اثر سے صرف اتنا ثابت ہے کہ پانی ہوا کی پیشہ پر تھا نہ تو اس قول سے قلم کی خلقت کی اولیت کی نفی ہوتی ہے اور نہ ان مذکورہ اشیاء سے اس کی خلقت کی تاخیر ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ کسی بھی صاحب فہم سے مخفی نہیں اسی طرح مؤلف مذکور کا یہی عقیدہ ہے جہاں لکھنا دلپس ثابت ہوا کہ قلم کی پیدائش ہوا پانی اور عرش کے بعد ہے، یہ ان کی اہواں سے پیشہ و علماء کی غلط تفریح ہے اس حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں عبارت کے آخر میں صاحب ازحار کا یہ دعویٰ کہ اور جو چیز سے پہلے پیدا ہوئی وہ نور محمدی ہے جیسا کہ میں نے المورد لاسولہ میں بیان کیا ہے نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ ہمیں تو ثبوت ایسی صحیح حدیث سے درکار ہے جو باسند ہو اور محدثین کرام سے اس کی باحوالہ تصحیح منقول ہو کہ اول مخلوقات نور محمدی ہے صاحب انہار کے غیر معصوم قول سے یہ مسئلہ تو ثابت نہیں ہوتا اور نہ ثابت ہو سکتا ہے مگر افسوس ہے کہ مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے علماء میں بات سمجھنے کا سر سے سلیقہ ہی نہیں اور نہ دعویٰ اور دلیل کی تقریب نام کا وہ خیال کرتے ہیں۔

(۴) بلاشبہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اول مخلوقات میں نور محمدی کی حدیث کے صحیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن ہمارا اول بدعت کا نزاع اسی بات میں ہے کہ اول ماخلق اللہ نوری کی حدیث۔ حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ اس کی سند کیا؟ اور کیسے ہے؟ محض حضرت شیخ عبدالحق صاحب کے صحیح کہنے سے بے ثبوت روایت صحیح تو نہیں ہو جاتی حدیث کی صحت کے لئے ثبوت اور سند درکار ہے اور وہی کوہ کند اور کاہ بر آوردن کا مصداق ہے۔

آگے ان کی جتنی تفریعات ہیں وہ اسی پر متفرع ہیں کہ یہ مذکور حدیث صحیح ہے حالانکہ اس کی صحت کسی طرح بھی اصول کے لحاظ سے ثابت نہیں اول مخلوقات میں عقل کی حدیث کی انہوں محققین کے حوالے سے تضعیف کر دی ہے لیکن حدیث اول ماخلق اللہ القلم بھی انہوں نے نقل کی ہے اور اس کے بارے یہ تحریر فرمایا ہے کہ حدیث اول ماخلق اللہ القلم نیز گفتہ اند کہ اول بعد العرش والماء است و واقع شدہ است و کان عرش علی الماء۔ (مدارج النبوة ج ۲ ص ۲۱۷) اور یہ ایک تاویل ہے۔ اس حدیث سے قبل اور بعد علی التبعین کچھ ثابت نہیں کما تر۔

یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں کسی کا کام بھی محققانہ نہیں ہو سکتا جب اول ماخلق اللہ القلم کی حدیث صحیح ہے تو نہ نرا کیا ہر مسلمان کو محبت رسول کے جذبہ سے اس پر دیوانہ وار فریفتہ

ہونا چاہیے اور صحیح حدیث کے پیش نظر غلام کو اول خلق سمجھنا چاہیے اور اس کے مقابلہ میں جملہ اقوال کے مناسب توجیہ اور تاویل کی جائے نہ ہو سکے تو رد کر دے جائیں کیونکہ ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے اگر فیصلہ اللہ تعالیٰ راقم آئیم کا مطالعہ قوی اور وسیع نہ ہوتا تو بے ثبوت حدیث کو آنکھیں بند کر کے پلے بانہ دھ لیتا اور صحیح حدیث تک سے سالی ہی نہ ہوتی مگر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی سے صحیح حدیث تک رسائی ہو گئی و ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔

مؤلف مذکور کا حقائق سے چشم پوشی کر کے اور جبل مرکب کے گھوڑے پر سوار ہو کر یہ لکھنا جب خود جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا الی قولہ تو آنجناب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید کی جرات کیونکر ہوئی البتہ ان کے خبیث باطن کا نتیجہ اور خاص جبل و تلمیس ہے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز صلح کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا ہے۔ یہ سمجھنے والے حضرات کی خود اپنی ذاتی تفریح ہے وہ کون مسلمان ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ اس کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ثابت شدہ قول کی تردید کی جرات ہو ۹ اور وہ تردید کر کے مسلمان بھی رہ سکتا ہے؟ حاشا وکلائم حاشا وکلا ع ای خیال است و محال است وجنوں !

قارئین کرام! کیا ہم مؤلف مذکور کی بولی میں یہ کہنے میں حق بجانب نہیں کہ وہ معاذ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغض میں آکر آپ کی صحیح حدیث اول ماخلق اللہ القلم کو رد کر رہے ہیں یہ جرات ان میں کیونکر آئی؟ کیا ان کے مذہب ناہنڈ نے ان کو یہ طریق سکھایا ہے؟ یا غیر معصوم اقوال و آراء کے تحت وہ نبی معصوم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کو رد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ ابھی تو یہ کار و واڑہ کھلا ہے تو یہ ورنہ سوئم چہلم اور عرسوں کے لذت کھانے اور گیارھویں شریف کی مٹھائیاں اور جلیبیاں آپ کو ہرگز عذاب خداوندی سے نہیں چھڑا سکیں گی۔ اور آپ کو یقیناً وقت آنے پر کف انموس ملتا پڑے گا مگر اس وقت کہ جب۔

ع اب پختائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ راقم آئیم کو کتابوں سے ذہنی مفاد اور سیکے توجہ ندام حاصل نہیں ہوئے اور لکھنے کا مقصد بھی یہ نہ تھا جبکہ مؤلف مذکور کی بدگمانی ہے البتہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راقم آئیم کی مدلل اور باحوال کتابوں سے ہزاروں لوگ بزرگ و بدعت سے تاب ہو گئے ہیں۔

(۵) ہمارے دعویٰ کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یابن نبی نور تسلیم کرنا جس سے

آپ کی بشریت کا انکار لازم آئے یہ عقیدہ غلط ہے اور اس سے نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ کا رد لازم آتا ہے جو بجائے خود کفر ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) اگر اول ماخلق اللہ نوری کی حدیث صحیح بھی ثابت ہو جاوے اور نور سے روح مراد ہو تو چونکہ اس سے نصوص کا رد لازم نہیں آتا اس لئے یہ درست ہے ہم نے عقیدت میں اس کی تصریح کی ہے جس کو مؤلف مذکور شریعت صمدل سمجھ کر پلے گئے ہیں ہمارے دعویٰ کا بنیادی نقطہ یہ نہیں ہے کہ اول خلق قلم ہے یا نور محمدی ہے ان میں سے جو نسا بھی اول حقیقی ثابت ہو گیا دوسرا اضافی ہو جائے گا۔ مگر چونکہ ہماری دانست اور تحقیق کے مطابق اول ماخلق اللہ القلم کی حدیث صحیح اور ثابت ہے اس لئے اس کو محض غیر معصوم اقوال و آراء کی خاطر ترک کر دینا مستحسن بات نہیں ہے حضرت ام المومنین نے جو یہ فرمایا کہ ارواح نورانی ہوتی ہیں تو بجائے یہ کیونکہ روح کی تعریف عند البعض یہ ہے جسم لطیف ساد فی بدن الانسان اور دوسرے الفاظ میں یہی جسم لطیف نورانی کہلاتا ہے لیکن اس سے مؤلف مذکور کو کوئی فائدہ نہیں اور میں کوئی نقصان نہیں۔ کمالا یحییٰ۔

(۶) امام عبدالرزاق اور امام بیہقی نے تو تشریح حدیث میں ہیں اور انہوں نے اول المخلوقات کا اختلاف چھیڑا اور اس پر بحث و تحقیق کی ہے انہوں نے تو بقول آپ کے اعلیٰ حضرت وغیرہ کے صرف اول ماخلق اللہ نوری کی حدیث نقل کی ہے جس کی صحت ہی محل نزاع ہے امام قسطلانی اور علامہ زرقانی بلاشبہ اول ماخلق اللہ نوری کو نقل کرتے اور بظاہر اس کو ترجیح دیتے ہیں لیکن یہ دونوں بزرگ سیرت نگار ہیں اور سیرت کی کتابوں میں رطب و یابس سب کچھ ہوتا ہے تحقیق بہت کم ہوتی ہے چنانچہ آپ کے اعلیٰ حضرت ہی ایک مقام پر معارج النبوت کے بارے لکھتے ہیں کہ کتاب میں رطب و یابس سب کچھ ہے احکام شریعت پر صحت اسلئے ہم نے تحقیق تشریح حدیث اور رباب تاریخ کی قید لگائی ہے یابن ہبہ بزرگ حتمی طور پر نور کی اولیت ہی کا ذکر نہیں کرتے بلکہ وہ اولیت اضافیہ کو بھی نظر انداز نہیں کرتے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ۔

دوی السدی اور سدی نے
 باسانید متعدد ان اللہ لم یخلق
 شیئا مما خلق ای من جمیع المخلوقات
 تعالیٰ نے جو ایشیا پیدا کی ہیں یعنی تمام مخلوقات میں
 سے پانی سے پہلے کوئی چیز نہیں پیدا کی اس روایت
 میں اور اس سے پہلی روایت میں جو حضرت جابر
 من حدیثی جابر و ابی ذرین بان اولیۃ

خلقه القلم بالنسبة الى ما عند النور
المحمدى والماء والعرش انتهى وقيل
في الجمع ايضا الاولية في كل من المذكور
بالاضافة الى جنسه اى اول ما خلق
الله من الانوار نوردى الضمير له صلى
الله عليه وسلم وكذا يقال في باقيها
اى اول ما خلق مما يكتب القلم الذى
كتب المقادير اول ما خلق مما يصدق
عليه العرش عرش الله اذ العرش
يطلق على معان كما في القاموس اه
(المواهب مع شرحه للزرقانى ج ۲ ص ۴۵)

اور حضرت ابو زریں کی روایتیں میں تطبیق یہ
ہے کہ قلم کی اولیت خلقت کے لحاظ سے نور محمدی
اور پانی اور عرش کی خلقت کے سوا ہے ان کی بات
پوری ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے تطبیق کے سلسلہ
میں کہ اولیت ہر ایک کی ان مذکورہ چیزوں میں
سے اپنی مجلس کی طرف اضافت کے اعتبار سے ہے
یعنی انوار میں سے سب سے پہلے میر انور پیدا کیا گیا
اور ضمیر متکلم (آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف
راجع ہے اور اسی طرح باقی امور کے متعلق کہا گیا
ہے یعنی قلموں میں سب سے پہلے قلم تقیہ اور جنون
میں سب سے پہلے عرش پیدا کیا گیا کیونکہ عرش کا
اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے جیسا کہ قاموس میں ہے۔

اس عبارت میں تصریح ہے کہ امام احمد قسطلانی جو ماتن ہیں اور امام عبد الباقی زرقانی جو شارح ہیں
اولیت اضافیہ کو بھی برابر بیان کرتے اور اس کو عملی طور پر ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور حضرت ملا علی القاری شارح
حدیث میں ہیں اور محقق بھی ہیں مگر ان کا حوالہ ہم نے تنقید میں ۱۲۹ میں دیا ہے شیخ عبد القادر الجبر الہری
صوفی قسم کے بزرگ ہیں محققین شارح حدیث میں ان کا مقام اور نمبر نہیں ہے اور شیخ عبد الحق دہلوی
کا حوالہ خود ہم نے تنقید ۱۳۱ میں دیا ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں اور صرف یہی دونوں بزرگ
ہیں شارح حدیث نہیں بلکہ شرح حدیث کی اور بھی بے شمار اور اقلہ دو کتابیں موجود ہیں جن کے شارح
محقق بھی ہیں لیکن ان کے شروع اس کے ذکر سے خالی ہیں ان فرض ہمارے الفاظ محققین شارح حدیث
اور اباب تاریخ کی الفاظ بالکل واضح ہیں۔ اور مؤلف مذکور محققین شارح حدیث سے بجز ہمارے بیان
کردہ حوالوں کے اور کوئی حوالہ نہیں پیش کر سکے مگر شیطان مردود ہی اگر کسی کی آنکھوں پر ضل اور تعصب
کی پی بن دھو دے کہ اسے یہ الفاظ نظر ہی نہ آئیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔

ع گرنہ بیند بروز شبرہ چشم چشم آفتاب را چہ گناہ۔

(۷) حدیث کی صحت کے لئے سند کی ضرورت ہوتی ہے امام عبد اللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ
الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء (مسلسلہ ص ۱۱)
سند دین کا حصہ ہے اور اگر سند نہ ہو تو شخص
جی جو چاہے گا وہ کہے گا۔

اس لئے جب تک سند اور اس کے روایت کی ثقاہت معلوم نہ ہو حدیث کا کوئی اعتبار نہیں یہ ٹھیک ہے کہ
تشیع اور بدعت کی وجہ سے روایت رد نہیں ہوتی لیکن اگر اہل بدعت کی ایسی روایت ہو جو داعی الی البعدت
ہو تو پھر اس کی روایت قابل قبول نہیں (ملاحظہ ہو شرح نخبۃ الفکر ص ۱۱۶ و قد ریب الراوی ص ۱۲۱ وغیرہ)
اور ایسا راوی جو داعی الی البعدت ہو جبکہ متفرد ہو تو اس کی روایت میں مزید شک پڑ جاتا ہے اور
اس روایت میں امام عبد الرزاق متفرد ہیں امام بیہقی ان سے بہت متاخر ہیں ان کے اس روایت کو
نقل کرنے سے امام عبد الرزاق کا تفرد رفع نہیں ہوتا جب تک کہ امام بیہقی کی روایت میں امام عبد الرزاق
کی بجائے کوئی اور تفرد راوی نہ ہو اور اس حدیث کے الفاظ بھی عینہا وہی ہوں جو امام عبد الرزاق کی روایت
کے ہیں اور اسی طرح علما کرام کا اپنی عبارات میں اس روایت کو یا اس کے مضمون کو نقل کرنا تفرد کو رفع نہیں
کرتا جیسا کہ کتب اصول حدیث جانتے والوں پر یہ بالکل واضح ہے روایت میں راوی کا تفرد تب ہی رفع
ہو سکتا ہے کہ اس راوی کا کوئی اور متابع ہو ورنہ تفرد برقرار ہے گا کما لا یخفی امام ابن خلدون کا لٹونی مستحکم
فرماتے ہیں کہ عبد الرزاق بن ہمام مشہور شیعہ تھے اور آخر عمر میں نابینا اور مختلط بھی ہو گئے تھے امام ابن عدی
فرماتے ہیں کہ انہوں نے فضائل میں ایسی روایات بیان کی ہیں جن میں ان کی کوئی بھی موافقت نہیں کرتا اور
ان کو تشیع کی طرف منسوب کیا گیا ہے (مقدّمہ ص ۳۲ طبع مصر) اور ہم نے تنقید میں ص ۱۳۱ میں شیعیان کے مشہور
ومعروف کتاب اصول کافی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت علی کے نور
ہونے کا عقیدہ شیعہ کا ہے لہذا جب شیعہ راوی ایسی روایت نقل کرے جس میں اس کا عقیدہ مضمر ہو اور
ہو بھی وہ متفرد تو اصول حدیث کے لحاظ سے اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اور اسی سے ملتا جلتا مضمون
آپ کے اعلیٰ حضرت بھی لکھتے ہیں۔

۵ تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا تو بے عین نور تیرا سب گھرا نور کا
(حدائق بخشش حصہ دوم ص ۱۱)

(۸) کاش کہ مؤلف مذکور تنقید میں ص ۱۳۲ و ۱۳۳ میں درج کردہ روایات کا حوالہ دیتے اور پھر ساتھ

ہی وہ حوالے بھی نقل کر دیتے کہ یہ روایات باطل اور موضوع ہیں اور ان میں کذاب راوی موجود ہیں تاکہ عوام کو بھی کچھ پتہ چل سکتا کہ تنقید متین میں کونسی روایات کو باحوالہ موضوع اور باطل کہا گیا ہے اور ان کے باطل اور موضوع ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ مگر مؤلف مذکور نے اپنے بڑوں کی طرح یہاں بھی دلیل سے کام لیا ہے اور یہ محفل جملہ کلمہ کرم کو مغالطہ میں مبتلا کر رہے ہیں کہ نور محمدی کے اول خلیف ہونے کی روایات ہر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی سرفراز نے کہا ہے کہ ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر الجھیرت اور افسوس ہے اس دلیل و قیاس پر قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ تنقید متین کا مطالعہ کریں تاکہ حقیقت بالکل نمایاں ہو جائے۔

مؤلف مذکور کی جہالت اور کور مغزی ملاحظہ فرمائیے کہ ہم نے تنقید متین ص ۱۳۳ میں لکھا ہے کہ اگر نور محمدی کا مطلب روح محمدی ہو تو اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ عبدالحق صاحب نے مدارج ص ۷۰ میں دیکھی کیا ہے تو اس معنی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں لہذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں ہاں اس سے نصوص قطعیہ صریحہ کا رد کرنا اور آپ کی بشریت آدمیت اور انسانیت کا انکار کرنا جیسا کہ بعض اہل بدعت کا وہیرہ ہے قطعاً غلط اور سراسر بے بنیاد ہے اھ آپ اس واضح عبارت کو بھی دیکھیں اور مؤلف مذکور کے حضرت نانوتوی کی غیر متعلق عبارت کو نقل کر کے راقم اشیم پر اعتراض کو بھی دیکھیں کہ ان میں کیا ربط اور جوڑ ہے؟ حضرت نانوتوی نے کہاں آپ کی بشریت کا انکار کیا ہے۔ اور کس مقام پر آپ کی آدمیت اور انسانیت کا رد کر کے قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور صریحہ کو ترک کیا ہے؟ انہوں نے تو اول مخلوق میں نور محمدی تسلیم کیا ہے اور آپ کی ذات کو تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے لئے موقوف علیہا قرار دیا ہے اور وہ نور کو روح کے معنی میں لیتے ہیں چنانچہ مناظرہ عجیبہ ص ۱۶ کی اسی عبارت میں جس کا کچھ حصہ مؤلف مذکور نے بھی نقل کیا ہے روح پڑ فتوح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اول ماخلق اللہ نور ہی کو ہم معنی ثابت کر رہے ہیں اور ہم نے بھی تصریح کر دی ہے کہ نور کو روح کے معنی میں لینے سے چونکہ بشریت کا انکار لازم نہیں اور نصوص قطعیہ کا رد لازم آتا ہے اس لئے اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں بفضلہ تعالیٰ نہ تو سرخیل دیوبند نے نصوص قطعیہ کا انکار کیا ہے اور نہ وہ جہنم کا ایندھن بنے ہیں ہاں البتہ آپ کے صدر بالا فاضل ان الفاظ سے کہ قرآن پاک میں جا بجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا اور درحقیقت انبیاء کی شان میں ایسا

لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے بلغظہ نصوص قطعیہ کا انکار کر کے ضرور دوزخ کا ایندھن بنے ہیں حضرت مولانا نانوتوی کا ذکر کر کے آپ نے بلاوجہ اپنے ماؤف دل کی بھڑاس نکالنے کی لا حاصل سعی کی ہے۔ مؤلف مذکور نے حضرت نانوتوی کی عبارت سے جو امور اخذ کئے ہیں اور ان کے چار نمبر قائم کئے ہیں ان میں ایک امر کے ساتھ کسی نص کا رد نہیں ہوتا نصوص بلکہ نصوص کا رد صرف اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ آپ کی بشریت۔ آدمیت اور انسانیت کا معاذ اللہ تعالیٰ رد ہو اور حضرت نانوتوی کی کسی عبارت سے نصوص کے رد کا ادنیٰ سا اشارہ بھی ثابت نہیں ہوتا ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ نصوص کا رد نور محمدی یعنی روح محمدی کے تسلیم کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ بشریت کے رد کرنے سے ہوتا ہے یہ مؤلف مذکور کی خالص جہالت اور نادانی ہے کہ وہ اول ماخلق اللہ نور ہی کے تسلیم کرنے سے نصوص کا رد سمجھتے ہیں جب کہ اس کا معنی روح خود ان کی عبارات سے ثابت ہے

دل میں ناصح آئے کیا اپنا خیال جاسکے کب یار کے مسکن میں ہم
واسطہ فی العروض کی بحث مؤلف مذکور نے تحذیر اناس ص ۳۳ کی ایک مختصر سی عبارت نقل کر کے اور حضرت مولانا نانوتوی کی مراد کو نہ پاتے ہوئے اپنی کم فہمی اور تعصب کی وجہ سے مولانا نانوتوی کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا معاذ اللہ تعالیٰ منکر قرار دے کر خوب اپنے مریض دل کی بھڑاس نکالی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اس میں قدرے تفصیل سے کلام کریں۔ حضرت نانوتوی یہ فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اور رسالت حق ہے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درجہ کا اور کوئی نبی نہیں آپ کی نبوت بالذات (یعنی اولاً اور بالذات) ہے اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت آپ کے طفیل اور آپ کے فیض کا نتیجہ ہے اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے لئے آپ واسطہ فی العروض ہیں خود حضرت مولانا کی چند عبارات ہم عرض کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اور میوں کی نبوت پر ایمان ہے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برابر کسی کو نہیں سمجھتا اھ (مناظرہ عجیبہ ص ۱۶)

(۲) یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سو آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت

بالعرض اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں آپ پر سلسلہ نبوت مختلف ہو جاتا ہے (تخذیر الناس ص ۱۱)

(۳) موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہونا مثال درکار ہے تو لیجئے زمین و کہسار اور درو دیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا نور کسی اور (مخلوق - مفقود) کا فیض نہیں اور ہماری غرض وصف ذاتی ہونے سے اتنی ہی تھی یاں ہمیرہ وصف اگر آفتاب کا ذاتی نہیں تو جس کا کہو وہی موصوف بالذات ہوگا اور اس کا نور ذاتی ہوگا کسی اور سے مکتسب اور کسی اور کا فیض نہ ہوگا

اھ (تخذیر الناس ص ۱۱)

(۴) مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرد اکل وہ واسطہ فی العروض ہوگا جو اپنے معروضات کے حق میں موصوف بالذات ہوتا ہے۔ اگرچہ کسی اور کی نسبت وہ بھی معروض ہو جیسے آئینہ وقت نور افشانی درو دیوار اگر درو دیوار کی نسبت واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہے تو آفتاب کی نسبت خود معروض ہے (تخذیر الناس ص ۱۱)

(۵) وجود ممکنات بالذات اور ذاتی نہیں بالعرض ہے اور وہ بالذات جو ہر بالعرض کے لئے چاہیئے یہاں وہ وجود ہے جو ذات بحت سے صادر ہوا ہے اور اس وجہ سے اس کو لازم ذات خداوندی کہنا ضرور ہے اور اسی کو محققین صوفیہ کرام صادر اول اور وجود منبسط اور نفس رحمانی کہتے ہیں اس وجود کو تو عین ذات کوئی نہیں کہتا اھ (مناظرہ عجیبہ ص ۱۱)

(۶) بہر حال موصوف بالذات تو تمام موصوفین بالعرض سے موجود فی الخارج ہوں یا مقدر الوجود افضل ہوتا ہے اور سو اس کے اور کسی کی افضلیت ایسی عام اور شامل اور مطلق نہیں ہوتی اھ (مناظرہ عجیبہ ص ۱۱)

(۷) اور انبیاء کی نبوت تو آپ کی نبوت کا پرتو ہے پر آپ کی نبوت پر قصہ ختم ہو جاتا ہے اور اس بات کو آپ کے دین کا ناسخ الادیان ہونا اسی طرح لازم ہے جیسے آفتاب کے نور کا اور انوار کو جو کھو کر دنیا الوجود (تصفیۃ العقائد ص ۱۱)

(۸) اور نیز یہی ہر کوئی سمجھ گیا ہوگا کہ واسطہ فی العروض حقیقی دربارہ وجود کہیئے یا کسی اور صفت و ہونے کی نسبت کیلئے سوا وجود مطلق خداوند برحق کے اور کوئی نہیں آخر اپنے وجود کا حال کون نہیں جانتا کہ عرضی ہے ذاتی نہیں ورنہ ہمیشہ سے ہوتا اور ہمیشہ رہتا یہ عجیب حادثہ اور داغ احتیاج ہی کیوں ہمارا نام لگتا اور جب وجود عرضی ہے تو صفات وجودیہ ہر تہا ہر پہلے عرضی ہوں گی اور اس تقریر سے کیفیت ارتباط عالم بھی اپنے خالق کے ساتھ کسی قدر محقق ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سو اس کے اور کسی کو اگر واسطہ فی العروض کہتے ہیں تو بایں معنی کہتے ہیں کہ صفت متوسط فیہا خالق سے اول وہی لیتا ہے اور سو اس کے اوروں کو اس کے واسطے سے پہنچتی ہے بایں ہمہ ایک وصف اعنی ایک حصہ اس کا مثل واسطہ فی العروض حقیقی دونوں میں مشترک ہوتا ہے اھ (آب حیات ص ۱۱)

(۹) بالجملہ آیت النبوی اولی بالمؤمنین من انفسہم جس تفسیر سے لیجئے مثل آفتاب نیم روز اہل نظر کے لئے اس بات پر شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منشا وجود ارواح مؤمنین ہیں اور مابین روح نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ارواح مؤمنین وہ رابطہ اور ارتباط ہے کہ منشا انتزاع اور انتزاعات میں ہوا کرتا ہے اور چونکہ بشہادت تقریرات گذشتہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انتزاع میں بین الشیئین ہوا کرتا ہے چنانچہ لفظ انتزاع ہی خود اس بات پر شاہد ہے کہ شے ثانی کے لئے دربارہ اقصاف روحانیت روح نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واسطہ فی العروض ہوگی کیونکہ منشا انتزاع موصوف بالذات ہوا کرتا ہے اور موصوف بالذات ہی واسطہ فی العروض ہوا کرتا ہے مگر کہاں اس بات کو سمجھنا کہ موصوف بالذات ان دونوں میں سے کون سا ہے ہر کسی کا کام نہیں اہل اہم متوسطہ بسا اوقات موصوف بالعرض کو موصوف بالذات اور موصوف بالذات کو موصوف بالعرض سمجھ لیتے ہیں چنانچہ انتزاع فوقیت و تحتیت میں اکثر یہی ہوتا ہے اھ (آب حیات ص ۱۱)

(۱۰) سو واسطہ فی العروض ہونے کی پوری پوری صفت تو خداوند کریم ہی میں ہے چنانچہ اوپر قوم ہو چکا اور اس وجہ سے اُس کو مالک حقیقی سمجھنا چاہیئے دوسرے مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مالکیت سمجھئے کیونکہ اول تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محققین کے نزدیک وسیلہ تمام فیوض اور واسطہ فی العروض تمام عالم کے لئے ہیں چنانچہ آپ کے لئے مقام وسیلہ کا ملنا بھی عقل کے نزدیک اسی طرح مشیر ہے و العاقل تکفیدہ الاشارة اور یہاں سے سمجھ میں آتا ہے کہ عجب نہیں

جو روایت لولاك لما خلقت الافلاك صحیح ہو کیونکہ اس کا مضمون صحیح ہی معلوم ہوتا ہے اور
 رآب حیات ص ۱۷۷، نَبْلًاكَ عَشْرًا كَامِلَةً۔

حضرت نانوتومی کی ان عبارات اور اقتباسات سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ حضرات انبیاء کرام علیہم
 الصلوٰۃ والسلام اور ارواح مؤمنین بلکہ تمام عالم کے لئے آپ وسیلہ فیض اور واسطہ فی العروض ہیں اور
 یہ وہی چیز ہے جس کو مؤلف مذکور نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالہ سے یوں نقل کیا ہے۔

بدانکہ اول مخلوقات و واسطہ صدور کائنات جان لو کہ اول مخلوقات اور واسطہ خلق عالم آدم
 و واسطہ خلق عالم و آدم نور محمد است صل اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم چنانچہ در حدیث صحیح وارد شدہ
 کہ اول ما خلق اللہ نوری و سائر کونات علوی
 و سفلی ازاں نور و ازاں جوہر پاک پیدا شدہ اھ
 (مدارج النبوت ج ۲ ص ۷۰)
 (توضیح البیان ص ۱۶۲)
 غرضیکہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتومی نے اس حضرت صل اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیگر
 حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام (بلکہ تمام جہان) کے لئے جو واسطہ فی العروض کہا ہے
 تو اس میں انہوں نے کسی نفس یا حضرات سلف صالحین میں سے کسی محقق کے قول کی قطعاً کوئی خلاف
 و ردی نہیں کی اور اسی طرح آپ کی ذات کو تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے موقوف
 علیہا کہنا اور نیز آپ کی نبوت کا بالذات اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت
 کا بالعرض کہنا اس تفصیل کے ساتھ جو خود ان کی اپنی عبارات میں گذر چکی ہے بالکل صحیح ہے اور اسی
 طرح ہمارے بھی کسی میان کا حضرت نانوتومی کی کسی عبارت سے ہرگز کوئی تضاد و تصادم نہیں جیسا کہ
 کسی بھی عقلمند اور بالانصاف پر یہ بات ہماری عبارات کے پیش نظر مخفی نہیں ہے باقی ضدی اور
 متعصب کے لئے اس جہان میں کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔

صدتف کروہ سلجھی ہونی تقریر بجمہا کزنا ہوں میں سوئے غم پنہاں کی شکایت

دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا انکار (معاذ اللہ تعالیٰ) سے لاعلمی کی بنا پر اپنے بڑوں کی تقلید کرتے ہوئے یہ سٹی شوشہ
 مولف مذکور نے منطوق و معقول کی ایک واضح اصطلاح

بھی چھوڑا ہے کہ اگر آنحضرت صل اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت بالذات ہے اور دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
 والسلام کی نبوت بالعرض ہے اور آپ ان کی نبوت کے لئے واسطہ فی العروض ہیں تو دوسرے حضرات
 انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نبوت کی نفی بھی درست ہے جیسا کہ کشتی میں سفر کرنے والا حقیقہً
 متحرک نہیں متحرک تو صرف کشتی ہے مسافر تو مجازی طور پر متحرک ہے اور اس سے حرکت کی نفی درست
 ہے تو اس لحاظ سے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نبوت کی نفی صحیح ہوگی حالانکہ ان کی نبوت
 کا انکار کفر ہے جس سے قرآن کریم کی صد آیات کا انکار لازم آتا ہے اور اس کی بنیاد آپ کو موقوف
 علیہ اور واسطہ فی العروض کہنا ہے (محصلاً توضیح البیان ص ۱۶۱ و ص ۱۶۹)

سو جواباً گذارش ہے کہ مؤلف مذکور خود جو خط کا شکار ہیں واسطہ فی العروض میں وصف کی نفی
 بالذات کی ہوتی ہے نہ کہ وصف بالعرض کی جالس فی السفینہ سے حرکت کی نفی نہیں بلکہ بالذات حرکت
 کی نفی ہے اور جالس فی السفینہ متحرک بالعرض ہوتا ہے اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی لہذا دوسرے
 انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بالعرض نبوت کی نفی ہرگز درست نہیں ہے بل بالذات کی نفی
 ضرور ہے لیکن بالذات نبوت ان کے لئے ثابت ہی کب ہے کہ نفی سے کوئی محدور لازم آئے؟ ان کی
 نبوت تو آپ کے فیض کا ثمرہ ہے۔ مؤلف مذکور کا یہ شوشہ بھی ان کے بے خبر دماغ کی پیداوار نہیں بلکہ یہ
 شوشہ مولانا عبد العزیز صاحب امرہ ہوی کا ہے۔ جو جوابات مخدورات عشرہ الموسومہ بمنظرہ عجیبہ
 میں مخدورات ثالث میں مع جواب کے مذکور ہے۔ چنانچہ اعتراض کا ایک حصہ یہ ہے۔ اگر چہ نسبت
 وصف کی طرف ذمی واسطہ کے ایجاباً مجازاً کرتے ہیں مگر حقیقت سلب کرتے ہیں پس لازم آیا
 کہ انبیاء موصوفین بالعرض عاری عن النبوت مثل ممکنات عاری عن الوجود کے ہوں اور سلب
 نبوت کا حقیقہً ان سے درست ہوا ہے (منظرہ عجیبہ ص ۹)

اس سوال اور شوشہ کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا نانوتومی ارقام فرماتے ہیں کہ خلاصہ
 اعتراض اول تو یہ ہے کہ انبیاء باقی سے سلب نبوت ذاتی بمعنی بالذات لازم آئے گا اس کا جواب تو
 فقط اتنا ہے کہ یہ اعتراض تو اور انبیاء کے نبی بالذات ہونے پر موقوف ہے اگر اعتراض کہنا تھا تو پہلے

اس مقدمہ کو ذکر اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت بالذات ہے آپ کے طفیل فیض اور واسطہ سے نہیں۔ بقدر ثابت کرنا تھا سو یہ مقدمہ آپ سے ثابت ہوا انشاء اللہ تعالیٰ اور مناظرہ صحیحہ اب مولف مذکور اور ان کے زعم و خویش لائق۔ قابل اور محقق استاد ہی یہ مقدمہ ثابت کر دکھائیں کہ باقی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت بالذات ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیض اور واسطہ فی الغرض ہونا اس میں نہیں ہے۔ اگر ایسا ثابت کر دیں تو پھر اعتراض بجا ہوگا ورنہ مردود ہے اور انشاء اللہ العزیز یہ ثابت نہیں کر سکتے۔

باقی قرآن کریم کی آیت کریمہ لَا تَقْرَبُوا مَنَاسِكَاتٍ مِّنْ دُونِہَا اور علامہ ابوالسعود کی تفسیر کے حضرت مولانا نانوتوی ہرگز مخالف نہیں کیونکہ حضرت نانوتوی قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر کی روشنی میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نفس نبوت میں قطعاً کوئی فرق نہیں کرتے سب کو نبی تسلیم کرتے ہیں ہاں اوصاف مخصوصہ کے فرق کو ضرور ملحوظ رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصف نبوت سے بالذات متصف ہیں اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وصف نبوت سے بالعرض بیوقوف ہیں جیسا کہ علامہ ابوالسعود کی تفسیر میں ہے لہذا عوام الناس کو لافرق الآیۃ اور علامہ ابوالسعود سے اس کی تفسیر نقل کر کے مغالطہ دینا جیسا کہ مولف مذکور نے کیا ہے اہل علم کی شان سے کوسوں دور ہے مگر اہل بدعت کو اس سے کیا نہیں تو علماء دیوبند کثرتاً اللہ تعالیٰ جماعتہم سے عوام کا لانعام کو عنقریب کرنے کے لئے کوئی بھی حربہ اور شوشہ درکار ہے۔

نئی کچھ نہیں ان کی جان بازیاں یہی کھیل ان کا اور کین سے ہے

اغرض حضرت مولانا نانوتویؒ کو کسی ایسی جگہ میں مبتلا ہونے میں اور نہ کسی نفس قطعی اور خیر متواتر کی کوئی تاویل انہوں نے کی ہے یہ عمدہ جلیلہ آپ کے صدر الافاضل کو ہی حاصل ہے کہ وہ آپ کی بشریت کا اس عبارت میں انکار کر کے صدر انصوص اور احادیث متواترہ اور اجماع امت کے منکر ہو کر دوزخ کا بندھن بنے ہیں اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو آتش دوزخ سے بچانے آمین رہا مولف مذکور کا یہ شوشہ کہ مولانا نانوتویؒ نے تحذیر الناس میں ظلی اور بروزی نبوت کا راستہ دکھا کر مرزا غلام احمد کو دعویٰ نبوت پر آمادہ کیا ہے اور امت دیوبند آج تک مرزا لیکر اس استدلال سے جان نہیں چھڑا سکی

(محصلاً) لویہ حض ان کی لاعلمی اور جہالت کا پلندہ ہے اس مسئلہ پر دیگر علماء کرام نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی جگہ پر ہے راقم اثیم نے بھی بانی دارالعلوم دیوبند اور عبارات اکابر حصہ اول میں بقدر ضرورت اس کی بحث کر دی ہے جب اس کا فریق مخالف کی طرف سے کوئی معقول جواب آئے گا تو بشرط زیست پھر دیکھا جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ ورنہ کوئی اور اٹھ کھڑا ہوگا کیونکہ مکمل فرعون موسیٰ مشہور مقولہ سے

جسے آپ گیتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا میں یہی ہوں مومن مبتلا نہیں یاد ہو کہ زیاد ہو حضرت تھانویؒ اور حدیث نوریہ مولف مذکور لکھتے ہیں کہ آپ کے حکیم الامت بقول آپ کے باطل روایت کے چکر میں پڑ کر جہنم کے کس طبقہ میں جا پڑے حدیث جابر کے فائدہ میں وہ لکھتے ہیں کہ اس سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا اور یہ اس حدیث میں منصوص ہے اور آپ کسی طور اول حقیقی نہیں مانتے اب یا تو آپ اپنی جہالت کا اقرار کریں یا ان کو جاہل اور خالی کہہ کر جہنم میں جھونکیئے (محصلاً)

جو ابابعرض ہے کہ مولف مذکور یہاں بھی جہل مرکب کا شکار ہیں اور لاعلمی میں کچھ نہ کچھ ہانک کر حضرت تھانویؒ پر دل کی بھڑاس نکال رہے ہیں مگر اس وجہ میں بھی وہ کامیاب نہیں ہو سکتے اولہ اس لئے کہ حضرت جابر کی حدیث کے بارے میں صرف اصولی طور پر اس کی صحت پر باحوالہ کلام کیا ہے کہ اس کی سند معلوم نہیں اور اس کا ظاہر ہی مضمون صحیح احادیث کے خلاف ہے اس کو ہم نے قطعی طور پر باطل اور موضوع تو نہیں کہا جیسا کہ مولف مذکور وجہل کا ثبوت دے رہے ہیں بقول آپ کے حکیم الامت باطل روایت کے چکر میں پڑ کر (محصلاً) ملاحظہ کیجئے کہ علمی طور پر یہ کتنا بڑا وجہل ہے حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ لا یلزم من عدم الصحة وجود الوضع کما لا یحقی (موضوعات کبیرہ ص ۱۱۱) اور مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں لا یصح لا یلزم من عدم الوجود باطلہ الامداد التارہ المرفوعہ لولانا عبدالحیؒ ص ۱۱۱) عدم صحت سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ حنفی نہیں عدم صحت سے اس کا باطل ہونا لازم نہیں آتا۔ وثانیاً اس حدیث جابر پر بحث کرنے کے بعد ہم نے تنقید ص ۱۳۲ و ۱۳۳ میں فائدہ کے عنوان سے لکھا ہے کہ اور بھی متعدد الفاظ آپ کے نور ہونے کے مضمون کے مروی ہیں آگے ہم نے اس مضمون کی بعض حدیثوں کا حوالہ دیا ہے اور باحوالہ ان کا باطل اور

موضوع ہونا ثابت کیا ہے اس ساری بحث کو مؤلف مذکور شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر گئے ہیں اور اس بحث کے آخر میں ہم نے لکھا ہے کہ ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر مسلمانوں کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح اور متواتر احادیث کی تاویل سے عاجز کریں لہذا اور حضرت تقانویؒ نے ان موضوع اور باطل روایات میں ایک سے بھی استدلال نہیں کیا اور نہ ان کے چکر میں پڑے ہیں مگر مؤلف مذکور نے اپنے بڑوں کی سنت اس میں بھی خوب پوری کی ہے اور حضرت تقانویؒ پر بلاوجہ برس پڑے ہیں وثالثاً حضرت جابرؓ کی مذکور حدیث کے بارے باوجود علمی اور اصولی بحث کے راقم نے تنقید میں ۱۳۱ میں لکھا ہے کہ اگر نور سے روح مراد ہو تو اس معنی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں لہذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں لہذا اور اسی صغیر میں ہم نے حضرت تقانویؒ کا حوالہ دیا ہے کہ وہ اسی معنی میں اس کو تسلیم کرتے ہیں تو راقم کا حضرت تقانویؒ کی کسی عبارت سے اختلاف نہیں نہ ان کا کوئی قول راقم کے کسی قول سے متعارض ہے ہم نے اس معنی میں نور کو اول حقیقی تسلیم کیا ہے کیونکہ اس سے کسی نص کی مخالفت لازم نہیں آتی ہماری اس تصریح کے ہوتے ہوئے مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ آپ کسی طور اول حقیقی نہیں مانتے سفید جھوٹ اور خالص افتراء ہے اور بفضلہ تعالیٰ جب راقم ایم اور حضرت تقانویؒ کی بات ایک ہی ہے اور خالص علمی ہے تو ہم میں سے کسی کی جہالت کا کیا سوال ہے حضرت تقانویؒ اپنی جگہ علم و معرفت کے پہاڑ اور راقم ایم ان کی پیروی اور خوشہ چینی کرنے والا ایک ادنیٰ طالب علم ہے جب دونوں کی بات میں کوئی تضاد اور تخالف نہیں تو آپ بیچ میں صلح صفائی کرنے والے تبدرباش کا نمونہ کون ہیں؟

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں در عالم ارواح اول کہہ کہ پیدا شد ایشان بودند تفسیر عزیزی پارہ ۱ ص ۲۱۹ یعنی عالم ارواح میں سب سے پہلے جو پیدا ہوئے وہ آپ ہی تھے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ورا بعا ہم نے تنقید ۱۳۱ میں اس کی تشریح کی ہے آپ کو اگر اس طرح نور تسلیم کیا جائے جس سے آپ کی بشریت آدمیت اور انسانیت کا انکار ہوتا ہو تو اس سے نصوص قطعیہ اور صریحہ کار لازم آتا ہے اور حضرت تقانویؒ نے اپنی لاتعداد کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کا واضح الفاظ میں اثبات کیا ہے ہم یہاں صرف نشر الطیب ہی کا حوالہ عرض کرتے ہیں جس کے ایک حوالہ سے مؤلف مذکور نے حضرت تقانویؒ کے خلاف دل کی بھڑاس نکالی ہے اور اپنے کیا جھوٹ

نور نانو اندہ عوام کو مطمئن کرنے کی لاساصل کاوش کی ہے۔

حضرت تقانویؒ لکھتے ہیں حکمت چہارم چونکہ آپ بھی بشریت میں مادیت میں عنقریب میں امت کے ساتھ شریک ہیں اور بعض امور زائدہ مثل کثرت مال وغیرہ میں اوروں کے ساتھ مساوی بھی نہیں لہذا نشر الطیب ص ۲۴ طبع جدید برقی پریس دہلی الحاصل حضرت تقانویؒ نے تو آپ کی بشریت کا معاذ اللہ تعالیٰ انکار کیا ہے اور نہ کسی باطل حدیث کے چکر میں پڑے ہیں البتہ ایک نامعلوم سند سے روایت کا حوالہ دے کر اس کا ایسا معنی بیان کرتے ہیں جو علامہ خفاجی اور حضرت ملا علی القاریؒ وغیرہ بزرگ بیان کرتے ہیں جو نصوص قطعیہ کے عین مطابق ہے اور فضلہ تعالیٰ وہ جنت کے وارث ہیں آپ اپنی اور اپنے صدرا لافاضل کی فکر کیجئے جن کی خاطر تعصب اور ضد میں آکر آپ بے جا تاویلیں بھی کرتے ہیں اور دوسروں پر خالص جھوٹ بھی بولتے ہیں اور اہل علم کی عبارات سمجھنے سے بھی یکسر قاصر ہیں اور جہل مگر بکمال خالص مجرم ہیں مگر اپنی جہالت سے دلچسپین حاصل کر کے ٹھٹھے نہیں مانتے اور محقق اور مدقق کے القاطب مل کر رہے ہیں فواسفاد یا العجب حضرت تقانویؒ اور حضرت تقانویؒ وغیرہ بزرگ تو بقول علامہ اقبال اس کا مصداق ہیں۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحر اور دریا سمٹ کر بیٹان کی ہیبت سے رائی (درب کیم)
نورائیت محمدی کی تابناک شعائیں یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ جواب لہذا
۳۱ ص ۲۲ پر ہے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں کہ ایک اندھیری رات کو وہ حضور کے ہمراہ بستر بقیعین پہنک ان کے ہاتھ سے سوئی زمین پر گر گئی پس وہ حضور کے چہرہ نور کے ظاہر ہوئی اور ام المؤمنین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے نور سے اس سوئی کو پایا اور اٹھالیا۔

جمع الوسائل ص ۲۶ ملا علی القاریؒ تحریر فرماتے ہیں۔
بعض محققین نے بیان فرمایا کہ ہمارے نبی علیہ السلام کا جمال غایت کمال میں تقاربات سے ثابت ہے کہ آپ کی صورت کا نور دیوار پر منعکس ہوتا تھا اور وہ دیوار آئینہ کی طرح آپ کی صورت نور کی حکایت کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے جمال کو صحابہ کی نگاہوں سے بھی مستور رکھا کیونکہ اگر ان پر مکمل جمال ظاہر ہو جاتا تو وہ آپ کو دیکھنے کی تاب نہ لاسکتے۔

انفاس العارفين ص ۲۲ پر شاہ ولی اللہ شاہ عبدالرحیم سے حکایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے

آپ کو مجھے دبانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

اور علامہ عینی الحنفی لکھتے ہیں۔

والمعنى لو كانت المصاحبة لقبضت رحلي عند الاداء له السجود ولما احو جنته الى غمزي (عمدة القاري ج ۱۱۴) مطلب یہ ہے کہ اگر چراغ ہوتے تو آپ کے سجود کے وقت میں پاؤں خود سمیٹ لیتی اور آپ کو میرے بدن کے دبانے کی حاجت نہ پڑتی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی یہ صحیح روایت اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی حجرہ میں اندھیرا رہتا تھا اور جب آپ رات کو نماز پڑھتے اور چراغ نہ ہوتا تو آپ اپنے ہاتھ مبارک سے حضرت عائشہؓ کا بدن دبانے تاکہ وہ اپنے پاؤں سمیٹ لیں اور آپ سجدہ کر سکیں اور بقول امام نوویؒ اور علامہ عینیؒ یہ اس لئے ہوتا تھا کہ گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے اور اندھیرے کی وجہ سے آپ کو دبانے کی یہ رحمت گوارا کرنا پڑتی تھی ورنہ حضرت عائشہ صدیقہ آپ کو یہ تکلیف دہ نہیں اگر آپ کے نور کی روشنی ہوتی تو اس روشنی کی وجہ سے خود بخود اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں۔ اور کسی بھی صاحب بصیرت پر محض نہیں کہ آپ کے گھر میں اچھا ناچراغ جلتا تھا اگر گھر میں آپ کے نور کی روشنی ہوتی تو چراغ جلانے کی کیا ضرورت تھی؟ و تالفا حضرت ملا علی القاریؒ کی جمع الوسائل کے حوالہ سے جو استدلال مؤلف مذکور نے کیا ہے وہ غلط ہے اس لئے کہ ملا علی القاریؒ اس روایت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں علی ماروی ان صورتہ الخ جیسا کہ روایت کیا گیا ہے یہ روایت کس کتاب میں ہے اس کی سند کیا اور کیسی ہے؟ اس کا کچھ پتہ نہیں تو ایسی جمہول سند اور بے ثبوت روایت سے استدلال کا کیا معنی؟ مؤلف مذکور کی دیدہ ویرمی اور دخل ملاحظہ کیجئے کہ وہ علی ماروی کا معنی کرتے ہیں روایات سے ثابت ہے لاجول ولاقوة الہائند اور یہ ایک خالص حقیقت ہے کہ عقائد باطلہ اور اعمال بدعیرہ جل اور تلمیس کے سوا ثابت بھی نہیں ہوتے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت ملا علی القاریؒ نے مرقات میں پہلے یہ تحریر فرمایا ہے۔

قال ابن حجر اختلف الروایات في اول المخلوقات وحاصلها كما بينت في شرح شمائل الترمذی ان اولها النور الذي خلق الله عليه الصلوة والسلام ثم الماء اي حجر فرماتے ہیں کہ اول مخلوقات کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور ان کا حاصل جیسا کہ میں نے شرح شمائل الترمذی میں بیان کیا ہے یہ ہے کہ اول وہ نور ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

ثم العرش الخ (مرقات ج ۱۱۴)

علیہ وسلم پیدا ہوئے پھر پانی اور پھر عرش ہے۔

اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک بات تو یہ کہ اس مقام میں وہ وثوق سے اول المخلوقات نور محمدی لکھتے ہیں اور دوسری یہ کہ جمع الوسائل شرح شمائل الترمذی انہوں نے مرقات سے پہلے تصنیف فرمائی ہے جس کا حوالہ وہ مرقات کی اس عبارت میں دے رہے ہیں اس کے بعد وہ انہیں لکھتے ہیں

ثم ادبیت فی الدر المنثور نقلاً عن ابن عباس ان اول شیء خلقه الله القلم فقال له اكتب فقال يا ادب وما اكتب قال اكتب التقدير يجری من ذلك بساھو كاثن الى ان تقوم الساعة ثم طوى المكتب ورفع القلم رواه البيهقي وغيره والحاكم وصححه وفي الدر ايضاً عن ابی هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان اول شیء خلق الله القلم ثم النون و هي الدواة الى ان قال وروى ان اول ما خلق الله العقل وان اول ما خلق الله روحی وان اول ما خلق الله العرش والاولیة من الامور الاضافیة فیقول ان كل واحد مما ذكر قبل ما هو من جنسه فالقلم خلق قبل جنس الاقلام ونوره قبل الانوار والافقه ثبت ان العرش قبل خلق السموات والارض فتطلق الاولیة علی كل واحد بشرط التقیید فيقال اول المعانی كذا واول الانوار كذا ومنه

پھر میں نے درغشور میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول یہ روایت دیکھی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو چیز پیدا کی وہ قلم ہے اور اس سے فرمایا اللہ اس نے کہا اسے میرے رب میں کیا لکھوں؟ فرمایا کہ آج سے لے کر قیامت قائم ہونے تک جو تقدیر جاری ہے لکھ پھر صحیفہ لپیٹ دیا اور قلم انہالی اس کو امام بیہقیؒ وغیرہ نے روایت کیا اور امام حاکم نے بھی اور اس کو صحیح کہا ہے اور درغشور میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پھر دوات پیدا کی پھر فرمایا، اور یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل پیدا کی ہے اور پھر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا ہے اور یہ بھی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح پیدا کی اور یہ بھی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عرش پیدا کیا اور اولیت اضافی امور میں سے ہے تو اس کی یہ تاویل کی جائے گی کہ اولیت ہر چیز کی جنس کے لحاظ سے ہوگی مثلاً افعال کی جنس میں قلم تقدیر اور انوار کی جنس میں آپ کا نور پہلے پیدا ہوا اور نہ ثابت ہو چکا ہے

قوله اول ما خلق الله نوری و فی روایة روحی ومعناهما واحد فان الادواح نوراً
ای اول ما خلق الله من الادواح روحی
اھ (مرقات ج ۱ ص ۱۶)

کہ عرض آسمان اور زمین سے پہلے پیدا ہوا ہے۔ تو
اولیت ہر ایک پر بشرط قید بولی جائے گی مثلاً اول
معانی میں فلان چیز اور اول انوار میں فلان ہے اور
اسی سے ہے آپ کا یہ ارشاد کہ اول ما خلق اللہ نوری
اور ایک روایت میں روحی ہے اور دونوں کا مطلب
ایک ہے کیونکہ ارواح نورانی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے
ارواح میں سب سے پہلے میری روح پیدا کی۔

اس عبارت سے یہ امر بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ حضرت ملا علی القاریؒ کے سامنے پہلے حضرت ابن
عباسؒ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ مرفوع روایت ان اول ما خلق اللہ القلم نہ تھی اس صحیح روایت کے
اور اسی طرح اولیت کی دیگر بعض روایات کے سامنے آجانے سے وہ اولیت کو اضافیہ پر حمل کرنے
پر مجبور ہوئے ہیں اگر نور ہی ان کی تحقیق میں اول المخلق ہوتا تو اس پہلی تحقیق پر جسے رہتے اور ان کو اول
اضافی کی تاویل کی ضرورت پیش نہ آتی اور ثم روایت فی الدر المنثور کے الفاظ اس بات کا واضح قرینہ
ہے کہ تفصیل پہلے ان کے سامنے نہ تھی ورنہ وہ پہلے ہی اولیت کو اضافی پر حمل کرتے۔ ورنہ انفس
العارفین کی عبارت سے مواظف مذکور کو کیا فائدہ ہے آپ کے حسن و جمال کا کون مسلمان منکر ہے لیکن
اس جمال کی وجہ سے اس نورانیت اور روشنی کا کیا ثبوت ہے کہ اندھیرے میں گری پڑی سوئی مل جائے
یا درو یا ز نور ہو جائیں بلکہ خود یہ عبارت ان کے خلاف جاتی ہے کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ آپ
کے جمال کو لوگوں کی نگاہوں سے ستور رکھا گیا ہے ظاہر ہے کہ حتی نور تو لوگوں کی نگاہوں سے
اوجھل اور ستور نہیں ہوا کرتا وہ تو ہر کہہ کو عیاں نظر آتا ہے اور آسکتا ہے و خاصاً حضرت ملا علی القاریؒ
کی موضوعات کبیر میں جس نور کا ذکر ہے وہ حتی نہیں بلکہ معنوی نور ہے جس کو نور نبوت نور رسالت اور نور
ہدایت سے تعبیر کیا جاتا ہے جو مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا ہے اور خود ان کی
عبارت میں شرقاً و غرباً کے الفاظ اس کا واضح قرینہ ہے اور اس نور سے حتی نور قطعاً مراد نہیں جو ہر
ایک کو ظاہراً نظر آئے کیونکہ موضوعات کبیر ص ۱۲۳ میں اسی عبارت کے آگے یہ الفاظ بھی ہیں۔

لکن هذا النور ليس له الظهور اجم
لیکن یہ نور ظاہر نہیں ہے۔

اگر حتی نور ہوتا تو یقیناً اس کا ظہور ہوتا اور وہ کسی پر مخفی نہ رہتا کما لا يخفى چونکہ یہ الفاظ موعظ
مذکور کے سراسر خلاف ہیں جو ماکر بالکل عیاں ہے اس لئے وہ ان کو بولی گئے ہیں مفید مطلب عبارت
تو نقل کر دی ہے اور ان الفاظ کا حوالہ ہی نہیں دیا تاکہ قلمی نہ کھل جائے و سادسا حضرت متناووسیؒ کے
نزدیک نوراً تبتیناً سے مختار تفسیر میں قرآن کریم مراد ہے جیسا کہ ان کی منقول عبارت میں اس کی تصریح
ہے اور بیان القرآن ج ۲ ص ۴۶ میں وانزلنا الیکم نوراً تبتیناً کے ترجمہ اور اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اور
ہم نے تمہارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے اور وہ قرآن مجید ہے نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور
قرآن کے ذریعے سے جو کچھ تم کو بتلایا جاوے وہ سب حق ہے اجم اور نور و کتاب میں کے عربی کے حاشیہ
میں لکھتے ہیں کہ۔

اشارة الى كون عطف الكتاب للتفسير
فهما متعاضدان بالصفة متعاضدان بالذات
ولذا احسن افراد الضمير في به وبهذا
التفسير حسن اسناد الهداية ههنا
الى الله تعالى وجعل الكتاب والنور سبباً
واسناد التبيين فيما قبل الى رسول الله
صلى الله عليه وسلم واما اذا فسرت النور
بالرسول لا يحصل هذا الحسن ومؤيد
تفسير هذا قوله تعالى وانزلنا الیکم نوراً
صيناً. وازيد به الكتاب قطعاً انتهى
رج ۱ ص ۱۷ حاشیہ طبع مجتہبی دہلی

اس میں اشارہ ہے کہ لفظ کتاب کا عطف تفسیر
کے لئے ہے اور یہ دونوں لفظ صفت کے لحاظ سے
متضام ہیں اور ذات کے اعتبار سے متحد ہیں اور اگر
لئے یہ میں مقرر ضمیر کا لانا اچھا ہے اور اسی تفسیر کے
لحاظ سے ہدایت کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف اچھی
ہے کہ اس نے کتاب اور نور کو ہدایت کا سبب
بنایا ہے اور اسی لئے اس سے قبل بیان کرنے کی
نسبت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف
اچھی ہے اور اگر لفظ نور کی تفسیر رسول کے ساتھ
کی جائے تو یہ اچھا ہی حاصل نہیں ہوتی اور میری اگر
تفسیر کا مؤید اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وانزلنا الیکم
نوراً تبتیناً اور اس سے قطعی طور پر کتاب مراد ہے
اس سے معلوم ہوا کہ بقول حضرت متناووسیؒ نوراً تبتیناً سے مراد قطعی طور پر تو صرف کتاب ہے جس کا نور
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے ہاں صرف احتمال کے درجے میں وہ یہ تفسیر بھی نقل کرتے ہیں کہ نور سے
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہو اور آپ کی بشارت کا وہ واضح طور پر اقرار

اثبات کرتے ہیں کہ تورات آپ کی ذات کو بشر تسلیم کر کے آپ کو نور ماننے کا مطلب یہی ہے کہ آپ نور ہدایت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور نبوت دے کر کل جہان کو نور توحید اور نور ایمان و اسلام سے منور کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پورا ہو گیا ہے کہ۔

وَاللَّهُ مُتِمِّمٌ نُّورِهِ وَذُو كُرْسِيِّ الشَّرِّ كُونُ ۝
اور اللہ تعالیٰ اپنے نور اسلام کو مکمل کرے گا اور
اگرچہ مشرک اس کو ناپسند کریں۔

و ساتھ حضرت ملا علی القاری کی جمع الوسائل میں جس نور کا ذکر ہے وہ معنوی نور ہے نہ کہ حسی جو مؤلف مذکور کا مطلب ہے کیونکہ آفاق اور انفس میں جس نور کا فیض پہنچا ہے اور پہنچتا ہے وہ معنوی نور ہے جو نور نبوت اور نور ہدایت ہے اور یہ جملہ ہی اس کا مؤید ہے کہ آپ صوری اور معنوی دونوں قسم کے کمالات کے جامع ہیں اسی طرح مثل نورہ میں آپ کے جس نور کا ذکر ہے وہ نور نبوت اور نور ہدایت ہے اس میں کیا شک ہے؟ اور آپ کے نور کے ذاتی ہونے کا وہی مطلب ہے جو حضرت نانو توئی کی عبارت کی روشنی میں گذر چکا ہے کہ اولاد بالذات وہ آپ کو مرحمت ہوا اور آپ کے فیض سے بالعرض سب انبیاء کو پہنچا آپ کا نور مخلوق میں کسی سے مکتسب نہیں صرف اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور چاند کا نور سورج سے مکتسب ہونے کے باوجود کہن میں آجاتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور نبوت اور نور ہدایت کبھی کفر و شرک کے کہن میں نہیں آیا اور نہ کبھی دلائل و براہین کی مدین مغلوب ہوا سے اور اس دور میں بھی لوگ مسلمان ہوئے جب کہ دنیا میں کفر و شرک کا ہر طرف دور دورہ تھا اور ظاہری طور پر دنیا کے کسی ملک میں مسلمانوں کا لا بجز چند ایک کے کوئی اقتدار نہ تھا جو کسی کی کشش کا باعث ہوتا اور اس ایمانی اور اسلامی نور کو دنیا نے کفر نے مٹانے کی از حد کوشش کی ہے مگر بفضلہ تعالیٰ۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن پھونکنوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا۔

نفسی ظل | یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ جمہور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آپ نور تھے آپ کا سایہ نہ تھا نورائیت کا ثبوت یا سایہ کی نفی بشریت کی نفی کو مستلزم نہیں سایہ مطلقاً بشریت کے لوازم سے نہیں بلکہ بشریت کثیف کے لوازم سے ہے اور آپ میں لطافت تھی نہ کہ کثافت نیز یہ عقیدہ ظنی ہے اور ظنیات کے باب میں دلائل ظنیہ کفایت کرتے ہیں۔

صحبت ابن الجوزی الوفاہ باحوال المصطفیٰ ص ۴۴ میں ملا علی القاری جمع الوسائل ص ۱۶۶ میں اور

علامہ زناوی شرح الشامل علی ہامش الوسائل ص ۱۶۶ ج ۱ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کا سایہ نہ تھا اور آپ کبھی سورج کی روشنی میں کھڑے نہ ہوتے مگر آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب آجاتا اور نہ کبھی آپ چاند کی روشنی میں آئے مگر آپ کا نور چاند کی روشنی پر غالب رہا۔ علامہ زبجانی وسائل الوصول ص ۱۶۶ میں تحریر فرماتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے پس دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نہ ظاہر ہوتا۔ فوائد جلید شرح شامل محمد ص ۱۳۳ ج ۱ میں سیدی محمد بن قاسم حبیبی تحریر فرماتے ہیں کہ ابن مبارک اور ابن الجوزی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دھوپ میں نہ کھڑے ہوئے مگر آپ کا نور سورج پر غالب رہا اور نہ کبھی چاندنی میں کھڑے ہوئے مگر چاند پر آپ کا نور غالب رہا اسی لئے نبی علیہ السلام کا سایہ نہ تھا اور ابن سبع نے شفا میں ذکر کیا اور اس کو قاضی عیاض نے شفا میں نقل کیا کہ آپ کے شخص کریم کا سایہ نہ تھا چاندنی میں نہ دھوپ میں اور سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا سایہ جو حقیقت میں آپ کی مثال کے مترادف ہے زمین پر گرنے سے محفوظ رکھا جائے یا گندمی جگہوں اور قدروں کے نیچے واقع ہونے سے محفوظ رکھنے کے لئے یا اس لئے کہ سایہ تاریکی کو مستلزم ہے اور نور کے لئے حجاب ہوتا ہے اور نبی علیہ السلام تو نور منیر ہیں پس آپ کا سایہ کس طرح متصور ہو گا یا اس لئے کہ شمس و قمر تو آپ کے نور سے مخلوق ہونے اور آپ کے سبب سے ظہور ہیں آئے پس آپ کے سبب سے ان کی روشنی کس طرح چھپ سکتی ہے حتیٰ کہ آپ کا سایہ ہو کیونکہ جو کسی چیز کا مظہر ہو وہ اس کے لئے ساز نہیں ہو سکتا اگر یہ کہا جائے کہ حضور تو بشر ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے پھر آپ کے لئے سایہ کیونکہ ہو گا تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ آپ کی بشریت عام بشریت کی طرح نہیں ہے جیسے یا قوت پختہ ہے مگر عام پختہ کی طرح نہیں ہے بقول ابوالحسن شاذلی آپ باوجود بشریت کے نور ہیں اس لئے آپ نور سے موعوم ہوئے شیخ محقق نے شرح ہمزہ میں کہا کہ حدیث عمر نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا اے عمر جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں وہ ہوں کہ جس کو اللہ عزوجل نے سب سے پہلے پیدا کیا وہ میرا نور تھا پس میرے نور نے اللہ کو سجدہ کیا اور سات سو سال سجدہ میں رہا پس پہلا ساجد میرا نور تھا اور مجھے اسی پر فخر نہیں اے عمر جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں وہ ہوں کہ اللہ نے عرش کو میرے نور سے پیدا کیا اور کرسی و لوح و قلم کو میرے نور سے پیدا کیا اور آنکھوں کے نور کو میرے نور سے پیدا کیا اور عقل جو لوگوں کے سرداں میں ہے وہ بھی میرے نور سے پیدا کی اور معرفت جو قلوب لوہین میں ہے وہ بھی

میرے نور سے بیدار کی اور مجھے اس پر فخر نہیں لگا پس تمام انوار و اضواء کو حضور کے نور سے بیدار کیا گیا
لہذا سب حضور علیہ السلام کے نور کی فرع ہیں اور آپ کا نور سب کے لئے اصل بجا فرغ کا اصل کے ساتھ
کیا مقابلہ ہو سکتا ہے؟ پھر وہ کیسے شقی العقل میں جو فرع کے لئے کمال نفی نکل مانتے ہیں اور اصل کے
لئے اس کا انکار کرتے ہیں سیدی (محصلاً توضیح البیان ص ۳۱۷ تا ۳۱۸)

الجواب۔ مولف مذکور کا یہ دعویٰ کہ آپ کا سایہ نہ ہونا جمہور مسلمانوں کا عقیدہ ہے بالکل بے بنیاد
دعویٰ ہے اس لئے کہ جب صحیح احادیث سے آپ کا سایہ ثابت ہے تو ان صحیح احادیث کو چھوڑ کر جمہور
مسلمان کب جعلی اور بے ثبوت روایات پر عقیدہ رکھ سکتے ہیں ہم نے تنقیح تہذیب میں مستدرک حاکم کی سند
سے آپ کے سایہ کے ثبوت کی روایت نقل کر کے امام حاکم اور ناقد فن رجال علامہ ذہبی کی تصحیح بھی نقل
کر دی ہے اور اسی طرح طبقات ابن سعد، مستدرک احمد اور مجمع الزوائد سے بھی روایت نقل کر کے اس کی
سند کے رجال اور ان کی توثیق بھی ساتھ ہی بیان کر دی ہے۔

مجمع الزوائد کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں۔

فروئت ظلہ فقلت ان هذا الظل رجل وما
يدخل على النبي صلى الله عليه وسلم فدخل
النبي صلى الله عليه وسلم الحديث.
رمجموع الزوائد ج ۴ ص ۳۱۷

کہ حضرت زینب نے آپ کا سایہ دیکھا سو وہ فرمانے
لگیں کہ یہ تو مرد کا سایہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم تو میرے پاس آتے نہیں اتنے میں آپ
اندروا داخل ہو گئے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ

رواہ احمد وفيه سمیة روى لها
ابوداؤد وغيره ولم يضعفها احد
وبقيته رجاله ثقات رجم ۴ ص ۳۱۷

اس روایت کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور
اس میں سمیہ نہیں امام ابوداؤد وغیرہ نے ان کی روایت
لی ہے اور کسی نے ان کی تضعیف نہیں کی اور باقی
راوی نقد ہیں۔

اور دوسری روایت کے مرکزی الفاظ یہ ہیں۔

افلائت ظلہ قد اقبل الحديث.
رمجموع الزوائد ج ۴ ص ۳۱۷

اچانک انہوں نے آپ کے سایہ کو آتے ہوئے
دیکھا۔

اور علامہ بیہقی اس کے بارے فرماتے ہیں کہ
رواہ الطبرانی في الاوسط وفيه سمیة
روى لها ابوداؤد وغيره ولم يضعفها
احد وبقيته رجاله ثقات رجم ۴ ص ۳۱۷

اس کو طبرانی نے (معجم) اوسط میں روایت کیا ہے
اور اس میں سمیہ ہے امام ابوداؤد وغیرہ نے ان سے روایت
لی ہے اور کسی نے ان پر جرح نہیں کی باقی سب
راوی نقد ہیں۔

جمہور مسلمین ان صحیح روایات کو کیسے ترک کر سکتے ہیں جب کہ ان کے مقابلہ میں کوئی صحیح حدیث
ہی موجود نہیں ہے اور ان صحیح روایات کی تائید مجمع الزوائد کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو حدیث
صلوات کے باب میں امینی جبرائیل کے عنوان سے حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے جس میں
یہ الفاظ بھی ہیں۔

ثم جاء في فصلي في العصر حين كان في مثلي
الى قوله ثم جاء في من الغد فصلي الظهر حين
كان الفتي مثلي ثم جاء في في العصر فصلي في
حين كان في مثلي الحديث رواه البزار
وفيه عمر بن عبد الرحمن بن أسيد بن
عبد الرحمن بن زيد بن الخطاب ذكره
ابن ابي حاتم وقال سمع منه ابو نعيم و
وعبد الله بن ماقم سمعت ابي يقول ذلك
وشيخ البزار ابراهيم بن نصر لهما جدا من
ترجمته وبقيته رجاله موثقون.
رمجموع الزوائد ج ۴ ص ۳۱۷

پھر میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور اس
وقت مجھے عصر کی نماز پڑھانی جب کہ میرا سایہ میرے
قد کے برابر ہو گیا (آگے فرمایا) پھر دوسرے دن میرے
پاس آئے تو مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھانی جب
سایہ میرے برابر ہو گیا پھر میرے پاس عصر کے وقت
آئے اور مجھے اس وقت نماز پڑھانی جب کہ میرا سایہ
میرے دو مثل ہو گیا الحدیث اس کو محدث بزار
نے روایت کیا ہے اس کی سند میں عمر بن عبد الرحمن
بن اسید بن عبد الرحمن بن زید بن الخطاب ہے امام
ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے
سنا کہ ان سے ابو نعیم اور عبد اللہ بن ماقم نے حدیث
کی ہے اور امام بزار کے استاد ابراہیم بن نصر کا
ترجمہ مجھے نہیں مل سکا اور باقی راوی نقد ہیں۔

جب کہ آپ کا سایہ آپ کی قامت کے برابر تھا اور دوسرے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جلیج جب کہ
 آپ کا سایہ آپ کی قامت کے برابر تھا اور فرمایا کہ پھر حضرت جبریل علیہ السلام (دوسرے دن) آئے اور
 مجھے عصر کی نماز پڑھانی جب کہ میرا سایہ دو گنا ہو گیا مقدار اس صورت میں جب کہ کان فی ریشتی پڑھیں جو
 اس سے قبل کی روایت کے مطابق ہے وصلى العصر والفنى قامتان الحديث مجمع الزوائد جلد ۱
 من ۳۳ عن ابی سعید الخدری مرفوعا رواه احمد والطبرانی فی الكبير وفيه ابن لهيعة
 وفيه ضعف اور اگر یہ لفظ ریشتی ہو تو سایہ قدر مبارک کے برابر ہو گا کچھ بھی ہو اس سے سایہ تو بہر حال ثابت
 ہے، ہم اس طویل علمی بحث میں یہاں نہیں پڑتے کہ آیا ظہر اور عصر کا وقت مشترک ہے جیسا کہ حضرت امام الکلی
 حضرت امام شافعی وغیرہ کا مسلک ہے (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۵) اور انہوں نے اس مذکور اور اس مضمون
 کی دیگر احادیث سے استدلال کیا ہے یا ظہر کا وقت ختم ہونے کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے جیسا کہ
 بقیہ حضرات الکریم کا مسلک ہے اور وہ مسلم ج ۲ ص ۲۲۳ کی روایت و وقت صلوة الظہر الم تحضر العصر
 سے استدلال کرتے ہیں اور پہلی روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں وقت کی تعیین و تحدید مراد نہیں
 بلکہ تقریب مراد ہے یعنی پہلے دن کی عصر کا وقت دوسرے دن کی ظہر کے وقت کے قریب تھا کہ بعینہ
 وہی تھا اور مسلم ج ۲ ص ۲۲۳ کی روایت ثم انظر الظہر حتی کان قرینا من وقت العصر بالاس اس کی دلیل
 ہے غرضیکہ فریق مخالف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ کی نفی پر جس قسم کی روایت سے استدلال
 کرتا ہے اس سے بڑھ کر ثبوت سایہ کے لئے یہ روایت موجود ہے جسے ہم نے صرف تائید کے لئے پیش
 کیا ہے اور پہلے گذشتہ روایات اس کے علاوہ ہیں۔

جب قرآن کریم اور حدیث شریف سے آپ کی بشریت واضح الفاظ سے ثابت ہے اور صحیح احادیث
 سے آپ کا سایہ بھی ثابت ہے تو مؤلف مذکور کا یہ غدر لنگ کہ سایہ بشریت کشف کا ہوتا ہے نہ کہ بشریت
 لطیفہ کا محض ایک ڈھکوسلہ ہے کیونکہ آپ کی بشریت کا باوجود لطیفہ ہونے کے اور کیا قوت فی الجہر
 ہونے کے صحیح حدیث کے موافق سایہ مقابلہ انفس کے مقابلہ میں قیاس کی مطلقاً کوئی گنجائش اور سماعت
 نہیں ہو سکتی اور بے شک ظنیات کے باب میں دلائل ظنیہ کافی ہوتے ہیں لیکن عقیدہ زونظنی ہوتا ہے اور
 نہ اس کے لئے دلیل ظنی کفایت کرتی ہے اور مؤلف مذکور اس کو عقیدہ کہتے ہیں ہاں اگر کوئی مسئلہ اور نظریہ
 ظنی ہو تو اس کے لئے ظنی دلیل بھی کافی ہو سکتی ہے۔ علاوہ بریں یہ بھی عجیب ستم ظریفی ہے کہ ثابت شدہ

ظنی زجر و احوال صحیح کی تو کوئی پرواہ نہ کی جائے اور بے ثبوت ظنی کو آپ باندھ لیا جائے یہ کونسا انصاف
 ہے؟ غرضیکہ صحیح حدیث کی روشنی میں آپ کا سایہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے یہ دوسری بات
 ہے کہ کوئی ضدی اپنے تعصب اور ضد کو نہ چھوڑے اور میں نہ انوں اور اناسلم کی رٹ ہی لگاتا ہے
 جیسا کہ مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کا یہ محبوب و لذیذ تو یہ ہے تو اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے؟
 رہی وہ روایت جو مؤلف مذکور نے نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تو سورج میں
 دکھائی دیتا تھا اور نہ چاند میں تو تنقید تیس میں اس پر باحوالہ بحث ہو چکی ہے کہ اس کی سند میں عبد الرحمن
 بن قیس زعفرانی راوی ہے جو کذاب اور وضاع ہے ایسی روایت پر مدار رکھ کر شریعت کے کسی حکم
 کو کیسے رد کیا جاسکتا ہے؟ حیرت ہے کہ مؤلف مذکور حضرت ابن عباس کی روایت کا جان چھڑانے
 کے لئے بار بار نام لیتے ہیں لیکن اس کی سند اور رجال اور ان کی کتب اسماء الرجال سے توشیح نقل کرنے
 سے قطعاً قاصر اور سراسر عاجز ہیں ان کا علمی اور اخلاقی خرابی ہے کہ اپنے علمی تعصب اور پٹاری سے
 اس روایت کی سند نکالیں اور روایت کی توشیح کریں ورنہ اس سے انہیں قطعاً کوئی فائدہ نہیں اسی
 طرح ان کا بار بار علماء کی عبارات نقل کرنا کہ فلاں فرماتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا اور فلاں فرماتے ہیں
 کہ آپ کا سایہ نہ تھا تو یہ بالکل بے سود ہے کیونکہ مثلاً انہوں نے اگر دس بزرگوں نے نام لے کر ان کی عبارات
 اس مضمون پر نقل کی ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ بجائے دس کے دس ہزار بزرگوں کی عبارات
 بھی پیش کر دیں تو اس سے کچھ نہیں بنتا کیونکہ سند مرفوع اور صحیح حدیث کے مقابلہ میں دس ہزار تو کیا
 دس لاکھ بلکہ دس ارب دکھ ب حضرت کی بات بھی کوئی وقعت نہیں رکھتی کیونکہ علمی قاعدہ تو یہ ہے کہ احد
 یؤخذ عنہ ویرک الا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ باقی یہ دلائل کہ آپ کا سایہ اس لئے نہ تھا کہ آپ نوحے
 اور شمس و قمر تو آپ کے نور سے مخلوق ہونے ہیں پھر آپ کے سبب سے ان کی روشنی کیونکہ چھپ سکتی ہے
 اور اس لئے آپ کا سایہ نہ تھا تاکہ قدموں کے نیچے اور گندی جگہوں کے نیچے واقع ہونے سے محفوظ رہے
 اور یہ کہ سایہ تاریکی کو مستلزم ہے اور آپ تو نور منیر ہیں وغیرہ وغیرہ تو یہ سب بے وزن اور بے جان باتیں
 ہیں اولاً اس لئے کہ جب صحیح احادیث سے آپ کا سایہ ثابت ہے تو نفس کے مقابلہ میں ایسی صوفیانہ یا
 عارفانہ خود ساختہ باتیں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟ وثانیاً آپ جس معنی میں نور ہیں وہ معنوی نور ہے جسی
 نہیں تو معنوی نور پر جسی نور کے آثار تب کرنا زرا مجنونانہ فعل ہے وثالثاً فرج کا وہ مرتبہ نہیں ہوتا جو

اصل کا ہوتا ہے آپ کا سایہ آپ کے نفس اطہر اور بدن مبارک کی فرع ہے اور یہ بین امر ہے کہ مکہ مکرمہ وغیرہ کی سر زمین پر جگہوں اور راستوں میں جہاں آپ کے قدم مبارک پڑتے تھے وہاں کسی نہ کسی کافر و مشرک کا قدم بھی پڑتا رہا اور ظاہر ہے کہ ان راستوں پر عام انسان تو گیا جو انات بھی چلتے تھے پھر اس کی کیا وجہ سے کہ آپ کے سایہ کو جو آپ کی ذات بابرکات کی فرع ہے تو قدموں سے محفوظ رکھا گیا اور آپ کے بنفس نفیس قدم مبارک جہاں پڑتے رہے ان جگہوں کو کافروں و مشرکوں اور حیوانات کے قدموں سے محفوظ رکھا گیا؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس خود ساختہ منطق کے رد سے مناسب تو یہ تھا کہ آپ کا قدم مبارک ہی زمین پر نہ پڑتا تا کسی کافر و مشرک کا ناپاک قدم اس پر نہ پڑتا کیونکہ مشرک ناپاک ہیں انما المشرکون نجس اور اس معنوی نجاست سے بھی آپ کے قدم مبارک کو محفوظ رکھنا چاہیے تھا اس لحاظ سے آپ کو چاہیے تھا کہ زمین پر قدم مبارک ہی نہ رکھتے یا ہمیشہ ہوا کی پروا بالی میں سفر کیا کرتے والی نظر خلافت اور یہ امر بھی ثابت ہے کہ آپ کی گردن مبارک پر مشرکوں نے اوٹ کی ناپاک جھلی بھی ڈالی جب کہ آپ المسجد الحرام میں کعبۃ اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے بخاری ۱۲۷۲ میں سلا جزور بنی فہال کے الفاظ ہیں اور اس کے معنی جھلی کے ہوتے ہیں (الظاہر لہا نجاست ما من بخاری) اور یہ بھی ثابت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تہوں سمیت نماز پڑھا رہے تھے آپ کو آکر یہ خبر دی کہ آپ کی جوتیوں کے نیچے غلاظت لگی ہوئی ہے (اتانی جبرائیل فاتبرنی ان فیہا قدر یہ روایت ابو داؤد ج ۱۲ ص ۱۵۱ مترجم موارد الظمان ص ۱۵۱) اور سند رک حاکم ج ۲ ص ۲۶۱ میں موجود ہے قال الحاکم والذہبی صحیح علی شرط مسلم اور مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۱ میں بھی یہ روایت موجود ہے (ظاہر بات ہے کہ جوتیوں کے نیچے غلاظت تب ہی لگی تھی کہ آپ نے بخش جگر پر دگو بامر مجبوری یا لاعلمی ہی تھی) یاوں مبارک رکھے تھے عجیب بات ہے کہ پاؤں اور نعلین پید جگر پر چاہیں تو کچھ حرج نہ ہو لیکن سایہ ایسی جگہ پر پڑے تو قابل انکار امر ہو۔ اسی طرح آپ کی بشریت کے اعلیٰ والطف ہونے سے نیز آپ کے نور یعنی روح کے پہلے پیدا ہونے اور اس کے پروردگار کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے اور آپ کے نور کے اصل اور باقی مخلوق کے فرع ہونے سے بھی مولف مذکور کو قطعاً کوئی فائدہ نہیں کیونکہ صحیح احادیث سے آپ کا سایہ ثابت ہے اور ان کے مقابلہ میں کوئی روایت مندرجہ انابت ہی نہیں پھر ایسی بے سند روایات کا کیا اعتبار؟ اور اگر ان کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اس سے مولف مذکور کو کچھ

فائدہ نہیں کیونکہ آپ کا نور یعنی روح مبارک اول خلق ہونے کی وجہ سے اصل ہے مگر یہ معنوی نور ہے جس سے قلوب مومنین میں معرفت پیدا ہوتی ہے نہ کہ حسی نور کہنے بد بخت اور شقی القلب ہیں وہ لوگ جو آپ کی صحیح احادیث کا انکار اور تاویلات کر کے آپ کے سایہ کی نفی کرتے ہیں اور غیر معصوم اقوال کو ترجیح دیتے ہیں حضرت ذکوان کی روایت کا جواب **تسفیہ** میں حضرت ذکوان کی یہ روایت نقل کر کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تو صورت میں نظر آتا تھا اور نہ چاند میں ہونے اس کی تزیید کی تھی اس کے جواب میں مولف مذکور لکھتے ہیں کہ حدیث نقل کرنے کے بعد مولوی سرفراز صاحب اپنی طرف سے اہل سنت کا استدلال جمع کرتے ہیں لکھتے ہیں۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور جب سایہ نہ تھا تو (معاذ اللہ تعالیٰ) آپ بشر بھی نہ تھے اتنی کلام ص ۱۵۱۔

جہاں تک سایہ نہ ہونے کا مسئلہ ہے اہل سنت کے نزدیک مختار ہے کہ آپ کا سایہ ثابت نہیں اور یہ ایک ظنی عقیدہ ہے جس کے اثبات کے لئے دلائل ظنیہ کافی ہیں لیکن مولوی سرفراز صاحب نے اس پر اہل سنت کی طرف سے جو یہ تفریح بھائی ہے کہ جب سایہ نہ تھا تو آپ بشر بھی نہ تھے یہ محض افتراء اور کذب خالص کی بدترین مثال ہے اہل سنت کی کتاب میں نبی علیہ السلام کی بشریت کے ثبوت و تحقیق کے ذکر سے بھری پڑی ہیں ہم کچھ صفحات میں صدر الافاضل کا کلام نقل کر چکے ہیں البتہ دیوبندیوں کی طرح نبی علیہ السلام کو عام بشریت کے شامل ماننا اہل سنت کا عقیدہ نہیں ہم آپ کی بشریت کو بے مثل اور اوصاف و کمالات کے اعتبار سے متمنع النظیر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں باقی رہا یہ امر کہ جب بشریت مان لی تو سلیم بھی ماننا ہو گا عباد اور جبل کے سوا کچھ نہیں کیونکہ آپ کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اولاً تو اس لئے کہ آپ کی ذات مقرر بشریت کے ساتھ ساتھ نورانیت بھی کامل ترین جامع ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا تاہذا اس لئے کہ سایہ اس جگہ کی تازگی کو کہتے ہیں جو کسی جسم کثیف کے نور کی راہ میں حائل ہونے کی وجہ سے واقع ہوا اور نبی علیہ السلام کی بشریت کثافت سے منزہ ہے اور اس وجہ لطافت میں ہے کہ نور کے لئے حاجب نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ تاریک سایہ کی موجب ہو سرفراز صاحب نے ذکوان کی روایت کو نقل کرنے کے بعد کہلے کہ قابل احتجاج نہیں۔ الجواب اولاً کسی ضعیف روایت کو عقیدہ قطعیہ کے اثبات میں تو بے شک پیش نہیں کیا جاسکتا لیکن ظنی عقیدہ میں ظنی دلائل کافی ہوتے ہیں لہذا اس باب میں یقیناً اس روایت کا اعتبار کیا جائیگا۔ تاہذا عقیدہ کا اثبات اور شے ہے اور اس کی

تا بیدار آخر ہے نبی علیہ السلام کی نورانیت قرآن سے ثابت ہے اور نور کو سایہ نہ ہونا لازم ہے پس تا بیدار کے درجہ میں اس روایت کا اعتبار کسی حدیث کا حامل نہیں۔ ثالثاً آپ کا سایہ نہ ہونا تمام امت کا تقریباً اتفاق مسئلہ ہے اور تلقی بالقبول کو بھی ناقدین فن نے وجوہ صحیحہ سے شمار کیا ہے۔ رابعاً امام سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں اس حدیث کو ذکر کر کے اس کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے کہ ان کے نزدیک حدیث قابل تسلیم و احتجاج ہے۔ اور فن حدیث میں امام سیوطی کا جو مقام ہے وہ اپنے پرانے سب تسلیم کرتے ہیں۔ خامشاً اگر آپ کو اس حدیث سے خدائی بغض ہے تو چلیے یہ ہمیں الوفا سے جو روایت ہم ابن عباس کی متصل پیش کر چکے ہیں اسے مان لیجئے اور اگر اس پر بھی تامل ہو تو تفسیر مدارک علی ایش الخازن ج ۳ ص ۳۲ پر حضرت عثمان کی حدیث ہے انہوں نے فرمایا کہ بلا رب اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر واقع نہیں کیا تا کہ کہیں کوئی شخص آپ کے سایہ پر اپنا قدم نہ رکھ دے۔ یہ کوئی ذکوان کا قول نہیں ہے کہ آپ کہہ دیں اس کی براہ راست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت نہیں اور حدیث مرسل دیوبند کے خفیوں میں مقبول نہیں یہ حضرت عثمان کا قول ہے جو سرفروغ حضرت میں رسول اللہ کے جلیس تھے جن کے سر پرانا علیہ واصحابی کا تاج ہے ہاتھ میں اصحابی کا نجوم کا پرچم ہے ہاتھ پر علیکم بسنتی کی چتون ہے ایسے عظیم الشان صحابی کا قول جن کا قول میں حدیث ہے اور پھر وہ بھی باگاہ نبوی میں پیش ہو کر تقریر سے حکماً فروغ ہو چکا ہے۔ اور اگر حضرت عثمان کو بھی آپ کے ہاں پذیرائی حاصل نہ ہو تو مولوی رشید احمد گنگوہی سیفند دیوبند کے ناخدا امداد السلوک ص ۸۶ میں لکھتے ہیں تو اتر سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام جسم کا سایہ ہوتا ہے۔ حضرت عثمان آپ کے ہاں مقبول نہ رہیں کمال دیوبند کا سکہ تو بہر حال آپ کے ہاں چلتا ہے اب فرمایا ہے کیا خیال ہے تو اتر سے جو مسئلہ ثابت ہو وہ قطعاً ہوتا ہے یا ظنی؟ یہ کیسا صریح ظلم ہے کہ ہم اس مسئلہ کو اگر ظن کے درجہ میں مان لیں کافر مشرک اور بدعتی سے کم نہیں اور آپ کے پیروں سے تو اتر سے ثابت اور یقین کے درجہ میں مانیں پھر شیخ کے شیخ جو چیز شرک و بدعت ہو گنگوہی مہر سے کیسے توجید و سنت بنا دیتی ہے وہ کونسا منتر ہے جس کے عمل سے آپ اپنے مولویوں کو شرک اور بدعت کے فتووں سے بچا لیتے ہیں یہود اپنے اجبار اور رہبان کی عبادت چھوڑ چکے آپ کے ہاں یہ پوجا کب بند ہوگی؟ المواہب اللدیۃ شرح شمائل محمدیہ ص ۳۳ پر ہے ابن المبارک اور

ابن جوزئی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔ زرقانی ج ۲ ص ۲۲ پر ہے۔ ابن المبارک اور ابن جوزئی نے ابن عباس سے روایت کیا کہ نبی علیہ السلام کا سایہ نہ تھا اور آپ کبھی دھوپ میں نہ کھڑے ہوئے مگر سورج کی روشنی پر آپ کا نور غالب رہا۔ یہ ذکوان کی طرح مرسل روایت نہیں بلکہ ابن عباس کی پیش کردہ حدیث متصل ہے اور روایت کرنے والے ہیں ابن جوزئی جیسے ناقد حدیث جو اچھی جلی حدیث کو موضوع بنا ڈالتے ہیں پس ایسے کی روایت میں تردد کرنا عباد کے سوا کچھ نہیں مولوی سرفراز صاحب کی خیانت اور گمراہ کن ذہنیت کا اندازہ اسی امر سے آسانی کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اہل سنت کے مسلک کی دلیل حدیث ذکوان کو قرار دیا تا کہ رسول اللہ کے کمال نفی ظل پر اچھی طرح دل کا بخار نکال سکیں غفلت رسول کریم کو کم کرنے کا انہوں نے اپنے زعم میں خوب بہا تراش مگر اس سے غافل تھے کہ یہ رسوائی خود ان کا مقدر بن چکی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مداحوں کے دامن پر گندگی کا جو لہقہ انہوں نے بڑھایا تھا وہ اپنی تمام تر بجا ستوں سمیت ان کی لبتی ذات کی طرف لوٹ آیا۔ قاضی عیاض مالکی شفا شریف ج ۲ ص ۲۲ پر فرماتے ہیں اور وہ جو مذکور ہے کہ آپ کا چاند سورج میں سایہ نہ پڑتا تھا پس وہ اس لئے ہے کہ آپ نور ہیں۔ شہاب الدین حفا ج ۱ نسیم الریاض ج ۲ ص ۳۱۹ میں اس کی شرح میں لکھتے ہیں یعنی آپ کے جسد شریف لطیف کا سایہ نہ تھا اور لطیف کے لفظ میں لطیف اشارہ موجود ہے کہ آپ کی بشریت کثافت سے منزہ ہو کر لطافت کے اس درجہ میں تھی کہ روشنی کے لئے حاجت نہ ہوتی تھی حتیٰ کہ تاریک سایہ کا موجب ہوتی اسی بحث میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔ اس کو (ابن جوزئی) صاحب کتابا لوفانہ ابن عباس سے روایت کیا کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔ ان تمام اکابر علماء نے نفی ظل کی بنا حدیث ابن عباس پر کی ہے لیکن مولوی سرفراز صاحب نے اس متصل حدیث کو چھوڑ کر اس مسئلہ کو حدیث ذکوان پر منی قرار دیا تا کہ اسی روایت کے ضعف ارسال سے اصل مسئلہ میں ضعف ثابت کر سکیں انا لئذ لہ قاضی عیاض کے قول لئذ کان ذکا کی شرح میں ملا علی القاری شرح شفا ج ۲ ص ۵۳ میں تحریر فرماتے ہیں یعنی حضور نور بنا تا ہے ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا کیونکہ اس میں کثافت نہیں ہے اور جو مضمون نوادر میں وارد ہے اس سے بھی یہی مراد ہے اور اس کے لفظیہ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا نہ چاندنی میں اس کو ظلی نے بھی ابن سبغ سے نقل کیا حضرت شیخ عبدالمقصد دہلوی مدارج النبوة ج ۲ ص ۱۲ میں فرماتے ہیں۔ اور نور نبی علیہ السلام کے اسماء میں سے ہے اور نور کا سایہ

نہیں ہوتا۔ نیز یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوة ج ۱ ص ۱۲۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا کہ میں جس زمین پر پڑے پڑے شاہ عبدالعزیز تفسیر عزیزی ص ۲۱۹ پ ۲ میں فرماتے ہیں اور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اتنی باختصار یہ سیر۔

توضیح البیان از ص ۱۸۱ تا ص ۱۸۲) یہ یاد رہے کہ مولف مذکور نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی جو دلیلیں اور حوالے ذکر کئے ہیں یہ سب خانصاحب کی کتاب نفی الفی وغیرہ سے مانوڑ ہیں۔
الجواب۔ ہم بقدر امکان ترتیب سے جوابات عرض کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) جب دلائل قطعیہ اور برابر میں ساطعہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت ثابت ہے اور احادیث صحیحہ صحیحہ سے آپ کا سایہ بھی ثابت ہے تو اہل سنت والجماعت ان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کیونکر یہ عقیدہ رکھ سکتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا اور یہ اہل سنت کا مختار کیسے ہو سکتا ہے؟ البتہ اہل بدعت کا عقیدہ یہ ضرور ہے اور انہی کے لئے یہ مناسب بھی ہے کیونکہ حق اور صحیح دلائل کے سامنے ان ہی کا خدا واسطے کا بیر ہوا کرتا ہے اور وہی ایسا عقیدہ رکھ سکتے ہیں۔

(۲) عقائد تمام قطعی ہوتے ہیں اور ان کے لئے دلائل بھی قطعی درکار ہوتے ہیں کسی مسئلہ یا نظریہ یا کسی جزئیہ کو عقیدہ سے تعبیر کرنا معروف اصطلاح کے خلاف ہے اس لئے ایسی خانہ ساز اصطلاحات سے حقیقت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

(۳) بے شک اہل بدعت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر ماننے والے بھی موجود ہیں مگر ان میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے مخلوق تسلیم کرنے والے بھی ہیں اور اسی کو وہ نام نہاد اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بتاتے ہیں جیسا کہ پہلے باحوالہ بات عرض کی جا چکی ہے تو پھر اس کو محض افتراء اور کذب خالص کی بدترین مثال قرار دینا اپنی خالص جہالت کا یا اپنی ہٹ دھرمی کا ثبوت دینا ہے۔ البتہ مولف مذکور کا کہنا کہ دیوبندی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کو عام بشریت کے ممالک مانتے ہیں اور ہم آپ کی بشریت کو بے مثل اور اوصاف و کمالات کے لحاظ سے ممنوع النظر مانتے ہیں یہ بڑا جمل و ملیس ہے جو پہلے عرض کر چکے ہیں کہ فضائل و مزایا اور اوصاف و کمالات وغیرہ میں آپ کی ذات سب سے افضل ہے اور آپ افضل البشر ہیں ان خوبیوں میں آپ کا کوئی ثقیل اور نظیر نہیں لیکن نفس بشریت اور لوازم بشریت جن میں سایہ ہونا بھی دلائل سے ثابت ہے اس میں آپ قرآن کریم کی قطعی آیات کے حکم سے اس آنا کثیر و مشکوک

ہیں اس میں ایک رتی کا شک نہیں ہے باقی ممنوع النظر کا جملہ بحث طلب ہے اگر اس سے مراد یہ ہے کہ تو آپ کی مثل اور نظیر آج تک پیدا ہوئی اور نہ تا قیامت پیدا ہوگی تو ہمارا اس پر صواب ہے اور اسی معنی میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کرب ایسا دور از آئینہ نہ ہماری بزم خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں اور اگر مراد یہ ہے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثل اور نظیر پیدا کرنا چاہے تو اس کو اس پر قدرت ہی حاصل نہ ہو یہ اہل بدعت کا عقیدہ تو ہے لیکن اہل سنت کا نہیں کیونکہ اس پر کمال یقین رکھتے ہیں کہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** اور اس کی با دلائل بحث تنقید میں اور خود اس کتاب میں اپنی جگہ موجود ہے۔

(۴) جب آپ کی بشریت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ ذات اور جنس آپ کی بشریہ اور خود مولف مذکور بھی جنس کے لحاظ سے آپ کو بشر تسلیم کر چکے ہیں اور کرتے ہیں اور نور آپ کی صفت ہے تو سایہ کا آپ کے لئے ہونا تقلاً و عقلاً ثابت ہے کیونکہ یہ بشریت کے لوازم میں سے ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے اس کا انکار عناد و جہل کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۵) آپ کا جسم مبارک اپنی ظاہری اور باطنی جسمانی اور روحانی خوبی اور کمال کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ لطیف ہی تھا بلکہ اطف بھی تھا لیکن آپ کا جسم اطہر میں مہر ایسا تھا جو کسی کو نظر نہ آتا جیسا کہ فرشتوں اور جنات کے وجود کو مگر نما نظر نہیں آتے جب آپ کا جسم مبارک مرنی تھا اور ہر ایک کو ہر وقت نظر آسکتا تھا اور آتا تھا تو ایسے جسم کے لئے سایہ کا ہونا کونسی بعید بات ہے۔

(۶) عقیدہ قطعی ہوتا ہے ظنی نہیں ہوتا اور قطعیات میں ظنیات کا قطعاً کوئی دخل نہیں شرح عقائد ص ۱۸ میں ہے ولا عبرة بالظن فی باب الاعتقادات یعنی اعتقادی امور میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں۔ ذکووان کی روایت سے سایہ کی نفی کر کے بالواسطہ آپ کی قطعی طور پر ثابت شدہ بشریت کا انکار ہو رہا ہے اور اس میں وضاع قسم کے راوی بھی موجود ہیں لہذا اس کا کیا اعتبار ہے؟ اس لئے یہ روایت قطعاً اور یقیناً مردود ہے دلائل کی مد میں اس کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں یہ بات اہل بدعت ہی کو زریا ہے کہ وہ ایسی موضوع روایات کا اعتبار کر کے اپنے دل ماؤف کو بہلائیں اور وہ اکثر ایسا ہی کیا کرتے ہیں ان گنہگار اور مبلغ علم ہی یہ سب ع دل کے بہلانے کو غائب یہ خیال اچھا ہے۔

(۷) آپ کا یہ عقیدہ کہ آپ کا سایہ نہیں کس قطعی دلیل سے ثابت ہے جس کی تائید کے لئے آپ اس موضوع اور بالکل بے بنیاد روایت کا سہارا لے رہے ہیں پہلے تو آپ وہ قطعی دلیل علمی قبیلے سے نکالیں پھر اس موضوع روایت کو اس کی تائید میں پیش کریں قرآن کریم سے اور وہ بھی صرف ایک تفسیر اور احتمال کے لحاظ سے نہ کہ قطعیت سے آپ کی جو نوآوریات ثابت ہے وہ صرف وصف کے لحاظ سے ہے نہ کہ ذات اور جنس کے لحاظ سے اور بشریت آپ کی قطعی طور پر ثابت ہے جس کے لئے سایہ ہونا لازم ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت بھی ہے لہذا ایسی موبوم و مفروض دلیل کی تائید میں جعلی روایت ہے تائید تلاش کرنا جہالت کا پلندہ ہے۔

(۸) تمام امت کا تقریباً اتفاق آپ کے سایہ ہونے پر ہے نہ کہ نہ ہونے پر (چند بزرگوں کا نام تمام امت نہیں ہے) کیونکہ تمام امت آپ کو بشر تسلیم کرتی ہے اور بشر کے لئے سایہ لازم ذات ہے اور تمام امت صحیح احادیث کو بھی تسلیم کرتی ہے اور صحیح احادیث سے بھی آپ کا سایہ ثابت ہے کیا مؤلف مذکور کے نزدیک قرآن و حدیث سے ثابت شدہ کسی فیصلہ کے خلاف بھی کبھی اجماع ہوا ہے یا ہو سکتا ہے؟ بلاشک تلقی بالقبول بھی حضرات محدثین کرام کے ان قابل اعتبار ہے لیکن صرف ضعیف حدیثوں میں نہ کہ نزی جعلی اور موضوع حدیثوں میں اور یہاں تو تلقی بھی نہیں بلکہ اس روایت کی پر زور ترویج کی گئی ہے۔

(۹) بلاشبہ حضرت امام سیوطی وسیع النظر اور بڑے عالم گذر سے ہیں لیکن نہ تو وہ المرحوم و تعدیل میں شمار ہیں اور نہ انہوں نے کتاب خصائص الکبریٰ (دو غیرہ) میں صحت کا التزام کیا ہے خصائص الکبریٰ میں موضوع اور جعلی روایات کی بھرمار ہے لہذا ان کا اپنی کتاب میں کسی روایت کا ذکر کر دینا کسی طرح حدیث کی صحت اور ثبوت کو مستلزم نہیں ہے اپنے پرانے ان کا مقام صرف وسعت نظر میں تسلیم کرتے ہیں نہ کہ حدیث کی تصحیح اور تحسین میں کیونکہ یہ ان کا مقام ہی نہیں ہے ان اگر کسی روایت کی باقاعدہ سند موجود ہو اور اس کے جملہ روایات ثقہ ہوں اور وہ اس کی تصحیح و تحسین کریں اور دوسرے حضرات محدثین کرام بھی اس حدیث کو صحیح یا حسن کہتے ہوں تو پھر معاملہ جلد ہے۔

امام سیوطی نے خود اپنی کتاب الجامع الکبیر میں حدیث کی صحت و ضعف کا ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے مؤلف مذکور اور ان کے حواریوں کو وہ پیش نظر رکھنا چاہیے وہ فرماتے ہیں۔

کل ما عزی الی العقبلی وابن عدی کہ جو حدیث عقبلی ابن عدی خطیب بغدادی ان

والخطیب البغدادی وابن عساکر والحدیث
الترمذی و ذکر جماعۃ غیرہم فہو
ضعیف فیستغنی بالعز والیہار اسی
الی کتبہم عن بیان ضعفہ انتہی
بلفظہ۔ (ہامش المراح فی المراح ص ۵۷)
للعلاۃ بعد الدین الی البرکان الغزوی
المتوفی ۹۸۴ھ

اور ذکوان کی یہ روایت بطریق عبدالرحمن بن قیس الزعفرانی انہوں نے خصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸۱ میں حکیم ترمذی کی طرف نسبت کی ہے اخرج الحدیث الترمذی الذکوان کے نزدیک اس کے ضعیف ہونے میں کیا شک ہے؟

علامہ سید سلیمان ندوی (المتوفی ۱۳۷۲ھ) لکھتے ہیں کہ علامہ سیوطی کی خصائص کبریٰ جو حیدرآباد دکن میں چھپ گئی ہے معجزات کے موضوع پر سب سے زیادہ مسبوط ہے اور جامع تالیف ہے۔ علامہ ممدوح نے الی قولہ تومی و ضعیف اور صحیح و غلط قسم کے واقعات کا انبار لگا دیا اور (سیرت النبوی ج ۳ ص ۶۳۵ طبع لاہور)

(۱۰) مؤلف مذکور نے اوفاک کے حوالے سے حضرت ابن عباس سے جو روایت نقل کی ہے اور جسے وہ متصل قرار دے کر بجز منوانا چاہتے ہیں سوال یہ ہے کہ اس حدیث کی سند کیا ہے؟ اس کے راوی کون ہیں؟ ان کی توثیق کتب اسامہ الرجال سے درکار ہے سیز زوری سے کسی روایت کو بلا کسی ثبوت کے متصل قرار دے کر منوانا جمل نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح مدارک کے حوالے سے حضرت عثمان سے جو روایت نقل کی ہے اس کی سند کہاں اور کیس ہے؟ بلاشبہ حضرت عثمان کا قول بھی غلیفہ راشد ہونے کی وجہ سے بڑا زنی ہے جب کہ اس کی صحت ثابت ہو اور اس روایت کے روات اور سند کا کچھ پتہ نہیں اور کتب تعاسیر میں ہر قسم کی رطب و یابس روایات نقل موقی علی آری ہیں لہذا کسی تفسیر میں ایسی بے سرو پار روایات کا موجود ہونا ان کی صحت کی ہرگز دلیل نہیں ہے غرضیکہ نہ تو یہ روایت سنداً صحیح ہے اور نہ اس کا اعتبار ہے حکماً تو یہ تب مرفوع قرار پاتی جب سنداً صحیح ہوتی جب اس کی سند صحیح نہیں بلکہ پتہ ہی نہیں کہ اس کی سند کیا ہے

تو اس کو دھینکا مشتق مرفوع قرار دیکر منوانے کا کیا مطلب ہے اور اس طرح مانتا کون ہے؟

لوغت مذکور کا یہ کہنا کہ حدیث مسل دیوبند کے حنفیوں میں مقبول نہیں ہوتی ایک خاص جاہلانہ دعویٰ ہے علماء دیوبند کے نزدیک مسل حدیث حجت ہے بشرطیکہ اس کی سند صحیح ہو اور اس کے مقابلہ میں کوئی صحیح اور حسن متصل حدیث موجود نہ ہو اور اس حدیث کی یہ پوزیشن نہیں کیونکہ ایک تو اس روایت میں جو ذکوان کے طریق سے مروی ہے کذاب اور وضاع راوی موجود ہے جس کی حیثیت پر گاہ کی بھی نہیں ہے۔ اور دوسرے اس کے مقابلہ میں آپ کے سایہ کے ثبوت کی صحیح احادیث موجود ہیں پھر اس کا کیا اعتبار ہے؟

(۱۱) چونکہ مسند احمد مستدرک جمع الزوائد اور طبقات ابن سعد وغیرہ کتابیں حضرت گنگوہی کے زمانہ میں کیاب تھیں اور ان میں درج شدہ سایہ کی روایات انکے پیش نظر تھیں اور بعض کتابوں میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا ذکر موجود ہے اور مروی وغیرہ کے الفاظ سے اس کا تذکرہ ہوا ہے اس لئے بنا بر شہرت کے اس کو امداد السلوک میں متواتر احادیث سے تعبیر کیا گیا ہے اور پھر وہ جس معنی میں آپ کو نور کہتے اور تسلیم کرتے ہیں وہ اس معنی میں آپ کے پیر و کاروں کو بھی نور تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی بشریت کا صاف طور پر اقرار کرتے ہیں اور آپ کو انسان مانتے ہیں ہاں تزکیہ نفس کی وجہ سے الائنش اور کدورت کے سایہ سے آپ کو منزہ مانتے ہیں چنانچہ وہ فتاویٰ رشیدیہ درجہ صلاطین جمہور بقی پر سن دہلی میں اس سوال کے کمرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے کس بات میں مثل ہیں الخ جواب میں لکھتے ہیں۔

الجواب نفس بشر ہونے میں مساوات ہے اگرچہ آپ کی بشریت ان کی و اطیب ہے الخ اور امداد السلوک میں فرماتے ہیں = چنانچہ حق تعالیٰ صریحاً فرماتے ہیں کہ تحقیق سے وہ کامیاب ہو گیا جس نے تزکیہ نفس کر لیا یعنی اس نے مجاہدہ کی تلوار اور ہوائے نفسانی کی مخالفت سے الائنش اور کدورت کو ختم کر دیا اسی لئے حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں کہ تحقیق آئے ہیں تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور کتاب مبین نور سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامت ہے نیز حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہیں شاہد - بشر - ندیر - داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے منیر روشن کرنے والے اور دشمنی دینے والے کو کہتے ہیں اگر انسانوں سے کسی کو روشن کرنا محال ہوتا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات میسر نہ ہو سکتی کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں مگر آپ نے اپنی ذات پاک کو ایسا پاکیزہ کیا کہ ظالموں کو دبو گئے

اور حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور فرمایا اور متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سائین نہیں رکھتے تھے اور یہ واضح ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں اسی طرح آپ نے اپنے پیر و کاروں کا ایسا تصفیہ فرمایا کہ وہ سمجھی نور ہو گئے جیسے کہ ان کی حکایات اور خرق عادات سے کتابیں بھری پڑی ہیں اور ایسی مشہور ہیں کہ انہیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے نبی پر ایمان لاتے ہیں ان کا نور ان کے آگے بچھے بھاگتا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اس دن کو یاد کرو جب کمال ایمان کا نور ان کے دائیں بائیں آگے بچھے ہو گا اور منافق کہیں گے کہ ہمیں بھی اس نور سے کچھ دو ان دونوں آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اتباع شریعت سے ایمان اور نور دونوں حاصل ہو جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اپنے نور سے پیدا کیا اور نونوں کو میرے نور سے۔ اور ارشاد فرمایا کہ اے اللہ میرے سمع - بصر - قلب میں نور کر دے بلکہ فرمایا کہ مجھے سراپا نور کر دے پس اگر انسان کا نفس مصفی ہو جا محال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز یہ دعا نہ فرماتے اس لئے کہ محال چیزوں کے لئے دعا کرنا بالاتفاق ممنوع ہے نیز حضرت ابوالحسن نورسری رحمۃ اللہ علیہ کو نورسری اسی لئے کہتے ہیں کہ آپ سے کئی بار نور دیکھا گیا اور بہت سے خواص و عوام نے صلوات اور شہداء کے منقار سے نور بلند ہوتا دیکھا ہے یہ نور ان کے تزکیہ نفس کا ہے جب نفس کا کام بلند ہو جاتا ہے تو اس کا نور بدن میں سرایت کر جاتا ہے اور وہ ہوتے ہوتے بدن کی طبیعت اور مزاج ہی بن جاتا ہے اس کے بعد اگر نفس بدن سے جدا ہو جائے پھر بھی وہ جسم انوار کا منبع اور منفذ بن جاتا ہے جس طرح زندگی کی حالت میں تھا۔ انتہی امداد السلوک ص ۱۵۶ و ص ۱۵۷ اطبع کتب خانہ شرف الرشید شاہ کوٹ، یہ طویل اقتباس ہم نے صرف اس لئے نقل کیا ہے کہ اس سے یہ بات بالکل واضح سے واضح تر ہو جائے کہ جس معنی میں حضرت گنگوہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیر و کاروں کو نور فرماتے ہیں وہ حسی نور نہیں بلکہ معنوی نور ہے جو تزکیہ نفس تصفیہ نفس کی پاکیزگی اور اتباع شریعت سے حاصل ہوتا ہے اور اس معنی میں سراپا نور ہو کر بھی انسان - بشر - اور اولاد آدم علیہ السلام ہی میں رہتا ہے اس عبارت کے پیش نظر اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیر و کاروں کا سایہ تھا اور یقیناً تھا تو آپ کا سایہ بھی ہونا چاہیے کیونکہ آپ کے پیر و کار بھی بقول حضرت گنگوہی سمجھی نور ہو گئے تھے اور اس لحاظ سے سایہ سے مراد نفوس کی الائنش اور کدورت کا سایہ ہو سکتا ہے جو اتباع شریعت اور تزکیہ نفس اور

ذات کی پاکیزگی کی وجہ سے سب نوریوں پر چسپاں ہوتا ہے ورنہ جن بیروکاروں کو وہ نور فرماتے ہیں ان کے سایہ کی نفی کرنا پڑے گی حالانکہ ایسا شاید مؤلف مذکور اور ان کے حواری بھی نہ کریں۔ ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ کی نفی کرنے والوں کو نہ کافر و مشرک قرار دیا ہے اور نہ بدعتی کہا گیا مؤلف مذکور کے خبت باطن کا نتیجہ ہے کہ عوام الناس کو ہم سے متنفر کرنے کے لئے بے بنیاد اور غلط باتیں ہمارے طرف منسوب کرتے ہیں الحمد للہ تعالیٰ کہ ہم لوگ نہ تو پہلے اپنے اجبار و ربیبان کی پوجا کرتے تھے اور نہ اب کرتے ہیں یہ کمال صرف آپ لوگوں کا ہے کہ اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُحَبَاءَ نِعْمَةً أَدْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ الْآيَةَ كَالْكَوْنِ يَهْلُو كَأَنَّهُمْ يَمِينُ جَانِبِهِ دِيْتَهُ أَوْ يَمِينُ يَبِ كَأَيِّمْ مَرِيءٍ بِهٖ۔

(۱۲) مواہب لدنیہ۔ زرقانی۔ کتاب الوفا۔ شفا۔ نسیم الریاض۔ شرح شفا علی القاری۔ مدارج النبوة اور تفسیر عزیزی وغیرہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے جتنے حوالے نقل کئے گئے ہیں ان کا جواب ہماری طرف سے یہی ہے کہ سایہ نہ ہونے کی روایت کچھ حضرات نے نقل کی اور اس کو معجزہ تصور کیا گیا اور دوسری طرف کی صحیح روایات پیش نظر تھیں لہذا جس روایت میں آپ کا سایہ نہ ہونے کا ذکر ہے اسی پر بنیاد رکھتے ہوئے ان بزرگوں نے ایسا لکھا ہے حالانکہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں بلکہ اس کے خلاف صحیح و صریح روایات موجود ہیں کثرت۔

ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ ہونے کی صحیح احادیث باحوال عرض کی ہیں اور مؤلف مذکور نے چند بزرگوں کے حوالے نقل کئے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا بجائے اس کے کہ ہم اس کے جواب میں متعدد حوالے نقل کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو مؤلف مذکور ہیں کا جواب خود ان کی عبارات میں عرض کر دیں ہم نے حکم الذکر بالجہر میں حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا ذکر نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا اور تکبیر کہنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں تھا جو اب حضرت امام شافعیؒ سے یہ نقل کیا تھا کہ یہ حدیث منسوخ ہے ان کا ارشاد روایات پر مبنی ہے اور دیگر حضرات آئمہ کرامؓ کی ان کو تائید بھی حاصل ہے اور خود بھی مجتہد مطلق ہیں) اس کا جواب مؤلف مذکور نے یہ دیا ہے۔

امام شافعیؒ تو بہت دور کی چیز ہیں اگر حدیث رسول کے خلاف صحابہؓ بھی کوئی بات محض اپنی ساری سے کہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کے مقابلہ میں ان کی رائے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوگا الی قولہ ممکن ہے آپ کے لئے امام شافعیؒ کی رائے کافی ہو لیکن ہم دامن رسالت کو چھوڑ

کہ کہاں جائیں؟ اور جا بھی کہاں سکتے ہیں؟ اھ (ذکر بالجہر طبع دوم ص ۱۲۵) نیز لکھتے ہیں امام شافعیؒ کی شخصیت۔ ان کی علمی وسعت اور زہد و تقویٰ اپنی جگہ پر یہ تمام امور مسلم ہیں لیکن جب وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث صحیح کے مخالف کوئی بات محض اپنی رائے سے پیش کریں گے تو ششوائی نہیں ہوگی اھ بلفظہ (ص ۱۲۵)۔

نیز تحریر کرتے ہیں کہ۔ یاد رکھیے جب کوئی مسئلہ حدیث سے ثابت ہو اور اس کے معارض اور مخالف کتاب و سنت میں کوئی قطعی دلیل نہ ہو تو ایسی صورت میں اس حدیث پر عمل کرنا ہی صحیح دین ہے اور کوئی شخص اپنی جگہ پر کتنا ہی بڑا بزرگ اور عالم دین کیوں نہ ہو لیکن جب وہ حدیث صریح کے خلاف کوئی بات محض اپنی رائے سے بلا دلیل کہتا ہو تو صحیح اور صریح حدیث کے مقابلہ میں اس کی ذاتی رائے کو چھوڑ دینا ہی ہدایت اور راہ استقامت ہے بعد کا کوئی شخص علم و فضل میں کتنا ہی فائق کیوں نہ ہو صحابہؓ سے نہیں بڑھ سکتا اور جب یہ اصول ہے کہ قول صحابی بھی اگر حدیث رسول کے معارض ہو تو حدیث کے مقابلہ میں اس قول کو چھوڑ دیا جاتا ہے تو سوچیے جس حدیث کے خلاف صحابہؓ کی بات نہ سنی جاتی ہو تو ان کے خلاف بعد میں کسی بزرگ یا ماوشما کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ بلفظہ (ص ۱۲۵)۔

قارئین کرام ان بزرگوں کے حوالوں کا جو صحیح اور صریح احادیث کے مقابلہ میں ہیں اس سے بہتر اور کیا جواب دیا جاسکتا ہے جو مؤلف مذکور نے خود دیا ہے و کفنی بنفسک الیوم عینک حسبنا ہ بلاشبہ علامہ ابن الجوزیؒ بڑے عالم اور محدث ہیں اور وہ بعض اوقات صحیح اور حسن قسم کی روایات کو موضوع قرار دینے کی غلطی کرتے ہیں مگر ان کی کتابوں میں بے سند اور بے اصل روایات پر سکوت کی کمی بھی نہیں لہذا ان کا کسی روایت کو نقل کر دینا فن حدیث کے رُوسے کوئی دلیل اور حجت نہیں ہے۔

مسئلہ سایہ اور شیعہ مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ مولوی سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ اصل میں آپ کا سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کا ہے۔ کیا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت ابن عباسؓ۔ امام سیوطیؒ قاضی عیاضؒ علامہ نسفیؒ ملا علی القاریؒ شیخ عبدالحقؒ۔ علامہ بیجوریؒ۔ علامہ خفاجیؒ ابن مبارکؒ ابن جوزیؒ یہ تمام صحابہؓ اور اکابر ائمہ دین حضرات شیعہ تھے؟ جب عہد رسالت سے لے کر شاہ عبدالعزیزؒ تک تمام اکابر مسلمین حضور کے سایہ نہ ہونے کے قائل تھے تو آپ کے انکار پر کون کان دھے گا اور ان تمام مسلمانوں کو آپ نے بیک جنبش قدم شیعہ بنا ڈالا ہے اگر واقعی سایہ نہ ہونا شیعہ کا مسئلہ ہے تو گستاخ صحیح معاف سب

سے بڑے شیعہ گنگوہی ہیں جو لکھتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ ہونا تو اسے ثابت ہے پھر مولوی اشرف علی قناتوی
میں جو شکر النعمۃ ص ۲۰ پر لکھتے ہیں یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ پھر
عزیز الرحمن مفتی دیوبند شیعہ ہیں جو قناتوی جہ ص ۲۲ میں لکھتے ہیں امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں لکھا ہے
صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل کی ہے اخرج الحکیم الترمذی
بہتر ہو گا کہ مولوی سرفراز صاحب خدا سے توبہ کر کے لوٹ آئیں ورنہ تنہا رہ گئے ہیں عامک دیوبند بھی ایک
ایک کر کے ان کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں (محصلا ص ۱۸۳ و ۱۸۴)

الجواب۔ ان حضرات کے سامنے یقیناً وہ احادیث نہیں جو سایہ کے وجود کی یا حوالہ ذکر کی گئی ہیں
اگر یہ احادیث ان حضرات کے سامنے ہوتیں تو وہ ہرگز ان کے خلاف کچھ نہ فرماتے ان حضرات نے آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا ضرور ذکر کیا ہے اور ان کا ماخذ آجا کر کے حضرت ابن عباس
کی طرف منسوب۔ مگر یہ سند اور بے اصل روایت اور حضرت ذکوان کی موضوع اور جعلی روایت ہے
یا پھر ذکر دُوی وغیرہ الفاظ سے بغیر کسی سند کے اس کا ذکر ہے پھر کسی کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ
سایہ کی سند صحیح روایات سامنے آنے کے بعد ان بے سرفرازی روایات پر اس مسئلہ کی بنیاد رکھے جو کہ سایہ نہ
ہونے کی روایات بالکل بے اصل ہیں وہی وجہ ہے کہ مولانا قناتوی (وغیرہ) محتاط علماء اس حدیث کی صحت
کی ذمہ داری نہیں اٹھاتے اور فرماتے ہیں کہ یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں
تھا۔ اور حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب نے سایہ ہونے والی روایت کی خوب تردید بھی کی ہے مگر مولف نے کو
شیر باد سمجھ کر اس کو بالکل پی گئے ہیں اور اصول کافی جس پر بقول شیعہ حضرات کے امام مہدی نے دستخط
اور تصدیق ثبت فرمائی اور فرمایا ہذا کاف الشیعۃ کہ یہ کتاب ہمارے شیعہ کے لئے کافی ہے اور اسی کتاب
سے تنقید میں ہوا حوالہ یعنی کیا گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا تنقید متین
میں یکہا ہے کہ اصل میں سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کا ہے اگر سایہ ہونے کی صحیح روایات موجود ہوتیں
اور پھر ہم ان اکابر کی نقول کی مخالفت کرتے تو ہم قصور وار ہوتے لیکن سایہ ہونے کی صحیح روایات کی
موجودگی میں ہم پر لازم کیسا؟ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ان اکابر کو وہ صحیح احادیث نہیں پہنچیں ورنہ صحیح حدیث
کی مخالفت کون سلمان گوارا کرتا ہے؟ اور چونکہ ہمارا استدلال لفظ بشر سے ہے جو قرآن کریم میں جایجا مذکور
ہے اور سایہ ہونے کی صریح اور صحیح احادیث سے ہے اس لئے ہم یہی کہتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ وہی

ہونا چاہیے کہ آپ کا سایہ تھا اور جن حضرات صحیح روایات نہیں بخیر وہ مذکور ہیں مگر جن کو علم ہو چکا وہ کس طرح مذکور ہو سکتے ہیں؟
جن روایات سے سایہ ثابت ہے ان کا جواب **مولف مذکور تنقید متین میں مستدرک کے حوالے سے**
پیش کردہ صحیح حدیث جس میں یہ الفاظ بھی ہیں حتیٰ رأیت ظلی و ظلک فیہا
کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں مولوی سرفراز صاحب نے حدیث کا ترجمہ اپنے فاسد عقیدہ
کی وجہ سے غلط کیا ہے کہ میں نے اس آگ کی روشنی میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ
یہاں تک کہ میں نے آگ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا (حاشیہ محصلہ) اور حدیث کا جواب دیتے ہوئے
لکھتے ہیں کہ حدیث مبارک سبعتا یظلمہم اللہ یظلمہ اور یوم لا ظل الا ظلہ کیا اللہ تعالیٰ کا بھی
سایہ ہے العیاذ باللہ ہذا نفل ابنی حقیقت پر محمول نہیں کیونکہ دفعہ کی آگ دنیاوی آگ کی طرح روشنی
نہیں ہوتی جیسا کہ آپ نے کزور مطالعہ سے سمجھا ہے مشکوٰۃ شریف باب صفۃ النار فصل ثانی کی پہلی حدیث
میں ہے فی سواد مظلمۃ جنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے ہذا حدیث کے ترجمہ میں اپنی طرف سے
آگ کی روشنی بڑھانا مولوی سرفراز صاحب کی علمی بے مائیگی کے سوا کچھ نہیں کیونکہ جنم کی آگ سیاہ اور
اندھیری ہے وہاں روشنی کا کیا کام؟ یہاں نفل کا لفظ اپنی اصل پر محمول نہیں ایک تو اس لئے کہ آپ
نور میں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا دوسرا اس لئے کہ جنم میں سایہ دکھائی دینا معقول نہیں ہے اور ظل مجازی
طور پر شخص کے معنی میں آتا ہے۔ معالم التنزیل میں ہے وقیل ظلمہم امی انھا صہم پس معنی حدیث
یہ ہے کہ میں نے جنم کو دیکھا اور اس میں اپنے اور تمہارے اشخاص کو دیکھا یعنی آپ کے وصال کے بعد
امت قننوں میں مبتلا ہوگی اور جنم میں دیکھنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ خود کو یا صحابہ کو جنم
کے قریب یا اس کے کنارے دیکھا اور اگر خود جنم میں دیکھنا بھی وارد ہو وہ منقہص شان کا موجب نہیں
کیونکہ جنم میں ہوا صرف کفار کے لئے موجب عذاب و اہانت ہے ہر ایک کے لئے نہیں ورنہ خیرتہ جنم
بھی تو جنم میں موجود ہیں و ما منکھ الا واددھا و ان منکھ الا واددھا ہے۔ صفدر کے
تحت مفسرین کہتے ہیں کہ تمام مومنین کا جنم سے گذر ہو گا مگر ان کے لئے یہ باعث نشاط و سرور ہو گا۔
(محصلا ص ۱۸۳ تا ۱۸۴ توضیح البیان)۔

الجواب۔ مولف مذکور نے یہ جو کچھ کہا ہے مردود ہے اولاً اس لئے کہ عربی دان محمد اللہ تعالیٰ
بکثرت موجود ہیں کسی لائق عربی دان ثالث سے دریافت کر لیں کہ وعوضت علی النار فیما بینی و بینکم

حقی رأیت ظلی وظلمہ فیہا کا ترجمہ اور مطلب کیا ہے؟ انشاء اللہ العزیز کوئی منصف مزاج عربی دان اس عبارت کا مطلب ترجمہ اس کے بغیر اور کچھ نہیں بیان کر سکا کہ اور مجھ پر دوزخ بھی پیش کی گئی جو میرے اور تمہارے سامنے تھی یہاں تک کہ اس کی آگ کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ اور اگر مولف مذکور کا بیان کردہ معنی ہی ہم لیں کہ میں نے آگ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا تو پھر بھی ہمارا مدعی واضح ہے اور اس ترجمہ سے مولف مذکور کو کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ کسی بھی ذی علم اور صاحب بصیرت سے یہ بات تضحی نہیں ہے۔ وثانیاً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم نہیں گو لطیف ہی ہیں اس لئے اس کا سایہ عقلاً بھی نہیں ہو سکتا بخلاف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہ آپ کا جسم مبارک تھا گو لطیف ہی چنانچہ خانصاحب بریلی لکھتے ہیں کہ وہ بشر ہیں مگر عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف اور جسم انسانی رکھتے ہیں مگر ارواح و ملائکہ سے ہزار جگہ لطف اہل (نفس الفعی صفا) اور جسم بشر آدمی اور انسان کا سایہ ہونا عقل کے عین مطابق ہے اور صحیح حدیث سے ثابت بھی ہے کہ ان کے لئے بظلمہ اور الاظلمہ سے حقیقت مراد نہیں بلکہ مجاز مراد ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ مراد ہے کیونکہ عرش بھی جسم ہے اور اس کا سایہ ہے اور الجامع الصغیر ص ۲۱ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں سبعة یظلمہم اللہ تحت ظل عرشہ یوم لا ینزل الا ظلمہ الحدیث وقال حسن اور السراج المنیر ص ۳۳۵ میں ہے۔

بنا سنا حسن۔ اس مرفوع مریح اور حسن حدیث سے واضح ہو گیا کہ ظل اللہ سے (بخلاف مضاف) ظل عرش مراد ہے اور ایک اور حدیث میں ویظلم علیہم انعام الحدیث کے الفاظ آتے ہیں موارد النظار ص ۶۱ یعنی کچھ مؤمن قیامت کے دن بادل کے سایہ کے نیچے ہوں گے وثانیاً بلاشبہ خیر جز جہنم یا ایک تفسیر کے دوسرے مؤمنین کا دوزخ میں سے ہو کر گذرنا حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوزخ میں سیرو بیاحت کے طور پر داخل ہونا کسی نقیص کا موجب نہیں کیونکہ یہ داخل بطور سزا و عذاب کے نہیں بلکہ بطور تشریحات یا عبور اور انتظامی امور کے تحت ہے اور اس میں شرعاً اور عقلاً کوئی خرابی نہیں مگر تو اس توجیہ کی یہاں ضرورت ہے اور نہ گنجائش کیونکہ اسی حدیث میں تصریح موجود ہے کہ آپ دوزخ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ دوزخ آپ کے سامنے پیش کی گئی اور آپ نے اس کو اپنے اور اپنے حضرات صحابہ کرام کے سامنے دیکھا اور اس کی روشنی میں اپنا سایہ بھی دیکھا اور حضرات صحابہ کرام کا سایہ بھی دیکھا اور آپ نے ان شہقت کرتے ہوئے ان کو پیچھے ہٹنے کا حکم بھی دیا الخ نیز تمام مضموم اس کو واضح کرتا ہے کہ آپ دوزخ کا اندر داخل

نہیں ہوئے اور ایک اور روایت اس کی مزید تائید کرتی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کتاب الکسوف کی ایک روایت میں آتا ہے اور اس موقع پر جس آپ پر حجت اور دوزخ پیش کی گئی تھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

لقد جئی بالنار وذلکہ حین رأیتونی
 بر تحقیق دوزخ لالی گئی اور یہ اس وقت جب
 تاخرت مخافة ان یصیبنی من لفظہا الحدیث
 تم نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹا اس ڈر کے مارے
 کہ کہیں آگ کے شعلے مجھے تکلیف نہ دیں۔

رسلمہ ج ۱ ص ۲۵۵
 الحدیث یفسر بعضہ بعضاً کے قاعدہ کے مطابق اس صحیح حدیث سے بالکل واضح ہو گیا کہ آپ دوزخ میں داخل نہیں ہوئے لہذا مولف مذکور کا اس توجیہ کے لئے چکر کا ثنا بالکل لا حاصل ہے وثالثاً اگرچہ لفظ ظل مجازی طور پر ذات اور شخص کے معنی کے لئے آتا ہے لیکن مجاز کی وہاں ضرورت پیش آتی ہے جہاں حقیقت ناممکن یا مستغذر ہو اور یہاں ایسا نہیں پھر بلا دلیل مجاز مراد لینے کی کیا حاجت ہے؟

یہ بھی یاد رہے کہ نحوی طور پر ضمائر ذوات پر ڈال ہیں یہاں ظلی میں حرف یا ضمیر مستکلم ہے جو ذوات اور شخص پر دلالت کرتی ہے اس طرح وظلمہ میں لفظ کم ضمیر مخاطب ہے جو ذوات پر ڈال ہے اور اگر یہاں ظل سے مراد بھی ذوات اور شخص ہو تو اضافۃ الشئی الی انفسہ لازم آتی ہے جو درست نہیں ہے کیونکہ عالم النازل وغیرہ میں اس تفسیر اور توجیہ کو لفظ قیل سے تعبیر کیا ہے جو عموماً ضعف اور کمزوری پر دلالت کرتا ہے کیونکہ وہاں بھی وظلمہ میں ضمیر ضم مضاف الیہ موجود ہے تو اس لحاظ سے اضافۃ الشئی الی انفسہ لازم آتی ہے اور یہ ضعیف و کمزور توجیہ ہے وراثتاً مولف مذکور لکھتے ہیں کہ مولوی مرفوز صاحب نے اپنے کمزور مطالعہ اور علمی بے مائیگی کے تحت مشکوٰۃ شریف باب صفۃ النار باب ثانی کی پہلی حدیث نہیں دیکھی جس میں آتا ہے فی سواد مظلمۃ کہ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے لہذا اپنی طرف سے آگ کی روشنی کا لفظ بڑھانا علمی بے مائیگی ہے کیونکہ جہنم کی آگ سیاہ ہے وہاں روشنی کا کیا کام؟ لیکن یہ سب کچھ مولف مذکور کی نری جہالت ہے ایک تو اس لئے کہ حدیث ترمذی میں مذکور ہے اس کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

حدیث ابی ہریرۃ ہذا موقوف اصح ولا
 اعلس احداً ارفد غیر یحییٰ ابن ابی بکیر
 کہ صحیح ترات یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت
 موقوف ہے مجھے معلوم نہیں کہ کبھی ابن ابی بکیر کے علاوہ

عن شريك (ترمذی بمش) کسی اور نے اس کو شریک سے نزع بیان کیا ہو۔

ہر اس میں جو راوی شریک ہیں وہ باوجود ثقہ ہونے حدیث میں غلطی کر جاتے تھے امام ابراہیم بن سعید الجوزی فرماتے ہیں کہ انہوں نے چار سو حدیث میں غلطی کی ہے۔ اور امام ازدی فرماتے ہیں کہ وہ سنی الحفظ کثیر العوالم اور مضطرب الحدیث تھے و محصلہ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۳۶ و ۳۳۷ وغضیکہ روایت نہ تو مرفوع ہے اور نہ اصول حدیث کے لحاظ سے صحیح ہے لہذا اس پر جواب کی بنیاد رکھنا درست نہیں ہے اور دوسرے اس لئے کہ جہنم کے مختلف طبقات ہیں وہاں آگ بھی ہے اور زہر بھی ہے اور اسی طرح طبقہ اور طبقہ اور آگ اور آگ کا فرق اور تفاوت ہے اور حدیث قالت النار ب اکل بعضی بعضا الحدیث مسلم ج ۲ ص ۲۲۲ اس کی واضح دلیل ہے اگر کسی طبقہ کی آگ سودا منطلعت ہو اور کسی طبقہ کی روشن ہو تو اس میں کیا اشکال ہے؟ جب کہ قرآن کریم میں نار اذات لبب کا ذکر ہے کہ آگ شعلوں والی۔ خالصا صاحب نار حارمیتہ کا معنی کرتے ہیں آگ شعلے مارتی۔ اور نار اذات لبب کا ترجمہ کرتے ہیں پٹ مارتی آگ اور ابھی صحیح مسلم کی روایت لفظ کا لفظ جس کے معنی شعلہ کے ہوتے ہیں بیان ہو چکا ہے اندر حالات جہنم کی آگ کے شعلوں کا اور اس کی روشنی کا انکار کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ صراح ص ۱۶۷ میں لہب کا معنی زبان آتش یعنی آگ شعلہ کہا ہے۔

سایہ کی دوسری حدیث ہم نے تنقید متین میں حضرت زینب کی حدیث نقل کی تھی جس میں آپ کے سایہ کی تفسیر موجود ہے اصل عبارت وہاں ہی ملاحظہ کر لیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے مولف مذکور لکھتے ہیں۔ اس حدیث میں بھی ظل سے مراد شخص ہے کیونکہ ہم پہلے دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا اس لئے ہمارے نزدیک اس حدیث میں بھی ظل شخص کے معنی پر محمول ہے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے (ص ۱۹۵ و ۱۹۶)

الجواب۔ مولف مذکور کا یہ جواب بھی سراسر باطل ہے اولاً اس لئے کہ اس میں بھی اضافہ اشئ الی النفس لازم آتی ہے وثالثاً اس لئے کہ مسند احمد اور مجمع الزوائد کی حدیث کے الفاظ اس باطل تاویل بلکہ تحریف کی بیخ کنی کرتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فلسا کان شہر ذبیح الاول دخل علیہا
یعنی جب ربیع الاول کا مہینہ آیا تو آپ اچھے پاس گئے
فراأت ظلہ فقالت ان هذا الظل رجل
انہوں نے آپ کا سایہ دیکھا، تو فرماتے لگیں

ما یدخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فمن هذا؟ قد دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم
کر سایہ تو مر دکا ہے؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
تو میرے پاس آتے نہیں تو یہ کون ہے اتنے میں آنحضرت
رمسند احمد ج ۳ ص ۳۳۶ و مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲۱
صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہو گئے۔

اگر سایہ سے مراد آپ کی ذات اور شخص ہے جیسا کہ مولف مذکور کا بے بنیاد دعویٰ ہے تو کیا حضرت زینب نے آپ کی ذات اور شخص کو دیکھ کر بھی نہ پہچانا اور حیرت کا اظہار کرنے لگیں کہ کون ہے؟ سایہ میں تو اشتباہ ہو سکتا ہے لیکن نفس شخصیت میں کیا اشتباہ تھا جس پر ان کو حیرت ہوئی؟ اور حدیث کے آخر کے الفاظ مزید وضاحت کرتے ہیں فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہ سایہ پہلے نظر آیا اور آپ بعد کو داخل ہوئے اور مولف مذکور کی تحریف کے پیش نظر یہ مطلب ہو گا کہ آپ کا شخص اور وجود پہلے نظر آیا اور داخل ہوا اس کے بعد آپ داخل ہوئے کیا ایسے پہل اور بے سرو پا معانی سے شریعت اور حدیث کا مذاق نہیں اڑایا جا رہا؟ معاذ اللہ تعالیٰ وثالثاً نصوص قطعہ احادیث متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر تھے اور بشر کا سایہ ایک لازم امر ہے بخلاف آپ کے نور ہونے کے کہ کسی قطعی الثبوت اور قطعی الدلائل سے آپ کا نور ہونا ثابت نہیں ہے اگر ایک تفسیر کے رُو سے نور سے آپ کا نور ہونا ثابت ہے تو وہ صرف ایک احتمال کے درجہ میں ہے اس کو قطعیت ہرگز حاصل نہیں پھر یہ نور آپ کی صفت ہے نہ کہ ذات کیونکہ ذات آپ کی بہر حال بشر ہے اور آپ کا سایہ یقیناً تھا۔

بادل کا سایہ تنقید متین میں شیعہ کی مشہور کتاب الکافی کے حوالے سے یہ بات نقل کی گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور اس کی تشریح میں شیعی عالم خلیل قرظینی کی الصاتی سے یہ تاویل نقل کی گئی تھی کہ آپ کا سایہ نہ تھا یعنی ہمیشہ بادل آپ کے درمیان اور سورج کی لمبیکے درمیان حاصل رہتا تھا۔ اس کے رد میں تنقید متین میں یہ لکھا گیا تھا کہ سایہ نہ ہونے کی نفی سے خلیل قرظینی بھی مطمئن نہیں ہیں اور وہ اس کی تاویل کرنے پر مجبور ہیں کہ سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ بادل سایہ فلک ہوتا تھا اس کی تردید میں ہم نے یہ لکھا تھا کہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ ہمیشہ آپ کے سر مبارک پر بادل کا سایہ رہتا تھا اور پھر بخاری کے حوالے سے ہم نے صحیح حدیث نقل کی کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کر کے قبا پہنچے اور سورج کی گرمی آپ کو بتانے لگی تو حضرت ابو بکر نے اظہر کر چادر کا سایہ آپ پر کیا اگر بادل کا سایہ ہمیشہ رہتا تو چادر کے سایہ کی کیا ضرورت تھی والفاظ یہ ہیں اس

صحیح اور صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ آپ کے اور سوانح کے درمیان ہمیشہ ابرحائل نہیں ہوتا تھا (مجموعہ)
اس کے جواب میں مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ذریت دیوبند کے معنوی جد امجد شاہ ولی اللہ انصاف العارفین
سلسلہ میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ان کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
دو بال مبارک دیئے تین شخصوں نے اس کا انکار کیا کہ آپ کے بال مبارک ہوں۔ چنانچہ جب مناظرہ طوالت
کو پہنچا ان بالوں کو دھوپ میں لے گئے اسی وقت بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا حالانکہ سورج خوب گرم تھا ایک نے
تو یہ کر لی دو لوہے یہ اتفاق امر ہے دوسری مرتبہ پھر دھوپ میں لے گئے پھر بادل آ گیا دوسرا بھی تاب
ہو گیا پھر بالوایہ اتفاق امر ہے پھر تیسری مرتبہ پھر ابر ظاہر ہوا اور تیسرا منکر بھی تاب ہو گیا (مجموعہ) پھر
تفسیر عزیزی ص ۲۱۵۲ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ہمیشہ ابر در وقت تمازت گرا برابر اشان سایہ شبت
پھر مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ کیا یہ دونوں بزرگ جن کی عباراتوں سے آپ نے انصاف و صداقتی کتابوں میں
استشہاد کیا ہے بادل کا سایہ مان کر شیعہ ہو گئے ہیں؟ اگر وہ سنی رہے تو کیا آپ اپنے قول سے رجوع کر گئے کہ
بادل کا سایہ کرنا شیعہ کا مسلہ ہے (مجموعہ توضیح البیان ۱۷۶ و ۱۷۷)

الجواب مصیبت یہ ہے کہ مؤلف مذکور کو صحیح بات سمجھنے کا سلیقہ ہی حاصل نہیں ہے ہم نے یہ
نہیں کہا کہ بادل کا سایہ ماننے سے یا ہمیشہ بادل کا سایہ ماننے سے آدمی شیعہ ہو جاتا ہے ہم نے یہ کہا ہے کہ
ہمیشہ بادل کے سایہ ہونے کا ثبوت نہیں بلکہ بخاری شریف کی روایت ہمیشگی کی نفی کرتی ہے اور یہی وجہ ہے
کہ آپ کے سایہ نہ ہونے کی روایت جو الکافی میں ہے اس سے شیعہ عالم علامہ قزوینی بھی مطمئن نہیں اور وہ
ناویل کرنے پر مجبور ہیں اچھا نا بطور معجزہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بادل کے سایہ کے ہم منکر نہیں
ہیں بلکہ اس کے قائل ہیں چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے۔

فوفعت رأسی فاذا انما سبحانہ قد اظلقی
فمنظرت فاذا فیما جبرائیل الحدیث
(بخاری ج ۱ ص ۲۵۵)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں
نے سر اٹھایا تو میں نے بادل دیکھا جس نے مجھ پر
سایہ کیا ہوا تھا میں نے دیکھا تو اس میں حضرت
جبرائیل علیہ السلام تھے۔

مؤلف مذکور کا اخلاقی اور علمی فرض تھا کہ وہ ہماری طرف سے صحیح بخاری کی پیش کردہ حدیث کا
صحیح جواب دیتے یا اس کا معقول مہمل بیان کرتے مگر وہ ایسا نہ کر سکے جس سے ان کی دراندگی بالکل

عیال سے ضرورت تو نہیں مگر ہم چند صحیح احادیث اور پیش کرتے ہیں جن سے یہ بات واضح سے واضح
تر ہو جاتی ہے کہ آپ پر ہمیشہ بادل سایہ نہیں کرتا تھا۔

(۱) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ نجد میں شریک تھے
دو پہر کے وقت قیلو کہ کا وقت آ گیا اور میدان میں بکثرت جھاریاں نہیں فنزلت تحت شجرة واستظل
بہا الحدیث (بخاری ج ۵ ص ۵۹۳) آپ ایک دخت کے نیچے اس کے سایہ میں آرام کے لئے اترے
(۲) ہجرت کی طویل حدیث میں حضرت ابو بکر نے یہ بھی بیان فرمایا کہ راستہ میں ہمیں ایک چٹان نظر آئی جب
ہم اس کے پاس پہنچے۔

ولہاشی من ظل قال نفرشت لوسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فروۃ الحدیث
(بخاری ج ۵ ص ۵۵)

تو اس کا کچھ سایہ تھا میں نے (اس کے سایہ میں)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پوسٹین بچھالی

ظاہر ہے کہ اگر ہمیشہ بادل آپ پر سایہ کرتا تو چٹان کا سایہ تلاش کرنے کی اور اس کے سایہ میں
آرام کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جعرانہ کے مقام میں تھے آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی وعلیہ
نوب قد اظلل بہ الحدیث (بخاری ج ۳ ص ۳۰۷) اور آپ پر کپڑے کا سایہ کیا ہوا تھا۔
یہ حدیث بھی اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ غرضیکہ صحیح بخاری کی یہ صریح روایات اس
امر کو بالکل آشکارا کرتی ہیں کہ ہمیشہ آپ پر بادل سایہ نہیں کرتا تھا اگر ہمیشہ آپ کے نوئے مبارک
کے لئے بادل اٹھا کر آتے تھے اور آسکتے ہیں تو جہاں آپ بنفس نفیس خود تشریف فرما تھے وہاں
بادل ہمیشہ کیوں نہ آئے اور حضرت ابو بکر اور دیگر حضرات کو چادرا اور کپڑا تان کر سورج کی تمازت
اور حرارت سے آپ کو محفوظ رکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اور کہوں آئی؟ صحیح احادیث کو ترک
کرنا اور غیر معصوم حضرات کی بے سند باتوں اور اقوال و عبارات پر دین کے مسائل کی بنیاد رکھنا دین
کی کونسی خدمت ہے؟ بے شک ہم ان حضرات کی عبارات کو پیش کرتے ہیں لیکن صرف وہاں جہاں
کسی مسئلہ پر قرآن و حدیث سے روشنی نہ پڑتی ہو یا ان کی عبارات سے قرآن و حدیث کی مزید تفسیر او
تشریح ہوتی ہو ہم نے قصداً و ارادۃً ان کی عبارات کو قرآن و حدیث کے مقابلہ میں ہرگز نہیں پیش کیا۔

اور نسا کو جائز سمجھتے ہیں۔

علاوہ ازیں اگر بطور معجزہ خرق عادت کے طور پر آپ کے مولے مبارک پر بادل کسی موقع پر آگیا تھا تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ یہ سایہ ہمیشہ رہتا تھا جب کہ مطلوب یہ ہے۔

بادل اور فرشتوں کے سایہ کی روایات | مؤلف مذکور کا جواب تو باحوالہ ہو چکا ہے اب ہم تاریخین کرام کے سامنے بعض ایسی روایات عرض کرتے ہیں جن سے بادل اور فرشتوں کے سایہ کا ثبوت ملتا ہے اور پھر ان پر کچھ ضروری تنقید بھی عرض کرتے ہیں تاکہ خواہم الناس میں بخوبی اصل حقیقت سے آگاہ ہو سکیں (۱) مستدرک ج ۶ ص ۶۱۶ اور سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۸۱ میں ایک طویل حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کے سفر میں تھے اور اونٹ چرایا کرتے تھے

وعلیہ غمامة تظله الحدیث تو آپ پر بادل سایہ کئے ہوئے تھا۔

امام ساکم جو ترمذی کی طرف مائل تھے (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۳) اس حدیث کو علی شرط الصحیحین صحیح کہتے ہیں لیکن نقاد فن حدیث امام اہل السنن والجماعت علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔

قلت اظنہ موضوعاً فی بعضہ باطل۔ میں کہتا ہوں کہ میں اس کو موضوع خیال کرتا ہوں (تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۲۱۸) اور اس کا بعض حصہ تو بالکل باطل ہے۔

اور ابن ہشام پر روایت محمد بن اسحاق کے حوالہ سے نقل کر رہے ہیں اور محمد بن اسحاق کذاب اور دجال راوی تھا لہذا ایسی روایت پر ان صحیح اور صریح احادیث کے مقابلہ میں کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ الصبیح البخاری میں موجود ہیں جن میں بعض کا تذکرہ اور ہو چکا ہے۔ علامہ قسطلانی نے اور ان کی تائید میں علامہ زرقانی نے بادل اور فرشتہ کے سایہ کرنے کی روایت اور چادر وغیرہ سے سایہ کرنے کی روایت میں یوں تطبیق دی ہے چنانچہ پہلے علامہ قسطلانی نے وہ روایت نقل کی ہے جس میں حضرت ابو بکر کے ہجرت کے سفر میں آپ پر سایہ کرنے کا ہم بخاری کے حوالہ سے ذکر کر چکے ہیں پھر ارشاد فرماتے ہیں۔

وظاہر ہذا انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کانت تصیبہ الشمس وما تقدم من تظليل الغمام والملک کان قبل بعثته

کما هو صریح فی موضوع فلا یثانی ما هنا رواہ اب المدنیہ مع شرح الزرقانی ج ۱ ص ۲۳۳ صریح ہے سو وہ اس کے سنائی نہیں ہے۔ وہ بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے جیسا کہ اپنی جگہ وہ

لیکن اس کاوش کی یہاں بالکل ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ تطبیق کی حاجت و مان پیش آتی ہے جہاں سند کے لحاظ سے دونوں حدیثیں صحیح ہوں اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ بخاری شریف کی روایات بالکل صحیح ہیں اور دوسری مدکی روایات میں ایک کو علامہ ذہبی موضوع کہتے ہیں اور دوسری میں واقفی جیسا کہ کذاب راوی موجود ہے اور میسر ی میں محمد بن اسحاق جیسا کہ کذاب اور دجال راوی موجود ہے تو اندرین حالات تطبیق کی قطعاً کوئی حاجت نہیں ہے اور بخاری شریف کی جس روایت سے بادل کا سایہ کرنا ثابت ہے وہ بطور معجزہ صرف ایک ہی مرتبہ ہے نہ کہ ہمیشہ جب کہ نزاع اور اختلاف ہمیشہ کے سایہ میں ہے۔

(۲) جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علیؑ کے پاس تھے تو اُس وقت آپ کی رضاعی بہن نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بادل سایہ کئے تھے جدھر کو آپ جاتے بادل بھی ساتھ چلتے جہاں آپ رکتے بادل بھی رک جاتے (محصلاً طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۸۱) لیکن اس کی سند میں واقفی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ امام احمد امام ابن المبارک امام ابن نمیر اور امام اسمعیل بن زکریا سب نے اس سے روایت ترک کر دی تھی اور امام احمد نے اس کو کذاب بھی کہا (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۶۶)۔ امام شافعی فرماتے ہیں کتب الواقدی کلبہ کذاب الیئم ص ۳۶۶ کہ واقفی کی کتاب میں جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ امام بندار فرماتے کہ میں نے ان سے سزا جھوٹا کوئی اور نہیں دیکھا اور امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ وہ میرے نزدیک جعلی حدیثیں بنایا کرتا ہے۔ (الیئم ص ۳۶۶) اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ جو لوگ کذاب ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جھوٹ حدیثیں بنانے میں مشہور ہیں ان میں ایک واقفی بھی ہے (الیئم ص ۳۶۶)

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کے غلام مسیرہ کے ساتھ شام کے سفر پر نکلے تو مسیرہ نے دیکھا کہ دو پہر کی سخت گرمی میں دو فرشتے آپ پر سایہ کئے ہوئے ہیں جب کہ آپ اپنے اونٹ پر سوار تھے (محصلاً دلائل النبوة لابن نعیم اصہبانی ص ۱۳۲) لیکن اس کی سند میں بھی وہی محمد بن عمر الواقفی ہے (دیکھئے دلائل النبوة ص ۱۳۲) جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

(۴) مواہب اللدنیہ شرح الزرقانی ج ۱ صفحہ ۱۹۵ وخصائص الکبریٰ ج ۱ صفحہ ۹۱ لیسویطی وغیرہ میں ہے کہ حضرت خدیجہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اونٹ پر سوار دیکھا اور نیزہ دیکھا کہ آپ پر وہ فرشتے سایہ کئے ہوئے ہیں (محصلاً) امام سیوطی اس کو ابو نعیم وغیرہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں اور دلائل النبوة ابو نعیم کی سند میں الواقدی ہے اور علامہ زرقانی اس واقعہ کے شروع میں فرماتے ہیں کہ راویہ الواقدی الخ وشرح المواہب للزرقانی ج ۱ صفحہ ۱۹۵، تو اس لحاظ سے اس سند کا مدار بھی واقدی پر ہے۔

یہ روایت طبقات ابن سعد اور ابن عساکر (وغیرہ) میں بھی ہے لیکن ان تمام کی سند میں واقدی ہے (سیرت النبی ج ۳ صفحہ ۲۵۵ از سید سلیمان ندوی) الغرض ہمیشہ بادل یا فرشتوں کے سایہ کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ صحیح روایت صرف وہی ہے جو بخاری شریف کے حوالے سے پہلے عرض کی جا چکی ہے جس کا وقوع صرف ایک ہی دفعہ ہوا تھا اور وہ بھی آپ کے معجزہ کے طور پر اب فیصلہ خود قارئین کرام کریں کہ کیا ان صحیح احادیث پر اعتماد کرنا جن سے صراحت کے ساتھ آپ کا سایہ ثابت ہے مذہب اسلام کی روح کے مطابق ہے یا کذاب اور وضاع راوی کی روایت اور اسی طرح کی دیگر بے سند روایات کو جبکہ واضح طور پر ان کی اسناد بھی سامنے آجائیں لینا دین کی خدمت اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے؟ اور نیز یہ کہ کیا بخاری شریف کی صحیح روایات جن سے آپ پر شان و خیرت اور کثیرے کامیاب کرنا صراحتاً ثابت ہے قابل اعتبار ہیں؟ یا فرشتوں یا بادل کے آپ پر ہمیشہ سایہ کرنے کی بے اصل اور واقدی جیسے کذاب اور وضاع کی بے حقیقت روایات قابل اخذ ہیں؟ کیا ان کو لہذا اس کا مصداق نہیں کہ۔

حقیقت خلافات میں کھو گئی یہ امت روایات میں کھو گئی

اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت بخیر اور راہ سنت پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین ثم آمین۔

وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَىٰ آلِهِ
وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ ۝

احقر الناس ابو الزاهد محمد رفیع خطیب جامع مسجد گکھر و صدر مدرس مدرسہ نصرة العلوم گوجرانوالہ

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ - ۱۱ فروری ۱۹۸۲ء

قرآن کریم کے لفظی تراجم میں دنیا بھر میں غلط ترجمہ کنز الایمان ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ تَحْفَظُهُ وَنُصَلِّيْ عَلَى رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

۱ اما بعد :

اللہ تعالیٰ کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی لفظی معنوی، لب و لہجہ و رسم الخط وغیرہ کی ہر طرح سے حفاظت کی ہے اور دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قطعاً عاجز اور سراسر قاصر ہے مگر صدافسوس کہ پہلے ہندوستان میں اور اب پاکستان میں ایک غلط ترجمہ اور تفسیر شائع ہوئی تھی۔ جس کے سلسلے میں راقم اشتم نے انفرادی طور پر قرآن کریم کو تحریر سے بچانے کے لیے دیانتیہ کوشش شروع کی تھی اور مسلمانان پاکستان کی طرف سے یہ فرض کفایہ ادا کیا کہ بریلوی حضرات کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کے ترجمہ میں بنیادی غلطیاں ہیں جو اسلام کی تعلیم اور اسلام کی روح کے سراسر خلاف ہیں خان صاحب نے محض اپنی ذہانت کے بل بوتے پر لفظی ترجمہ میں اپنے مشرکانہ اور مبتدعانہ عقیدے بکھر گھسیٹنے ہیں تاکہ عام اردو خوان جو عربی سے بالکل ناواقف ہیں یہ باور کر لیں کہ بریلوی عقائد تو قرآن کریم کے تحت اللفظ ترجمہ سے ثابت ہیں تو پھر ان کے حق اور صحیح ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے اور آنے والی نسلیں بھی اس غلط ترجمہ کو صحیح کھ کر بریلوی مسلک اختیار کریں اور اس کی مختصری تفسیر ان کے لائق شاگرد اور فریق مخالف کے مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے لکھی اور اپنے استاد اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کو اپنی لیاقت کے زور سے صحیح ثابت کیا اور شرک و بدعت کی مردہ کوئی شق ایسی نہیں جس پر انہوں نے بڑے خوبیش سیر حاصل بحث نہ کی ہو یا اس کے بزور اشبات میں کوئی ادنیٰ سی کسر بھی جھوٹی ہو راقم اشتم نے بعض بزرگوں کے توجیہ دلانے سے باوجود اتنا ہی عدم الفرصت ہونے کے چند اغلاط کی بمع ضروری تشریح کے تصدیق میں اپنے پیغمبر اللہ میں نشانہ بھی کی جس کے تھوڑے ہی عرصہ میں دو ایڈیشن نکل گئے اور علامہ دادا اہل حق نے اس کی

بہت قدر کی اس پر لاہور کے ایک مولوی صاحب نے تنقید کی اور توضیح البیان نامی کتاب لکھی ماری اور بیٹھ دونوں پیشرو بزرگوں کی خالص مشرکانہ اور مبتدعانہ باتوں کے اثبات کے لیے کلمہ باندھ لی اور معتزب الغضب ہو کر بے شعوری میں کچھ کچھ لکھ کر لایا ہے باوجود عظیم الفرصتی کے اس کا رد بھی راقم اشیم نے بفضلہ تعالیٰ شروع کر دیا اور اتمام البرہان کا پہلا حصہ طبع ہو گیا ہے دوسرا اور تیسرا اب النصار اللہ العزیز طبع ہو رہا ہے بقیہ حصے زیر ترتیب ہیں۔ ہم نے تو انفرادی طور پر یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنا فریضہ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

والبطر عالم اسلامی اور متحدہ عرب امارات
کاجرات مندرجہ اجتماعی فیصلہ
 کی چنانچہ مدینہ یونیورسٹی کے پرنسپل الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نے اپنے بیان میں فرمایا۔

هذه الترجمة الاردية لمعاني القرآن
 الكريم مليئة بالكاذب والبدع
 والشرك مكة المكرمة كان
 سماحة الشيخ عبد العزيز بن عبد الله
 بن باز الرئيس العام لادارات البحوث
 العلمية والافتار والدعوة والارشاد
 حذر من ترجمة معاني القرآن الكريم
 باللغة الاردية لاحمد رضا خان
 وبها مشها تفسير محمد نعيم الدين
 مراد آبادي لما اشتملت عليه من
 مخالفات جوهرية مليئة بالكاذب
 لنص القرآن الكريم مثل الانكار ان
 يكون الانبياء من البشر كما ان الترجمة

مدينة بالشرك والبدع والآراء
 الباطلة كالاستعانة بالانبياء والاولياء
 والتوسل بهم وكذلك الدعوة الى اقامة
 الموالد للانبياء والصالحين ولتقديم
 الاطعمة الى قبورهم هذا وقد قامت
 الامانة العامة لابطحة العالم
 الاسلامي باصدار تعميم لفتت فيه
 نظر المسلمين في العالم الى خطورة هذه
 الترجمة وما اشتملها من اكاذيب
 وخرافات وبدع وطلبت الى المعاهد
 والمراكز الاسلامية والعربية
 وكافة المسؤولين ملاحظة ما يوجد
 في هذه النسخ واحراقها حفاظاً على
 كلام الله عز وجل من التحريف
 والترجمة المحرفة قامت بطبعها شركة
 تلج المحدود (تاج كين لتيد) لاهور۔

ردولة الامارات العربية المتحدة
 وزارة العدل والشئون الاسلامية والاوقاف
 والاوقاف تلفون ۸۲۷۲۰۰
 ص - ب ۲۲۷۲ (القطبي)

واوليا عليهم الصلوة والسلام سے مردمانگنا
 اور ان سے توسل وغیر مشروع مرتب کرنا اور
 حضرات انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے
 ایام میلاد منانے کی دعوت دینا اور ان کی قبور
 تک کھلنے کے جاننا وغیرہ) رابطہ عالم اسلامی
 کے سیکرٹریٹ کی طرف سے تمام جہاں کے
 مسلمانوں کی بالعموم نظر اس ترجمہ کی ممانعت
 کی طرف مبذول کرانے کے لیے یہ فریضہ ادا
 کیا گیا ہے کہ چونکہ یہ ترجمہ جھوٹ خرافات اور
 بدعات پر مشتمل ہے اور تمام مجالس مذہبی
 مدارس اور مساجد وغیرہاں اور مراکز اسلامیہ
 اور عربیہ اور تمام دہلی اسلام سے درخواست
 ہے کہ جہاں بھی اس ترجمہ کے نسخے ہیں انہیں تباہ
 کے کلام کو تحریف سے بچانے کے لیے ان کو جلایا
 جائے اور یہ محنت ترجمہ تاج کینی لاہور سے
 طبع ہوا ہے۔

ردولة الامارات العربية المتحدة وزارة
 العدل والشئون الاسلامية والاوقاف
 والاوقاف تلفون ۸۲۷۲۰۰ - صنفق کبس ۲۲۷۲
 ص - ب ۲۲۷۲ (القطبي)

اس عبارت میں اس ترجمہ اور تفسیر کے متعلق جو رائے اور خیال ظاہر کیا گیا ہے وہ نفس اللہ
 کے عین مطابق ہے تفصیل کا یہ موقع نہیں وہ آپ تہذیب متین اور اتمام البرہان میں ملاحظہ فرمائیں۔

البتہ تو اس کے متعلق مختصر سی گزارش ہے کہ تو اس کی ایک قسم تو اس بصلح الاعمال ہے اس کا امت
میں سے کوئی بھی متکرمین نہیں ہے سنی کہ حافظ ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) جو عمومی تو اس کے متکرمین اور
ان کی کتاب القاعدۃ الجلیلیۃ اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ وہ بھی یہ لکھتے ہیں کہ

استلذ بنیید محمد ای اسالک
بایمانی بہہ وبہجتہ الالقاعۃ الجلیلیۃ
میں تجھ سے تیرے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے
سے سوال کرتا ہوں کہ یہ مطلب ہے کہ چوتھا میرا
اگٹ پر ایمان ہے اور آپ سے محبت ہے لہذا
ان کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں۔

اور تقریباً تمام صحیح العقیدہ لوگ تو اس سے یہی مراد لیتے ہیں نہ وہ قسم جو شرک میں داخل ہے
کیونکہ تو اس کی بعض قسمیں خالص شرک ہیں اس کی مزید تحقیق تکمیل الصدور میں دیکھیں یہ سن
بریلوی حضرات کے اعلم حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب اور ان کے اتباع تو اس سے اکثر شرک
قسم ہی مراد لیتے ہیں۔ مثلاً وصف علم غیب ثابت کر کے اور حاضر و ناظر سمجھ کر ان سے مراد مانگنا
اور یہ خالص شرک ہے اور شیخ عبدالعزیز کی عبارت میں جس تو اس کا ذکر ہے وہ ایسا ہی ہے چنانچہ
ٹانصاحب شیخ عبدالوہاب شعرائی کا حوالہ دیکر لکھتے ہیں۔ جو کوئی کسی نبی یا رسول یا ولی کا تو اس ہوگا
ضرور ہے کہ وہ نبی و ولی اس کی مشکلوں کے وقت تشریف لائیں گے اور اس کی دیگر فرمائیں گے
وہ غلط فتاویٰ افریقہ ص ۱۲) ہماری طرف سے اس کا اتنا ہی جواب کافی ہے کہ یہ نظریہ تصور قطعیہ
احادیث صحیحہ صریحہ اور فقہاء امت کے صریح فتووں کے خلاف ہے لہذا غیر معصوم اور غیر مجتہد
کا یہ قول قطعاً باطل اور سراسر مردود ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری کا بیان :- رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری جناب
محمد علی الحارکان فرماتے ہیں :-

مشنون القرآن الکریم

حضرت صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

جلد نامن ادارة البحوث العلمیة والافتاء
والدعوة والارشاد بالریاض المملکة
العربیة السعودیة ان ترجمۃ المعانی
القرآن الکریم باللغۃ الأردیة
ترجمہما احمد رضا خان وعلی ہامشا
تفسیر باللغۃ الأردیة لمحمد نعیم الدین
مراد آبادی طبع شرکتہ تلح المحدودة
(تلح کتبئ لمتید) لاہور (پاکستان)
وعدد صفحہا ۶۲۳ صفحہ بدون
دعاء الخاتمة و فہرہ سور القرآن
الکریم فقد وجد ان هذه الترجمة
تستعمل علی مخالقات جہریۃ ملیئۃ
بالکاذب لنص القرآن الکریم مثل
انکار ان یکون الانبیاء من البشر
کما ان الترجمة ملیئۃ بالشرک
والبدع والآراء الیاطلہ کالاستعانة
بالانبیاء والولیاء والتوسل بہم
واذہم یعلمون الغیب کذلک الدعوة
الی اقامة الموالد للانبیاء والصلحین
وتقدیمہم الی قبورہم الخ

جہاں سے پاس مملکت عربیہ سعودیۃ الریاض سے
ادارۃ بحوث العلمیۃ والافتاء والارشاد
کی طرف سے اطلع آئی ہے کہ اردو زبان میں قرآن
کریم کا ترجمہ جو احمد رضا خان نے کیا ہے جس کے
حاشیہ پر اردو ہی میں محمد نعیم اردو آبادی کی تفسیر ہے
جو تلح کتبئ لاہور (پاکستان) سے طبع ہوا ہے
جس کے آخری دعا اور قرآن کریم کی سورتوں کی
فہرست کے علاوہ ۶۲۳ صفحات ہیں یہ ترجمہ
بنیادی غلطیوں اور قرآن کریم کی نص کی تخریب
پر مشتمل ہے مثلاً حضرات انبیاء کو مراد علیہم الصلوٰۃ
والسلام کی بشریت کا انکار وغیرہ جیسا کہ یہ
ترجمہ شرک و بدعت اور آرزو باطل سے پر ہے
مثلاً حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
سے مدد مانگنا اور ان سے تو اسل وغیرہ شروع
مرتب کرنا اور یہ کہ وہ غیب جانتے ہیں۔
اور اسی طرح حضرات انبیاء و صالحین علیہم
الصلوٰۃ والسلام کی میلاد میں قائم کرنے کی دعوت
دینا اور ان کی قبور کی طرف کھانے کے جانا
(دو بخیر) الخ مثلاً
یہ صفحات ملاحظہ کریں۔

وقد جاء ذلك في الصفحات ۳- ۵- ۱۶- ۲۳- ۵۰- ۱۵۵- ۲۱۵- ۲۱۹- ۲۶۰- ۲۶۲
۴۸۸- ۶۱۲- ۶۰۳- ۸۶۸-

والامانة العامة لرابط العالم الاسلامي
تود لفت نظر المسلمين في العالم الخ
خطوة هذه الترجمة وما تشمله
من اكاذيب وخرافات وبدع وترجمون
كافة المسؤولين ملاحظة ما يوجد
من هذه النسخ واحراقها حفاظا
على كلام الله عز وجل من التخریف
ونرفق لكو بطبعة صورة فوتوغرافية
للصفحات التي ورد بها التخریف
المذكور ونسأل الله ان يوفق الجميع
الى ما يحب ويرضى والله يحفظكم
ويبرحكمو۔

(الامين العام محمد علي الحرکان)

پسند کرتا ہے اور جن پر وہ راضی ہے اور اللہ

تعالیٰ تمہاری حفاظت و نیکائی کرے۔

(جنرل سیکرٹری محمد علی حرکان)

چنانچہ متحدہ عرب امارت کے تمام علماء خطباء اور ائمہ حضرات کو سرکاری طور پر اس ترجمہ کی
ترویج کے خطوط لکھے گئے اور قرآن کریم کو تخریف سے بچانے کے لیے ان تمام نسخوں کو انہوں نے
جلانے کا حکم دیا تاکہ قرآن کریم ہر قسم کی تخریف سے پاک رہے اور ان کا یہ ایک جرأت مندانہ فیصلہ
اور اسلامی فریضہ ہے۔

ملکی اخبارات :- ہمارے ملکی اخبارات نے بھی اپنا دینی فریضہ ادا کیا ہے۔ چنانچہ روز نامہ
جنگ لاہور میں مورخہ مارچ ۱۹۸۳ء کو یہ خبر شائع ہوئی۔

متحدہ عرب امارت کی وزارت نے مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر پر پابندی عائد

کردی البظمی ۱۷ مارچ (پپ) متحدہ عرب امارت کی اسلامی امور اور اوقاف کی وزارت نے اس
اطلاع کی تصدیق کر دی ہے کہ اس نے قرآن پاک کے ایک اُردو ترجمہ پر پابندی لگا دی ہے۔
کیونکہ اس میں متعدد اغلاط تھیں اور بنیادی نوعیت کی غلط باتیں تھیں قرآن پاک کی تفسیر
مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے کی ہے اور تاج کھنٹی ملٹیڈ لاہور (پاکستان) نے شائع کیا ہے۔
وزارت کے مطابق یہ کاروائی اس ضمن میں مگر منظر میں قائم رابطہ عالم اسلامی کی سفارش پر کی گئی
ہے رابطہ سے وصول ہونے والے مجوزہ نامہ میں جس میں رابطہ کے سیکرٹری جنرل الشیخ محمد علی حرکان
کے دستخط ہیں ۶۴ صفحات پر مشتمل تفسیر میں غلطیوں کی فہرست پندرہ صفحات پر مشتمل بھیجی گئی ہے
اور یہ خبر اخبار نوائے وقت راولپنڈی ۸ مارچ ۱۹۸۳ء میں بھی اس عنوان سے شائع
ہوئی اغلاط والے قرآن پاک کے تمام نسخے جلا دیے جائیں۔

البظمی ۱۷ مارچ (پپ) متحدہ عرب امارت کی وزارت اوقاف اسلامی امور اور اوقاف
نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ اس نے قرآن پاک کی ایک اُردو تفسیر پر پابندی عائد کی ہے کیونکہ
اس میں بے شمار اغلاط اور بنیادی نوعیت کی غلطیاں تھیں یہ تفسیر محمد نعیم مراد آبادی نے لکھی ہے۔
اور تاج کھنٹی لاہور (پاکستان) نے شائع کی ہے وزارت نے کہا ہے کہ اس نے یہ اقدام مگر
میں قائم تنظیم رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے اس سلسلہ میں کی جانے والی سفارش پر کیا ہے
جو رابطہ کے سیکرٹری جنرل محمد علی حرکان کے دستخطوں سے بھیجی گئی ایک یادداشت تمام اسلامی
ممالک اور اداروں کو بھیجی گئی ہے اور مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ اس کتاب کے تمام نسخے جلا دیے
جائیں یہ بات جریدہ خلیج ٹائمز میں شائع ایک خبر میں بتائی گئی ہے۔

اب ہاک و ہنیز بننے والے حضرات کو ٹھنڈے دل سے اس پر غور فرمائیے کہ ربیوی حضرات کے اغلاط
مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ترجمہ اور ان کے شاگرد مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی
کی تفسیری بنیادی غلطیوں کی نشاندہی کرنے والا صرف سرفراز گھنڈوی اور اسی طرح چند دیگر
اجاب ہی نہیں بلکہ عرب ممالک کے جید علماء کرام اور رابطہ عالم اسلامی کے جید عالم بھی ان
غلطیوں کی باقاعدہ باحوالہ نشاندہی کرتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ ترجمہ اور تفسیر

قرآن کریم کی خالص تحریف بھوٹ کا پندرہ اور شرک و بدعات کا مغز بہ ہے اور حتیٰ کہ اس کو
محض اس لیے جلانے کا حکم دیتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تحریف سے محفوظ رہے اب بھی اگر
بریلوی حضرات اپنی ضد کو نہیں چھوڑتے اور بھوٹی انا پر مصر ہیں تو ان کی مرضی بفضلہ تعالیٰ اہل حق
کی طرف اتمام حجت ہو چکی ہے اب قیامت کے دن ہی یہ حقیقت ان پر بالکل عیاں ہوگی اور
وہاں ندامت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

بوقت صبح ستو و پچھو روز معلومت کہ ہاکہ ہانختہ عشق در شہب و دیگر

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی

اللہ واصحابہ واذواجہ واتبیعہ الی یوم الدین وسلم

احقر

ابوالزاہد محمد سرفراز

۱۹ ذوالحجہ ۱۳۰۲ھ

۴ اکتوبر ۱۹۸۲ء

امداد البرہون

فصلہ

توضیح النبیاء

حصہ چہارم

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفد

مکتبہ صفدیہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوہرانوالہ

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۳	سابقہ حدیث سے حاصل فوائد	۱۵	عرض حال
۲۴	آپ کو علم غیب تدریجاً حاصل ہوتا رہا	۱۵	قرآن کریم کی حفاظت اور اس کی فہم
"	الجواب		فریق مخالفت کے اعلیٰ حضرت کے ہاں سے
"	حاضر و ناظر کے بارے فریق ثانی کے متضاد نظریات پر بحث	۱۶	بڑی عبادت دیوبندیوں کی بات ہے
۲۵	حاضر و ناظر کی مفصل بحث تبریہ النواظر		اسلامی ممالک میں خانصاحب کے ترجمہ اور
	اور تفریح الخواطر میں ملاحظہ فرمائیں	۱۸	ان کے شاگرد کی تفسیر پر پابندی
	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو	۱۹	بحث حاضر و ناظر
۲۶	حاضر و ناظر تسلیم کرنا کفر ہے	۱۹	خانصاحب اور ان کی روحانی ذریت کا نظریہ
"	شاہ کے لیے حاضر و ناظر ہونا شرط نہیں	۱۹	شاہ اور شہید سے حاضر و ناظر پر استدلال
"	کتب فقہ میں الشادۃ بالتسامع	۲۰	تفسیر روح البیان کا حوالہ
"	کا باقاعدہ عنوان موجود ہے	۲۱	تفسیر بیضاوی مدارک اور ابو السعود کا حوالہ
"	آیت مذکورہ میں شہادت سے دنیوی شہادت	"	حاضر و ناظر کے عقیدے سے عظمتِ رسول ظاہر ہوتی ہے
"	مراد نہیں بلکہ قیامت میں تزکیہ مراد ہے	"	تفسیر غزالی کا حوالہ
۲۶، ۲۷	بخاری شریف، ترمذی شریف اور ابن کثیر کا حوالہ	۲۲	روح البیان کی ایک عبارت
	روح البیان - بیضاوی - مدارک اور ابو السعود		آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل کو
۲۷	کے حوالے مولف مذکور کو مفید نہیں - مدارک	۲۲	(معاذ اللہ تعالیٰ) مشرقِ ستم بنانے کی چند مثالیں
۲۸، ۲۹	ابو السعود اور روح المعانی کا حوالہ	۲۳	علم رسالت پر طعن منافی حقین کا طریقہ ہے
۲۸	مدارک، ابو السعود اور روح المعانی کا حوالہ	۲۳	تفسیر خازن سے ایک حدیث کا حوالہ
"	کان الرقیب سے قبل بیضاوی کی عبارت	"	مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ أَلَا يَكُفِّرُ كَافِرًا
"	فاضل سیالکوٹی کا حوالہ	"	

دُنیا میں ساری امت کے تمام ظاہری اور باطنی اعمال کا علم آپ کے لیے ثابت کرنا نصوں قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے

تفسیر عزیزی کی مجمل عبارت کا مطلب خود تفسیر عزیزی اور فتاویٰ عزیزی کی مفصل عبارات سے

روح البیان کے مؤلف محقق نہیں بچوالہ اکبر

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ثابت شدہ فضائل کا کوئی مسلمان منکر نہیں ہے جو شخص نصوں قطعیہ اور احادیث صحیحہ کا رد کرتا ہے وہ پرے درجے کا بے ایمان ہے

سُدی کذاب و وصاح ہے پھر اس کی سند بھی ثابت نہیں بوالہ تفسیر مظہری ضیعت الایمان لوگوں کا یہ نظریہ تھا کہ نبی تمام غیوب پر مطلع ہوتے ہیں - قطلانی

آپ کی ناراضگی آپ کے علم میں طعن کی وجہ سے نہ تھی بلکہ دوران کارسولات کی وجہ سے تھی

بخاری و سلم اور حضرت عبدالعزیز وغیرہ کو جواب دینا وہی کنی وجہ سے تھا - نووی شرح مسلم الغرض آپ کے لیے علم غیب کی صفت

ثابت کرنا منافقوں کا کام ہے نہ کہ ان کی نفی

مؤلف مذکور کا مصدومانہ انداز

سُدی دوہیں دونوں کذاب ہیں (تمذیب التمیذ)

توجہ ہٹنے کا شوشہ

اس کا بخاری کی صحیح حدیث سے رد

انتہائی ننگی بات

سورۃ توبہ آخری سورتوں میں سے ہے

بخاری و مستدرک

حضرت عائشہؓ پرستان والے واقعوں کے جو ایسے مؤلف مذکور کی عاجزی اور داویلا

حاضر و ناظر کا ثبوت

آپ کا جسم اقدس بوضہ منورہ میں ہے

تمام کائنات آپ کے سامنے ہے

حیات

لطائف قاصمیرہ کا حوالہ

لطیفہ مولوی سرفراز صاحب نے حیا انبیاء کی نفی کی ہے اور قائم نافووی نے نبوت کی نفی کی ہے

الجواب ہمارے دلائل ازالۃ الريب اور تبرید النواظیر میں درج ہیں

تمام کائنات کے آپ کے سامنے موجود ہو چکی

کون سی قطعی دلیل آپ کے پاس موجود ہے

عرض اعمال صرف اجمالی ہے نہ کہ تفصیلی

حدیث اِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا اخَذَ الرَّبُّ الْعَدْلُكَ

اس کی واضح دلیل ہے۔

حضرت فقہا کرامؓ سمجھتے ہیں من قال ارجع

الشيخ حاضرة تعلم يخفر

بنازیہ البحر الرائق

متعدد مقامات پر جو روایت ہوتی ہے وہ جہد مثالی سے ہوتی ہے

البراقیت والجمہور

فتح المسلم کا حوالہ

اسنی المطالب کا حوالہ

حضرت تھانویؒ کا حوالہ

مدارج النبوۃ کا حوالہ

اہم شعرائیہ کا حوالہ

صورت شایہ اور ان کے متعدد ہونے سے منکر علم غیب اور حاضر و ناظر ہونے کا قطعاً کوئی تعلق نہیں

مکتوبات حضرت مجدد صاحب کا حوالہ

فریق مخالفت کے اعلیٰ حضرت کے اہل علم و ناظر ہونا

جسم کی صفت ہے غفرت صحت اول کا حوالہ

تنویر النواظر کا حوالہ

انکسین الصدور و سواع الموثی جیسی کتابوں کی موجودگی میں ہم پر حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نفی کا الزام سرسرستان ہے

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب اور حاضر و ناظر کی صفت ثابت کرنا کفر ہے۔ قاضی خاں

حضرت نافوویؒ کی عبارت میں کشتی اور کشتی سوار

ک مثال سے موت کی نفی سمجھنا جالت ہے

لطائف قاصمیرہ کا حوالہ

ایک ہی حرکت کشتی کی طرف اترنا اور سوار کی طرف اٹنا منسوب ہے۔ ہاشم ملاحسن

تعمیر تین کی عبارت سے حیات کا انکار سمجھنا زری جالت ہے۔

لوازم حیات

سادی کے حوالہ سے حدیث کہ تمام دُنیا میرے سامنے ہے میں اس کو مثل کفن دست دیکھتا ہوں

جملہ اسمیرہ کی غیر فعل مضارع ہوتی ہے

دوئم تجدیدی کا افادہ کرتا ہے

قرآن کریم سے اس کی مثال

جب دُنیا میں وسعت نظری حاصل ہے تو آخرت میں کیوں سلوب ہوگی ہے؟

میت کو کفن پسنانے والے اور جنازہ پڑھانے والے کا علم ہوتے ہے (مرقات)

وقت موت حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور بھی شدید ہو جاتی ہے۔ لطائف قاصمیرہ

الجواب

حدیث مذکور کی پوری تشریح و تفریح اطراف میں دیکھیں
 اجماعاً بولاب یہ ہے کہ اس کی سندیں صحیحین جاد
 محکم فیہ راوی ہے (تذریب التذریب)
 دو راوی یقیناً ہیں اولیہ ہے۔ اس پر
 بھی خاصی جرح ہے (تذریب التذریب)
 یہ حدس بھی تھا اور تیس زمبے بھی بدترجم ہے
 زوی شرح مسلم
 ملس ساقط الحدیث ہے۔ تحفہ الاحوذی
 قیس زوی سعید بن سنان الرضاوی ہے
 یہ بہت زیادہ ضعیف ہے مجمع الزوائد
 جملہ امیر کی خبر فعل مضارع ہمیشہ دوام تجدیدی
 کا کلمہ نہیں دیتی۔ بخاری کی حدیث اسی دلیل ہے
 علم غیب علی اور احمد و نظر بڑی صفت آپ کو
 حاصل ہی نہ تھی تاکہ شوخ اس کی زیادت کا سبب بنے
 قبر بارگ میں آپ کو زوی جم اطہر کے ساتھ حیات
 حاصل ہے لیکن سب زوی لازم اس کیسے لازم نہیں
 میت کا غسل لینے والے کفن پہناتے
 والے وغیرہ کو جانا جرتی ہے
 شرح الصدور سے اس کا حوالہ
 لیکن اس جاننے سے وہ وسعت نظری
 ثابت نہیں جو مؤلف مذکور کا مدعی ہے
 اندھیر اور لیس میں کیا دیکھنے کا یہ نیا دعویٰ

۵۹ بطور معجزہ ایسا اجماعی شکل میں
 مشاہدہ عمل نزاع نہیں
 بخاری کی حدیث سے اثبات
 اندھیرے ٹھاس میں دیکھنے کی کوئی صحیح حدیث
 علی قیصلے سے نکالو جو جلی نہ ہو
 برعکس اس کے گئے کا پچھ آپ کی چار پائی
 کے پینے گھس گیا آپ کو مسلم نہ ہوا
 مسلم کی حدیث
 دشمن کے حملے کا خطرہ پیدا ہوا تو
 آپ رات کو دوڑ تک جاؤ نہ لینے کے لیے گئے
 بخاری کی حدیث
 جوتی کے پینے غلاطت کی اطلاع دی
 سے ملی تو آپ کو خسر ہوئی
 اس حدیث کے ماخذ
 لطائف قاصد کی عبارت سے مؤلف مذکور
 کا کوئی طلب حاصل نہیں ہوا نہ ہوتا ہے
 آن واحد میں ممکنہ متعددہ میں حاضر ہونا امکان
 غیر لغوی ہے شیخ علاؤ الدین قزوئی کا حوالہ
 مرقات کا حوالہ کہ حضرات اولیاء کو کئی الارض اور
 ابدان تکتبہ متعددہ حاصل ہو جاتے ہیں
 فیصلہ ہفت مسئلہ کا حوالہ
 مشکوٰۃ شریف کی ایک روایت سے آن واحد میں

۶۴ امکانہ متعددہ پر موجود ہونے کا استدلال
 الجواب
 صورت تیس کے تعدد سے علم غیب اور حضور مناظر
 ہونے کا قطعاً کوئی تعلق نہیں کیا مگر
 مؤلف مذکور کے نزدیک کے نزدیک نہایت خود
 جسم کے ساتھ ہر جگہ حضور مناظر ہونا ممکن ہے
 اس لیے تشریح جنی کا اشکال ان پر بہت سزا ہوتا ہے
 اجساد میں نوع من التقایر سے کیا مراد ہے؟
 بشری پر بہت سزا اعتراض وارد ہے
 معراج کی رات ارواح انبیاء عظیم الصلوٰۃ والسلام
 نے اجساد کی شکل اختیار کی تھی
 فتح الباری وعدۃ القاری
 حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا حوالہ
 حق ہے مگر مؤلف مذکور کو سمجھنا نہیں
 اشعار اللغات کا حوالہ کہ خواب میں
 مثالی صورت نظر آتی ہے نہ کہ روح و جسم
 مرقات کی عبارت میں بھی
 صورت ثانیہ ہی مراد ہیں
 فیصلہ ہفت مسئلہ کی عبارت بھی
 مؤلف مذکور کو مفید نہیں
 پوری عبارت میں ہے جو ان کے خلاف ہے
 مرقات کے حوالہ میں اجاد و مکتبہ کا جملہ ہے

۶۴ جو صورت ثانیہ پر دل ہے
 حضرت ابو بکرؓ کو جنت کے ہر دروازے
 سے بلانے کے ہانے کی حدیث بخاری سے
 اور یہ صرف اعزاز و اکرام ہو گا نہ کہ منصب
 دروازوں سے داخل ہوں گے۔
 کیونکہ یہ محال ہے۔ (لامش بخاری)
 مؤلف مذکور موت کے بعد جس وسعت نظری
 کے قائل ہیں بشرک کی ایک نوع ہے
 تغیر عزیز
 غدنیا ز
 مؤلف مذکور کی بدحواسی
 فتاویٰ رشیدیہ خصم پر کوئی حجت نہیں
 الجواب
 مؤلف مذکور اہلال کی تشریح میں نقل کردہ
 ہمارے تقریباً چھ حوالوں سے لاجواب ہو کر
 ان کو پی گئے ہیں اور ڈھکاڑا کشوں یا
 مؤلف مذکور نے اپنے اعلیٰ حضرت کی کتاب میں نہیں
 حضرت گنگوہی کا حوالہ اس لیے نقل کیا ہے کہ ان کا
 فتویٰ صحیح مسلم اکابر کے فتویٰ کے عین مطابق ہے
 اور نیز ناگہ ان کے کم علم پر درکاروں کی تسلی ہو جائے
 بقول مؤلف مذکور سرفراز حسب کا پستانہ کہ اہلال
 کے معنی ذبح کے گھسے صدر الاقائل نے غلطی کی ہے

اس سے صدر الافاضل کے کلام میں تحریف کی ہے اور کلام میں تعارض ہے

الجواب
نہ تو ہم نے تحریف کی نہ عادت ہے

خود آپ کے صدر الافاضل نے آہل کے معنی فرج کے کیلئے ہیں۔ رضوان العرفان کا حوالہ اور حوالہ

البدل کو فرج کے معنی میں لینا اور بغیر اللہ کو بغیر اللہ کے معنی میں لینا کلام الہی کے تحریف کے قریب ہے

تفسیر عزیزی
ذبیحہ کے حرام ہونے کی صورتیں ایک یہ ہے کہ ذابح عبادت کے طور پر تقرب کی نیت کرے

بجائز حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب الجواب

صدر الافاضل غیر اللہ کے تقرب کے لیے جانور کو نامزد کرنا جائز کہتے ہیں

مذکورہ صورتوں کے علاوہ ذبیحہ کے حرام ہونے کی اور صورتیں بھی ہیں۔ فتاویٰ عزیزی

تقرب علی وجہ العبادۃ کو حرام اور محض تقرب بغیر اللہ کو حلال کن مؤلف مذکور کی غلطی ہے

۲۲۸

۷۵ حضرت شاہ صاحب نے حضرت اہم فزویٰ کا حوالہ دیا ہے

۷۶ اہم فزویٰ کی اصل عبارت یہ ہے

۷۷ حضرت شاہ صاحب کی اپنی عبارت اگر کم ضیعت اور تعظیم غیر اللہ کا فرق فتاویٰ عزیزی کا مفصل حوالہ

۷۸ قدوم امیر کیلئے ذبح کرنا حرام ہے۔ در مختار حالانکہ اس کی عبادت کوئی بھی نہیں کرتا

۷۹ جانور کی حرمت کے لیے تقرب علی وجہ العبادۃ شرط نہیں علی وجہ التقرب ہی کافی ہے۔ فتاویٰ عزیزی اور تفسیر عزیزی کا حوالہ

۸۰ صا اہل کے معنی تقرب کے طور پر بغیر اللہ کے لیے نامزد کرنا ہے۔ بت۔ روح حیثیت جن پیر اور بغیر وغیرہ کوئی بھی ہو

۸۱ فتاویٰ عزیزی و تفسیر عزیزی ایسا نامزد کیا جو جانور بسم اللہ لڑھکا کر ذبح کرنے سے بھی حلال نہیں ہوتا

۸۲ فتاویٰ عزیزی و تفسیر عزیزی ہاں اگر تقرب کی نیت سے کھلے طور پر

۸۳ توبہ کرے تو پھر نام خدا ذبح کرنا جائز ہے

۸۴ فتاویٰ عزیزی و تفسیر عزیزی یہ ذبیحہ اس لیے حرام ہے کہ مرتد کا ذبیحہ ہے

۸۵ تفسیر عزیزی کا حوالہ

۲۲۹

۸۹ عبادت کا معنی تفسیر عزیزی سے عبادت کس مقصد کے لیے کی جاتی ہے تفسیر عزیزی

۹۰ تقرب بغیر اللہ شرک ہے۔ قرآن کریم شاہ عبدالعزیز صاحب اور نیاز کے جانور ایصال ثواب کے لیے جو جانور نامزد کیے جاتے ہیں اس سلسلے میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبادت کا جواب ہم بار بار مل چکے ہیں

۹۱ الجواب حضرت شاہ صاحب کی مفصل عبارات کے بزرگم خورش فریق ثالث نے جو جوابات دیے ہیں وہ دفع الوقتی اور جان بچھڑانے کا نام بہانہ ہے غلط بیانی

۹۲ صدر الافاضل نے صا اہل کا معنی ذبح نہیں کیا تفسیر عزیزی کا حوالہ

۹۳ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک اس ذبیحہ کے حرام ہونے کی دو وجہیں ہیں (۱) تقرب غیر خدا (۲) جانور کو نامزد کرنا

۹۴ مطلق تقرب الی اللہ شرک نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ ذوی القربی اور الا انکود فی القربی میں شرک کی تعلیم کی ہے

۹۵ یہ ذبیحہ اس لیے حرام ہے کہ مرتد کا ذبیحہ ہے تفسیر عزیزی کا حوالہ

۹۶ الجواب آہل کے معنی خود ان کے صدر الافاضل نے ذبح کے کیلئے ہیں

۹۷ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک تقرب بغیر اللہ ہی وجہ حرمت ہے۔ مؤلف مذکور نے تقرب کی ایک قسم کو جانور اور دوسری کو شرک قرار دیا ہے یہ ان کی جہالت ہے

۹۸ لغوی تقرب اور فحقی تقرب کا فرق ہے شامی اور تفسیر عزیزی کی عبارت کا مطلب پہلے بیان ہو چکا ہے

۹۹ مؤلف مذکور نے تفسیر عزیزی کی عبارت کا مطلب پہلے بیان ہو چکا ہے

۲۲۹

۹۲ الجواب آہل کے معنی خود ان کے صدر الافاضل نے ذبح کے کیلئے ہیں

۹۳ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک تقرب بغیر اللہ ہی وجہ حرمت ہے۔ مؤلف مذکور نے تقرب کی ایک قسم کو جانور اور دوسری کو شرک قرار دیا ہے یہ ان کی جہالت ہے

۹۴ لغوی تقرب اور فحقی تقرب کا فرق ہے شامی اور تفسیر عزیزی کی عبارت کا مطلب پہلے بیان ہو چکا ہے

۹۵ مؤلف مذکور نے تفسیر عزیزی کی عبارت کا مطلب پہلے بیان ہو چکا ہے

۹۶ الجواب صدر الافاضل نے صا اہل کا معنی ذبح نہیں کیا تفسیر عزیزی کا حوالہ

۹۷ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک اس ذبیحہ کے حرام ہونے کی دو وجہیں ہیں (۱) تقرب غیر خدا (۲) جانور کو نامزد کرنا

۹۸ مطلق تقرب الی اللہ شرک نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ ذوی القربی اور الا انکود فی القربی میں شرک کی تعلیم کی ہے

۹۹ یہ ذبیحہ اس لیے حرام ہے کہ مرتد کا ذبیحہ ہے تفسیر عزیزی کا حوالہ

۱۰۰ الجواب آہل کے معنی خود ان کے صدر الافاضل نے ذبح کے کیلئے ہیں

۱۰۱ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک تقرب بغیر اللہ ہی وجہ حرمت ہے۔ مؤلف مذکور نے تقرب کی ایک قسم کو جانور اور دوسری کو شرک قرار دیا ہے یہ ان کی جہالت ہے

۱۰۲ لغوی تقرب اور فحقی تقرب کا فرق ہے شامی اور تفسیر عزیزی کی عبارت کا مطلب پہلے بیان ہو چکا ہے

۲۲۹

مَا أَهْلَ بِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ أَوْ يَكْفُرُ وَخَيْرٌ هَذَا
أَهْلَى فَرَقَ بِهِ جَوْفَرَيْنِ مَخَالَفَ لِنَظَرِ نَذْرٍ كَرْتَبِ

تفسیر ابن کثیر کا حوالہ

تفسیر ابوالسعود اور حضرت تاجیون کے حوالے

ہم اسے مؤید ہیں نہ کہ مخالفت

گئے اور خضر کے ساتھ تفسیر کی وجہ

خجاست اور صحت ہے نہ کہ ذبح کھرتہ

تفسیر عزیزی کی مفصل عبارت

وَمَا أَهْلَ بِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ كَالْبَجْرَةِ أَوْ سَائِرِ

قِيَاسِ قَطْعِ بَابِ هَيْئَةٍ أَيْ كِ حَرَمِ أَوْ دَرَسِ

کی صحت ثابت ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی اپنی عبارت میں روح العبادة

کی قید موجود نہیں ہے۔ فتاویٰ عزیزی سے انہی اپنی عبارت

یہ قید حضرت امام ذہبی الثاقبی وغیرہ کی عبارتوں میں ہے

سائبر وغیرہ کا کلام نہ بکھنے والے قابلِ مذمت نہیں

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انکو حرم نہیں کیا مخالفتِ ما اهل به

دوسری وجہ

گشت مقصود نہ ہو بلکہ غیر اللہ کو جان دینا

مقصود ہو جیسے کافر بھینٹ چڑھاتے ہیں

فتاویٰ عزیزی سے استدلال

ایصال ثواب جائز ہے فتاویٰ عزیزی

ایصال ثواب نذراعی مسکن نہیں ہے

مَا أَهْلَ لَعْنَةُ اللَّهِ بِهِ أَوْ نَذْرًا جَدِيدًا

ایصال ثواب کی مدین نامزدگی کا کوئی ذکر نہیں

فتاویٰ عزیزی۔ اور تفسیر عزیزی کے حوالے

نذر اور ایصال ثواب مجاہد ہیں

سنگ اولیہ کرام کے لیے نذر مانا ایصال ثواب مستحب ہے

حضرت ام صحیح کی حدیث سے استدلال

نذر منسے والا اگر ولی کو حلال مشکلات

بالاستقلال یا شفیع غالب عقائد کے تو شرک ہے

فتاویٰ عزیزی

موقوف مذکور نے نذر اور ایصال ثواب کو

الگ الگ چیزیں تسلیم کر لیا ہے

فتاویٰ عزیزی کی پوری عبارت

جس کو موقوف مذکور پی گئے ہیں

یہاں نذر لغوی معنی میں ہے یعنی نذر نذر اور ایصال ثواب

فتاویٰ عزیزی

بالاستقلال اور غیر استقلال کا معنی

تفسیر عزیزی سے

نذر بابل اور متوع کی مفصل بحث فتاویٰ عزیزی سے

حضرت اولیہ کرام کے لیے نذر بالاجماع بطل اور حرام ہے

تقرب للعبید للہ لاجل التعظیم حرام ہے

اور لاجل الاکل والاشباع حلال ہے

نذر میں ایصال ثواب کلیہ یونہ

روح المعانی کا مفصل حوالہ

حضرت اولیہ کرام کے نام پر نامزدگی کی حرمت

کی تین وجہیں ہیں (۱) تعظیم مع قصد لعباد (۲)

بھینٹ چڑھانا (۳) اولیاء کو مستقل بالذات بھینٹنا

الجواب حضرت شاہ صاحب کی اپنی عبارت سے

بزعم خویش البحر الرائق۔ شامی اور

عالمگیری کے حوالہ کا جواب

نور حضرت فقہاء کرام کی صریح عبارت

اس جواب کا انکار کرتی ہیں اس کی تشریح

کثیرہ موقوف مذکور نے من ذون اللہ کے

معنی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کہے ہیں لکن

البحر الرائق شامی۔ اور عالمگیری میں

حرمت کی جتنی وجہیں زوج ہیں عوام کی

نذر میں وہ سب پائی جاتی ہیں

مولوی سرفراز کتبے کہ اھل کا معنی ذبح نہیں

حالانکہ تفسیر روح المعانی۔ ابوالسعود۔ بیضاوی

جمل۔ تفسیرات احمدیہ۔ روح البیان۔ مدارک

اشترقا المعانی اور احکام القرآن میں ذبح کیے ہیں

فتاویٰ عزیزی سے ان تفسیر کا محل

حرمت کی ایک وجہ یہ ہے جو ان تفسیروں میں لکھی ہے

مگر حرمت اس میں تفسیر نہیں بلکہ

التقرب للتعظیم ہی ایک وجہ ہے

سرفراز صاحب کا دوسرا شبہ

کہ فریق مخالفت کے نزدیک بغیر اللہ

صرف بت مراد ہیں

یہ ہم پر اور صدر الافاضل پر افزا ہے

صدر الافاضل کی عبارت میں بتوں کا

لفظ اور صدر کا لفظ موجود ہے

صدر الافاضل کے مزید حوالے

مفتی احمد یار خاں صاحب کے حوالے

تفسیر اللہ اور بغیر اللہ کا فرق اور سرفراز صاحب کا

تیسرا شبہ کہ ان کے کلام میں تضاد و تقاضا ہے

اصل مقصد غیر اللہ کے مادی ادا کا متعلق بھینٹنا ہے

۱۲۳ [ھا اھل لغیر اللہ میں اس کو مالی عبادت کا
 ۱۲۴ [مستحق سمجھنا قطعاً غلط اور ایجاد بندہ ہے
 کسی ملک کے سربراہ کی آمد پر توہین طعننے یا جانور
 بھینٹ چڑھانے کو کوئی عبادت نہیں سمجھتا
 ہاں تعظیم ضرور سمجھتے ہیں
 سابق شاہ ایران کے لیے بھی جانور
 بھینٹ چڑھانے گئے تھے
 اھل کونج پر عمل کرنا اور بغیر اللہ کو
 باکم غیر اللہ پر دنیا کلام الہی میں تحریف و تزیین
 قادی عریزی و تفسیر عریزی
 پہلے زمانہ کے مشرک مشرک میں مخلص تھے
 اب کے چالاک ہوشیار اور منافق ہیں
 معصومانہ انداز
 حلال و حرام کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور
 دونوں میں دلیل درکار ہوتی ہے
 مگر مفتی احمد یار خان صاحب سمجھتے ہیں کہ حلال
 ہونے کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں
 ان کے چند حوالے
 حجت و حرمت دونوں محتج دلیل ہیں
 قرآن حکیم
 سر فرزا صاحب کا چوتھا شبہہ

۱۲۳
۱۲۴
۱۲۵
۱۲۶
۱۲۷
۱۲۸
۱۲۹

۱۲۳ [کردہ دل کے نام پر نامزد کرنے کے لیے جب
 ۱۲۴ [منفعت یا دفع مضرت کی قید لگاتے ہیں حالانکہ
 صدر الافاضل نے یہ الفاظ کہیں نہیں فرماتے
 ایصال ثواب مولانا گنجوی اور
 مولانا تھانوی کے نزدیک بھی جائز ہے
 انفاس العارفين کا حوالہ کہ اس سے جب
 ۱۲۵ [منفعت اور دفع مضرت ثابت ہے پھر
 بھی انہوں نے کھایا۔
 الجواب
 ایصال ثواب سے مراد وہ اھل کے علاوہ ہے
 اگر یہ نامزدگی ایصال ثواب ہے تو پھر ہاں باپ
 وغیرہ کے لیے کیوں نہیں کی جاتی جو زیادہ محتاج ہیں
 ایصال ثواب اور نذر دو الگ الگ چیزیں ہیں
 ایصال ثواب تقریباً تعظیم غیر اللہ میں شامل نہیں
 بعض اھل ہی اعتقاد پر دال ہوتے ہیں
 ایصال ثواب میں اپنا مطلب شامل نہیں ہوتا
 غیر اللہ کی تعظیم و تقرب کرنے والے بھی نہیں ہوتے
 صدر الافاضل کا حوالہ کہ کہہ میں تین سو
 ساٹھ پھر نصب تھے
 یہ صرف تفسیری نہ تھے بلکہ ان میں حضرت ابراہیم اور
 حضرت اسماعیل علیہما السلام کے مجھے بھی تھے
 بخاوی

۱۲۹
۱۳۰
۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹

اور حضرت مریم کا بھی مذاحمہ
 مشرکین ان کو تقرب الہی کا ذریعہ اور سفارشی
 مانتے تھے اور یہی حال لاکھوں مسلمانوں کا ہے
 دلچسپ گپ
 حضرت خوث الاعظم کو ایصال ثواب کرنے
 والے دو طرح طرح کے کھانے پکا کر علماء اور فقہاء
 کو کھلانے والا ہندو بھی بننا گیا۔
 ضیاء رحم کا حوالہ
 تو پھر لاکھوں کی بخشش میں کیا رکاوٹ ہے؟
 انفاس العارفين کے حوالہ سے مولف
 نذکرہ کا مطلب ثابت نہیں ہوتا۔
 حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ بزرگ
 ہمارے مرعوم اکابر نہیں بلکہ بالیقین اکابر ہیں
 نذر نذر کے خیال میں جب منفعت
 اور دفع مضرت کا سبب ہوتی ہے
 جب کہ حقیقت میں نذر سے کچھ نہیں
 بنتا۔ بخاری شریف
 نذر ولی کے لیے نہیں مانی گئی تھی بلکہ ان
 کے دربار میں جو بیٹے ہوتے تھے وہ ہر تھے
 سر فرزا صاحب کا پانچواں شبہہ
 کہ اگر ما اھل کو وقت نذر کے ساتھ تقدیر کریں
 تو لا ما ذکیتہم کی استنارہ لائق ہوگی
 جو خلاف واقع ہے

۱۲۳
۱۲۴
۱۲۵
۱۲۶
۱۲۷
۱۲۸
۱۲۹
۱۳۰
۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹

۱۲۳ [حالانکہ صدر الافاضل نے سب کو مذکورہ ملو
 نہیں کیے تاکہ مراد و نذر پر کوئی لاحق ہو
 ۱۲۴ [اگر ما اھل کو ما ذکیتہم پر محمول کیا جائے تو لا ما
 ذکیتہم کی استنارہ سے تحصیل حاصل لازم آتا ہے
 علماء کی عبادت میں منعم مخالف متعبر ہوتا ہے
 ۱۲۵ [حضرت ملا جوں کا حوالہ کہ لا ما ذکیتہم ما اھل
 کو لاحق نہیں کیونکہ اھل ذبیحہ کے معنی میں ہے
 علماء کوئی کا حوالہ کہ استنارہ ما اھل کو بھی
 شامل ہے جیسا کہ حضرت علیؓ اور حضرت
 ابن عباسؓ سے منقول ہے۔
 اس آیت کریمہ میں نذر قربان میں
 الجواب
 بقول صدر الافاضل اور مفتی احمد یار خان صاحب
 گیارہ محرمات ہیں۔
 مولف مذکور کے کلام میں تضاد ہے
 اھل کونج پر مخلص مشرکوں کے حق میں
 عمل کیا گیا ہے
 مفہوم مخالفت کجبت ہوا اور نہ ہونے میں اختلاف
 ہے خبر اس
 حضرت ملا جوں نے اھل کے معنی
 نامزد کرنے کے بھی کیے ہیں
 تفسیر احمدیہ کے حوالے

۱۲۸
۱۲۹
۱۳۰
۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹

حضرت ملا جوئی کی عبارت میں استشار کے لاحقہ نہ ہونے کی علت ان اشیا کی حرمت ذاتیہ بھی ہے علامہ لاری کی نقل کردہ عبارت کا مطلب ؟
 روح المعانی کے حوالے
 نزاحت نہ کرنے لفظ تزکیہ پر غور نہیں کیا
 دین کی کمی اور عقل کی خامی
 فریق مخالفت کے صدر الافاضل پر صرف مآہل کی تفسیر کے سلسلہ میں ہماری تنقید اور گرفت دس وجوہ کی بنا پر مستور قائم ہے
 سرفراز صاحب کا چٹا شہ
 کہ ایصال ثواب چن چن کر بزرگوں کو کیوں کیا جاتا ہے ماں باپ وغیرہ کو کیوں نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ ہم سب کو ایصال ثواب کرتے ہیں
 مولوی سرفراز صاحب کو بزرگوں سے عداوت ہم
 ہنماؤ زفہنہم ینفتنون کی کلمت میں ایصال ثواب ذکر کر چکے ہیں
 مولوی سرفراز صاحب علی مارکھلے کے شاگرد ہیں
 الجواب

۱۵۳ ہم نے مآہل لغیر اللہ پہلہ کی بحث میں کہا ہے کہ اگر اس سے ایصال ثواب مراد ہے تو جانوروں کی نامزدگی اور قربان باپکے لیے کیوں نہیں کیا جاتا اور یہ کلام کی تخصیص کیوں کی جاتی ہے
 ۱۵۴ مطلق ایصال ثواب کی بات محل نزاع نہیں ہے
 ۱۵۵ بزرگ خورش ایصال ثواب اور نذر و نعت کی اصل وجہ
 ۱۵۶ بہادر شریعت کا حوالہ
 اصل بستی زور کا اعلان
 ۱۶۲ ہم پر حضرات اویار کرام کی عداوت کا الزام سفید جھوٹ اور خالص افتراء ہے
 ۱۵۸ ہم حضرات اویار کرام کی دشمنی کو اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنے کے مترادف سمجھتے ہیں
 حدیث بخاری
 ہم اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے تذکرہ کو نزول رحمت خداوندی کا سبب سمجھتے ہیں
 بغض اللہ تعالیٰ ہم نے بھی و جہنماؤ زفہنہم کی تفسیر تمام اہل علم ہی میں منضیل کر دی ہے
 اعادہ کی ضرورت نہیں ہے

عرض حال

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ - مَا بَعْدَ

تمام آسمانی کتابوں میں مرتبہ درجہ اور شان قرآن مجید کی ہے وہ اور کسی کتاب کی نہیں ہے۔ جو ہزار ہا انقلابات کے باوجود اب بھی اصلی شکل میں محفوظ و موجود ہے اور انشاء اللہ العزیز تا قیامت محفوظ رہے گا اس لیے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔
 إِنَّا نَحْنُ نَحْفَظُ الْكِتَابَ الَّذِي آتَيْنَاكَ
 لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (پ ۱۲ - الحجر ۱)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآن کریم کے الفاظ، رسم الخطی، لہجہ و لہجہ، ترجمہ، تفسیر، شان نزول اور اس کے ربط و تخیرہ کی تمام فیادی باتوں کی علمائے حق نے خوب خوب حفاظت کی ہے عیاں را چہ عیاں تمام اسلامی ممالک میں قرآن کریم کے سمجھنے اس پر عقیدہ رکھنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش ہوئی، ہوتی ہے اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک ہوتی رہے گی۔ جن ممالک میں قرآن کریم کو بہتر طریقہ سے سمجھنے کی انتھاک سہی کی گئی اور بحمد اللہ تعالیٰ کامیابی بھی حاصل ہوئی ان میں مشترک ہندوستان سرفہرست ہے حتیٰ کہ عربی کا یہ حقولہ بجا معلوم ہوتا ہے کہ
 نَزَلَ الْقُرْآنُ فِي الْعَرَبِ وَفَرِحُوا فِي قَوْمِهِ
 وَكُتِبَ فِي التَّرْجُمَانِ وَفِيهِمْ فِي الْهَيْدِ
 قرآن کریم عرب میں نازل ہوا مصر میں (تجوید کے ساتھ) پڑھا گیا ترک میں (سنہری جودت) کھا گیا اور ہندوستان میں سمجھا گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے خود بھی اور ان کے نامی گرامی فرزند ان کریم اور ان کے تلامذہ اور توسلین نے اس سلسلہ میں جو کوشش و کاوش کی ہے وہ کسی بھی ذی علم سے مخفی نہیں اور دور حاضر میں علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے قرآن کریم کے جو صحیح تراجم اور تفاسیر کی ہیں وہ بھی ایک واضح حقیقت ہے ان حضرات کے تراجم اور تفاسیر سے بے پروا ہو کر قرآن کریم کا اردو زبان میں سمجھنا خاصا مشکل ہے۔ اور دوسرے مکاتیب فخر سے تعلق رکھنے والے منصف منزل حضرت کھلے نظموں میں اس کا اقرار کرتے ہیں اور یہ بالکل ایک حقیقت ہے کہ مشرک ہندوستان میں حضرات علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے تدریسا، تقریراً، تحریراً اور خطابہ جس طرح قرآن کریم حدیث شریف فقہ حنفی اور دیگر علوم دینیہ کی خدمت کی ہے وہ صرف انہی حضرات کا حصہ ہے تاریخی طور پر اس کا انکار آفتاب نیروز کا انکار ہے لیکن سہ

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے اس میں بھلا تصور کیا ہے آفتاب کا فریق مخالفت کے اعلیٰ حضرت کے ہاں سب سے بڑی عبادت دیوبندیوں کی اہانت ہے

تمام مسلمان کو جی ہی اس امر کو جانتے ہیں کہ سب سے بڑی عبادت اصلاح صحابہ پھر نماز روزہ وغیرہ عبادت کا شرعی طریقہ پر بروقت ادا کرنا اور ہی طرح درجہ بدرجہ احکام اسلام کی بجا آوری ہے لیکن بریلوی حضرات کے اعلیٰ حضرت کے ہاں سب سے بڑی عبادت میں سے دیوبندیوں کی اہانت و مخالفت بھی ہے جس پر ان کی روحانی ذریت شدت اور جدت کے ساتھ کاربند ہے۔

ان کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے اپنے شاگرد رشید مولانا ابوالیوسف محمد شریف صاحب کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کو جو سدا اور عبادت تخریر کردا کے دی اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

ووصیتی لك التمسك التام اور میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اہل السنۃ کے بمذہب اہل السنۃ و مذہب کو مضبوطی سے پکڑنا اور اہل بدعت و فتنہ سے الگ رہنا اور اپنی عمر کو سنتوں کی حمایت

والفتنة وصوت العمر في حياية السنن واعانة اربابها ونكاية الفتن واهانة اصحابها لان سيما الديابنة فانهم الفراعنة وَاَضَرَّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ مِنْ ابليس اللعين اعاذنا الله واياك من شرهم اجمعين فذلک اعظم القرب وارضى مرضاة النبي والرب الا

اور اہل سنت کی اعانت میں صرف کرنا اور فتنوں کی سرکوبی اور اصحاب فتن کی اہانت میں گزارنا خاص طور پر دیوبندیوں کی اہانت کرنا کیونکہ وہ قرآن میں اور سنانوں کے پہلے ابلیس عین سے بھی زیادہ منحرف ہیں کیونکہ ہماری راہ مارتے ہیں اور ہمارے پیش کے دھندے بند کرتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تم میں ان سب کی شر سے بچا کے یہ کاروائی بڑی عبادتوں میں سے ہے اور نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور رب (جل جلالہ) کو زیادہ راضی کرنے والی ہے۔

اور آخر میں ہے

قالہ بقلمہ وامر برب قبرہ عبدالمصطفیٰ احمد رضا القادری البرکاتی نے اپنی زبان سے یہ بات کہی اور اس کے لکھنے کا حکم دیا۔

(السنن والاعانة الملحق بکتاب الصلوة ۲۹۵، ص ۲۵)

نماز حنفی مثل مولفہ فقید اعظم حضرت مولانا ابوالیوسف محمد شریف صاحب محدث فریڈیک سٹال ۴۰ اردو بازار لاہور

قارئین کرام خود اندازہ کر لیں کہ جو شخص اپنے شاگردوں کو فرغت کی مندی دیتے ہوئے اس میں بھی دیوبندیوں کے خلاف اپنے دل کا اہل اور بھڑاس نکالنے سے باز نہ آئے تو وہ اور کہاں پا نہ آتا ہوگا مگر مشہور ہے کہ آفتاب پر تھو کا منہ پر آتا ہے نہ تو اہل دیوبند کا آج تک کچھ بگڑا ہے اور نہ انشاء اللہ العزیز آئندہ بگڑے گا اس لیے کہ صحیح حدیث کی روشنی میں طاقت منصورہ کا تاقیامت رہنا ثابت ہے اور بقول مولانا ظفر علی خان مرحوم صحیح چھوٹوں سے یہ چرائی بگڑا نہ جانے گا۔

کیونکہ ان کے عقائد و نظریات قرآن کریم، حدیث شریف اور فقہ حنفی کے عین مطابق ہیں اور ساری دنیا میں پھیلے ہوئے اور خوب روشن ہیں۔

اسلامی ممالک میں خان صاحب کے ترجمہ
اور ان کے شاگرد کی تفسیر پر پابندی

فریق مخالفت کے اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کا نام
بقول ان کے کنز الایمان ہے اور ان کے
شاگرد رشید جناب مولانا نعیم الدین صاحب
میرا آبادی کی تفسیر کا نام خزائن العرفان ہے ان میں ان کے اپنے اختراعی عقائد اور خود تراشیدہ بدعات
کا دفر ذخیرہ موجود ہے جن جن مسلمان مکمل کو ان کے غلط ترجمہ اور تفسیر کی اطلاع ہوتی ہے۔ ان
تمام میں ان پر پابندی عائد کر دی گئی ہے جن ممالک میں سعودی عرب، بحرین، متحدہ عرب امارت
دکویت، دری، ایلوئی، دوہا، شارجہ، مسقط اور سلطہ وغیرہ ہیں (ایران اور آزاد قبائلی علاقے شمال
ہیں اور اٹلی، اٹلی، الجزائر، جلیبا، یوکرین، ممالک کوشی جب اطلاع ہوگی تو وہاں بھی ان پر ضرور پابندی
لگے گی۔ کیونکہ ان میں شرک و بدعت کا بڑا ذخیرہ اور مواد ہے اور کوئی بھی مسلمان شرک و بدعت کو
اسلام اور سنت کہنے کو تیار نہیں نہ ہو گا اور نہ ہو سکتا ہے بلکہ ان کی حکومتی سطح پر بین الاقوامی حالت
کے تحت کچھ مجبوریاں ہیں اور نیز اردو زبان سے ناواقف ہے اور اکثر ممالک کے علوم کی عموماً
دین سے غفلت بھی ہے ورنہ اسلام ایک فطری مذہب ہے اس میں شرک و بدعت اور بدروم
کی سرک سے گنجائش نہیں ہے جسے فریق مخالفت خالص اسلام کا نام دینے پر اُدھار کھائے جیسا ہے مگر
دہرول کا بیس ہرے دہرے تھے تاکہ میں کاروان لٹنے سے پہلے راز افش ہو گیا

بحث حاضر ناظر

خان صاحب بریلوی اور ان کی مدعا کی ذریت کا یہ خالص مشرک اور عتیقہ ہے کہ اعلیٰ حضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم دیکھ کر تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام چنانچہ ان کے مولانا امجد علی صاحب لکھے ہیں
کہ دین و آسمان کا ہر ذرہ ہر نبی کے پیش نظر ہے۔ بفظہ بار شریعت (۱۳۳) ہر جگہ حاضر ناظر میں اور
ساری امت کے تمام اقوال و احوال سے باخبر ہیں اور اس گندے اور قطعاً غیر اسلامی عقیدہ کو بزم
خویش وہ قرآن کریم سے ثابت کرنے کے درپے ہیں بلکہ اس کے اثبات کا اُدھار کھائے بیٹھے
ہیں چنانچہ وہ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا اَلَا يَهْدِي سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ (رکوع ۲) کے ترجمہ میں
کھتے ہیں بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر۔ (۱۳۳) اور اس کی تشریح میں مولوی نعیم الدین صاحب
کتے ہیں شاہد کا ترجمہ حاضر ناظر بہت بہترین ترجمہ ہے کیونکہ اس سے متبدعین کے تپاک عقیدہ
کا اثبات ہوتا ہے۔ صفحہ مفردات راعب میں ہے الشهود والشهادة الحضور مع
مع المشاهدة اصحاب البصيرة یعنی شہود اور شہادت کے معنی میں حاضر ہونا
مع ناظر ہونے کے بصر کے ساتھ ہونا بصیرت کے ساتھ اور گواہ کو بھی اسی لیے شاہد کہتے ہیں کہ وہ
شاہد کے ساتھ جو علم رکھتا ہے اس کو بیان کرتے ہیں شہادۃ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام عالم کی
طرف مبعوث ہیں آپ کی رسالت عامہ ہے جیسا کہ سورہ فرقان کی پہلی آیت میں بیان ہوا اور حضور
پُرُوْرُ صَلَّى اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت تک ہونے والی ساری خلق کے شاہد ہیں اور ان کے اعمال و
افعال و احوال تصدیق و تکذیب ہدایت و ضلالت سب کا شاہد فرماتے ہیں (الوجہ السورہ و جمل)
اور دوسرے مقام پر خان صاحب اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا اَلَا يَهْدِي سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ (رکوع ۱)
کے ترجمہ میں لکھتے ہیں بیشک ہم نے بھیجا تمہیں حاضر ناظر (۱۳۳) اور اس کی تفسیر میں مولانا امجد
صاحب لکھتے ہیں۔ اپنی امت کے اعمال و اقوال کا تاکہ روز قیامت ان کی گواہی دو۔ اور

فَيَكُونَنَّ الرَّسُولَ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا الْآيَةَ (پہا بقدرہ رکوع ۱۱) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں اور یہ رسول تمہارے نگہبان (گواہ) اور مراد آبادی صاحب اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحرم الہی نور نبوت سے ہر شخص کے حال اور اس کی حقیقت ایمان اور اعمال نیک و بد اور اخلاص و نفاق سب پر مطلع ہیں۔ اس پر ہم نے تنقید کرتے ہوئے لکھا تھا کہ خان صاحب نے نگہبان کا لفظ زیادہ کیا تاکہ ان کے مسلک اور اختراعی عقیدہ حاضر نظر پر روشنی پڑے اور ہم نے لکھا کہ یہ عقیدہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے سراسر خلاف ہے چنانچہ ہم نے اس پر تجھ حوالے نقل کیے چار قرآن کریم سے اور دو بخدی شریف و غیرہ کی صحیح حدیث سے جن سے صریحت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لوگوں کے ایمان و کفر پر اطلاع پالے اور حاضر و ناظر ہونے کی واضح طور پر تردید ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں مولف مذکور نے ان کٹوس حوالوں سے جان چھڑانے کے لیے جو راہ فرار اختیار کی ہے۔ اس کا ناسیت اختصار کے ساتھ تجزیہ یوں ہے۔

(۱) تفسیر روح البیان میں ہے کہ شہادت کو جب علی سے متعدی کرتے ہیں تو ضرر کے لیے ہوتی ہے اور جب لام سے متعدی کرتے ہیں تو نفع کے لیے ہوتی ہے تو اس امت کی شہادت تو بلا شک پہلی امتوں کے ضرر کے لیے ہوگی دہاں لفظ علی پر محل ہے لیکن آپ کی شہادت تو اس امت کے نفع کے لیے ہوگی تو لفظ علی کیوں آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شہید کا علی کے ساتھ متعدی ہونا اس امر پر مبنی ہے کہ شہید رقیب (نگہبان) اور مطلع کے معنی کو متضمن ہے اور رقیب چونکہ علی کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اس لیے شہید کے ساتھ علی لایا گیا۔ اور اس سے اعلیٰ حضرت کی جلالت اور کمال علمی بھی ثابت ہوتی اور اس کی داد دینی پڑتی ہے کیونکہ اگر اس کو ظاہر پر چھوڑ دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ ہیں رسول تمہارے خلاف گواہ اور یہ معنی بالاجماع مرد نہیں اعلیٰ حضرت نے گواہ کے ساتھ نگہبان کا لفظ ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمایا کہ علی یہاں پر شہادت کا صلہ نہیں بلکہ شہید جس رقیب کے معنی کو متضمن ہے یہ اس کا صلہ واقع ہے۔

(۲) قاضی بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔ اور چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام امت کے لیے (کا رقیب الیہین) نگہبان کی طرح ہیں اس لیے (شہید) کو علی سے متعدی کیا گیا۔ اور تفسیر دارک میں ہے ولما کان الشہید کا رقیب جی بکلمۃ الاستعلاء اور تفسیر ابی السعود میں ہے وکلمۃ الاستعلاء رلما فی الشہید من معنی المرقب۔ اگر نگہبان کا معنی ملحوظ رکھنا سرفراز صاحب کے نزدیک قرآن کریم کی تخریص ہے۔ تو علامہ بیضاوی، علامہ نضوی اور ابی السعود نے جو رقیب اور یہین سے تفسیر کی ہے تو کیا یہ مفسرین آپ کے نزدیک محرف نہیں؟ اور صاحب مدح البیان نے جو اشکال قائم کیا کیا آپ اس کا لحاظ کئے بغیر اس اشکال کا جواب دے سکتے ہیں۔ دیدہ باید۔

(۳) غانصاحب اور مراد آبادی صاحب کے ترجمہ اور تفسیر سے چونکہ عظمت رسول ظاہر ہوتی ہے اور یہ معنی اعلیٰ حضرت کی اختراع نہیں بلکہ یہ ذریت دیوبند کے محترم علیہ اور معنی احمد شاہ عبدالغنی صاحب کی تفسیر سے ماخوذ ہے جن کی انصاف و صند عباراتیں مولوی گھڑاوی صاحب اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں پھر آگے تفسیر عزیز کی عبارت یعنی و بان شد رسول شہا بر شا گواہ الی قولہ تاروز قیامت ادائے شہادت تو ان ذکر نقل کی ہے۔ ہم ان کے ترجمہ پر لکتا کرتے ہیں۔

یعنی تمہارے رسول تمہارے اوپر گواہ ہیں کیونکہ وہ نور نبوت سے ہر دین دار کے دین پر مطلع ہیں کہ وہ میرے دین کے کس درجہ پر پہنچا ہوا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور جس حجاب کی وجہ سے وہ دین میں ترقی نہ کر سکا وہ کون سا ہے پس وہ تمہارے گناہوں اور ایمان کے درجات اور تمہارے اچھے اور بُرے اعمال اور اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں اسی لیے امت کے دنیاوی امور میں آپ کی گواہی کئی شرع مقبول اور واجب العمل ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو اپنے زمانے کے حاضرین مثلاً صحابہ و ازواج و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمعین یا غائبین مثلاً اویس قرنی و مدنی اور حضور و جال کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں یا اپنے زمانے کے حاضر و غائب لوگوں کے عیوب و قبائح بیان فرمائے ہیں ان پر احقار رکھنا واجب ہے اور اس قبیل سے جو روایات میں آیا ہے کہ ہر نبی کو اپنی امت کے اعمال پر مطلع کیا

جاتا ہے کہ فلاں آج یہ کرنا ہے اور فلاں یہ تاکہ قیامت کے دن ان پر گواہی ملے سکیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس نثرانی کلام کو ملاحظہ فرمائیے اور صدر الافاضل کی تفسیر کو دیکھئے جو اسی کی تعبیر ہے سرفراز صاحب کو پہلے بخیرہ دیوبند کی اس تفسیر کے تمام نسخوں کو دیا برد کرنا چاہیے پھر تفسیر کریں ورنہ ان کے دہل و فریب کی کوئی وقعت نہیں اور ان کی تفسیر اہل حق کی نگاہوں میں ذلت اور رسوائی کا آخری نشان بن کر رہ جائے گی۔

(۴) روح البیان سے اسی مقام کی تفسیر میں ایک عبارت ملاحظہ فرمائیے: "اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گواہی کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر دیندار کے دینی مرتبہ اور اس کے دین کی حقیقت پر مطلع ہیں اور اس حجاب سے بھی واقف ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے کامل دینی سے محجوب ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے گناہوں کی حقیقت ان کی نیکیوں اور برائیوں ان کے اخلاص و نفاق اور اس کے علاوہ باقی تمام امور پر نور ربانی سے واقف ہیں۔ روح البیان کی شہادت ان دلوں پر یقیناً گراں گذرے گی جو تخصیص رسالت کی قیاس پر اپنے کے درجات کا شمار کرتے ہیں اور جن کی نگاہیں فضائل رسالت کی غیر روشنی میں پشیرا ناہنجار کی طرح بینائی کھو رہی ہیں۔"

(۵) بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل پر جو مشرق و مغرب سرفراز صاحب نے کی ہے اور آپ کی وصیت علی پر جو کھڑے تیر بھیجے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے: "انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ کے پہننے والے بعض منافقین کے نفاق کا علم نہ تھا۔ حضرت عائشہؓ نے پر اتمام لگایا آپ کو علم نہ ہو سکا تا آنکہ سورہ نزل نہ ہوئی۔ انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک پتے صحابی حضرت زید بن ارقم کو چھوٹا اور منافقین کو سچا قرار دیا سورہ منافقین نازل ہوئی تو پھر حقیقت منکشف ہوئی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی ایک کاروائی کا علم آپ کو نہ ہو سکا جب تک کہ سورہ تحریم نازل نہ ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کا علم گم ہو گیا انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بھی تلاش کیا اور حضرات صحابہ کرام بھی تلاش کرتے رہے۔ مگر نہ بلائیکہ حاضر و ناظر سے بھی کوئی چیز مخفی رہتی ہے۔ اعلیٰ میں خبر کے مقام پر آپ کی

ذہن خورانی کا واقعہ ہمیشہ آیا جس سے صاف طور پر یہ بات واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے کہ آپ کو علم غیب نہ تھا اور نہ آپ حاضر و ناظر و گناہان تھے۔ (تعمیرتین ص ۱۴۵ تا ۱۴۶)

(۶) علم رسالت پر طعن طریفہ منافقین ہے۔ ان سوالوں کے جوابات سے قبل ہم تفسیر خازن کا حوالہ نقل کرتے ہیں۔ سنی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت خاکی صورت میں اس طرح پیش کی گئی جس طرح حضرت آدم پر پیش کی گئی تھی اور مجھے بتلا دیا کہ مجھ پر کون ایمان لائے گا۔ اور کون نہیں لائے گا۔ جب یہ بات منافقین تک پہنچی تو انہوں نے اعتراض کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یوں گمان کرتے ہیں کہ انہیں جو لوگ ابھی پیدا نہیں ہوئے ان کے بائے میں بھی علم ہے کہ ان میں سے کون ان پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا حالانکہ ہم ان کے درمیان بستے ہیں اور انہیں ہمارے نفاق کا علم نہیں پس جب یہ بات رسول اللہ تک پہنچی تو آپ مہربان کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو میرے علم پر طعنہ زنی کرتے ہیں تم لوگ اب تک قیامت تک کسی بات کے بائے میں مجھ سے نہ پوچھو گے مگر میں تم کو اس کی خبر دوں گا پس عبد اللہ بن عذافہ بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے تو حضور نے فرمایا خدا تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ہم اللہ کی بوتیت پر راضی ہیں اسلامی دین پر غرض ہیں ہم قرآن کی امامت منستے ہیں آپ کی نبوت پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے آپ ہمیں معاف فرمائیے پس بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکر فرمایا کیا تم رکھنے والے ہو کیا تم رکھنے والے ہو عبد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ کا کلام اللہ لیکذا المؤمنین من علی ما انتھو علیہ نازل فرمائی۔ اس حدیث صریح سے ذیل کے امور معلوم ہوئے: ۱۔ بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام امت کے ایمان و کفر پر مطلع ہیں۔ ۲۔ منافق آپ کے اس دعوے پر طعن زن ہوئے کہ اگر آپ سب کے ایمان و کفر پر مطلع ہیں تو ہمارا نفاق کیوں آپ سے مخفی ہے؟ ۳۔ بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکر و دعوے فرمایا کہ اب تک قیامت تک کی جوابات ہو پوچھو۔ ۴۔ بنی علیہ السلام اپنے علم پر طعن زنی سے ناراض ہوئے۔ ۵۔ حضرت عمرؓ

اور حضرت عبد اللہ بن عذافر آپ کی وصحت علمی پر ایمان لائے ہوتے تھے خازن کی تحریر تفصیل اور اس سے مجزیہ کے بعد اب ناظرین پر مخفی نہ رہا ہو گا کہ جس انگنہ منافقین سے خوشی جینی کر کے مولوی سرفراز صاحب نے اپنے آپ کو کس صف میں لاکھڑا کیا ہے اور کیا اب یہ صراحت ضروری ہے کہ علم رسالت پڑھن کر ناکس کا انداز نحو ہے اور علم نبوت کی دعوئوں کو ماننا کس کا طریقہ ہے اور وہ جزوی واقعات جو مولوی سرفراز صاحب نے بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاطمی ثابت کرنے کے لیے پیش کیے ہیں میں کسی طرح مضمر نہیں کیونکہ باوجود علم کے کسی امر کی طرف سے توجہ ہٹ جانا ایک حقیقت ثابت ہے اور علماء دیوبند کو بھی علم ہے دیکھئے عقائد علماء دیوبند ص ۱۸۷ سرفراز صاحب نے جس قدر واقعات حضور کی بے علمی ثابت کرنے کے لیے پیش کیے ہیں سب نزول قرآن کے دوران تھے اور تدریجاً ان کا علم حضور کو حاصل ہوتا رہا، اگر سرفراز صاحب واقعی حضور کی بے علمی ثابت کرنے کے لیے بے قرار ہیں تو ثابت کریں کہ آپ کو فلاں امر کا علم حاصل تک حاصل نہیں ہوا۔

وہ بدو نہ خروط القتاد۔ انتہائی افسوس ہے کہ متبصرین دیوبند عموماً اور سرفراز صاحب خصوصاً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے علمی ثابت کرنے کے لیے ہمیشہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا ذکر اور ہر عام بازا میں ہر مساجد کے منبروں پر کتاب کے صفحات پر کہیں اس واقعہ کو بیان کرنے سے نہیں چھوکتے کیا اگر ان کی مال پر اس قسم کی تسمت لگائی جاتی تو کیا وہ اس بات کو پسند کرتے کہ وہ تسمت خواہ غلط ہی ہو اس کو برسر عام بیان کیا جائے کیا اس طرز سے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور بنی علیہ السلام کو ایذا نہیں پہنچتی اسی طرح مسکد حاضر و ناظر کو مولوی سرفراز صاحب کا بار بار استنزاز ذکر کرنا فضائل نبوت سے انمول و بے مترادف نہیں ہے؟

(محصلاً توضیح البیان از ص ۱۸۷ تا ۱۹۷)

الجواب فریق مخالفت کے مسکد حاضر و ناظر کے بے عجیب قسم کے متضاد نظریات ہیں اور وہ بجا انت بجا منت کی لڑیاں لڑتا ہے مثلاً ان کے صدر الافاضل ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہونے پر زور دیتے ہیں اور دوسری طرف یہ لکھتے ہیں کہ اور رسولوں کی بعثت کا مقصد رسالت کی تبلیغ اور حجت کا لازم کر دینا ہے

۳۳۳

تہ کہ اپنی قوم کے درمیان ہمیشہ موجود رہنا اجماعی مطلق (خزائن العرفان ص ۱) آخری جلد حاضر و ناظر کی صراحت لفظی کر رہے ہیں۔ اور ان کے مولانا امجد علی صاحب مجلس میلاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض اکابر کو اس مجلس پاک میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا ہے اگرچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضور اس موقع پر ضرور تشریف لاتے ہیں مگر کسی غلام پر اپنا گرم خاص فرمائیں اور تشریف لائیں تو مستبعد بھی نہیں مطلق (سہار شریعت حصہ اول ص ۱۲۴)

اور نیز لکھتے ہیں کہ۔ اللہ عزوجل نے حضور کو اپنی ذات کا مظہر بنایا اور حضور کے لئے تمام عالم کو منور فرمایا بایں معنی ہر جگہ حضور تشریف فرما ہیں۔

كالشمس في وسط السماء ونورها يغشى البلاد و مشارقا و مغاربا
 (سہار شریعت حصہ اول ص ۱۲۴) اور ان کے مولانا ارشد قادری صاحب لکھتے ہیں کہ۔ ویسے ہم اس بات کے مدعی بھی نہیں کہ وہ ہر محفل میں تشریف لے جاتے ہیں مطلق (زلزلہ ص ۱)

قطع نظر ان کے متضاد نظریات سے ہم اس مقام پر مسکد حاضر و ناظر کے مثبت اور مخفی پہلو اور کسی پہلو کے دلائل پر بحث نہیں کرنا چاہتے بجز اللہ تعالیٰ وحسن توفیق ہم نے اس مسکد کے دونوں پہلوؤں پر اپنی مشورہ علمی کتاب تبرید النواظر میں اور اس پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات پر کتاب تفریح الخواطر میں مدلل اور محقق بحث کر دی ہے انشاء اللہ العزیز اس مسکد پر اتنی غلطی اور باحوالہ بجا بحث دنیا کی کسی کتاب میں آپ کو دستیاب نہیں ہوگی یہاں ہم صرف مؤلف مذکور کے دجل و فریب اور کم فہمی کا ذکر کریں گے کہ ہمارے پیش کردہ دلائل کا قطعاً کوئی جواب نہیں دے سکے اور بالکل محضت میں کامیابی کا یہ مورچہ سر کرنا چاہتے ہیں مگر کمال اللہ تعالیٰ وقتہ ہم ان کو ایک اور کیس چھوڑ سکتے ہیں؟ بے شک ان کے ناخواہ اور مقصوب حواریوں نے ان کی سرب جیبی تحقیق و تہ تحقیق کی خوب تشریح کی ہے اور ان کو اس پر اپنی جگہ فرمایا ہے مگر تب تک؟ چین میں تین ڈایاں ہزاروں محرمہ کا کھیل دیکھو گری اسی شاخ پر سے کھلی بنا جس پر تھا آئینہ ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ خانصاحب نے شاہ کا معنی حاضر و ناظر کے ذمہ صرف یہ کہ اپنی جان پر ظلم کیا ہے بلکہ ایسے گنہے عہدے کو ان کے کہے پر ماننے والے تمام

۳۳۵

کلمہ گو مشرکوں کے گناہ عظیم کو دبا لیا جی اپنی گردن پر اٹھایا ہے اور قرآن کریم کی حاصل تخریف کی ہے ہم نے تبریہ الزناظر میں کتب فقہ اور فتاویٰ سے بڑے صاف اور واضح حوالے نقل کیے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر لیکر کم ناخالص کفر ہے ظاہر بات ہے کہ جو معنی علماء اسلام کے محتاط طبقہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفر ہو تو وہ قرآن کریم کے کسی لفظ کا ترجمہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور حیرت بر حیرت تو اس پر ہے کہ مراد ابائی جس کا اس کفر یہ ترجمہ کہ بت بمرین ترجمہ کتب میں حالانکہ یہ ترجمہ اور تفسیر عصبی علی غضب کا مصداق ہے شاہد کے لیے حاضر و ناظر ہونا علمی اور فقہی طور پر شرط نہیں ہے الشهادة بالتسامع کا فقہ کی کتابوں میں ایک وسیع عنوان ہے کہ لفظ اور معتبر آدمی کی خبر پر یقین کر کے شہادت دینا جیسا کہ یہ امت مرحومہ پہلی امتوں پر باد جو دوران کے زمانہ میں نہ ہونے اور آنکھوں کے ساتھ ان کے حالات کا مشاہدہ نہ کرنے کے گواہی دیجی اور اس کی گواہی نہ صرف یہ کہ مقبول ہوگی بلکہ اس کی گواہی پر پہلی امتوں کی تقدیر کا فیصلہ صادر ہوگا۔ اور ہم نے تبریہ الزناظر اور تفریح الخواطر میں اس پر بحوالہ مبسوط بحث کی ہے انہوں اس پر ہے کہ فریق ثانی کے صدر الافاضل ام راعب وغیرہ سے نقل کردہ عبارت کو نہیں سمجھے اس میں تصریح ہے کہ مشاہدہ آنکھ سے بھی ہوتا ہے اور بصیرت (دول) سے بھی جس کو دانش اور جاننا کہتے ہیں۔ بالبصیرة کے لفظ ہوتے ہوئے حاضر و ناظر ثابت کرنا فریق ثانی کی شعبہ بازی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے الغرض ام راعب وغیرہ سے جو عبارات انہوں نے نقل کی ہے وہ حاضر و ناظر ہونے پر نص نہیں ہے اور یہ ان کے خلاف جاتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں شہادت سے دنیا میں شہادت مراد نہیں ہے جیسا کہ مراد آبادی صاحب لکھتے ہیں کہ حضور پر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت تک ہونے والی ساری خلق کے شاہد ہیں بلکہ اس سے مراد بخاری شریعت ص ۱۹۶ اور ترمذی شریعت ص ۱۲۶ کی روایت کے پیش نظر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں امت مرحومہ کی شہادت کا ترجمہ ہے۔ اس صحیح اور صریح حدیث کی موجودگی میں قیامت تک ہونے والی ساری خلق پر شاہد ہونا قابل التفات نہیں ہے اور اگر اس شہادت سے دنیا کی شہادت بھی مراد ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امت مرحومہ لوگوں کے ظاہری حال اور اقوال کو مکرر دیکھ کر ان کے

نیسا اور بد ہونے ہو اسی دیتی رہے گی مگر صرف ان کے حق میں جن کے بارے میں ثابت اور دیکھا ہوگا۔ جیسا کہ حدیث انتہ مشہد اللہ فی الامرض (بخاری ص ۱۸۳) سے ثابت ہے کہ آپ نے انکی تصدیق فرمائی ہے اور حافظ ابن کثیر و ام احمد و ام احمد و ام احمد اور امام ابن مردودہ کے حوالہ سے حضرت ابن عباس وغیرہ سے یہ مرفوع روایت نقل کرتے ہیں۔

یوشک ان تعلموا خیارکو وشرارکو قریب ہے کہ تم اپنے نیچوں اور بدوں کو پہچان گے قالایم یارسول اللہ قال بائشند الحسن انہوں نے کہا یا رسول اللہ وہ کیسے؟ آپ نے والشئ السئی انتہ مشہد اللہ فی فرمایا کہ اچھی اور بری توفیق سے تم زمین میں اللہ تعالیٰ الامرض۔ (راہ البیہ ص ۱۹) کے گواہ ہو۔

روح البیان۔ بیضوی۔ مزارک اور ابوالسود وغیرہ سے مؤلف مذکور نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ ان کو سووند نہیں کیونکہ اس میں لفظ قریب اور کال قریب ہرگز نہ مراد نہیں کہ آپ ساری امت پر اور ان کے احوال و افعال اور اقوال پر نگہبان ہیں جیسا کہ مؤلف مذکور اور ان کے بڑوں کا بے بنیاد دعوے ہے بلکہ یہ نگہبانہ امت کی اس سچی گواہی پر ہوگی جو قیامت کے دن امت مرحومہ پہلی امتوں کے خلاف دیجی چاہیہ ام نسفی انار سنن کد شاہد کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

تشہد علی امتک یوم القیمة آپ اپنی امت پر قیامت کے دن گواہی دیں گے (مدک ص ۱۵)

اس سے واضح ہو گیا کہ علامہ نسفی کے نزدیک یہ شہادت دنیا کے امور پر نہیں تاکہ حاضر و ناظر کا سلسلہ چل سکے بلکہ یہ شہادت قیامت کے دن ہوگی اور علامہ ابوالسود نے بھی فرماتے ہیں کہ ای علی امتک لفق لم تعالی ویکوفا یعنی آپ اپنی امت (کی صفائی) پر گواہی دیں گے الرسول علیکو شہیدا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا شاہد ہے اور ہر گوارا رسول تم پر (ابوالسود ص ۱۶) گواہ۔

ان تفسیر سے اسی معنی کی تائید ہوتی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے اور علامہ آلوسی رح شاہد کا معنی کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ

شاهدًا على امتك وشاهدًا
 على الانبياء عليهم السلام
 انهم قد بلغوا (روح المعاني ص ۷۷۹ مشہور)
 اور تفسیر بیضاویؒ ہی میں کان الرقیب سے قبل یہ عبارت موجود ہے۔

فیقول الامم من این عرفتم
 فيقولون علمنا ذلك باخبار الله
 تعالى في كتابه الناطق على لسان
 نبيه الصادق فيقول لمحمد
 صلى الله تعالى عليه وسلم
 فيسل عن حال امته فيشهد
 بعد التهم اه (بیضاوی ص ۱۲)
 اور فضائل سیاکوٹی مولانا عبدالحکیم صاحب عُدھی بعلی کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

یعنی شہید اضمن معنی الرقیب
 فعدی تعدیتہ لان هذه
 الشهادة شهادة تزكية وللمزكى
 لا بد ان يكون مراقبًا على
 احوال المذنب فاذا شاهد
 منه الرشيد والصالح فيشهد
 بهدالته وتزكيتهم
 (مناہیر بیضاوی ص ۱۲)

یعنی لفظ شہید رقیب کے معنی کو متضمن ہے
 اس لیے لفظ علی سے اس کی تعدیت ہوتی کیونکہ
 یہ شہادت صفائی اور تزکیہ کی شہادت ہے اور
 تزکیہ کے لیے ضروری ہے کہ جس کا وہ تزکیہ کرتا ہے
 اس کے احوال پر نگران ہو جو جب وہ اس سے
 بھلائی اور صلاحیت کا مشاہدہ کر لیتا ہے تو اسکی
 عدالت اور تزکیہ کی گواہی دیتا ہے۔

اس سے بالکل عیاں ہو گیا کہ آپؐ کی شہادت صفائی کی گواہی ہوگی جو امت مرہومہ کے
 راست اور صحیح بیان اور شہادت کے بعد ان کی تعدیل اور تزکیہ کے سلسلہ میں صادر ہوگی۔ اس سے

ایسی شہادت مراد لینا جو دنیا میں ساری امت کے تمام ظاہر و باطن اور اس کے سب اقوال و افعال
 اور تصدیق و تکذیب اور اخلاص و نفاق کے متعلق ہر سراسر باطل ہے اور یہ خصوص قطعی اور اعلیٰ
 صحیح کے بالکل خلاف ہے قرآن کریم کی آیت کریمہ **وَمَنْ أَهْلُ الْمَكِيدَاتِ** صد دُعا
حَلَى النَّفَاقِ لَمْ تَقْلَمُ لَهُمْ اور حدیث شریف **اِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا اَحَدٌ قُوًا بَعْدَكَ**
 اس پر نص صریح ہیں جن کا کوئی محقول جواب فریق مخالف کی طرف سے آج تک نہیں ہو سکا۔
 اور تا قیامت ہو سکتا ہے اور ذرا سی توقع کی جا سکتی ہے **وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا**

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ وغیرہ جن بعض حضرات کی عبارات میں
 نیک و بد اعمال اور اخلاص و نفاق وغیرہ کا ذکر ہے قرآن سے ایسے نیک و بد اعمال وغیرہ
 مژدہ ہیں جن پر قرآن و شواہد کے ساتھ جمالی اور ظاہری طور پر آگاہی حاصل ہو اور نور نبوت اور فرست
 رسالت سے ان پر اطلاع حاصل ہوئی ہو تفصیلی طور پر تمام اعمال کا علم اور ان پر اطلاع نیز باطنی
 امور پر آگاہی اس سے ہرگز ہرگز مراد نہیں ہے کیونکہ یہ صفت اور خوبی صرف ائس ذات کا
 خاصہ ہے جو عظیم بذات الصدور اور عالم الغیب والشہادہ ہے مخلوق میں سے کوئی فرد بھی
 کائنات امن کا ان اس میں اس کا شریک نہیں نہ ذاتی طور پر اور نہ عطا فی طور پر بحث ازالہ الريب
 میں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب عتقاد باطلہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

وانبياء ومرسلين را لوازم الوحيات
 از علم غیب و شنیدن فریاد ہر کس در
 ہر جائز
 (تفسیر عزیزی ص ۱۰۷ سورہ بقرہ)

اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ

اول کیکہ قرآن بر و نازل میشد یعنی ذات
 مطہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہرگز
 معانی و لغات اقوام دیگر بلکہ خارج حروف

سب سے پہلے وہ ذات مطہر یعنی آنحضرت صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم جن پر قرآن کریم نازل ہوا دوسری
 قوموں کی زبانیں اور لغات بلکہ ہر فرقہ کے مخرج

وہی کلام پر فرقی و تشدد قاری عزیز (۱۳۲) حدوت اور لہجہ رنگت ہرگز نہیں جانتی تھی حضرت شاہ صاحب کی ایسی واضح تصریحات کی موجودگی میں تمام امت کے ظاہری و باطنی اعمال اور اخلاص وفاق کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا قطعاً باطل اور توہینِ قرآن بے اسیب و مضی بہہ قائلہ کا کھلا مصداق ہے۔

ایسی صریح اور واضح عبارات کے بعد مزید ضرورت تو نہیں مگر طلبہ علم کے افادہ کے لیے حضرت شاہ صاحب کا ایک سوال اور ہم عرض کرتے ہیں چنانچہ وہ صحیح ہے کہ **قُلْ إِنْ أَدْرِي أَغْرَبْتُكُمْ مَتَا تَوَعَّدُونَ** الآیہ (مے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ میں نہیں جانتا کہ آیا قریب ہے وہ چیز عذاب یا اہل باقیامت وغیرہ) جس کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے لہذا کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ بر تقدیر بچے نیست کہ اگر من مقدار اہل ہر کس را بتم و موافق آن حکم بقرب و بعد ظہور و عودات آن خودی در حق آن خودم یا مقدار بقائے نزع انسانی را تا نزع زرا کہ من عالم غیب قسم داد عائی این علم غیبم چنانچہ سابق از میں مجبور دان شما از جتیاں یکدیگر و دیگر فرنگار من عالم الغیب است وغیرہ اور اس علم حاصل نیست زیرا کہ غیب نام چیز نیست کہ اندر او رک حواس ظاہرہ و باطنہ غائب باشد نہ حاضر تا ہمتا حدہ و وجدان دریافت شود و اسباب و علامات آن نیز در نظر عقل و فکر آن در نیاید تا بیدار ہمت و استدلال دریافت شود **وَاللّٰی اِنْ قَالِ** اور پھر نسبت سبب مخلوقات غائب است غیب مطلق است مثل وقت

آمدن قیامت و احکام کو نیت و مشروعیت باری تعالیٰ در ہر روز و در ہر شریعت و مثل حقائق ذات و صفات او تعالیٰ علی سبیل التفصیل و اس قسم را غیب خاص او تعالیٰ نامند۔ (تفسیر عزیز پادشہ) ۱۶۳ و ۱۶۴ طبع محمدی لاہور) کو اللہ تعالیٰ کے غیب خاص کا نام دیتے ہیں۔

قاریین کرام! انصاف سے فرمائیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی خود اپنی ایسی مفصل عبارت اور تصریحات کی موجودگی میں ان کی کسی شہم اور مجمل عبارت سے یہ ثابت کرنا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے قیامت تک کے ہونے والے تمام امور کا علم ثابت کرتے ہیں کتنا بڑا ظلم ہے اور اس کی اہل انصاف کے ہاں وقعت بھی کیا ہے؟ فریق مخالفت مجمل اور شہم عبارات سے دھوکہ دیکر گاڑی چلانے کی کوشش کرتا ہے اور یوں اپنا اور پیروکاروں کے دل بھلا تا ہے بقول شاعر **تمنائوں میں اُبھایا گیا ہوں کھولنے سے کے بھلایا گیا ہوں** علاوہ از میں حضرت شاہ صاحب کی امی عبارت میں جس سے مولف مذکور اور ان کے بزرگ علم غیب ثابت کرتے ہیں اس کا تذکرہ بھی ہے کہ یہ اطلاع عرض اعمال کے طور پر ہوتی ہے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقول فریق مخالفت عالم الغیب اور عالم ماکان و مایکون ہیں تو پھر عرض اعمال کے ذریعہ اطلاع کا کیا مطلب؟ اور عرض اعمال کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب روایات کا حوالہ دیتے ہیں۔

وازیں جا است کہ در روایات آمدہ کہ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں آہے کہ ہر شی کو اپنے امتیوں کے اعمال پر مطلع کیا جاتا ہے کہ فلاں نے آج یہ کیا ہے اور فلاں نے یہ کیا ہے تاکہ قیامت کے دن گواہی کی ادائیگی کر سکیں اور حسب تھا سے پھر شہادتیں تبدیل اور قمار استبرہز مایان کرنا کے تو پھر تمہیں دوسری امتوں کے اٹھارہ گاہا ڈر ہے **سودہ بقولہ**

چونکہ یہ عبارت مولف مذکور کے باطل دعویٰ کے رد کے لیے ضرب کاری تھی اس لیے انہوں نے خیر اسی میں کبھی کہ اس کو شیر مادر بھج کر پی جائیں ہم نے بفضلہ تعالیٰ عرض اعمال کی احادیث کا باحوالہ تذکرہ تکلیف الصدور اور سماح المؤمنین میں کر دیا ہے اس لیے اس بحث کو انہی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔ نیز ہم نے ازالۃ الریب میں باحوالہ یہ بحث بھی کر دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اُمت کے جو اعمال پیش کرتے ہیں تو صرف اجمالی ذکر تفصیلی کیونکہ اگر تفصیلی لادہوں تو یہ اِنَّكَ لَا تَسْـَٔدِرْجِيْ هَا اَحَدٌ ثَوَابًا بَعْدَكَ کی صحیح اور مشور حدیث کے مضمون کے خلاف ہے اور دیگر قطعی اولہ اور بولہاں اس پر سترادہیں اور یہ اجمالی عرض اعمال صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ خاص نہیں ابھی تفسیر عزیز می میں خط کشیدہ الفاظ اُمت مرحومہ کے کہ ہر نبی پر اعمال پیش کیے جاتے ہیں تفسیر عزیز می میں خط کشیدہ الفاظ اُمت مرحومہ کے قیامت کے دن تزکیہ و تعدیل کے سلسلہ میں ہیں اور یہ تعدیل و تزکیہ اُمت کی شہادت اور اس کے بیان سننے کے بعد ہوگی یہ تعدیل و تزکیہ اس دنیا میں ساری اُمت کے تمام نیکو باجمالی اور امور ظاہر و باطن اور اخلاص و وفاقی سے متعلق نہیں جیسا کہ مولف مذکور اور ان کے بزرگوں نے کم فہمی سے یہ سمجھا ہے مولف مذکور نے اس منصل عبارت کا ذکر نہیں کیا مگر بفضلہ تعالیٰ چور کی گھون لگانے والے بھی اس دنیا میں موجود ہیں۔

اور خود حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ہی قیامت کے دن اُمت کی شہادت کے بارے

میں تحریر فرماتے ہیں کہ

چوں اُمم دیگر در مقام کد شہادت ایشان
خوابند گفت کہ شما از چہ رؤ شہادت مید رسید
حالانکہ در وقت مانو دید و حاضر واقف ز شدید
ایشان در جواب خوابند گفت کہ با را خبر خدا را
بوساطت پیغمبر خود رسید و نزد ما در افادہ یقین بستر
از دیدن و حاضر شدن گردید و در شہادت علم یقینی
جب دوسری اُمتیں اس اُمت کی شہادت کے
رد کے مقام پر کہیں گی کہ تم کس طرح گواہی دیتے ہو
حالانکہ تم ہمارے وقت میں موجود نہ تھے اور واقعہ
میں حاضر نہ تھے یہ اُمت ان کے جواب میں کہے گی
کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے خبر دی
ہے اور ہمارے ہاں دیکھنے اور حاضر ہونے سے

بہ تشوہ علیہ میاں یہ طریق کہ حال شود این قصہ را محشر میں
بسنہ صحیح روایت کردہ اندر بخاری و دیگر
صحاح ستہ روایت کر یعنی لوح الی قولہ و امام
احمد و نسائی و ابن ماجہ در مستدرک این قصہ میں
لفظ ہم آورده اند کہ فی الحال ما علیکم فیقولون
ہاذا نبینا فاضیرنا ان الرسل قد بلغوا الخ
(تفسیر عزیز می ص ۱۵۴ سورہ بقرہ)

بمتر طریق سے یقین کا فائدہ سینہ والی چیز (مخبر صادق)
موجود ہے اور گواہی میں مشورہ علیہ کے متعلق علم یقینی نہ کار
ہے جس طرح بھی حاصل ہو۔

اور اس واقعہ کو حضرات محدثین کرام نے صحیح مذک کے
ساتھ روایت کیا ہے بخاری شریف اور دیگر کتب
صحاح ستہ میں مروی ہے کہ حضرت لوح علی الصلوٰۃ والسلام
کو بلا جلتے گا (پھر آگے فرمایا کہ) اور حضرت ام احمدہ
حضرت ام نسائیہ اور حضرت ام ابن ماجہ نے اس واقعہ
کے تقریباً یہ الفاظ نقل کیے ہیں جو کہا جائے گا کہ تمہیں
اس کا کیا علم ہے؟ تو یہ اُمت کہے گی کہ ہم نے پاس
ہمارے نبی آئے انہوں نے ہمیں خبر دی کہ حضرات
انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغ کی ہے۔

اس عبارت کی بات بھی بالکل عیاں ہوگئی کہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک شاہ کے لیے
دیکھنا اور موقع پر حاضر ہونا شرط نہیں ہے چنانچہ خط کشیدہ الفاظ اس پر دال ہیں بجز خان صاحب
تو شاہ کا معنی ہی حاضر و ناظر کرتے ہیں جو خلاف واقع ہونے کے ساتھ تکریف قرآنی بھی ہے۔
نعوذ باللہ تعالیٰ منہ بابتی جو حالات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے حضرات کے
بلکہ پہلے زمانوں کے اور آئندہ آنے والے زمانوں کے حتیٰ ظہور محمدی علیہ السلام اور مقتول مجال
در اتم اٹیم کے پاس تفسیر عزیز می کا جو نسخہ مطبع محمدی لاہور ہے اس میں مقتول مجال کے الفاظ
ہیں مگر مولف مذکور نے مستون مجال نقل کئے ہیں ممکن ہے ان کے نسخہ میں ایسا ہی ہو
دیگرہ کے بتلئے میں سب برحق ہیں اور یہ اور اس قسم کے دیگر بے شمار واقعات انبیا الغیب
اور انبیا الغیب کی مدین ہیں اور کوئی مسلمان ان کا منکر نہیں ہے لیکن یہ واقعات علم غیب
کی مدین نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ چنانچہ خود حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

واکچہ بہ نسبت ہر مخلوقات غائب است غیب مطلق است الی قولہ وایں قسم رغیب خاص وفاقاً مانہ
اس عبارت سے بھی یہ بات بالکل عیاں ہوگئی ہے کہ علم غیب مطلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ
مختص ہے جس میں مفصل احکام کو نیرد شرعیہ کے علاوہ قیامت کے آمد کا صحیح وقت بھی شامل
ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے بغیر ان کو بشمولیت امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کوئی نہیں جانتا یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے اور یہی صحیح احادیث
کا واضح سبق ہے اور یہی کچھ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں مگر فریق مخالف کے
صدر الافاضل اور ان کے ہمنوا اور ان کے پس افندہ سے خوشتر چینی کرنے والے مؤلف مذکور
وغیرہ ظاہر و باطن تمام اقوال و افعال اور ایمان و کفر اور اخلاص و نفاق وغیرہ کا علم آپ کے
لیے ثابت کر رہے ہیں اور آڑی لیتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایسا فرمایا ہے۔
حالانکہ دونوں نظریات میں آسمان و زمین کا فرق ہے جس کو اہل بعثت اپنی کوزہ معزی اور کج فہمی
کی وجہ سے نہیں سمجھتے اور نہ ان سے اس کی توقع ہے ہم نے اس میں قدرے تفصیل اس لیے
کی ہے کہ بفضلہ تعالیٰ جس بزرگ کی بقول مؤلف مذکور اندھا دھند عبارت سے ہم استدلال
کرتے ہیں ان کی کوئی عبارت ہمارے خلاف نہیں اور ان کی جس عبارت کو فریق مخالف
اپنے استدلال میں پیش کرتا ہے اس سے ان کا کوئی مطلب ثابت نہیں ہوتا یہ اس کی نری خوش فہمی
یا تعصب کی وجہ سے کج فہمی ہے اور یہی ان کا علمی میدان میں مترع عزیز ہے جس کی وہ محافظت
کرتے ہیں۔

روح البیان کے مصنف اسماعیل متقی ان مفسرین کرام کے زمرہ میں ہرگز داخل اور شامل
نہیں ہیں جو محققین کہلاتے ہیں اور جن کی نقل قابل اعتماد ہوتی ہے بلکہ وہ رطب و یابس جمع کرنے
والے بزرگ میں چنانچہ اکبر ص ۸۲ میں ہے والی بلا جیغ کثیرۃ لا ینبغی اللفظات
لیہا وقت ذی صعیفۃ لا یتمد علیہا ویس فی الحقیقۃ فی التفسیر
لکتاب العزیز لیشی۔ واجتوا علی کتاب اللہ باداخل ما یس مندھن
تفسیرہ الخ یعنی انہوں نے بہت سی جھوٹی باتیں بھی نقل کی ہیں جن کی طرف التفات

مناسب نہیں اور کھڑوہ فتویٰ نقل کیے ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اور حقیقت میں یہ قرآن کریم
کی تفسیر نہیں۔ اور بڑی جرات سے انہوں نے کتاب اللہ کی تفسیر میں ایسی چیزیں داخل کی ہیں جو تفسیر
نہیں۔ لہذا نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ و ارجح ائمت کے مقابلہ میں ان کی بات کیسے اور کیونکر
حجت ہو سکتی ہے؟ علاوہ ازیں ان کی عبارت میں جس اطلاق کا ذکر ہے وہ وہی ہے جو انبیا الغیب
عرض اعمال اور قرآنی شواہد اور ثبوت اور نور فرست کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے نہ کہ وہ امور جو
غیب مطلق ہونے کی وجہ سے خاصہ خداوندی ہیں کیونکہ وہ تو عظیم ذات الصدور ہی کے ساتھ
مختص ہیں ہمارے پاس روح البیان ہے نہیں اور نہ اس سے کوئی خاص دلچسپی ہے اور انشاء اللہ
الغزیز ان کی تفسیر سے بھی کچھ ثابت ہو گا جو ہم کہہ رہے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب ثابتہ کا کوئی مسلمان منکر نہیں اور نہ
ان کو کوئی منکر ستم بناتا ہے اور نہ بنا سکتا ہے؛ لیکن وہ شخص بھی پر لے درجہ کا بے ایمان ہے
جو محض مسکلی تعصب کی وجہ سے نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کا رد کرتا ہے اور اس جیسا بے حیا
بھی دنیا میں کوئی نہیں ہے ہم نے قرآن کریم اور حدیث صحیح سے جو واقعات نقل کیے ہیں جن
کی اجمالاً نمبر شمارہ ہی مؤلف مذکور نے بھی کی ہے اس کا کوئی جواب مؤلف مذکور نے نہیں دیا
اور نہ دے سکتے ہیں اور نہ قیامت تک پوری جماعت کی امداد حاصل کر کے بھی دے سکتے ہیں۔
مؤلف مذکور کو واضح طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ یہ واقعات پکار پکار کر اور لکار لکار کر آپ سے جواب
طلب کر رہے ہیں کیا ہے آپ میں یا آپ کی جماعت میں دم خرم جو ان واقعات کے صحیح
جوابات دے سکے؟ یہ ہے وہ حقیقت دیدہ باید کا مقام قبل من بہار زبان بقا بقا مؤلف مذکور نے
تفسیر خازن کے حوالہ سے سدی سے جو روایت نقل کی ہے اور اس پر بڑے خوش نکات
لکھا کہ نمبر شمارہ کرتے ہوئے حاشیہ آرائی کی ہے سب کی سب طفل تسلی ہے اور بس
مدی کذاب اور وضع ہے جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ پھر اس کی سند
اکھی کوئی ثبوت نہیں تفسیر مظہری ص ۱۸۵، میں ہے کہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ میں
ان روایت پر مطلع نہیں ہو سکا۔ (لم اقف علی ہذہ الروایۃ)

اور ایسے کذاب اور جعلی ساذکی بے سند روایت سے استدلال کرنا مؤلف مذکور اور ان کی جماعت ہی کا
ظفر لئے امتیاز ہے یقیناً جاننے والے کو ایسی موضوع اور جعلی اور بے سند روایات سے کوئی بھی موضوع مخلص
اور متبع سنت مسلمان منافق نہیں قرار پاتا خواہ خواہ مؤلف مذکور نے یہ بے اصل روایت نقل کر کے
دل کی جھڑاس نکالی ہے الغرض راہ تمام امت کے ایمان و کفر پر اطلاع تو درکنار نص قرآنی
کے تحت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل مدینہ کے بعض منافقین کے کفر اور نفاق پر بھی
مطلع نہ تھے لَقَلَّمَهُمْ نَحْنُ فَغَلَّوْا (۲) منافق اپنی منافقت کی وجہ سے یہ غلط
سمجھے ہوئے تھے کہ نبی کے لیے علم غیب ضروری ہے تو پھر ہمارا نفاق ان پر کیوں نہیں کھلا؟
انہوں نے طعن اس لیے کیا کہ بزعم ان کے اس سے آپ کا علم غیب ثابت نہیں ہو رہا۔
(اس کی مزید بحث ازالۃ الریب میں ملاحظہ کیجئے)

علامہ قسطلانی کا یہ جواب بھی ہم نے اس میں درج کیا ہے کہ

بان بعض من لم یسبح فی الایمان
کان یظنّ ذلك حتی یبسی ان
صحة النسوة تستلزم
اطلاع النبی علی جمیع المظنیات
بعض وہ لوگ جو راسخ الایمان نہ تھے۔ ایا
خیال کرتے تھے۔ یہاں تک ان کا خیال تھا کہ
نبوت کی صحت اس کو مستلزم ہے کہ نبی تمام
غیوب پر مطلع ہو۔
(ارشاد الاری ۲۹۶)

مؤلف مذکور مع اپنے اکابر کے یہ باطل نظریہ رکھتے ہیں کہ نبی کے لیے تمام غیوب کا
انکار وناقول کا خیال ہے اور یہاں بات یہ نکل آئی کہ منافق اور ضعیف الایمان لوگ نبی کے لیے
تمام غیوب ثابت کرتے ہیں۔ (۳) سدی جیسے کذاب اور وضاع کی بے سند روایت سے
مؤلف مذکور کے نزدیک یہ ثابت ہے کہ قیامت تک جو بات چاہو پوچھو مگر اس کے
برعکس قرآن کریم صحیح اور متواتر احادیث اور اجماع امت اس بات پر متفق ہے کہ قیامت
کے قائم ہونے کا صحیح وقت بجز پروردگار کے کسی اور کو معلوم نہیں ہے۔ انصاف سے
کہیں کہ آپ حضرات کے نزدیک اس میں صحیح بات کون سی ہے؟ ہم تو کج اللہ تعالیٰ

قرآن کریم۔ صحیح احادیث اور اجماع امت کو ہرگز ہرگز نہیں چھوڑتے آپ لوگ سدی کی دم تھامے
رکھیں اور یہی آپ کو مبارک ہو۔ (۴) آپ کی ناراضی محض اس لیے تھی کہ دور از کار اور لایعنی
سوالات کیوں ہو رہے ہیں چنانچہ بخاری ص ۲۱۸ اور مسلم ص ۲۶۳ کی روایت میں ہے کہ آپ سے
ایسی اشیاء کے بارے سوال کیا گیا جن کو آپ پسند نہیں فرماتے تھے اور جب لوگوں کے سوالات
بڑھ گئے تو آپ نے غصہ میں آکر فرمایا مجھ سے پوچھو الحدیث۔ اور بخاری ص ۱۶۳ کی روایت میں ہے
ومثل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن اشیاء کربھا فلما اکثر
علیہ غضب الحدیث کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جیسا ایسی اشیاء کے بارے
بکثرت سوالات ہوئے جن کو آپ پسند نہیں کرتے تھے تو آپ ناراض ہو گئے۔ (۵) حضرت
عمرؓ اور حضرت حذیفہؓ نے شک آپ کی اس وسعت علمی کے قائل تھے جو اللہ تعالیٰ نے
آپ کو مرحمت فرمائی تھی لیکن حضرت عمرؓ کا رضیت باللہ ربنا الخ پڑھنا اس لیے تھا کہ منافق
لایعنی اور دور از کار سوالات کر کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذہن مبارک کو پریشان
کرتے اور آپ کا قیمتی وقت ضائع کرتے تھے اور حضرت حذیفہؓ نے من ابی کاسوال اس
لیے کیا تھا کہ عوام میں ان کی ولایت کے بارے میں غلط تاثرات تھے مسلم ص ۲۶۳ کی روایت
میں ہے کان یلا سنی فیدعی لافیر ابید الحدیث کہ جب ان کے ساتھ جھگڑا ہوتا
تو ان کو باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا جاتا۔ اور آپ کا یہ بتا دہی کے مطابق
تھا۔ قال العلماء هذا القول منه صلی اللہ علیہ وسلم محمول

علی انہ اوحی الیہ الخ (نوروی شرح مسلم ص ۲۶۳ وغیرہ)

اللہ ربہ تعالیٰ کہ محمدؐ سزا تو قرآن کریم کی انصاف سے قطعاً اور احادیث صحیحہ پر ایمان لانے
کی برکت سے مخلص مسلمانوں کی صف میں کھڑا ہے البتہ مؤلف مذکور نبی کے لیے علم غیب
کی صفت ثابت کر کے منافقین کے زمرہ میں شامل ہو گئے جن کے بارے میں ارشاد
خداوندی یہ ہے۔ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ فِی الْاَلْاَدِیْنِ اَنْفُسُکُمْ مِنَ النَّارِ۔ نعوذ باللہ
من عذاب النار ابیہ انصاف خود مؤلف مذکور کے ہاتھ میں ہے کہ وہ کیا فیصلہ صادر کرتے

ہیں کہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کا رد کرنا مسلمانوں کا کام ہے یا کافروں۔ مشرکوں اور منافقوں کا کام ہے۔ یہ فیصلہ ان کو خود کرنا ہوگا ورنہ قارئین کرام کی عوامی عدالت میں فیصلہ ہو جائے گا۔

تم ہی نہ سن کے اگر قصہ غم سنے گا کون؟ کس کی زبان بھلے گی پھر ہم اگر نہ سنا سکے

مولف مذکور کا معصومانہ انداز مولف مذکور کہتے ہیں کہ یہ جزوی واقعات آپ کی لاعلمی کے ہیں کسی طرح مضمون نہیں کیونکہ کسی امر کی طرف سے توجہ

ہٹ جانا ایک حقیقت ثابتہ ہے اور علماء دیوبند کے ہاں بھی یہ سقم ہے (محصلاً) سو گنہگار ش یہ ہے کہ یہ تو کئی واقعات ہیں مگر ایک واقعہ بھی آپ کی گلی کو گولنے اور ڈھانے کے لیے کافی ہے کیونکہ منطقی طور پر وجہ کلیہ کی نقیض سابر جزئیہ ہے الغرض ایک واقعہ بھی آپ کے ہاں

دعویٰ کے رد کے لیے کافی ہے چہ جائیکہ واقعات، ان واقعات نے تو آپ کے ہاں اور بے بنیاد دعویٰ پر بالکل پانی پھیر دیا ہے۔ اور آپ کے پتلے کچھ بھی نہیں بہنے دیا صرف آپ نے خازن کے حوالے سے سدی کذاب کے گھر میں پناہ لی ہے جو آپ کی علمی روانی کے لیے بالکل کافی ہے اور یہ داغ ہمیشہ آپ کی پیشانی پر چمکتا رہے گا۔ سدی دو ہیں ایک کبیر دوم اصغر

کبیر کا نام اکمل ہے فن حدیث میں ان کے ہاں سے میں حضرات محدثین کی رائے یہ ہے امام ابن معین فرماتے ہیں کہ ان کی روایت میں ضعف ہوتا ہے ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ وہ کمزور ہے ابو حاتم اور طبری فرماتے ہیں کہ ان سے احتجاج درست نہیں ہے امام جوزجانی فرماتے ہیں کہ وہ کذاب اور جبرانی

تھا (تندیب التذیب ص ۳۱۴) اور صفیر کا نام محمد بن مروان ہے امام جریر بن عبد الحمید اور ابن نمیر فرماتے ہیں کہ وہ کذاب ہے اور صالح بن محمد فرماتے ہیں کہ وہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا لغتہ محدثین بھی اس پر سخت جرح کرتے ہیں (تندیب ص ۳۳۳، ۳۳۴) انصاف سے فرمائیں کہ ایسے

کتاب راوی کی روایت سے دیسی کو ناسلہ ثابت ہوتا یا ہو سکتا ہے؟

توجہ ہٹنے کا شور مچا بے شک کسی وقت آدمی کی توجہ کسی امر کی طرف نہیں ہوتی اور اس سے وصول ہوتا ہے۔ مگر ان واقعات میں ایسا نہیں ہے کیونکہ

یہاں مثلاً حضرت زین بن ارقم نے منافقین کی کذاب بیانیوں کا مقدمہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے سامنے دائر کیا تھا اور آپ نے منافقین کو بلا کر ان کے بیانات سنے اور یہ سب کچھ

کر چکنے کے بعد حضرت زین بن ارقم کے جھوٹا ہونے اور منافقین کے سچا ہونے کا فیصلہ صادر فرمایا جس کی اصلاح سورہ منافقین کے ذریعہ کی گئی اور آپ نے اپنے سابق فیصلہ سے رجوع فرمایا کیا یہ

ساری کاروائی ہوتے ہوئے بھی آپ کی توجہ نہ تھی؟ مولف مذکور نے یہ کیا لایعنی بات کہہ دی ہے

ایسی بڑی تو سنگ بھی نہیں مارا کرتے۔ پھر حضرت عائشہ کا بار صانع ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نقض نفیس خود بھی اس کو تلاش کرتے ہیں اور حضرات صحابہ کرام تا بھی تلاش

کرتے ہیں رچا بچہ بخاری شریف ص ۳۱۴ کی روایت میں ہے۔ فاقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی التماسہ واقام الناس معہ الحدیث آنحضرت صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اس بار کی تلاش کے لیے آگے بڑھے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ٹکے رہے

ایک یا سب کچھ ہوتے ہر نے بھی آپ کی توجہ نہ تھی؟ اور واقعہ اللہ میں تو

ایک ماہ تک آپ پریشان ہے اور حضرت عائشہ سے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تو گناہ سے آکر وہ ہرچکی ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ اور توبہ کرو ان کنت المصت

بذنب فاستغفری اللہ وتوبی الیہ الحدیث بخاری ص ۵۹۶

ایک حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہو کر بھی آپ پر ایک ماہ اصل حقیقت عیاں نہ ہو سکی کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ اور یہ غلط تشریح

کیا ہے؟ پھر اگر آپ کو علم غیب ملتی تھا اور آپ حاضر و ناظر تھے تو حضرت عائشہ کو یہ کہانی کے سلسلہ میں وحی نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر آپ کو قطعی طور پر پہلے ہی سے اصل واقعہ معلوم ہوتا تو آپ کو پریشانی ہوتی اور نہ اس تحصیل حاصل کی نسبت آئی عرضیہ مولف مذکور

ان صحیح اور قطعی واقعات کا کوئی جواب نہیں دے سکے صرف علوم کو بدراہ کرنے کے لیے

شہدی کی جھولی میں پناہ تلاش کرتے ہیں جو بالکل بے سود ہے بفضلہ تعالیٰ ہمارے سب کو مل

قارئین کرام کے سامنے ہیں اور فریق مخالفت کی کوئی دلیل ان کا ساتھ نہیں دیتی۔ ان کو یہ خود پڑھنا چاہیے۔

جب میں چلوں تو سایہ بھی اپنا نہ ساتھ رہے جب تم چلو زمین پلے آسمان پلے
استمالی لکھی بات مولف نے خان صاحب کے پاؤں پکڑتے ہوئے اپنے
 دلائل کے ترکش سے آخری تیرھی چلا دیا کہ یہ سب واقعات

نزل قرآن کے دوران تھے اور تدریجاً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم حاصل ہوتا رہا۔ سرفراز
 یہ ثابت کرنے کے غلال امر کا علم آپ کو وصال تک حاصل نہیں تھا تو تب بات نبی ہے (محصل)
 بجز اللہ تعالیٰ سرفراز جو کچھ کہتا ہے اس کو سمجھتا ہے اور سمجھ کر ہی کہا ہے سو گواہی ہے کہ سورۃ فاتحہ
 آخری سورتوں میں سے ہے اس کے بعد کون سی سورت یا آیت یا خبر متواتر وارد ہوئی ہے جس سے
 اس واقعہ کی تردید یا تخریب ہو؟ کیا اس سورت کا مضمون آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال
 تک برقرار نہیں رہا؟ آپ اس کا نسخہ بیان کریں کہ وہ کون سا ہے؟ مگر یہ قطعی مدعی وغیرہ کا
 مثل نہ ہو۔ علاوہ ازیں بخاری ج ۶۶ میں روایت ہے کہ آخری سورت سورۃ بقرہ ہے۔

رواخر سورۃ نزالت بقرۃ (بخاری ج ۶۶) وقال عثمان بن عفان وکانت سبلۃ من اخر القرآن
 الحدیث متدرک ج ۲۲ قال الماکم والذہبی صحیح) اور اس سورۃ تو برسے ہم نے نقل
 کیا ہے کہ **وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّ وَاعْلَى لَتَفَارِقَ لَكَ فَكَلِمَةً مَوْجُوعًا
 فَكَلِمَةً مَوْجُوعًا** اس کے بعد وہ کون سی سورت یا آیت کریمہ یا خبر متواتر نازل ہوئی ہے جس
 سے ان منافقین کا علم آپ کے لیے ثابت ہے؟ ذرا ہمت کر کے اس کا تذکرہ تو کیجئے؟
 ذرا علمی طور پر لب کٹائی کر کیجئے؟ ذرا اپنے علمی پھیلے سے وہ قطعی دلیل تو نکال لے۔ آپ کو معلوم
 ہونا چاہیے کہ یہ قطعی واقعات ہیں اور آپ کے وصال تک عدم علم ثابت کر رہے ہیں
 اور ان کے بعد ان کے خلاف قطعاً کوئی ارشاد نازل نہیں ہوا؛ ہمت ہے تو ان کو میدان
 میں لائیںے مگر۔

دیکھتے ہیں بہت ہم نے بھگتے محبت کے آغاز بھی رسوائی انجام بھی رسوائی
 حضرت عائشہؓ پر بہتان کا واقعہ اور اس پر سنجانب اللہ تعالیٰ صفائی کے دلائل
 جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم غیب اور حاضر و ناظر ہونے کی صراحت لفظی

اور تردید ہوتی ہے بڑے محسوس محکم اور قطعی ہیں جن کا یقیناً جواب نہیں ہو سکتا اس سے لاجواب
 ہو کر مولف نے یوں رونا شروع کر دیا ہے کہ اس واقعہ کو دیگر متعدد عین دلربند غوما اور سرفراز
 خصوصاً برسر عام بازاروں میں منبروں پر اور کتابوں کے صفحات پر بیان اور درج کرنے سے
 نہیں چوکتے جس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ کو ایذا پہنچتی ہے اگر
 خود ان کی ماں پر ایسا اتہام لگایا جاتا تو اس کی تشہیر کو کبھی یہ لوگ پسند نہ کرتے درحاصلہ ہوا عرض
 یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ پر بہتان اور افک کا واقعہ اور اس کی صفائی قرآن کریم میں مذکور
 ہے اور دنیا میں کوئی کتاب قرآن کریم سے زیادہ نہیں پڑھی جاتی اگر اس واقعہ کے بیان اور
 اظہار میں ادنیٰ سی توہین کا پہلو بھی ہوتا یا اس میں آپ کی اور حضرت ام المؤمنین کی ایذا کا شبہ بھی
 ہوتا تو وہی سچا پروردگار جس نے قرآن کریم کے نزیرہ رکعتیں کتنے سے منع کر دیا ہے اور
 وہی خالق کائنات جس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلے بند آواز سے بولنا

اس نص قطعی **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ
 آتِيتَهُ** سے منع کر دیا ہے۔ اور وہی رب الارباب جس نے آپ کی ازواج مطہرات سے
 آپ کی ذفات کے بعد ہمیشہ سے نکلح کرنے کی ممانعت کا حکم نازل کر دیا ہے اور
 وہی عالم الغیب والشہادۃ جو قرآن کریم میں آپ کی تعظیم کا یوں سبق دیتا ہے **وَقَدْ رَوٰهُ
 وَتَوَقُّرُوهُ** کبھی اس واقعہ افک کو قرآن کریم میں نہ نازل فرمایا اور کبھی اس کو باقی نہ چھوڑتا اور
 ظاہر ہے کہ قرآن کریم بازاروں میں مسجدوں میں گھروں میں حتیٰ کہ ہر جگہ پڑھا جاتا ہے پھر کتب
 حدیث اور تاریخ میں یہ واقعہ مذکور ہے اور آراہمک اس کو مسلمان پڑھتے پڑھاتے اور نقل
 کرتے چلے آ رہے ہیں اگر اس میں ایذا کا معمولی سا شبہ بھی ہوتا تو نہ تو وہ اس کو نقل کرتے
 اور نہ کتابوں میں پہننے بیٹے اور نہ پڑھتے باہر اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس واقعہ
 میں ایذا تو توہین کا ادنیٰ سا احتمال بھی نہیں ہے اگر ہماری ماؤں پر ایسا الزام لگتا اور اللہ تعالیٰ
 کی طرف سے قطعی طور پر ان کی صفائی نازل ہوتی تو ہم ایسے واقعہ کی ہر چیز زیادہ سے زیادہ
 تشہیر کرتے کہ بد باطنوں نے تو ہماری ماؤں پر یہ الزام لگایا ہے مگر خداوند عزیز ان کی یوں

صفائی پیش کرنا ہے مولف مذکور کی جوابی قاصر ہو کر یہ بتوای کا روشن مظاہر ہے کہ ان کو لازم اور انک کا حصہ نظر آئے ہے مگر تزکیہ اور صفائی کا حصہ نظر نہیں آ رہا اصل بات یہ ہے کہ چونکہ یہ واقعہ قرآن کریم کی مخصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کلی اور حاضر و ناظر ہونے کا ناقابل تردید طریقہ سے رو ہوتا ہے جس کا جواب فریق ثانی درخص مسئلہ کے کمال کے پاس کچھ بھی نہیں ایسے دلویلا چاہتیں کہ اس سے ایذا ہوتی ہے اور یہ ہوتا ہے اور وہ ہوا اصل ایذا صرف ان کو ہوتی ہے جو جواب ہیں اور بس ۔

غزالان تم تو واقف ہو کہ جو کچھ لکھنے کی دیوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پر کیا گزری آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا ایک اسلامی عقیدہ ہے اور نبوت و رسالت کی لوازمات میں سے ہے اس کو استہزاء پر یا فضائل نبوت کے ساتھ لعب و لہو پر معمول کرنا ہمیں درجہ کی شیطنیت ہے اگر اس میں استہزاء کا ادنیٰ ترین احتمال بھی ہوتا یا اس سے معاذ اللہ تعلق فضائل رسالت کی توہین کا کوئی ادنیٰ سا پہلو بھی نکلتا یا یہ مسئلہ مناقب رسالت کے ساتھ لعب و لہو پر منتج ہوتا تو حضرات فقہاء کرام کا محتاط طبقہ کبھی بھی اس عقیدہ کو نہ اپناتا اور نہ دلائل کے ساتھ اس کو ثابت کرتا اور اس کے خلاف کو کبھی بھی کفر نہ قرار دیتا جب کہ بقول حضرات فقہاء کرام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے حاضر و ناظر اور علم غیب کی صفت مانا کفر ہے تو لامحالہ نہ ماننا عین ایمان و اسلام ہے اس کو استہزاء سے تعبیر کرنا اور فضائل رسالت کے انکار پر معمول کرنا انتہائی دجل و تبیس ہے اور دلائل سے قاصر ہو کر صرف اپنے ناخاندہ حواریوں کے اطمینان کے لیے ایک قسم کا چورن اور خودہ میا کرنا ہے الغرض آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر و مشکل کشا مانا اور آپ کے لیے علم غیب وغیرہ خدائی صفات ثابت کرنا خالص کفر اور شرک ہے ۔

خدا مشکل میں خود مشکل کشا ہے پنہ بندوں کا کسی بندے کو میں مشکل کشا کہوں یہ مشکل ہے یہ عنوان قائم کر کے مولف مذکور لکھتے ہیں کہ ہماری تحقیق یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جسم اقدس کے ساتھ روز و رات منورہ میں تشریف فرما ہے ہیں اور تمام کائنات آپ کے سامنے حاضر ہے جسے آپ ملاحظہ فرما

ہے یہی جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں اگر ان واحد میں ممکنہ مستعدہ پر تشریف لے جانا چاہیں تو یہ بھی ممکن ہے یہی حاضر و ناظر کا صحیح مفہوم ہے نہ یہ کہ آپ اپنے مجبور (ظاہر) جسم کے ساتھ ہر جگہ بافضل موجود ہوتے ہیں جیسا کہ مبتدعین دیوبند نے اہل سنت پر افتراء بانڈھا اور پھر اُسے بنیاد بنا کر لغز اور لایعنی اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا جہاں تک آپ کے ملاحظہ فرمانے کا تعلق ہے ہم نے نگہبان کی تائید میں جو عبارات پیش کی ہیں ان میں اس کے ثبوت کا کافی مواد موجود ہے و بالتفصیل موضع انفرادی طور پر لیں کھینچنا چاہیے کہ حاضر و ناظر کے اثبات کے لیے آپ کی حیات اور لوازمات حیات کے بافضل متحقق ہونے کا اور ان واحد میں ممکنہ مستعدہ پر موجود ہونے کے امکان کا اثبات ضروری ہے ۔

حیات حیات کے بارے میں کچھ گفتگو ہم اس کتاب کے پہلے باب میں کر چکے ہیں مزید تفصیل کے لیے مبتدعین دیوبند کے سرخیل مولوی فاکم نازوئی لطافت قاسمیہ پر لکھے ہیں عقیدہ دل سے آگاہ کئے دیتا ہوں اس ضمن میں کسی دلیل یا مثال کی طرف بھی اشارہ ہو جائے تو ہو جائے۔ انبیاء کرام کو انہیں اجمام دیناری کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔ لطافت قاسمیہ پر لکھتے ہیں۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے مگر اس صورت میں یہ اجتماع موت و حیات ایسا ہو گا جیسا وقت کشتی جانشین کشتی کا حرکت و سکون جیسے یہاں سکون اہلی ہے اور حرکت عرضی ایسی ہی وہاں بھی حیات اصلی اور موت عرضی ہوگی۔

نازوئی صاحب کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے ساتھ موت کا انصاف مجازاً ہوا ہے اور حقیقتہً حضور کے ساتھ موت کا قیام نہیں ہوا جیسے جالس فی العقیقہ کے ساتھ حرکت کا قیام مجازاً ہوتا ہے اور حقیقتہً وہ متحرک نہیں ہوتا خلاصۃً المراد یہ کہ اس تقریر سے آپ پر حقیقتہً موت کے طاری ہونے کا انکار ہوا۔

لطافت قاسمیہ پر لکھتے ہیں۔ فرض کیجئے چراغ کو کسی ظرف گلی میں رکھ کر سر پوش رکھ دیکھئے یہاں تمام شعاعیں باہر سے سمٹ کر اس ظرف میں آجاتی ہیں بلکہ خود شعلہ چراغ میں

سما جاتی ہیں جس سے وہ اشتدادِ نارِ الیہ نمایاں ہو جاتا ہے ایسے ہی میاں بھی خیال فرمایا ہے۔
 اس صورت میں موت انبیاء کرام اور موت عوام میں ایسا فرق ہو گا جیسا کہ چراغِ ظلمتِ گلی میں کستور ہو
 جانے اور گل ہو جانے میں فرق ہے۔ اس عبارت کا مطلب واضح ہے یعنی علم کی موت
 تو اس طرح ہے کہ موت سے اس کا چراغِ حیات بجھ جاتا ہے اور انبیاء کی موت اس
 طرح ہے کہ ان کا چراغِ حیات قبر میں کستور ہو جاتا ہے یعنی اس کی روشنی پہلے سے بڑھ
 جاتی ہے مگر یہ ہے کہ انبیاء کی حیات کا چراغ ہمیشہ روشن رہتا ہے اور کبھی نہیں بجھتا۔
لطیفہ: مولوی سرفراز صاحب تہذیبِ متین ص ۱۹ پر لکھتے ہیں یہ وہ امداد نہیں جو شرک
 کے کشیدہ الیٰ حضرت انبیاء اور اولیاء اور شہداء سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ
 ہوتے ہیں اور نہ قریب۔ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے حیاتِ انبیاء کی نفی کی ہے
 اور لطائفِ قامیہ میں قاسم صاحب نے موت کی نفی کی ہے مگر فرمائیے بتدبیر میں دیوبند کے
 اصول و فروع میں کس قدر تناقص ہے آہا، دیوبند نے حیات کو ماننے میں اس قدر مبالغہ
 کیا ہے کہ حقیقتِ موت کا سرے سے انکار کیا ہے اور انکس میت۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ
 الْمَوْتِ۔ اور فَإِنَّ مُحَقَّقًا اقْتَدَمَاتِ کی تکذیب کر دی اور انباءِ دیوبند نے
 موت میں اس قدر غلو کیا ہے کہ حیات کا قطعاً انکار کر دیا ہے اور نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب
 کر دی باپ بیٹوں میں کوئی جھوٹا ہے اس کا فیصلہ وہ خود کر لیں ہماری تحقیق یہ ہے کہ دونوں ہی
 جھوٹے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک آنِ موت ثابت ہے اور یہی ایک میت
 اور کل نفس ذائِقَةُ الْمَوْتِ کا مقتضی ہے اور اس کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی حیات
 عطا فرمائی جو احادیث صحیحہ کا مقتضی ہے ضروری تفصیلِ بحث استعانت میں کی جا چکی ہے
 بہر حال بانیِ دیوبند کے کلام سے دنیاوی حیات ثابت ہوگی اور یہی ہمارا مدعی ہے۔

(انتہی ملاحظہ فرمائیے بیابان ص ۱۹ تا ص ۲۰)

الجواب :- ہم نے یہ عبارت پوری اس لیے نقل کی ہے تاکہ قارئین کرام کے سامنے
 اس کے تمام اجزاء آجائیں ہم نے بھی استعانت کی بحث میں اسی کتاب میں کچھ ضروری

بحث کی ہے مگر چونکہ مولف مذکور کتاب کا ہم بڑھانے نیر علماء دیوبند کی بڑھ کر خلیفہ علی غامیاں اور تضاد
 بیانیوں اُجاگر کرنے کے لیے فضول بھرتی کر رہے ہیں ناچار ہمیں بھی ان کی غلطی سرکوبی کرنے کے لیے
 بعض امور کی تفصیل اور اعادہ کرنا پڑتا ہے ورنہ ہم علمی طور پر اس کو پسند نہیں کرتے اب ہم بجز اللہ
 تعالیٰ مولف مذکور کی عبارت کا تجزیہ کرتے ہوئے اس پر بحث کرتے ہیں غور فرمائیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روزِ منورہ میں تشریف فرما ہیں اور تمام کائنات آپ
 کے سامنے حاضر ہے آپ ملاحظہ فرمائیے یہی پھر آگے لکھتے ہیں جہاں تک آپ کے ملاحظہ
 فرمانے کا تعلق ہے ہم نے نگہبان کی تائید میں جو عبارات پیش کی ہیں ان میں اس کے ثبوت
 کا کافی مواد موجود ہے تفصیلِ موضعِ آخر سو جواباً گذارش ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 سے علمِ غیب کی نفی اور حاضر و ناظر ہونے کی نفی پر قرآنِ کریم کی نصوصِ قطعیہ اور احادیث صحیحہ اور حضرات
 فقہاء کرام کے صریح فتوے موجود ہیں ازالۃ الریب اور تہذیب النواظر میں باحوالہ وہ درج ہیں
 مولف مذکور روزِ منورہ میں تمام کائنات کے حاضر ہونے کا جو سرسری بیادِ دعویٰ
 کیا ہے اس کی کون سی قطعی دلیل پیش کی ہے اور اس بیادِ دعویٰ پر ان کے پاس کون
 سی قطعی دلیل موجود ہے ضرورت اور حاجت کے وقت آپ اس کو بیان کرنے سے کیوں
 قاصر ہیں؟ اور جان چھڑانے کے لیے و تفصیلِ موضعِ آخر کہہ کر کیوں راہِ فرار اختیار کر رہے
 ہیں؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ جو صحیح صریح اور قطعی دلیل ہے اس کو آپ اپنے علمی تھیلے سے
 کیوں باہر نہیں نکالتے تاکہ عوام بھی اس سے بخوبی استفادہ کر سکیں اور آپ کی روشن مزاجی
 کی داد دیں۔

اس جہاں میں تو اپنا سایہ بھی روشنی ہو تو ساتھ چلتا ہے

رہا نگہبان کے لفظ کی تائید میں پیش کردہ عبارات تو یقین کیجئے کہ ان میں سے کسی عبارت
 سے آپ کا یہ باطل دعویٰ ثابت نہیں ہوتا ان سے جو کچھ ثابت ہے وہ اجابِ غیب اور عرض
 اکمال کی روایات کے پیش نظر صرف اجمالی طور پر بعض حالات کا علم ہے نہ کہ ہر ہر واقعہ
 کا کیونکہ یہ نظریہ اِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا كُنْتَ تَفْعَلُ بَعْدَكَ وغیرہ صحیح اور صریح احادیث

بالکل خلاف ہے کافر قلعی دلائل اور صحیح احادیث کی روشنی میں علماء دیوبند کفر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے جو کچھ کہا ہے وہ عین ایمان اور خالص اسلام ہے اس میں ایک رتی بھر شک نہیں ہے جس پر حضرات فقہاء کے فتویٰ شاہد عمل ہیں۔

(۲) مؤلف مذکورہ لکھتے ہیں کہ آپ جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں اگر آن واحد میں امکان متعددہ میں تشریف لے جانا چاہیں تو ممکن ہے اور حاضر و ناظر کا یہی صحیح مفہوم ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ مؤلف نے خود تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم اقدس روضۂ منورہ ہی میں تشریف فرما ہوتا ہے یعنی آپ جسمانی طور پر کہیں بھی حاضر و ناظر نہیں ہیں ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ نہ یہ کہ آپ اپنے بچے بچہ اور ظاہر جسم کے ساتھ ہر جگہ بالفعل موجود ہوتے ہیں اللہ جہاں بھی اس پر صا ہے اب دو صورتیں باقی رہ جاتی ہیں اول یہ کہ آپ کی روح مبارک ہر جگہ حاضر و ناظر ہو تو اس کے متعلق گذارش ہے کہ مؤلف مذکور نے روح مبارک کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے بارے میں کون سی قلعی دلیل پیش کی ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے اور حضرات فقہاء کرام کو قرینہ فرماتے ہیں کہ

من قال ارواح المشائخ حاضرة
قلوبهم يكفن (بازاریہ - البحر الرائق)
جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی رو میں حاضر ہیں اور

کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشائخ بلکہ شیخ المشائخ میں داخل نہیں ہیں تو اس حوالہ کے پیش نظر تو آپ کی روح مبارک کو حاضر ماننا کفر ہے پھر مہلک کفر مسلمان کا عقیدہ کہ چونکہ جو سکتا ہے؟ اور دوئم یہ کہ آپ کی مثالی شکل حاضر ہو اور ایک جگہ پر نہیں بلکہ متعدد جگہوں میں ہو اور اس کے ہم بھی ٹکڑے نہیں ہیں ہم یہاں صرف چند عبارات عرض کرتے ہیں غور فرمائیں۔

علا شیخ ابوطاہر قزوینی «امام محمد بن محمد غزالی سے نقل کرتے ہیں کہ

وكان الغزالي رحمه الله يقول
من رأى رسول الله صلى الله عليه
وسلم لم ير حقيقة شخصه
اور ام غزالی نے فرمایا کہ جس شخص کو آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب
ہوئی اُس نے دین منورہ میں روضۂ اقدس کے

المودع في روضة المدينة
واخبار آرائ مثاله لا شخصه لا
والواقيت والجواهر ۱۳۳
اندر رکھے ہوئے آپ کے ہون مبارک کو نہیں
دیکھا بلکہ اُس نے اس کی مثال کو دیکھا ذکرات
اور شخص کو۔

اس عبارت میں حضرت ام غزالی نے تصریح فرمادی کہ آپ کی زیارت کرنے والا (غراب
میں ہو یا بیداری میں) آپ کی ذات اور جسم مبارک کو نہیں دیکھتا بلکہ مثالی صورت کو دیکھتا ہے
۲۔ بخاری تشریف کے مشور شارح علامہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ

يجعل الله لروحك مثلاً فيرى
في اليقظة كما يرى في النوم
الله تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
روح کے لیے مثال پیدا کر دیتا ہے جو بیداری میں
نظر آتی ہے جیسا کہ خواب میں نظر آتی ہے۔

اس عبارت سے واضح ہوا کہ مثالی شکل بیداری میں بھی نظر آسکتی ہے جس طرح کہ وہ نیند
اور خواب میں نظر آتی ہے۔

۳۔ ام ابن عابدین شامی حنفی کے شاگرد مشور محدث شیخ محمد بن سید درویش (متوفی ۱۲۶۶ھ)
تحریر فرماتے ہیں۔

فاذا اكرم الله عبداً برؤية
رسوله صلى الله تعالى عليه وسلم
يمثل له نوره الشويعت بصورة
جسمه الكرمي ورجاظنه الرائي
انه الجسم الشريف قلبه
الحو (اسنی المطالب ۲۹۹)
کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو آنحضرت صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے شرف و شرفنا
چاہتا ہے تو آپ کے نور مبارک کو آپ کے
جسم الطہر کی صورت میں مثالی شکل بنا دیتا ہے اور
دیکھنے والا اب اوقات غلبہ حال کی وجہ سے
اُسے آپ کا جسم مبارک ہی سمجھ لیتا ہے۔

یہ عبارت بھی اپنے دلول میں بالکل واضح ہے مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔
۴۔ حضرت تھانویؒ جسم مثالی کی بحث کرتے ہوئے واقعہ معراج میں تحریر فرماتے ہیں اس
کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی

روح کا تعلق ہو گیا اور اس جہد میں تعلق اور ایک وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ممکن ہے لیکن ان کے اختیار سے نہیں بلکہ محض بقدرت و مشیت حق الخ (نشر الطیب منہ) و صلیح جہد ہوتی پرین جہلی حضرت تھانویؒ ہمارے اکابر میں سے ہیں ان کی اس واضح عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ صورت مثالیہ کا ثبوت ہے بلکہ اس میں تعلق بھی ممکن ہے

۵۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دفات کے بعد دیکھنا مثال ہی کے ساتھ ہے جس طرح یہ مثال صورت نیند میں دیکھی جا سکتی ہے اسی طرح بیماری میں بھی دیکھی جا سکتی ہے اور جو ذات مقدسہ مزینہ طیبہ میں قبر مبارک کے اندر آرام فرما اور زندہ ہے وہی ذات مثالی صورت میں ایک آن میں مستعد صورتوں میں متمثل ہو کر عوالم کو خواب میں اور حواس کو بیماری میں دکھائی دیتی جا سکتی ہے۔

و دیدن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد از موت مثال است چنانچہ در نوم مرئی می شود در یقظ نیز می نماید و آن شخص شریعت کہ در مدینہ در قبر آسودہ وحی است ہماں متمثل می گردد در یک آن متصور بچشم مستعد و عوالم را در منام می نماید و خواص را در یقظہ مدراج البیوتہ میباید و انوار عالمہ ۱۳۳۰

و بر این قاطعہ ۱۳۳۰

اہم شعرائی اپنے شیخ محمد اٹ ذلی المغربی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جن بعض حضرات نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیماری میں دیکھا جا سکتا ہے تو اس بیماری سے دل کی بیماری مراد ہے نہ کہ حواس جسمانیہ کی بیماری اور یہ دل کی بیماری اس طور پر ہے کہ جب آدمی کمال استعداد اور تقرب کی کوشش اور مبالغہ کرتا ہے تو وہ حق تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے تو اس شخص کی نیند دل کی بیماری کی کثرت کی وجہ سے ایسی ہو جاتی ہے جیسے دوسروں کی (ظاہری) حالت بیماری آگے فرماتے ہیں کہ۔

و حیث نہ فإرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأی بروحہ المشکلۃ کی رویت نہیں ہوتی مگر اس روح سے جو مثالی

بشکل الاشباح من غیر اشتغال ذاتہ الشریفیۃ و جیسا من البرزخ الی مکان ذہالرائی کما امتنا و تخریسا من کلفۃ الجہی و الروح ذہالرائی الصراح

شکل اختیار کرتی ہے نہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ برزخ سے اس دیکھنے والے کی جگہ آنے میں مصدق ہوتی ہے کیونکہ آپ کی شان اس سے بڑی اور منزہ ہے کہ آنے جلنے کی تکلیف اس کو ہو ہی وہ واضح حق ہے۔

دایوباقیت والخواہر ۱۳۳۰ طبع مصر

اس عبارت میں بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رویت روح مثالی سے بیان کی گئی ہے کہ آپ کو دیکھنے والا آپ کی روح کی مثالی شکل کو دیکھتا ہے۔

حضرت شیخ شاذلی صاحب کی یہ عبارت بھی اپنے مدلول میں بالکل واضح ہے۔ ہم نے یہ متعدد حوالے محض اس لیے پیش کیے ہیں تاکہ کسی کو لامعنا کو یہ شبہ نہ ہو کہ ہم یا جماعے اکابر صورت مثالیہ اور اس کے بعد کے قائل نہیں ہیں اور حضرت صوفیاء کو کہہ کر ان کے ان بصیرت افزا اقوال سے کسی کو مغالطہ نہ لے سکے۔

صورت مثالیہ اور ان کے متعدد ہونے مسئلہ علم غیب اور حاضر و ناظر کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے اس کو آپ ایسا

ہی سمجھئے کہ جیسا خواب میں کوئی شخص کسی سے ملاقات کرتا اور گفتگو کرتا بلکہ بیار و محبت کرتا اور لڑا جھگڑاتا ہے یہ اس مرنی کی صورت مثالیہ ہوتی ہے اصل ذات اور شخص سے مردہ ہو یا عورت جب یہ سوال کیا جائے کہ میری تمہارے ساتھ ذات کو ملاقات اور گفتگو ہوتی تھی اور یہ کاروائی ہوتی تھی اور فلاں جگہ ہوتی تھی تو وہ فٹہ یہ جواب دے گا کہ مجھے کوئی علم نہیں یہ خواب ہے یا مثلاً۔ وی پر دیکھ اللہ تعالیٰ راقم اہم نے آج تک سینا بھی نہیں دیکھا اور ٹی۔ وی بھی نہیں دیکھی لیکن تو اتنے سے شکر ہے کہ ان میں بھی کچھ ہوتا ہے کسی شخص کی نمائش ہوتی ہے اس کی صورت مثالیہ متعدد مقامات پر نظر آتی ہے لیکن اصل شخص کو علم تک نہیں کہ میری صورت

کماں کماں دکھائی گئی؟ اور وہاں کے حالات اور ماحول کیا تھا؟ دیکھنے والے کتنے تھے اور کھڑے
 نہ بے یا بیٹھے ان کی وضع قطع کیا تھی اور اس وقت ان کے ثبات کیا تھا وہ دیکھ کر کیا کہتے یا کرتے
 تھے بس یہی حال ہے صورت مثالیہ اور اصل شخص اور ذات کا کہ صورت مثالیہ ایک ہو یا متعدد
 بیماری میں یا نیند میں اصل ذات کو کوئی علم نہیں ہوتا کہ میری صورت مثالیہ کہاں کہاں گئی اور کیا کیا
 کر آئی؟ الغرض صورت مثالیہ (یا صورت مثالیہ) کا علم غیب اور حاضر و ناظر سے قطعاً کوئی تعلق نہیں
 ہے اگر ہماری بات پر آپ کو یقین نہیں آتا تو ہم آپ کو ماننے پر مجبور نہیں کرتے اور نہ کہہ سکتے
 ہیں صرف تمام محبت کے لیے ہم اس فن کے اہم حضرت مجددالافت آئی شیخ احمد سرہندی
 (المتوفی ۱۲۳۲ھ) کا حوالہ عرض کرتے ہیں۔

اور وہ حضرات اولیاء کرام جو صاحب علم کشف
 ہیں جائز ہے کہ ان کو اپنے بعض خوارق (ذکر الہام)
 پر اطلاع نہ ہو بلکہ ان کی مثالی صورتیں متعدد جگہوں
 میں ظاہر ہو کر اور مسافت بعید ہلے کر کے غیب
 غریب کام سرانجام دے دیں حتیٰ کہ جن کی یہ مثالی
 صورتیں ہیں ان کو ان کاموں کی سسر سے
 اطلاع ہی نہ ہو۔

اور اولیائے کہ صاحب علم و کشف اند جائز
 است کہ بعضے از خوارق خود اطلاع
 پیدا نہ کنند بلکہ صورت مثالیہ ایشان را در امکان
 متعددہ ظاہر سازند و در مسافت بعیدہ
 کار ہائے عجیبہ و غریبہ آں صورت بطور آرنند
 کہ صاحب آں صورت را از آنا اصل اطلاع
 نیست۔ (مکتوبات مفتی اولیاء ص ۱۲۲ مکتوب ۱۲۲۵ھ)

قارئین کرام! آپ بخوبی سمجھ چکے ہیں کہ صورت مثالیہ کا اثبات کرنے کے بعد بھی فریق
 مخالفت کا مسئلہ علم غیب اور حاضر و ناظر حل نہیں ہوا وہ صرف علوم انسانی کو اُتارنا کہہ کر اپنے پیٹ
 کا دھندہ چلا رہا ہے اور مومنین کو باہر سے

نہ کر محتاج مجھ کر یا الہی اس زمانے میں کمی کس چیز کی ہے رب بجلالتیہ فرزندانی
 (۳) مؤلف مذکور بزرگ علم و شہس حاضر و ناظر کا مضمون بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں نہ یہ کہ
 آپ اپنے مجبور جسم کے ساتھ ہر جگہ بالفعل موجود ہوتے ہیں جیسا کہ مقبدمین دیوبند نے
 اہل سنت پر افتراء بائذھا اور پھر اسے بنیاد بنا کر لغو اور لایعنی اعتراضات کا سلسلہ شروع کر
 دیا لہذا مؤلف مذکور کی دلیل و تلبیس کے ساتھ ساتھ محصومیت کا اندازہ بھی دیکھیے کہ وہ

کیا کہتے ہیں دلیل تو یوں کیا کہ ظاہری اور مخفی جسم کی جگہ انہوں نے مجبور جسم کا جملہ استعمال کیا
 تاکہ عوام کے پتے کچھ نہ پڑے اور اس طرح ان کا علمی مجرم اور مسلکی دھرم قائم رہے اور محصومیت
 یوں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ مقبدمین دیوبند نے ہم پر یہ افتراء بائذھا ہے کہ ہم جسم کے ساتھ ہر جگہ
 حاضر و ناظر کے قائل ہیں اس محصومیت کا کبھی کبھی کہنا ہے؟ افسوس ہے کہ مؤلف مذکور کہ اپنے
 بزرگوں کے عقیدے کا بھی علم نہیں ہے۔ کہ وہ کیا کہتے ہیں اور یہ کیا کہتے ہیں کسی نے کب
 خوب کہا ہے من چہ میگویم و طبل من چہ سے سراہ سو گندارش یہ ہے کہ جسم کے ساتھ ہر جگہ
 حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ آپ کے بزرگوں کا ہے علماء دیوبند کا آپ پر افتراء نہیں ہے
 اور بفضلہ تعالیٰ وہ بڑے محتاط ہیں افتراء کسی پر نہیں بائذھا ہتھے ہم آپ کی تسلی کے لیے یہاں
 صرف دو حوالے عرض کرتے ہیں غور کرنا آپ کا اپنا کام ہے۔

۱۔ آپ کے اعلیٰ حضرت کے ملفوظات حصہ اول ص ۱۲۵ و ۱۲۶ طبع آفست پریس کراچی
 میں ہے۔ عرض حضور اولیاء ایک وقت میں چند جگہ حاضر ہونے کی قوت رکھتے ہیں؟
 اور مشاہدہ اگر وہ چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہ دعوت
 قبول کر سکتے ہیں۔

عرض مؤلف

حضور اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ علم مثال سے اجام مثالیہ اولیاء
 کے تابع ہو جاتے ہیں اس لیے ایک وقت میں متعدد جگہ ایک ہی
 صاحب نظر آتے ہیں اگر یہ ہے تو اس پر شبہ ہوتا ہے کہ مثل تو شے کا غیر ہوتا ہے مثال
 کا وجود شے کا وجود نہیں۔

ارشاد و مثال اگر ہوں گے تو جسم کے ان کی روح پاک ان تمام اجسام سے متعلق ہو کر
 تصرف فرمائے گی تو اوروں کے روح و حقیقت وہی ایک ذات ہر جگہ موجود ہے یہ بھی
 فہم ظاہر میں ورنہ سبع سنابل شریف میں حضرت سیدی فتح محمد قدس سرہ الشریف کا وقت
 واحد میں دس مجلسوں میں تشریف لے جانا تحریر فرمایا اور یہ کہ اس پر کسی نے عرض کی حضرت
 نے وقت واحد میں دس جگہ تشریف لے جانے کا وعدہ فرمایا ہے یہ کیونکر ہو سکے گا؟ شیخ نے

فریاد۔ کرشن کنیا کا فریاد اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہو گیا (حیرت ہے کہ کافر کو کئی سو جگہ میں موجود اور حاضر ہو گیا اور شیخ عثمان ہو کر بھی دستس جگہ ہی حاضر ہو سکے ممکن ہے ان کو دعوت ہی دس جگہ سے آئی ہو ورنہ وہ تو دس ہزار شہر ان میں دس ہزار دعوتیں بھی قبول کر سکتے تھے۔

کافر مٹھکیہ بات فہم سے بالاتر ہے کہ جو صفت کافر کی ہے وہ عثمان کی خوبی اور کمال کیسے بن گئی؟ خود خان صاحب ہی تحریر کرتے ہیں کہ۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ صفت جو غیر انان کے لیے ہو سکتی ہے انسان کے لیے کمال نہیں اور وہ جو غیر مسلم کے لیے ہو سکتی ہے مسلم کے لیے کمال نہیں بلکہ غلط فہم نظریات صہ چارم ص ۱۰۰۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ خان صاحب اور ان کی روحانی قرینت کا بااد آدم ہی نرالا ہے کہ لنگا گئے تو لنگا رام جہانگئے ترجمان داس۔ صدقہ فریح محمد اگر چند جگہ ایک وقت میں ہو کیا تعجب ہے؟ یہ ذکر کر کے فرمایا یہ گمان کرتے ہو کہ شیخ ایک جگہ موجود تھے باقی جگہ مثالیں عاشر جگہ شیخ بذات خود ہر جگہ موجود تھے اسرار باطن فہم ظاہر سے درہا ہیں غرض و فریبے جا ہے امتیٰ بلکہ مزلت مذکور کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔ کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے واسطے میں ان کے اعلیٰ حضرت کیا ارشاد فرما گئے ہیں؟ گیلو کوئی دیوبندی بول رہا ہے یا خان صاحب بریلوی گویا ہیں؟ کیا جسم کے ساتھ بذات خود ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہونے کا دعویٰ خان صاحب اور ان کے شیخ کرتے ہیں یا کسی دیوبندی نے ان پر یہ افترا کیا ہے؟ لہذا کچھ تو فرمائیے کہ بات اور ماجرا کیا ہے؟

غیروں سے کاتم نے غیروں سے ناتم نے کچھ ہم سے کہا ہوا کچھ ہم سے سنا ہوا خان صاحب تو لفظ ماشے صورت لیا اور اجسام مثالیہ کی نفی کرتے ہوئے بذات خود جسم کے ساتھ ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر ہونے اپنے شیخ سے نقل کرتے ہیں اور اس کی تردید نہیں کرتے بلکہ بطور دلیل و احتجاج اس کو پیش کرتے ہیں جس سے ان کا اپنا عقیدہ اور نظریہ بھی بالکل حیاں ہو جاتا ہے۔

آپ کی جماعت کے منظر عظم جناب صوفی اللہ رحمہ صاحب لاہوری حاضر و ناظر کے منکر پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ چنانچہ مشاہدہ کے در طریقے ہیں مشاہدہ بالبر اور مشاہدہ

بالبصیرت پہلے کی صورت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جسم اطہر کے ساتھ خود ہر جگہ موجود ہوں اور مشاہدہ بالبر فرمایا میں دو سکر کی صورت یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مقام مبارک سے ہی چشم بصیرت سے معائنہ فرمادیں دونوں صورتیں عقلاً اور نقلاً جائز اور ممکن ہیں۔

یعنی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسم پاک سے ہر جگہ حاضر ہونا عقلاً اور نقلاً جائز ہے البتہ (توضیح الخواطر ص ۱۰۰) اس کے بعد انہوں نے بزم غم خویش اس پر عقلی اور نقلی دلائل بھی پیش کیے ہیں جن کی سمجھ اللہ تعالیٰ راقم اشیم نے تفسیر الخواطر میں خوب خبر لی ہے جس کو انشاء اللہ تعالیٰ صوفی صاحب مرتے دم تک نہیں بھولیں گے۔ مزلت مذکورہی انصاف و دیانت سے یہ بتائیں کہ کیا جسم کے ساتھ اور بذات خود ہر جگہ موجود ہونے اور حاضر و ناظر ہونے کا نظریہ خود ان کے بڑوں نے بیان کیا ہے یا دیوبندیوں نے ان پر افتراء باذہما ہے؟ دونوں پہلو قارئین کرام کے سامنے ہیں۔

قابل دید تھیں اس وقت ادائیں ان کی آئینہ دیکھ کے جب مہمت ابل دیکھا (۴) مزلت مذکور نے اپنے اس باطل عقیدہ کی بنیاد کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر جگہ ہر چیز پر آگاہی ہے اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور تمام کائنات آپ کے مشاہدہ میں ہے اس بات پر رکھی ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں حیات ہیں اور اس پر انہوں نے بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی چند عبارات بھی نقل کی ہیں ہم اس مقام پر اس کو اس لیے طول نہیں دینا چاہتے کہ بجز اللہ تعالیٰ وحسن توفیق ہم نے حیات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بسوٹ علمی کتاب تکلیف الصدور بھی ہے اور کچھ بحث ہم نے اپنی دوسری کتاب تکلیف الملوثی میں بھی کی ہے اور حضرت نانوتوی اور دیگر اکابر کی واضح عبارات ہم نے ان میں نقل کی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راقم اشیم اور اس کے جملہ اکابر حضرات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اپنی اپنی قبور میں حیات کے قابل ہیں اور وہ حیات یوں ہے کہ انہیں اجسام دنیوی سے ان کے ازلح طلیبات کا تعلق ہے یہ بحث مفروض غرض ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں لیکن حیات کے مسئلہ سے علم غیب اور حاضر و ناظر کے مسئلہ کا کیا تعلق ہے؟ اور ان

میں شرمناک و محلاً کون تلازم ہے؟ آپ کی وفات حسرت آیات سے قبل آپ کی اس دُنیا میں زندگی کا کون نکلا ہے؟ مگر جب آپ زندہ تھے تو کیا آپ کو علم غیب حاصل تھا؟ اور کیا آپ ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر تھے؟ آپ پہلے منفقوں کی غلط بیانی کا واقعہ انک کا واقعہ، بارصانع ہو جانے کا واقعہ اور زہر خوردانی وغیرہ کے دیگر واقعات پڑھ چکے ہیں جب آپ اس جہاں میں زندہ بھی تھے۔ تو پھر بھی آپ کو علم غیب نہ تھا اور نہ حاضر و ناظر تھے تو وفات کے بعد قبر اور برزخ کی حیات میں یہ صفت آپ کو کس دلیل قطعی سے حاصل ہوگئی۔ اس کو بیان تو کیجئے تاکہ ہمارے معلومات میں بھی اضافہ ہو؟ اس کے برعکس کلمہ اللہ تعالیٰ ہمارے پاس دلیل نہیں اور ہمیں برہان نہیں برہان میں۔ تبریہ النواظر اور ازالۃ الريب وغیرہ میں ان کو ملاحظہ کیجئے ہم صرف ایک حوالہ یہاں عرض کیے میتے ہیں۔ ام قاضیخان الحنفیہ (المتوفی ۵۹۲ھ) لکھتے ہیں۔

جل نزوج امرأة غیر شود فقال الرجل
للمرأة خذني راو پیغامبر را گواه کردیم
قالوا یكون كفراً لانه اعتقد
ان رسول الله صلى الله عليه
وسلم يعلم الغیب وهو ما
كان يعلم الغیب حين كان
في الاحیاء فکیف بعد الموت
(فتاویٰ قاضیخان ۸۸۳ طبع زکھنور)

کسی شخص نے ایک عورت سے بیخبر گواہوں کے
نکاح کیا اور اس شخص نے عورت سے کہا کہ ہم خدا تعالیٰ
اور پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بنا رہے ہیں حضرت
فقہاء کلام فرماتے ہیں کہ یہ کفر ہے اس لیے کہ اس
شخص نے یہ عقیدہ بنایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ جب
(اس دنیا میں) زندوں میں تھے تو غیب نہیں جانتے
تھے تو وفات کے بعد کیسے غیب جانتے ہیں

دیکھیے کس طرح انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کو اس زندگی میں علم غیب نہ تھا تو وفات کے بعد (قبر اور برزخ کی زندگی میں) علم غیب کہاں سے؟
کس طرح؟ اور کس دلیل سے حاصل ہو گیا؟ الغرض حیات کے ساتھ علم غیب اور حاضر و ناظر
کا قطعاً کوئی تلازم نہیں ہے نہ محلاً اور نہ نقلاً آپ اس دنیا میں بھی زندہ تھے مگر علم غیب
اور حاضر و ناظر کی صفت آپ کو حاصل نہ تھی اور قبر اور برزخ میں بھی زندہ ہیں لیکن وہاں بھی یہ

صفات آپ کو حاصل نہیں ہیں عرض اعمال کے تحت بعض بعض اعمال کی خبر اور اطلاع محل
نزلہ نہیں ہے ہم نے تکمیل الصدور، سماع الموتی اور ازالۃ الريب میں باحوالہ بقدر ضرورت
اس کی بحث کر دی ہے اس کو وہاں ہی ملاحظہ کر لیں اور اس کے پیش نظر کتاب میں بھی پہلے
اجمالی بحث ہو چکی ہے۔

(۵) مولف مذکور نے اپنی جہالت کی وجہ سے حضرت نانوتوی کی عبارت میں کشتی اور کشتی
سوار کی مثال سے یہ سمجھا ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ حضرت نانوتوی آپ کی وفات کے منکر ہیں چنانچہ
مولف مذکور نے لکھا ہے کہ آباء دیوبند نے حیات کو مانتے میں اس قدر مبالغہ کیا کہ حقیقت
موت کا سکر سے انکار کیا اور انک میت۔ کل نفس ذائقۃ الموت اور فان مجداً عجزاً اور حقیقتاً
مکذیب کر دی (مست) اور نیز لکھا کہ نبی علیہ السلام کے ساتھ موت کا انصاف مجازاً عجزاً اور حقیقتاً
حضور کے ساتھ موت کا قیام نہیں ہوا جیسے جالس فی السفینۃ کے ساتھ حرکت کا قیام مجازاً ہوتا
ہے الخ (ص ۱۹۹) مگر یہ مولف مذکور کی نرمی جہالت ہے۔ اولاً تو اس لیے کہ خود مولف مذکور
حضرت نانوتوی کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کرتے ہیں۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاصاً
سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضرور ہے (الطائف قائمہ ص ۱)

توضیح بیان ص ۱۹۹، حضرت نانوتوی کی اس عبارت سے بالکل عیاں ہے کہ وہ آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کا صرف اقرار ہی نہیں کرتے بلکہ اس کو اعتقاد سے تعبیر کرتے
ہیں اور ساتھ ہی ضروری کہتے ہیں ان کی ایسی صریح عبارت کے ہوتے ہوئے یہ باطل دعویٰ
کرنا کہ وہ آپ کی حقیقتاً موت کا سکر سے انکار کرتے ہیں کتنا اور کیسا صریح کذب اور بتان
ہے جس کے بائیں سوائے اس کے کیا جا سکتا ہے کہ سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ
وَقَاتِبَا مَوْلَاكَ ذَكَرُوا جَمَلٌ مَرْكَبٌ كَاثِرٌ هِيَ وَهِيَ جِهَاتٌ كِي وَجْهٌ سِيَّحٌ يَمْجُو جَمَلٌ مَرْكَبٌ
سوار کا حرکت کرنا مجازاً ہوتا ہے اور کشتی کا حرکت کرنا حقیقتاً حالانکہ یہاں حقیقتاً اور مجازاً کا
تقابل نہیں ہے اور نہ کشتی سوار کی حرکت مجاز کے چوبیس علاقوں میں سے کوئی ایک ہے
یہاں دونوں کی طرف ایک ہی حرکت منسوب ہے کشتی کی طرف اولاً اور سوار کی طرف ثانیاً

والوصف وهو الحركة الواحدة اور صفت یعنی ایک ہی حرکت کشتی کی طرت
تغیب الی السفینة اولاً والحق اولاً اور کشتی سوار کی طرت ثانیاً مغرب ہے۔
المجالس ثانیاً در ایش ماہن ص ۳۲۸

اور یہ نسبت دونوں کی طرف حقیقت ہے ہاں اولاً اور ثانیاً کا فرق حسب اصطلاح
ضرور ہے العرض حضرت نانو توئی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے منکر نہیں بلکہ
مقبر ہیں اور وہ انکام میت وغیرہ کسی آیت کے منکر نہیں البتہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
والسلام اور عوام کی موت میں یہ فرق ضرور کرتے ہیں کہ اوروں کے ابدان سے روح کا کلیتہً
انقطاع ہو جاتا ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح مثلاً محبت کر دل
پر مجتمع ہو جاتی ہیں اور آثار حیات کے بظاہر محسوس نہیں ہوتے جیسے چراغ کو ٹٹی کے برتن سے
ڈھانپ دیا جائے تو اس کی روشنی نظر نہیں آتی موت کے اس معنی میں جو اپنے انداز محبت میں
حضرت نانو توئی نے کیا ہے علمی طور پر پناقتہ کا حق ہر ذی علم کو حاصل ہے اور یہ علمی میدان ہے
مگر ان کو موت کا منکر قرار دینا صراحتہً ظلمِ عظیم ہے کھارہ یخفی ۔

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص تھے میں یہ وہ نعمت ہے جو ہر سزا پر گایا نہیں جسبتا
(۶) مولف نے لطف کا عنوان قائم کر کے تفسیر تین ص ۳۵ سے رقم کی ایک جگہ
نقل کی ہے جو یہ ہے۔ یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء اور اولیاء و شہداء
علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں کہ تو نہ وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب الخ
اور اس پر تصریح یہ بچھاتے ہیں کہ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے حیات انبیاء کی
نفی کی ہے اور لطافت قاسمیر میں قاسم صاحب نے موت کی نفی کی ہے ان دونوں کیا
کون سچا باپ یا بیٹا ہم دونوں کو جھوٹا کہتے ہیں (محصلاً)

الجواب : ہم اس موقع پر صرف یہ کہہ سکتے ہیں لغتہً اللہ علی الکاذبین اور مولف نے ذکر کو بھی
اعتقادی طور سے اس پر آئین کسی چاہیے سوال یہ ہے کہ سرفراز نے کب اور کہاں حضرت انبیا کرام
علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کی نفی کی ہے؟ وہ تو بجز اللہ تعالیٰ اس دور میں اہل حق حضرت

کے مشتبہ حیات کا دلیل ہے اور لیکن الصدور اس کا زندہ اور تابندہ ثبوت ہے۔ مگر
صدافوس ہے کہ مولف نے ذکر کردہ عبادت کھنٹا سلیقہ بھی نہیں ہے کیونکہ ہماری عبادت
میں یہ جملہ ہے کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب الخ اور اس میں کیا شک
ہے حضرات انبیاء کرام و شہداء اور اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندگی اس جہان میں تو ہرگز
نہیں ہے ان کی زندگی قبر اور برونخ اور اس جہان میں ہے کیا مولف نے ذکر اس اور اس کا
فرق بھی نہیں سمجھتے؟ مگر خیر سے محقق اور دقیق کلام داد تحمین تو خوب حاصل کرتے ہیں نیز حیکہ
نہ تو راقم انیم حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کا منکر ہے اور نہ حضرت نانو توئی
ان کی موت کے منکر ہیں باپ اور بیٹے کا اصول امور ع میں کوئی فرق نہیں ہے اللہ تعالیٰ
کرے کہ مولف نے ذکر اور ان کی جماعت کو صحیح بان سمجھ آ جائے۔ اور حق سے پہلو تہی نہ کریں۔
بچا کر ہم سے دامن وہ گئے بغیروں کی مغل میں لسنے کی نگاہوں سے کمال دامن بچائیں گے

لازم حیات

یہ سرخی جکار مولف نے ذکر کھتے ہیں کہ جب یہ بات ثابت ہوگی کہ نبی علیہ السلام
دنیوی حیات کے ساتھ زندہ ہوا اور دنیوی حیات میں آپ کی وسعت نظر
کا یہ عالم ہے کہ تمام عالم کو مثل کت دست ملاحظہ فرماتے ہیں دیکھئے صدای مہچہ پر ہے۔
حدیث میں آیا ہے کہ تمام دنیا میرے سانسے پیشہ کی گئی پس میں اس کو مثل کت دست دیکھتا
ہوں۔ ممکن ہے متبدعین کو یہ شبہ لاحق ہو کہ یہ فضیلت تو دنیا میں ثابت تھی نہ کہ بعد الموت
پس اس کا جواب اولاً یہ ہے فانا انظر جملہ امیر ہے اور خیر فعل مضارع ہے اور وہ جملہ
امیر جس کی خیر فعل مضارع ہو دو لم تجدی کا افاذہ آتا ہے ثانیاً قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں لَنْ نَسْكَرَ لَكَ وَلَا نَزِيدُكَ تَكْوِیْنًا اَبْتًا اِسْ قَرَأْنِ ضَابِلًا سَعْلُومَ ہوا کہ
شکر کرنا زیادتی نعمت کا سبب ہے اور نبی علیہ السلام سیدنا اکبر ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کی نعمت
آپ پر یوھا فیوھا بلکہ آتا فانا زائد ہوگی جب دنیا میں آپ کو وسعت نظر حاصل تھی تو رسال
کے بعد اس میں اضافہ ہی ہو گا نہ کمی۔ ثباتاً فرض کیجئے اگر دنیا میں آپ کو وسعت نظر حاصل
تھی اور آخرت میں یہ نعمت سلب ہوگی تو لازم ہے کہ آپ کی آخرت دنیاسے بہتر نہ ہو

حالانکہ ارشاد خداوندی یہ ہے وَلَا خِرَّةَ خَيْر لَكَ مِنَ الْاُولَىٰ وَابْتَغِ جَنَابَ رَبِّكَ
 مان لیا کہ قبر میں حیات ہوتی ہے تو دنیاوی حیات کے لوازم بھی ماننے ہوں گے اور وہ قطعاً
 چونکہ دنیا میں ثابت ہے لہذا قبر میں بھی ہوگی۔ خاصاً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
 عام افراد امت کے بے میں فرمایا ہے کہ میت کو علم ہوتا ہے کہ اُسے کون کنفن پینا ہے
 اور کون اس پر جنازہ پڑھتا ہے کون اس کا جنازہ اٹھاتا ہے۔ اور کون اُسے دفن کرتا ہے
 (مرقات ج ۱ ص ۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کا ادراک بصری پڑھتا ہے کیونکہ حیات
 دنیاوی میں اگر اُسے چار پائی پر لٹا کر اوپر چادر ڈال کر لے جاتے تو وہ نہ جان سکتا کہ اُسے کون
 کون اٹھانے والے ہیں کون اس پر نماز پڑھ رہے ہیں اور کون اس کو دفن ہے ہیں
 پس ثابت ہوا کہ وفات کے بعد اس کا ادراک بصری بڑھ جاتا ہے جب عام میت کا یہ
 حال ہے تو حضور ربیہ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا حال ہوگا جن کی نگاہ وسعت کا حیات
 دنیوی میں یہ عالم تھا کہ اوپر نظر اٹھاتے تو سات آسمانوں کے پار جنت کا ملاحظہ فرماتے
 اور اگر نیچے نظر فرماتے تو سات زمینوں کے نیچے جسم کا معائنہ فرماتے اور جو دنیاوی حیات
 میں اندھیرے اجالے میں بھیاں دیکھتے تھے وصال کے بعد جب ان کا ادراک بصری ترقی
 کر گیا تو پھر ان کی نگاہ کی وسعت کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ سادہ لطف قاسم ص ۱۶
 میں ہے یہ بھی تسلیم کرنا ضروری ہے کہ وقت موت حیات انبیاء کرم علیہم السلام اور بھی شدید ہو
 جاتی ہے کیونکہ جب حیات اصلی ہے تو اس صورت میں کبھی قبر میں رہنا کبھی آسمان پر نظر
 آنا ایسا ہوگا جیسے حیات سابقہ میں کبھی زمین پر رہنا کبھی بوجہ صعود آسمان پر چلے جانا اور وہ
 پر نکلتے ہیں۔ بالکل حیات حال انبیا کا مثل حیات سابقہ ہونا اور پھر اس سے اشد اور اعلیٰ ہونا
 یوں ظاہر ہے کہ بوجہ ملاحظہ معلوم جن کو موت کبھی کبھی فیض حیات جو مثل شعلہ شمس و قمر اطراف بن
 اور اس سے باہر تک بذریعہ افعال جاتا تھا سمٹ کر داخل بن کی طرف چلا آیا۔ تا لوقی ص ۱۶
 کا یہ کلام ان کی تمام ذریت پر رحمت قاطعہ ہے (محصلاً لیبہ ص ۱۳ تا ص ۲۲)

الجواب۔ اس سے قبل کہ ہم ترتیب وار جوابات عرض کریں قارئین کرام سے متعلق ہیں کہ

گئے حجاب کے دن آؤ سامنے بیٹھو نقاب رُوح سے اٹھاؤ بہار آئی ہے
 مؤلف مذکور نے جو ہوائی قلعہ تعمیر کیا ہے اور سچوں کا جو پل بنایا ہے وہ ہرگز نہ گراؤں
 کو سو مند نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نصوص قطعیہ۔ احادیث صحیحہ اور
 حضرات ہفتا کرام کے صریح اور محسوس فتووں کی رو سے اس دنیا کی زندگی میں بھی وہ وسعت نظر
 حاصل نہ تھی جس کا باطل اعداد مؤلف مذکور اور اس کی شرک و بدعت پسند جماعت کرتی ہے تو
 بعد از وفات کمال سے ہو گئی رہی وہ روایت جو مؤلف مذکور نے صادی شریف کے حوالے
 سے نقل کی ہے تو اس کی پوری تشریح قرہم نے بجا اللہ تعالیٰ تفریح الخواطر ص ۲۲ تا ص ۲۴
 میں کر دی ہے یہاں ہم صرف اجمالاً اتنا عرض کرتے ہیں کہ یہ روایت حضرت ابن عمر رضی
 سے مروی ہے حلیۃ الاولیاء ص ۱۱۱ میں اس کی پوری سند موجود ہے اور مجمع الزوائد ص ۲۸۶
 اور مؤلف اللہ ربیع شرحہ للذرقانی ص ۲۰۲ میں بھی مذکور ہے اس کی سند کا ایک راوی ہم بن
 حماد ہے جس کی ترقیق و تضعیف کے بارے میں محدثین کرام کا خاصا اختلاف ہے توشیح
 کرنے والے بھی بعض محدثین ہیں مگر امام ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں وہ محض بیحد
 ہے امام ابو ذرؤد فرماتے ہیں کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پیش حدیثیں لیں
 بھی روایت کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں (ممکن ہے یہ حدیث بھی ان میں شامل ہو۔ صفحہ ۱۶)
 امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے اور ان کے غیر نے کہا کہ وہ (بزم خویش) سنت
 کی تقویت میں حلی حدیثیں بنایا کرتا تھا دین ممکن ہے کہ نام نہادوں کی تقویت کے لیے
 یہ حدیث بھی اس کی ساخت ہو۔ صفحہ ۱۶) امام ابو حنیفہ کی ترمذ میں حلی
 روایات کا پلندہ تیار کیا ہے۔ امام ابو الفتح ازہدیٰ فرماتے ہیں کہ اس نے سنت کی تقویت
 اور امام ابو حنیفہ کے عیوب میں من گھڑت اور جھوٹی روایات بیان کی ہیں۔

(محصلاً لیبہ التندیب ص ۱۱۱ و ص ۱۱۲)

دوسرا راوی اس سند کا بقیۃ بن الولید ہے اس کی شخصیت بھی خاصی متنازعہ فیما
 ہے امام ابو ذرؤد فرماتے ہیں کہ سنت کے بارے میں اس کی حدیث مستثنو ثواب وغیرہ

کے پاسے میں سن لو ام لسانی فرماتے ہیں کہ جب وہ حدیث اور اخبار سے روایت کر لے تو ٹھیک ہے لیکن جب وہ عن سے روایت بیان کرے تو اس کی روایت قابل قبول نہیں ہے (اور یہ روایت بھی عن سے ہے) ام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ اس کی روایت بھی تو جا سکتی ہے مگر قابل احتجاج نہیں ہے۔ ام ابن حزم فرماتے ہیں کہ میں اس سے احتجاج نہیں کرتا، ام ابو اسر غسانی فرماتے ہیں کہ اس کی احادیث صاف نہیں ہوتیں ان سے پرہیز کرو۔ ام ابی ہنیہ اپنی کتاب خلافت میں فرماتے ہیں کہ محمد بن کا اس بات پر اجماع ہے کہ بقیہ حجت نہیں ہے ام ابو حاتم اپنی کتاب الاحکام میں لکھتے ہیں کہ بقیہ سے احتجاج درست نہیں ہے۔ ام ابن قحطان فرماتے ہیں کہ بقیہ ضعیف راویوں سے تیس کرنا تھا اور اس کو جائز بھی سمجھا تھا اگر یہ بات درست ہو تو یہ اس کی عدالت کو فاسد کر دیگی (محصلاً تہذیب ص ۲۹۴ تا ص ۲۹۵)

ام شعبہ فرماتے ہیں کہ تیس زمانے سے بھی بدتر جرم ہے (نوذی شرح علم ص ۱۲۲) نیز فرمایا کہ تیس حرام ہے اور مدرس ساقط العداوت ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۱) اور تیس راوی اس کڑی کا سعید بن سنان الرہادی ہے۔ علامہ نور الدین سیبوی (المتوفی ۳۸۰ھ) استاد حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ سنی صنعت کشی میں سعید بن سنان الرہادی (ربح الزوائد ص ۲۸۶) یعنی سعید بن سنان میں بہت زیادہ ضعف ہے۔ یہ ہے وہ روایت جس کے بل بوتے پر فریق مخالفت دنیا کی زندگی میں وسعت نظر ثابت کرتا ہے اگر اس روایت کے تمام راوی ثقہ اور ثبت بھی ہوتے اور نہ متصل اور حدیث صحیح بھی ہوتی تب بھی یہ خبر وارد ہوتی جس کا انصوح قطعیہ قرآنہ کے مقابلہ میں پیش کرنا بقول مؤلف مذکور کے اٹھ حضرت کے ہرزہ بانی ہوتا ہے جائیکہ نہ کا حال یہ ہے جو قارئین کرام نے ملاحظہ کر لیا ہے۔ اب ان کی قائم کردہ شمول کے جو اباط ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) نہ تو دنیا میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اس معنی میں وسعت نظری دلائل و براہین کے نو سے ثابت ہے جس کے اثبات کے فریق مخالفت درپے رہے اور نہ بعد از وفات درجہ کے طور پر اچھا کسی دور کی چیز کا ثبوت جیسے معراج کے سلسلہ میں بیت المقدس کی کھلی اور نجاشی کی میت کا ثبوت وغیرہ محل نزاع سے خارج ہے۔ تبرہ النواظر میں

اس پر بحث موجود ہے) اور پیش کردہ مدعیہ ضعیف اور عقیدہ میں ناقابل اعتبار ہے پھر اس میں انا نظر کے جملہ امیر ہونے سے اور اس کی خبر کے فعل مضارع ہونے سے کوئی ذکر کو کیا فائدہ؟ علاوہ ازیں لغوی طور پر یہ بات بھی علم نہیں کہ جب بھی جملہ امیر کی خبر فعل مضارع ہو تو وہ ہمیشہ دوام تجدیدی کا فائدہ دیتا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب (غزوہ موتہ میں) حضرت زید بن حارثہ، حضرت عبد اللہ بن رواحہ اور حضرت جعفر ثامی شہید ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٹھگین ہو کر بیٹھ گئے۔ وانا انظر من صاحب الباب (بخاری ص ۱۶۳) اور میں دروازے کے سولخ سے دیکھ رہی تھی۔ کیا اس کا یہ مطلب ہو گا کہ حضرت عائشہ ہمیشہ دوامی طور پر دیکھتی رہتی ہیں یا صرف ایک ہی دفعہ دیکھا تھا یہاں بھی جملہ امیر کی خبر فعل مضارع ہے وانا انظر

(۲) بے شک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرنا زیادہ نعمت کا سبب ہے جس پر نص قطعی دال ہے مگر وسعت نظری کی وہ نعمت جو علم غیب کلی اور حاضر و ناظر کی صورت میں ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل نہیں، اور اللہ الہ رب الارباب اور تبارہ النواظر میں اس پر دلائل کا انبار موجود ہے۔ لہذا اس کے اضداد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہیں مثلاً آپ کی علوم رسالت اور ختم نبوت کا فیض تو وہ بجز اللہ تعالیٰ کی قیامت تک بڑھتا ہی رہے گا اور یونانیوں بڑھتا ہی لاشک فیہ۔

(۳) اس معنی میں جس کے اثبات کے درپے کوئی نہ کر اور اس کی جماعت ہے وسعت نظری نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا میں حاصل تھی نہ آخرت میں لہذا اس کے مسلوب ہونے کا احتمال بھی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ مسلوب وہ چیز ہوتی ہے جو حاصل ہو اور آخرت ظاہر اور باطناً ہر لحاظ سے آپ کے لیے بہتر ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی مخلوق میں کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس میں کسے تاقل ہے، یا ہو سکتا ہے۔

(۴) قبر مبارک میں حیات ثابت ہے اور اسی جسم مبارک کے تعلق کے ساتھ جو دنیا میں آپ کا جسم مبارک تھا لیکن دنیوی سبب لازم اس کے لیے لازم نہیں، مشرعا نہ عقلاً کیونکہ زندہ کو قبر میں دفن کرنا اور اس کے زندہ ہوتے ہوئے اس کا خلیفہ اور نائب بنانا وغیرہ بے شمار امور ہیں جو حسی

اور کئی زندگی کی نفع کرتے ہیں جن کا کوئی عمل نہ نکالیں کر سکتا اور گذر چکا ہے کہ متنازع فریق میں
وسعت نظری نہ تو دنیوی زندگی میں ثابت اور تم ہے اور نہ قبر میں

(۵) میت کا اپنے غسل میںے والے اور کفن پنانے والے اور اٹھانے والے اور جنازہ پڑھانے
والے اور دفن کرنے والے کو پچانا جیسا کہ روایات سے ثابت ہے اور اسی طرح میت کا
زمانہ قائل عمدۃ القاری ص ۱۱۳، وفتح الباری ص ۳۲۲) یہ کنا کہ مجھے جلدی لے جاؤ یا مجھے کہاں
لے جائے ہو؟ یہ سب برحق ہے اور یہ محل نزاع نہیں ہے اور اس مضمون کی روایتیں ام سوطی
نے شرح الصدور ص ۳۹۰ میں نقل کی ہیں ایک روایت عمر بن دینار سے یہ بھی نقل کی ہے۔
ما من میت یصوت إلا وروحہ یعنی جب بھی کوئی مرتا ہے تو اس کی روح فرشتے
فی ید ملک ینظر الی جسدہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور دیکھتی ہے
کیف یغسل وکیف یکفن وکیف لے کرے کے غسل اور کفن دیا جاتا ہے۔ اور لے
یجشی بہ (ص ۳) کیسے لے جایا جاتا ہے؟

اور ایک روایت میں جو بجز بن عبد اللہ المزنی سے ہے یوں آتا ہے۔

وروحہ فی ید ملک الموت اور اس کی روح ملک الموت کے ہاتھ میں
فہم یفلونہ ویکفونہ وهو ہوتی ہے اور اہل خانہ جب اس کو غسل دیتے
یسری ما یصنع بہ اہلہ اور کفن پنتا ہے تو وہ ان کی کاروائی کو دیکھتی
(ص ۳)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ میت کے لیے جو ادراک بصری ثابت ہے وہ روح
کے دیکھنے سے ہے اور وہ بھی محدود ہے کہ کون غسل دے رہا ہے اور کون کفن پنا رہا ہے
اور کون اتار رہا ہے وغیرہ وغیرہ اس سے وہ وسعت بصری ثابت کرنا جس کے درپے توکف
نہ کر میں کہ ساری دنیا پیش نظر ہو قطعاً باطل ہے ان کے الفاظ یہ ہیں کہ میت کا ادراک بصری
بڑھ جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ادراک بصری بڑھا تو تب کہ میت سب دنیا کے حالات کو دیکھتی
یا کم انکم چند اور مردوں کے لیے ہی حالات جانتی اور دیکھتی مگر میت تو صرف یہ دیکھتی اور جانتی ہے

کہ اس کے اپنے جسم کے ساتھ کیا کاروائی ہو رہی ہے الی جسدہ اور ما یصنع بہ اہلہ
کے الفاظ اس کا واضح قرینہ اور دلیل ہے اس سے وہ وسعت نظری کہاں سے اور کیسے ثابت
ہوئی جس کو توکف مذکور ثابت کرنا چاہتے ہیں جب میتیں علیہم محدود ہے تو اس پر غیر محدود اشیاء
کے قیاس کرنے کا کیا معنی؟ جو توکف مذکور کے الفاظ میں یہ ہے۔ جب عام میت کا یہ حال ہے
تو خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عالم ہوگا؟ توکف مذکور نے اپنے ناخاندہ حواریوں کو تسلی میںے
کے لیے یہ لکھا رہا ہے کہ حیات دنیاوی میں اگر اسے چاہ پائی پر لانا اور چادر ڈال کر لے جاتے
تو وہ نہ جان سکتا کہ اسے اٹھانے والے کون ہیں؟ الخ سوال یہ ہے کہ آپ کو تم کو تم کو تم کو تم سے
کیا محبت ہے کہ آپ نے چاہ پائی پر لاندھے اور ہرے کو لٹا دکھا ہے آپ سننے والے اور
بنا کر کیوں نہیں اٹھاتے جو آنکھوں سے دیکھے بھی جیسے میت کی روح دیکھتی ہے اور کانوں
سے سنتے بھی غرضیکہ تلبیس کی چادر کو ہٹا دیجئے پھر دیکھئے کہ کیا ہوتا ہے؟

اسی طرح توکف مذکور کا یہ دعویٰ کہ جب اوپر نظر اٹھاتے تو سات آسمانوں کے پار جنت کا
ملاحظہ فرماتے اور نیچے نظر فرماتے تو سات زمینوں کے نیچے جہنم کا معائنہ فرماتے اور اندھیرے
واجالے میں نیچاں دیکھتے الخ یہ سب باطل اور مردود و موعوسے ہیں اور قرآن و سنت بلکہ اسلام
کی روح کے منہ سر خلافت ہیں اس پر کون سی قطعی دلیل ہے کہ ہمہ وقت جنت و دوزخ آپ
کے پیش نظر رہتے تھے؟ وہ قطعی دلیل تو بیان کیجئے باقی اجمالی شکل میں بطور مجزہ اچانا ان
کا مثالی شاہدہ ہر مسلمان کو تم ہے اس کا کوئی ٹکڑ نہیں اور اچانا ان پر اطلاع حاصل ہو جانا
امادیت صحیحہ سے ثابت ہے۔ صلواتہ کون میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت اور دوزخ
وغیرہ کا مشاہدہ کرایا تھا بخاری ص ۱۱۰ میں ہے ما من شیء لہواکن اریثہ الا رائیثہ
فی مقامی ہذا حتی الجنة والنار الحدیث اور بخاری ص ۱۱۱ کی روایت میں ہے
لقد رأیت فی مقامی ہذا کل شیء وعدتہ الحدیث۔ اندھیرے اور اجالے
میں یہ کہاں دیکھنا کس یقین دلیل سے ثابت ہے وہ دلیل بھی ذرہ علمی قیاس سے نکلیے مگر جعلی
حدیث نہ ہو ہم اپنی دلیل کی طرف اشارہ کیسے دیتے ہیں مسلم ص ۱۱۹ میں روایت ہے کہ گنتے

کا بچہ آپ کی چارپائی کے نیچے گھس گیا اور آپ اس کو نہ دیکھ سکے آپ نے فرمایا
یا عائشہ! متنی دخل هذا کولے عاقلہ نہ یہ کہتا یہاں کب اور کس وقت
الکلب لہمتا فقاتل واللہ مادرت داخل ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا بخدا میں نہیں
المحدث جانچو۔

اور سلم کے اسی صفحہ پر یہ روایت ہے فضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومئذ لا یقلق
ذلت الحدیث جس سے بالکل عیاں ہے کہ یہ دن کا واقعہ تھا یعنی اسکی وجہ سے آپ نہ بھر تشریح ہے
دینہ طیبہ میں ایک مہجرات کے وقت دشمن کے حملے کا خطرہ پیدا ہوا تو آنحضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابو طلحہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر تنہا دور تک نکل گئے اور حالات کا بچھڑم خود
جانزہ لے کر واپس ہوئے کہ راستے میں حضرات صحابہ کو لے آئے آپ نے فرمایا تم مجھ کو ہم دیکھ آئے
ہیں کہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو بخاری ص ۹۹ و ۱۰۰) اس سے معلوم ہوا کہ رات کے
وقت قدر سے دور کے حالات کا بھی آپ جانزہ لینے کے لیے خود گئے اگر دور کی اشیاء آپ
کو رات کے وقت نظر آتیں تو جانے کی کیا ضرورت تھی؟ گھر میں ہی ملاحظہ کر لیتے؟ اور قریب
کے متعلق صرف ایک ہی واقعہ عرض کیا جاتا ہے حضرت ابوسعید الخدریؓ (الموتوی ۳۷) کی
روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھا ہے تھے اور جوتی پہننے ہوئے
تھے جوتی کے نیچے غلاط لگی ہوئی تھی حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے انہوں نے
خبر دی تو غلاط کا پتہ چلا (محصلاہ الورد وورد ص ۹۵) موارد النعمان ص ۱۰۷ مشکوٰۃ ص ۲۶ و مستدرک ص ۲۶
قال الحاکم والذہبی علی شرطہ مسلم) پاؤں کے نیچے جوتی میں غلاط
بھی لپیڑھی کے معلوم نہ ہو سکی تو ہر چیز کا ہمہ وقت دیکھنا کیسا؟

(۶) لطائف قاصد کی عبارت سے آپ کا کون سا مطلب پورا ہوا یا ہوتا؟ یا ہو سکتا ہے؟ کیونکہ
اس سے تو یہی کچھ ثابت ہے کہ چونکہ حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اصلیہ
توفات کے وقت وہ اور شہید ہو جاتی ہے لیکن اس حیات سے اللہ تعالیٰ کا دیدار جنت
کی خوشیوں سے تمتع اور ہرزخ میں خوب انتفاع وغیرہ ہوتا ہے اس سے دنیوی امور کا

علم و دنیوی امور کے لیے وسعت نظری کا کیا تعلق؟ حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اپنی قوم میں
تشریف رکھنا جب عصری کے ساتھ ہے اور آسمانوں پر بوجہ معراج جانا صورتاً لہ کے ساتھ تھا۔
اس میں کیا اشکال ہے؟ اور اس سے آپ کو کیا حاصل ہوتا ہے؟ حضرت نانو توئی کا ارشاد و بجا
ہے کہ حیات انبیاء اس کی ضرورت سے معلوم ہوتی ہے کہ جو شعاعیں فیض حیات کی بصورت
افعال باہر جاتی تھیں اب سمٹ کر اندر رہ گئیں جیسے سورج اور قمر کی شعاعیں جتنی محدود ہونگی اتنی
ہی تیز ہوں گی یہی حال موت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہے الغرض حضرات انبیاء کرام علیہم
الصلوٰۃ والسلام کی اعلیٰ درجہ حیات مسلم ہے لیکن اس سے نہ تو علم غیب ثابت ہوتا ہے
اور نہ حاضر و ناظر کے مسئلہ سے اس کا کچھ تعلق ہے حضرت نانو توئی کا کلام دیوبندوں کے لیے
حجت قاطعہ ہے نہ کہ ان پر کیونکہ دیوبندی حیات کے قائل ہیں نہ کہ منکر یہ مولف مذکور کا زعم
فاسد ہے کہ وہ خواہ مخواہ رعب جمالے کے لیے اکابر دیوبند کو اصاعر کے خلاف یا بالعکس
کچھ کر اس پر بلا وجہ حاشیہ آرائی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بصیرت عطا کرے۔ دینی بصیرت
حاصل ہو جائے تو پھر بفضلہ تعالیٰ بقول حالی وصال محبوب تمام پریشانیوں اور کھفتوں دور ہو
جاتی ہیں۔

ملنے ہی ان کے مجبور گئیں کھفتیں تمام گویا ہمارے سر پر کبھی آسمان نہ تخت
ان واحد میں ممکنہ متعدده | یہ عنوان قائم کر کے مولف مذکور لکھتے ہیں کہ ہم نے نسبتاً
دیوبند کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ آپ دنیاوی حیات
پر حاضر ہونے کا امکان کے ساتھ قبر انور میں زندہ ہیں اور فیضان حیات دنیوی حیات
سے زیادہ تر ہے پس ثابت ہو گیا کہ آپ قبر انور میں تشریف فرما ہیں اور تمام عالم کو ملاحظہ فرما
ہے ہیں جہاں چاہیں جب چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں اور ان واحد میں اگر ممکنہ متعدده
میں تشریف لے جانا چاہیں تو وہ بھی ممکن ہے رہا یہ سوال کہ امکانہ متعدده پر اگر بعینہ حضور
موجود ہیں تو یہ تشریح جتنی ہے اور اگر وہاں آپ کی مثال موجود ہے تو مثل شے غیر شے ہے
پس امکانہ متعدده پر آپ کا غیر موجود ہونا کہ خود آپ اس سوال کا ایک جواب تو بطور تفضل

اجالی ہم بحث استغانت میں تقاضی صاحب کی گپ پر اعتراضات کے ضمن میں فرمے چکے ہیں
ثانیاً نقصان تفصیلی کے طور پر جواب یہ ہے کہ اجساد مثالیہ متعددہ متعلقہ بروح واحد امکانہ متعدده
میں موجود ہو سکتے ہیں اور یہ تکثر جزئی نہیں ہے کیونکہ اجساد میں نوع من التغائر موجود ہے اور یہ
اجسام حضور کے غیر بھی نہیں ہیں کیونکہ تمام اجساد کے ساتھ حضور کی روح متعلق ہوگی اور تعین کا
مذہب عنایت روح پر ہے نہ کہ عنایت جسم پر کھلا یعنی دیکھیے مذہب القلوب ص ۱۵۲ پر
شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ علاؤ الدین قزوئی کہتے ہیں کہ یہ کہنا بعید نہیں
کہ انبیاء کی ارواح مقدسہ ابدال سے مفارقت کے بعد ملائکہ کے ابدال کی مثل ہو جاتی ہیں بلکہ ان سے
بھی افضل ہوتی ہیں اور جس طرح ملائکہ مختلف صورتوں میں متماثل ہو جاتے ہیں اسی طرح جائز ہے کہ
ارواح مقدسہ بھی متماثل ہو جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض خاص بندوں کو یہ مقام
دنیا میں حاصل ہو جائے اور روح واحد بن محمود کے سوا ابدال متعدده میں تصرف کرے جس طرح
بعض محققین ابدال کی وجہ تسمیہ میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں جب کسی جگہ جانا مقصود ہو تو وہ
پہلی جگہ اپنے بدلے میں اپنی مثال چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور سادات صوفیہ کے نزدیک عالم اجساد
وارواح کے درمیان ایک عالم مثال بھی ثابت ہے جو عالم اجساد سے لطیف اور عالم ارواح سے
کثیف ہوتا ہے اور ارواح کا صورت مختلف میں متماثل ہونا اسی عالم پر مبنی ہے اور جبرائیل علیہ السلام
کا درجہ کلہبی کی صورت میں مرہم کے پاس بشراً سوایاً کی شکل میں متماثل ہو کر جانا اسی عالم سے ہے
اور اسی بنا پر جائز ہے کہ موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر مستقر ہوں اور اسی وقت قبر میں بھی مثال
چھوڑ کر آئے ہوں اور حضور نے ان کو دونوں جگہ دیکھا ہو اور اس عالم کے اثبات سے بہت
سے مسائل حل ہو سکتے ہیں مثلاً جنت کا باس و رحمت دیوار کی پسنائی میں دکھائی دینا۔ اس کے
بعد مرقات ص ۱۴۱ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب اولیاء اللہ کے لیے زمین لپیٹ دی جائے
اور ان کے لیے ابدال محبتہ متعدده حاصل ہو جائیں تو ان کے لیے اپنے آپ کو ایک آن واحد
میں متعدد جگہوں پر پالینا کوئی بعید نہیں ہے اور اس جان میں یہ امر غالباً اولیاء اللہ کے لیے
عادت پر مبنی ہے۔ اور حاجی امرا اللہ صاحب جو دیوبندیوں کے تمام اکابر و اصاغر کے

مسلم مقتدا میں فیصلہ ہفت مسلمہ پر لکھتے ہیں وہاں یہ خبر کہ آپ کو کیسے علم ہوا یا کئی جگہ کیسے ایک
وقت میں تشریح فرما ہونے پر ضعیف خبر ہے آپ کے علم و روحانیت کی وسعت جو دلائل نقلیہ و
کشفیہ سے ثابت ہے اس کے آگے یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی قدرت
تو محل کلام نہیں۔ اس کے بعد مولف مذکور لکھتے ہیں کہ اس بحث کے اخیر میں بطور تمتمہ کے ہم
ایک حدیث شریف پیش کرتے ہیں جس سے یہ امر واضح ہو جائے گا کہ شخص واحد آن واحد میں
امکنہ متعدده پر موجود ہو سکتا ہے۔ دیکھیے مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۲ پر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
ایک غلام شخص کو جس کا بیٹا فوت ہو چکا تھا فرمایا۔ کیا تو اس کو پسند نہیں کرتا کہ تو جنت کے دروازوں
میں سے کسی دروازے سے داخل ہو مگر تیرا بیٹا اس دروازے پر تیرا انتظار کر رہا ہو کسی نے پوچھا
حضور یہ اسی کا خاصہ ہے یا سب کے لیے آپ نے فرمایا سب کے لیے۔ اس حدیث
شریف میں باب بکرہ ہے اور تخریج لفظی میں ہے اور بکرہ تحت لفظی معنیہ عموم ہوتا ہے معلوم ہو کہ
جنت کے ہر دروازے کی یہ صفت ہوگی کہ اس دروازے پر وہ بیٹا موجود ہو گا پس ثابت
ہو کہ آن واحد میں امکنہ متعدده پر موجود نہ صرف ممکن ہے بلکہ امر واقع ہے (باختصار) سیر
از ص ۲۰۲ تا ۲۰۵)

الجواب بد مولف مذکور نے یہ بتنا چکے بھی کاٹ ہے ان کو معذرتیں اذنا اس لیے کہ صورت
مثالیہ کے تعدد اور ان کے مختلف مقامات پر موجود ہونے کے ہم بھی قائل ہیں اور پہلے اس
پر باحوالہ بحث گذر چکی ہے لیکن اس سے مولف مذکور کا مطلوب اور محبوب نتیجہ علم غیب
اور حاضر و ناظر ہرگز حاصل نہیں ہوتا کھاسر۔ وثانیاً ہم باحوالہ پہلے یہ بھی عرض کر چکے
ہیں کہ فریق مخالفت کے بزرگوں کے نزدیک بذات خود جسم کے ساتھ بھی ہر جگہ موجود ہونا
عقلاً و نقلاً ممکن ہے اور تکثر جزئی والا اشکال ان پر بدستور عائد ہوتا ہے باقی نقصان اجالی کا
جواب ہم بھی پہلے فرمے چکے ہیں وہاں ہی اس کا مطالعہ کر لیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔
وثالثاً یہ مولف مذکور جو یہ کہتے ہیں کہ اجساد میں نوع من التغائر موجود ہے۔ اس سے ان
کی کیا مراد ہے کیا امثال متعدده کا آپس میں ایک دوسرے نوع من التغائر ہے یا ان امثال کا جبر علیہ

اور روح سے تغایر ہے اگر اول شق مراد ہے تو تشریح جزئی متحقق ہے کیونکہ یہ امثال روح کی صورت مثالیہ کے افراد ہیں جو الگ الگ ہیں پھر تولد مذکورہ کا یہ کہنا کہ اور یہ تشریح جزئی نہیں۔ کیونکہ اجساد میں نوع من تغایر موجود ہے کیونکہ صبح ہوا؛ اور ان کے ثانی جملہ اور یہ اجسام الیٰ قولہ روح متعلق ہوگی سے پھر تشریح جزئی کا محذور لازم آئے گا کھارہ یعنی۔ علاوہ ازیں تولد مذکورہ کا یہ جملہ کہ تعین کا مدار عینیت روح پر ہے نہ کہ عینیت جسم پر کھارہ یعنی تفصیل طلب ہے وہ یوں کہ اگر صورت مثالیہ روح کی ہو تو تعین کا مدار روح ہوگی اور اگر صورت مثالیہ جسم کی ہو تو تعین کا مدار جسم ہوگا جسم کو بالکل خارج کر دینا غلط ہے جب کہ معراج کی حدیثوں میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعدد مقامات پر آپ سے ملاقات کے سلسلہ میں شرح حدیث میں یہ جواب بھی منقول ہے بان ادواحہم تشکلت بصور اجسادہم (فتح الباری ص ۱۶۷ و عمدة القاری ص ۱۶۸ وغیرہ) وذا بقا حضرت شیخ عبدالحی صاحب کا حوالہ برحق ہے۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ صورت مثالیہ کا تعدد اور امکان مختلفہ میں ان کا موجود ہونا بالکل بجا صحیح اور مسلم ہے مگر اس سے فریق محافت کو کیا فائدہ کا مگر؟ اس عبارت میں بھی صورت مثالیہ کا ثبوت ہے اور حضرت شیخ صاحب کی ایک اور عبارت ایسی اور وضاحت کرتی ہے وہ حدیث ہن رانی فی المنام فقد رأی الحق کی شرح میں لکھتے ہیں کہ۔

پس مرنی نہ روح است و نہ آن شخص
بدن مودع در مدینہ چہ حضور یک شخص
در مکان مخصوص در یک زمان بصفت
متعدہ مختلفہ صورت نہ بند الا بطریق مثل
پس مرنی در مقامات مثالات روح مقدر
اوست کہ حق است و بطلان را در ال دخل نہ
(اشعرتہ الہیات ص ۶۸۳)

سومرنی روح بھی نہیں ہے اور وہ بدن مبارک
بھی نہیں ہے جو مدینہ طیبہ میں امانت ہے کیونکہ
ایک ہی شخص کا ایک زمانہ میں مکان مخصوص میں
متعدہ صفات کے ساتھ مختلف صورتوں میں حاضر ہونا
متصور نہیں ہو سکتا مگر مثالی صورتوں میں پس غلوں
میں جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ آپ کی یکیزہ روح کی مثالیں ہیں
جو بالکل حق ہے در بطلان کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں ہے

اس عبارت میں بھی صورت مثالیہ کا ذکر ہے البتہ اس عبارت میں خان صاحب اور ان کے اتباع کا خوب رو ہے خان صاحب اور ان کے اتباع جسم کے ساتھ ذات فرد بھی متعدد مقامات پر حاضر ہونے کے قائل ہیں اور اس کو عقلاً و نقلاً جائز قرار دیتے ہیں لیکن حضرت شیخ صاحب یہ فرماتے ہیں کہ شخص واحد کا ایک زمانہ میں مکان مخصوص میں متعدد صفات اور مختلف صورتوں میں حاضر ہونا بھی تصور سے باہر ہے۔ (صوت نہ بند) دیکھئے کیا ارشاد ہوتا ہے؟ و خاصاً حضرت ملا علی القاری کا ارشاد بھی صورت مثالیہ کے بارے میں درست ہے وہ بھی ہماری آئینہ میں ہے ذکر تردید میں کیونکہ اجساد بکثرت سے صورت مثالیہ ہی مراد ہیں و ساتھ ساتھ حضرت حاجی امدا اللہ صاحب کی جو عبارت تولد مذکورہ نقل کی ہے وہ ان کو مفید بھی نہیں اور نامکمل اور ادھوری بھی ہے تولد مذکورہ حضرت حاجی صاحب کی عبارت تو محل کلام نہیں تک ہی نقل کی ہے آگے ان کی عبارت کو وہ بالکل ہٹ کر گئے ہیں کیونکہ اصل حقیقت اس سے آشکارا ہوجاتی ہے محل کلام نہیں کے آگے عبارت یہ ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی جگہ تشریح رکھیں اور درمیان بیجا ابٹھ جاویں بہر حال ہر طرح یہ امر ممکن ہے اور اس سے آپ کی نسبت اعتقاد علم الغیب لازم نہیں آتا جو کہ خصائص ذات حق سے ہے کیونکہ علم غیب وہ ہے جو مقتضات ذات کا ہے اور جو باعلام خداوندی ہے وہ ذاتی نہیں بالاسبب ہے وہ مخلوق کے حق میں ممکن بلکہ واقع ہے اور امر ممکن کا اعتقاد شرک و کفر کیونکہ ہو سکتا ہے البتہ ممکن کے لیے وقوع ضروری نہیں ایسا اعتقاد کرنا محتاج دلیل ہے اگر کسی کو دلیل مل جاوے مثلاً کشف ہو جاوے یا کوئی صاحب کشف خبر کوئے تو اعتقاد جائز ہے ورنہ بے دلیل ایک غلط خیال ہے غلطی سے رجوع کرنا اس کو ضروری ہے مگر شرک و کفر کسی طرح نہیں ہو سکتا البتہ مفید موضوع اس عبارت میں حضرت حاجی صاحب نے تصریح فرمادی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کی نسبت علم الغیب کا اعتقاد درست نہیں اور نیز یہ فرماتے ہیں کہ جو واقعہ اللہ تعالیٰ کسی کو بتائے تو غیب نہیں رہتا مگر اس کے ثبوت کے لیے دلیل درکار ہے بے دلیل اس کا تسلیم کرنا کوئی نسبہ امر ممکن ہی ہو ایک غلط خیال ہے اور اس سے رجوع کرنا چاہیے ایسی تصریح کے ہوتے ہوئے نہ معلوم ان کی ادھوری اور نامکمل عبارت سے علم غیب اور حاضر و ناظر کا مسئلہ کشید

کرنا کیسے درست ہے؟ اور اصل مقصود یہی کون ہے؟ مذکورہ ان کی جماعت کا حضرت حاجی صاحبؒ وغیرہ کی عبارات سے یہی ہے اور اسی پر وہ ضرب کاری لگایے ہیں حضرت حاجی صاحبؒ اسی کتاب میں یہ عنوان قائم کرتے ہیں چوتھا مسئلہ مذاتے غیر اللہ کا پھر آگے لکھتے ہیں۔

اس میں تحقیق یہ ہے کہ مذاتے مقاصد و اغراض مختلف ہوتے ہیں کبھی محض اللہ شوق کبھی شکر کبھی منادی کوئی ناکبھی اس کو پیام پہنچانا، سو مخلوق غائب کو پکارنا اگر محض واسطے تذکرہ اور شوق وصال اور حسرت فراق کے ہے جیسے عاشق اپنے محبوب کا نام لیا کرتے ہیں اور اپنے ذہل کو تسلی دیا کرتے ہیں اس میں تو کوئی گناہ نہیں الخ قولہ ایسی مذاتے صاحبہ سے بجز سنت روایات میں منقول ہے کما لا تخفی علی المتبحر المتبحر النظر اور اگر مخاطب کا اسم و سنانا مقصود ہے تو اگر تصفیہ باطن سے منادی کا شاہدہ کر رہا ہے تو بھی جائز ہے اور اگر شاہدہ نہیں کرتا لیکن سمجھتا ہے کہ فلاں ذریعہ سے اس کو خبر پہنچ جاوے گی اور وہ ذریعہ ثابت بالذیل ہوتی بھی جائز ہے۔ مثلاً ملائکہ کا درود شریف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچانا احادیث سے ثابت ہے اس اعتقاد سے کوئی شخص الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کے کچھ مضامین نہیں اور اگر مذکورہ مشہور ہونے پر پیغام پہنچانا مقصود ہونے پر پیغام پہنچانے کا کوئی ذریعہ دلیل سے موجود ہو وہ مذاتے سے ہے مثلاً کسی دلی کو دور سے مذاکرہ اس طرح کہ اس کو سنانا منظور ہے اور وہ رو برد نہیں نہ ابھی تک اس شخص کو یہ امر ثابت ہو کہ ان کو کسی ذریعہ سے خبر پہنچے گی یا ذریعہ متعین کیا مگر اس پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں یہ اعتقاد افسر علی اللہ اور دعویٰ علم غیب ہے بلکہ مشابہت شرک کے ہے مگر بے دھرمک اس کو شرک و کفر کہہ دینا جرات ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ اگر اس بزرگ کو خبر پہنچائے ممکن ہے اور ممکن کا اعتقاد شرک میں مگر چونکہ امکان کا وقوع لازم نہیں اس لیے ایسی مذاتے لایعنی کی اجازت نہیں ہے (۱) (فیصلہ ہفت مسکونہ)

حضرت حاجی صاحبؒ جو بجز اللہ تعالیٰ دیوبندیوں کے اکابر و اصاغر کے مقتدایہ ہیں کی ایسی اور اتنی صریح اور صاف عبارات کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص ان کی کسی بھی عبارت سے غیر اللہ کے ہر جگہ حاضر نہ نظر ہونے یا ان کے لیے علم غیب کے حصول کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا

دعویٰ سراسر باطل اور قطعاً مردود ہے و سابعاً جو حدیث انہوں نے شخص واحد کے اکتفا سے متقدّمہ میں موجود ہونے کی پیش کی ہے اس میں ان کے دعویٰ پر تقریباً ہم نہیں ہے کیونکہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ شخص واحد ان واحد میں اکتفا سے متقدّمہ پر موجود ہو سکتا ہے جس سے متبادری ہی ہوتا ہے کہ انھیں جب تک تعدد ہے حالانکہ حضرت ملا علی القاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ۔

فیه اشارۃ الی خرق العادۃ اس میں خرق عادت کی طرف اشارہ ہے کہ
من تعدد الاجاد الملکتبتہ اجاد بکتبتہ متقدّمہ ہوتے ہیں۔
(مرقات ص ۱۲)

اور ظاہر ہے کہ اجاد بکتبتہ تو وہی اجاد مثالیہ ہی ہیں نہ کہ شخص واحد کا بعینہ بذات خود متقدّمہ بلکہ موجود ہونا جو کونکے مذکورہ کا مدعی ہے اور اجاد مثالیہ کے تعدد پر حوالہ پہلے گزریا میں علاوہ انہیں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے جوڑا جوڑا اشیاء اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیں اس کو جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا کہ اے اللہ تعالیٰ کے بندے یہ تیرے لیے بہتر ہے جو شخص اہل صلوات سے ہوگا اسے باب السلوٰۃ سے بلایا جائے گا اور جو اہل جہاد سے ہوگا اس کو باب الجہاد سے بلایا جائے گا اور جو اہل صیام سے ہوگا اسے باب الزیاد سے بلایا جائے گا اور جو اہل الصدقت سے ہوگا اسے باب الصدقہ سے بلایا جائے گا اس چہ سنت ابوہریرہؓ نے فرمایا: یا حضرت! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔

ما علی من دعی من تلک الابواب من ان تمام دروازوں سے کسی کے داخل ہونے کی ضرورت فہل یدعی احد من تلک ضرورت تو نہیں لیکن کیا کوئی شخص ہوگا جس کو ان الابواب کلہا قال نعم ہوا ان تمام دروازوں سے بلایا جائے۔ آپ نے فرمایا نکلون منہم (بخاری صحیحہ)

اس کی شرح میں شرح احمدیث لکھتے ہیں کہ:

ای انہ یدعی من کلہا اکراماً و تبتیلاً اس کو تمام دروازوں سے اکراماً بلایا جائے گا۔
لذا من الدخول فی ایہا شاء اور اس کو اختیار دیا جائے گا کہ جس دروازے سے

لاستصاله المدخول من الکلام معاه چاہے داخل ہو جائے کیونکہ برکت دخول متام
راش بخاری ص ۲۵۵) دروازوں سے داخل ہونا محال ہے۔

اس حدیث اور اس کی تشریح کی روشنی میں سابق حدیث کا مطلب بھی کیا جاسکتا ہے کہ
احترام و کرامت کے ہر دروازہ پر اس کی انتظار ہوتی ہو اور جس دروازہ سے اس کا جی چاہے
داخل ہو کیونکہ سب دروازوں سے ایک وقت داخل ہونا امر محال ہے۔ علاوہ ازیں اس
عالم میں حاضر و ناظر ثابت کرنے کے لیے اُس عالم کے امور پر اسے قیاس کرنا قیاس مع الفارق
ہے درز مثلاً مردوں کے لیے یہاں بھی سونا اور لہشم جائز ہونا چاہیے اور یہاں چاہے پانچا نہ بھی کرنا چاہیے۔
الحاصل مؤلف نے حاضر و ناظر کے مسئلہ کے اثبات کے لیے جو خیالی اور وہمی طویل و
عریض جملے کاٹے ہیں ان سے بھی ان کو کچھ حاصل نہ ہوا اور نہ خواب میں روایت سے ان کا باطل
اور بے بنیاد دعوی ثابت ہوا۔

دعا خواب میں ان سے شب بھر حال میرے بخت جاگے میں سویا کرب
و ثامن حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی الزارع شرک کی تفصیل کرتے ہوئے
ارشاد فرماتے ہیں درمؤلف نے اس کو غور پڑھیں کہ حضرت شاہ صاحب نے کیا فرمایا ہے
چندم پیر پرستان گزینہ چوں مرد بزرگے کہ پوچھتی قسم میں پیر پرست ہیں جو کہتے ہیں کہ جب کوئی
بسیب کمال ریاضت و مجاہدہ مستجاب بزرگ کمال ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے خدا شدتھانے
الذوات و مقبول الشفاعت عند اللہ شدہ مستجاب الذوات اور مقبول الشفاعت ہوجاتے توجیب
بودنیں جہاں میگز جو روح اور اوتے عظیم اس جہاں سے گزر جاتے تو اس کی روح کو بڑی قوت
و دستے بس فہم ہم میر سہ ہر کہ صورت اور بہت ہی وسعت حاصل ہوجاتی ہے تو جو شخص اُس کی
اولا بزرگ سازد و یاد مکان نشست بر فراست صورت کا تصور کرے یا اس کے بیٹھے اور اٹھنے
ایا بر گرد او سجود و تذلل تام نماید روح اور کی جگہ یا اس کی قبر پر سجدہ اور مکمل عاجزی ظاہر کرے تو
بسیب وسعت و اطلاق برال مطلع شود و در اس کی روح کمال وسعت اور آزادی کی وجہ سے اس پر
دنیا و آخرت و رحمت او شفاعت نماید مطلع ہوجاتی ہے اور دنیا و آخرت میں اس کے حق
تفسیر عزیزی ص ۱۲۵ بقدرہ ۱۲) میں شفاعت کرتی ہے۔

تذرونیاز

یہ عنوان قائم کر کے مؤلف نے ذکر کیا کہ **بہد لغت غیر اللہ کی تفسیر میں اپنے**
صدر الافاضل کی وہ عبارت پیش کی ہے جو ہم نے تحقیق تین میں نقل کی ہے
اور پھر اس پر تنقید کی ہے۔ ان کی پیش کردہ تفسیر اور اس پر باحوالہ محسوس علی تنقید اسی میں ملاحظہ
فرمائیں ہماری علمی اور محسوس تنقید سے لاجواب ہو کر مؤلف نے جو تلامذہ باریاں لکھائی ہیں اور جس
طرح ان کے ہوش و حواس کا فورہ ہونے میں اور جس طرح انہوں نے ہائے ہونے جو ایسے کی طرح
جلی کٹی گئی ہیں وہ بھی ایک ڈرامہ ہے چنانچہ مؤلف نے ذکر کئے ہیں۔ حق یہ ہے کہ صدر الافاضل
علیہ الرحمۃ کا یہ محققانہ کلام چند وجوہ سے مولوی سرفراز صاحب کی کج فہمی سے آسکا اس لیے انہوں
نے خاتمہ قرطاس کو لگی ڈنڈا بنانے کی کوشش کی ہے خود فریب کھایا ہے یا لوگوں کا دین و
ایمان ٹٹنے کے لیے دجل کی دوکان بھائی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ مولوی سرفراز صاحب نے مولوی
رشید احمد گنگوہی کا ایک بے سند فتویٰ بھی مندر بنا کر پیش کیا ہے اور غریب کو یہ بھی معلوم نہیں
ہے کہ خصم پر بطور محبت مسلم بزرگوں کے اقوال پیش کیا کرتے ہیں مولوی رشید احمد گنگوہی کو
آپ گنگوہ کے عالی مریدوں پر پیش کیجئے گا۔ یا ان پکی توٹی کے حافظوں پر جن کے سروں پر
دیوبند نے فضیلت و افتخار کی دستار باندھی ہے احتجاج و اشتہاد کے میدان میں اس مجرم کی
کیا قدر ہوگی جس میں نام کے لیے بھی کوئی دلیل موجود نہیں (مغفطہ ص ۲۰ و ص ۲۱)

الجواب۔ مؤلف نے اپنے ناخواندہ حواریوں کو اس دجل آمیز عبارت میں جو
طفل تملی اور سہارا دیا ہے وہ کسی بھی اہل فہم پر مخفی نہیں ان کے صدر الافاضل کے محققانہ کلام
میں جو وجوہ ہیں ان کو بجا اللہ تعالیٰ سرفراز خوب سمجھا ہے اور باحوالہ ان کا رد کیا ہے تحقیق تین
ہی میں ان وجوہ اور ان کی محسوس علی تردید ملاحظہ کر لیجئے ان کی مزید تشریح جو بزم خورشید مؤلف
ذکور نے کی ہے اور چھ شبہات قائم کر کے ان کے جوابات لیے ہیں وہ بجا اللہ تعالیٰ
ترتیب و ارجا جواب آرہے ہیں۔ ہم نے ابلال کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے مشورہ لغوی علامہ
ابوالفتح المطرز می الخفنی، ام راعب السننانی، علامہ ابو الفضل قرشی، ام ابن جبریطری، علامہ
نسفی الخفنی، علامہ بیضادی، اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حوالے نقل کیے ہیں اور ان کے

آخر میں حضرت گنگوہی کا فتاویٰ رشیدیہ سے ایک فتویٰ نقل کیا ہے تاہم بالائے نامت ہے کہ مولف مذکور کو پہلے بزرگوں کا ایک حوالہ بھی نظر نہیں آیا اور ان سب کو گیارہویں شریعت کا دودھ اور لذتِ مطہ کچھ کر ٹھپ کر گئے ہیں اور حوالہ ہمک نہیں لی ان کو اگر نظر آیا ہے تو بالکل آخر کا حوالہ حضرت گنگوہی کا نظر آیا ہے اور وہ بھی محض اس لیے کہ ان کا ام گرامی لیکن دل ماہوت کی خوب بھڑاس نکال سکیں جیسا کہ مولف مذکور کی عبادت سے بالکل عیاں ہے سوال یہ ہے کہ حضرت گنگوہی تو آپ کے نزدیک مسلم نہیں لیکن باقی بزرگ تو فریقین کے ہاں مسلم بزرگ ہیں آپ نے ان کی بات کو کس تسلیم کیا اور کمالِ محبت مانا ہے؟ آپ کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ آپ ان بزرگوں کی عبادت کو جو ہم نے نقل کی ہیں باحوالہ پیش کرتے اور پھر ترتیب وار جواب دیتے تاکہ اہل علم پر آپ کی تحقیق و تدقیق عیاں ہوتی مگر آپ ان کے جوابات سے قطعاً عاجز اور سراسر قاصر تھے اور ہیں اس لیے ان اکابر میں سے کسی کا آپ نے نام تک نہیں لیا۔ اور نہ ان کی عبادت نقل کی ہیں اور نہ جواب دیا ہے آپ نے ان بزرگوں کے خلوس حوالوں سے جان چھڑانے کے لیے جو حرج بر اختیار کیا ہے وہ ابھی انشاء اللہ العزیز شہ اول میں آرہا ہے بھرا اللہ تعالیٰ حضرت گنگوہی کا کلام آپ کے لیے نہ سہی ان کے عالی مریدوں کے لیے ضرور محبت ہے لیکن باقی بزرگوں کو آپ کیوں نظر انداز کر گئے ہیں؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ ان حضرات کے مجموعہ کی تو آپ نے قدر کی ہوتی؟ مگر آپ کو تو حضرت گنگوہی پر برساتا اور بس۔

مولف مذکور کو معلوم ہونا چاہیے کہ کتب فتاویٰ میں بھی صرف فتوے اور احکام درج ہوتے ان کے عقلی اور نقی دلائل کا ذکر نہیں کیا جاتا اور کبھی دلائل عقلیہ و نقلیہ کا بھی اجمالاً یا تفصیلاً ساتھ تذکرہ کر دیا جاتا ہے ایسا لگتا ہے کہ مولف مذکور نے اپنے اعلیٰ حضرت کی کتابیں بھی مثلاً فتاویٰ رضویہ لمخلفات، احکام شریعت، عرفان شریعت اور فتاویٰ افریقیہ وغیرہ نہیں دیکھیں ورنہ وہ ہرگز یہ لکھنے کی جرات نہ کرتے کہ ایک بے سند فتویٰ کو بھی سند بنا کر پیش کیا ہے باقی حضرت گنگوہی کے فتویٰ کے نقل کرنے سے ہمارے دو مقصد ہیں۔ اول یہ کہ جو کچھ دیگر مسلم اکابر نے فرمایا وہی مولف حضرت گنگوہی نے ان کی پیروی میں فرمایا ہے اور صحیح معنی میں وہ مسلم

اکابر کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں نہ وہ لوگ کہ علوم ان میں کو دھوکا دینے کے لیے مسلم بزرگوں کی صحابی ترقیت میں مگر ان کی ایک بات بھی نہیں منستے دوئم۔ ایک دیوبندی عالم نے جو نہ محقق ہیں نہ مدرس کسی مدرسہ سے کچھ پڑھنے کے بعد مسجد کی امامت کا فریضہ ہی انجام دیتے تھے یہ کہا لگا جاوے کہ غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کے لیے نامزد کیا جائے اور ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا جائے تو بقول ان کے وہ حلال ہوگا۔ راقم تاہم کہ یہ خیال ہوا کہ شاید ایسے اور دیوبندی کسلانے والے حضرات بھی اس شبہ میں مبتلا ہوں حواقم ائمہ نے حضرت گنگوہی کا فتویٰ نقل کر دیا تاکہ وہ حضرات غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ باقی مولف مذکور مطمئن رہیں ان کو منوانے کے لیے ہم نے یہ حوالہ نقل نہیں کیا جبکہ وہ مسلم بزرگوں کی بات بھی نہیں منستے تو حضرت گنگوہی کی بات کیا تسلیم کریں گے؟ مولف مذکور کہ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے۔ کہ دارالعلوم دیوبند میں نہ تو سنیں سکتی ہیں اور نہ پڑھ سکتی ہیں ان کے حافظوں کے سرور پر دستار فضیلت، باذھی جاتی ہے۔ وہاں دینا نثار اکابر کا وہ محتاط طبقہ ہے جس کی نظیر بھرا اللہ تعالیٰ اس وقت دنیا میں نہیں ملتی مولف مذکور نے اس مرکز علم دین کو اپنے مسلک کے بعض سرفروش مدرس پر قیاس کر لیا ہے جن کے بعض سنیافتہ اپنی سند کو بھی نہیں پڑھ سکتے اور لوگ اس کے علم پر اعتبار کرتے ہیں۔

بڑے ذوق سے دنیا فریب دیتی ہے بڑے خلوس سے ہم اعتبار کرتے ہیں
مولف مذکور لکھتے ہیں۔ سرفراز صاحب کا پہلا شعبہ۔ سرفراز صاحب نے صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے کلام میں پہلی تحریف اس طرح کی ہے کہ ابلا کے معنی عربی زبان میں ذبح کے نہیں بلکہ نامزد کرنے اور شہرت دینے کے ہیں ذمہ صلیلاً پھر مولوی سرفراز نے اس پر خوب زور دیا اور باب لغت اور تقاسیر کے حوالے نقل کرتے چلے گئے جیسے صدر الافاضل نے اہل کا معنی ذبح کیا ہو اور اس کے خلاف مولوی سرفراز صاحب گنگوہی سے پورا سکا اور ان فضلے قرطاس میں سے آئے ہوں۔ صدر الافاضل نے اہل کا کیا معنی کیا ہے ملاحظہ ہو وہ فرماتے ہیں۔ وہ جاوے جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ اب مولوی سرفراز صاحب سے پوچھئے کہ جب صدر الافاضل نے اہل کا معنی ذبح نہیں کیا تو پھر آپ کو اس بے مقصد کلام سے دفتر کے دفتر سیاہ

کرنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر یوں ہی لگے میں طوق لعنت آویزاں کر کے کذا میں کی صفت میں شامل ہونے کا شوق ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں چشم ماروشن دل ماشا خود مولوی سرفراز صاحب کرمی احساس تھا کہ جھوٹ کی یہ کشتی زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گی اس لیے مسند میں لکھتے ہیں۔
 غرضیکہ وہاں اُھل کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت خواہ
 خواہ کی حد کا البتہ کوئی علاج نہیں انتہی کا مزم۔ دروغ گوڑ حافظہ نہ باشد پہلے آپ نے کہا تھا کہ
 اُھل کو ذبح کے معنی میں لینا غلط ہے اور اس سے قارئین کرام کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ
 صدر الافاضل نے اُھل کا معنی ذبح کیا ہے اب کہتے ہیں کہ اُھل کو وقت ذبح کے ساتھ
 مقید کرنا غیر ضروری ہے جس سے یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ صدر الافاضل نے اُھل کو وقت ذبح کے ساتھ
 مقید کیا ہے یہ کس شرابِ فتنہ گر کا اثر ہے کہ آپ کا قلم بار بار بیک جاتا ہے انتہی بمنظور مسند
 الجواب : ہم نے یہ عبارت بھی اس لیے پوری نقل کی ہے کہ قارئین کرام کے سامنے بھی فریق
 مخالف کے دلیل کی شرافت اور تندیب عیاں ہو جائے کہ وہ علمی جواب سے قاصر ہو کر کسی کسی
 جل کئی ننانے کی عادی ہیں۔ اب ہم ان کی اس فتنہ انگیز عبارت کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اور جوابات
 عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) بحمدا للہ تعالیٰ راقم اٹیم نے آپ کے صدر الافاضل کے کلام میں کوئی تحریف نہیں کی اور نہ
 تحریف کی عادت ہے اور نہ اساتذہ کرام نے یہ سبق دیا ہے بات یہ ہے کہ آپ خود اپنے
 صدر الافاضل کے کلام اور مصلحت کو شیوں اور دراندیشیوں سے ناواقف ہیں اس لیے کہ آپ
 کم علم اور کم عمر ہیں وہ عمر بھی تھی اور موقع اور محل بھی جانتے تھے لیکن اپنے صدر الافاضل کا کلام
 ملاحظہ کر لیجئے وہ چوہرین پائے سورۃ الفحل میں وَعَا اُھل لَعْنَتِ اللہِ بِلہ کی تفسیر
 کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یعنی اس کو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ انتہی بمنظور مسند جلد ۱ ص ۱۰۸
 انصاف سے فرمائیے کہ کیا یہاں آپ کے صدر الافاضل نے اُھل کے معنی ذبح کے
 نہیں کیے؟ یہ سرفراز کی تحریف ہے یا آپ کے صدر الافاضل کی تفسیر ہے۔ اللہ کچھ تو فرمائیے؟
 کیا سرفراز کا ارباب لغت اور تفسیر کے حوالے نقل کرنا اور بقول شاکر اور ن کو حرکت میں لانا بے
 اور بے غل ہے؟ آپ کا یہ علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ آپ ان ارباب لغت اور تفسیر کے نام

بنکر ان کی عبارتیں بحوالہ نقل کرتے تاکہ قارئین کرام بھی سمجھ سکتے کہ ان اکابر نے کیا فرمایا ہے؟ اور
 نزالت تک کہ کس امر کے درپے ہیں؟ مگر آپ کو تو دلیل و تلبیس سے وقت پاس کرنا ہے اور بلاوجہ
 داد تمجید حاصل کرنا ہے۔

(۲) آپ نے صدر الافاضل کی جو یہ عبارت نقل کی ہے کہ۔ وہ جانور جس کے ذبح کے وقت
 غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ یہ بھی آپ کو ہرگز مفید نہیں ہے کیونکہ آپ کے صدر الافاضل پارہ دوم سورۃ بقرہ
 میں وَعَا اُھل بِلہ لَعْنَتِ اللہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ مسند جس جانور پر وقت ذبح
 غیر خدا کا نام لیا جائے تنہا یا خدا کے نام کے ساتھ خلعت سے ملا کہ وہ حرام ہے اور پھر آگے لکھتے
 ہیں مسند اگر ذبح فقط اللہ کے نام پر کیا اور اس سے قبل یا بعد غیر کا نام یا مثلاً یہ کہنا کہ حقیقہ
 کا بجز اولیہ کا ذنب یا جس کی طرف سے وہ ذبح ہے اسی کا نام لیا یا جن اولیہ کے لیے ایصال ثواب
 منظور ہے ان کا نام لیا تو یہ جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں (تفسیر احمدی) (مسند طبع لاہور)
 انصاف سے فرمائیے کہ کیا آپ کے صدر الافاضل نے یہاں اُھل کے معنی ذبح کے نہیں کیے؟
 اب فرمائیے کہ ہاں سے دفتر کے دفتر سیاہ کرنے یا بے مقصد ہیں یا بے مقصد؟ اور فرمائیے کہ طوق لعنت
 کا نر اور ارباب کذاب کسلائے کا مستحق کون ہے؟ فیصلہ عوام خود کر سکتے ہیں؟ فریق مخالف بجاہل
 عارفانہ سے کام لے گا بقول ظفر۔

بہ نام ہے جہاں میں ظفر جن کے واسطے وہ جانتے نہیں کہ ظفر کس کا نام ہے
 (۳) راقم اٹیم کی عبارت جو غرضیکہ اللہ سے آپ نے نقل کی ہے وہ بفضل اللہ تعالیٰ
 کہ وہ ہمارے کی طرح اپنی جگہ پر قائم ہے اور اس کا ہماری کسی سابق عبارت سے قطعاً کوئی تضاد
 اور تضاد نہیں اور نہ ہم پر کبھی اللہ تعالیٰ فتنہ گر کی شراب کا اثر ہے اور نہ کبھی اللہ تعالیٰ ہمارے
 اور سب کا قلم کبھی بے کاس ہے۔ یہ آپ کی جینتی نگاہ کا اثر ہے کہ آپ کو کچھ کچھ دکھائی دیتا ہے
 غرضیکہ غلطی آپ کے صدر الافاضل ہی کی ہے کہ انہوں نے اہلال کے معنی ذبح کے بھی کیے
 ہیں اور اُھل کو وقت ذبح کے ساتھ مقید بھی کیا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ۔ دہابی جو ذبح کی قید نہیں لگاتے وہ آیت کے معنی میں غلطی

کرتے ہیں الی قولہ کیونکہ ما اھلہ لو اگر وقت ذبح کے ساتھ معنیہ ذکریں تو لا اھلہ ما ذکیتہم کا استثناء اس کو لاحق ہوگا الخ (ص ۱۵۵، ۱۵۶) اس سے یہ بات بالکل واضح ہوگی کہ مؤلف مذکور کے صدر الافاضل کے نزدیک اھلہ کے معنی میں ذبح کی قید ملحوظ ہے اور بقول ان کے جو یہ قید نہیں لگاتے وہ غلطی کرتے ہیں اگر استثناء اس کو لاحق بھی ہو تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ذکیتہم میں شرعی تذکیر مراد ہے اور شرعی تذکیر اسی وقت ہوگا کہ جب غیر اللہ کے نام پر نامزد کرنے والے باطل نظر سے توبہ اور رجوع کرے اور پھر جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرے تو اس پر کیا کلام ہے؟ مؤلف مذکور اور ان کے صدر الافاضل کی تفسیر تو قارئین کرام نے سن لی اب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی تفسیر بھی ملاحظہ کر لیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ پس دیں عبارت اجلال را بمعنی ذبح گرفتن سراس عبارت میں اہلال کو ذبح کے معنی باز لغیر اللہ را بجائے باسم غیر اللہ سستن میں لینا پھر لغیر اللہ کو باسم غیر اللہ کے وکنت قریب بتحرین کلام الہی میرسد اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحرین کے قریب پہنچتے (فتاویٰ عزیزی ص ۱۵۶)

یعنی جو ترجمہ اور مطلب مؤلف مذکور اور ان کے صدر الافاضل بیان کرتے ہیں وہ بقول شاہ عبدالعزیز صاحب کلام الہی کی تحرین کے قریب ہے مگر وہ دوسروں پر محرف ہونے کا بے بنیاد الزام لگاتے ہیں۔

الغرض حضرت شاہ صاحب اور ہمارے کسی کلام میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ مؤلف مذکور کو مناسب ہے کہ کہیں چند دن کسی صاحب علم استاد کے ہاں رہ کر عبادت فہمی کا سلیقہ حاصل کریں اور یوں ہی زندگی جہالت میں نہ گزار دیں مؤلف مذکور نے تعارض کا نام تو کہیں پڑھا اور سن لیا ہے مگر اس کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں اور دوسروں کو دروغ گو بنا کر جاہلانہ تعلق سے کام لے رہے ہیں اور عوف خدا سے بے خبر ہیں۔

بڑا مزہ ہو جو محشر میں حسم کریں شکوہ وہ منتوں سے کے چپ رہو خدا کے لیے ذبیحہ حرام ہو سکتی صورتیں یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں صدر الافاضل

فرماتے ہیں اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو انتہی کلام۔

مذکورہ بالا عبارت اس مضمون میں صریح ہے کہ ذبیحہ کے حرام ہونے کی اور بھی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں لیکن اس آیت میں صرف اسی کو حرام کیا گیا ہے جس پر وقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو ہم اس کے علاوہ ذبیحہ حرام ہونے کی چند صورتیں ذکر کرتے ہیں (۱) مثلاً عجوزی اور اہل ہنود کا ذبیحہ حرام ہے۔ (۲) احناف کے نزدیک مسلمان بھی اگر عدا بسم اللہ کو ترک کرے تو وہ ذبیحہ بھی حرام ہوگا۔ (۳) مرتد اگر اللہ کا نام لے کر بھی ذبح کرے تو ذبیحہ حرام ہوگا۔ اور اسی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی مسلمان جانور کو غیر اللہ کی طرف تقرب علی وجہ العبادۃ کے طور پر منسوب کرے تو اب اگر وہ بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تو یہ ذبیحہ حرام ہوگا کیونکہ بحیثیت عبادت غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے قصد سے وہ مرتد ہو گیا اور مرتد کا ذبیحہ حرام ہوتا ہے اور اسی جانور کو کوئی اور مسلمان بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو وہ بلا ریب حلال و طیب ہے اس کو حرام کنا قرآن کی نصوص قطعہ سے ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہے شاہ عبدالعزیز نے اپنی کتابوں میں جس ذبیحہ کو حرام قرار دیا ہے وہ اسی صورت پر محمول ہے کہ ذبح نے جانور کو بحیثیت عبادت تقرب حاصل کرنے کے لیے کسی بزرگ کی خاطر نامزد کر دیا ہو اب وہ خود اگر اس کو بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تو یہ ذبیحہ حرام ہوگا کیونکہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے اور اگر تقرب بحیثیت عبادت حاصل کرنے کا قصد نہ ہو تو یہ ذبیحہ حلال اور طیب ہے کیونکہ مطلقاً تقرب وجہ شرک نہیں ہے۔ (منظ (ص ۲۰۵ و ۲۰۶)

الجواب: آپ نے مؤلف مذکور کی پوری عبارت ملاحظہ کر لی ہے اب جواب سنیں۔ (۱) مؤلف مذکور کے صدر الافاضل اس آیت کریمہ کے مضمون سے اُس جانور کے حرام ہونے کو نکال رہے ہیں جس کو غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کے لیے نامزد کیا گیا ہو مگر ذبح کے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ اس کی حرمت اس کا اولین مصداق ہے جس کو ہم نے بسم اللہ سے تفسیر میں متعدد حوالوں سے برہن کیا ہے جن میں وہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالے کے بغیر سب کو پنی گئے ہیں اور کسی عبارت کا ذکر تک نہیں کیا اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی عبارت

کا جو جواب دیا اس کا ذکر بھی انشاء اللہ العزیز عن عزیز صاحب کر رہا ہے۔ (۲) مؤلف مذکور نے فضول جبرقی کے طور پر نجومی وغیرہ کے ذبیحہ کے حرام ہونے کی راہ کمانی پھیر دی ہے کیونکہ ذبیحہ حکرام مرنے کی جتنی صورتیں مؤلف مذکور نے بیان کی ہیں ان کے علاوہ بھی بعض صورتیں حرام ہونے کی ہیں اگرچہ ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا گیا ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں۔

فلوان رجلاً مسلماً خنق شاة
وذكر اسم الله عليها لا تحل مع
انه ذكر اسم الله عليها وكذا
لو ذبح شاة على النصب من الانصاب
او على قبر من القبور وقصد به
التقرب الى صاحب القبر او
صاحب النصب وذكر اسم الله
عليها لا تحل بهذا النص الصحيح
وهذا كل ذلك على قصد التقرب
الى غير الله او تقدير الطريق
المشهور في الذبح من استعمال
الآلة المهددة ونحو ذلك الخ (فتاویٰ عزیز پری)

مگر یہاں ذبیحہ کے حرام ہونے کی تمام صورتوں کا بیان کرنا مقصود نہیں مقصود صرف یہ ہے کہ وہاں ذبیحہ کے حرام ہونے کا مصداق کیا ہے؟ آیا صرف وقت ذبح غیر اللہ کا (تہنیا عطف سے) نام لینا مراد ہے؟ یا وہ جانور بھی اس کی زواہر میں سے جس کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے مگر غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب اس میں ملحوظ ہو جو مجبوراً محققین اس صورت کو اس کا اولین مصداق قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر ابن جریر، تفسیر عزیز پری، تفسیر اکلیل، در مختار۔ فتاویٰ بزازیہ۔ مجموعہ فتاویٰ عبدالحی وغیرہ کے حوالے ہم نے تہنیتہ میں دیے ہیں جن کا ذکر

یہک مؤلف مذکور نے نہیں کیا بغیر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے حالانکہ ان کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ پہلے تمام عبارات کو باحوالہ نقل کرتے پھر ان کا جواب دیتے مگر یہ ان کے بس کا روگ نہیں صرف دفع الوقتی کرتے ہوئے مؤلفین کے زمرہ میں ٹانگ اڑانی ہے۔

(۳) مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ تقرب علی وجہ العبادۃ کے طور پر غیر اللہ کی طرف نسبت ہو تو چونکہ وہ مرتد کا ذبیحہ ہو جائے گا اس لیے وہ حرام ہے (مخلص یعنی اگر تقرب علی وجہ العبادت نہ ہو بلکہ محض علی وجہ تعظیم ہو تو جائز حرام نہیں ہے) اس میں مؤلف مذکور اپنی کم علمی کی وجہ سے ایک واضح غلطی کا شکار ہیں اس پر صدر دوم صفحہ میں بحث ہو چکی ہے مگر ہم یہاں بھی قدسے تفصیل سے کلام کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں دو مسئلے ہیں ایک تقرب اور تعظیم غیر اللہ کا دوسرا غیر اللہ کی عبادت کا مؤلف مذکور ان دونوں کو گمراہ کر رہے ہیں حالانکہ یہ دو الگ الگ مسئلے ہیں اور ان کے فقہی احکام بھی جدا جدا ہیں اور حیرت ہے کہ یہ عبارت مؤلف مذکور نے (ص ۲۱۲، ۲۱۳) میں خود نقل کی ہے لیکن مطلب سمجھ نہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ام نویدی شرح مسلم ص ۲۱۲، ۲۱۳ میں خود نقل لکھتے ہیں اور یہ مکمل عبارت ہم نے تہنیتہ ص ۲۱۲، ۲۱۳ میں نقل کی ہے

واما الذبیح لغیر اللہ فالمراد
بہ ان یدبح باسم غیر اللہ
کمن ذبح للضمو او للصلیب
اولموسى وعيسى عليهما السلام
او الکعبة ونحو ذلك فكل هذا
حرام ولا تحل هذه الذبیحة
سواء كان الذابح مسلماً او نصرانياً
او يهود یا نصر علیہ الشافعی
واقفق علیہ اصحابنا فان
قصد مع ذلك تعظیم المذبح

بہر حال غیر اللہ کے لیے ذبح سے مراد یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے جیسا کہ بت یا صلیب یا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام یا کعبہ وغیرہ کے نام پر ہیں یہ سب حرام ہیں اور مذبح جائز عللاً نہیں عام اس سے کہ ذبح مسلمان ہو یا نصرانی یا یہودی حضرت ام شافعی نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اس پر ہمارے اصحاب (شوافع) متفق ہیں اور اگر اس کے ساتھ مذبح غیر اللہ کی تعظیم اور عبادت کا بھی قصد کیا ہو تو یہ کھنڈ ہوگا۔ اگر ذبح

لعنیں اللہ والعبادة له كان ذلك
كفراً فان كان الذابح مسلماً قبل
ذبحه والاس سے سے پہلے مسلمان تھا اس
ذبح کی وجہ سے مرتد ہو جائے گا۔
ذلك صار بالذبح مرتداً (فقہ اسلامی غزیری ص ۲۱۳)

اس عبارت میں تصریح ہے کہ غیر اللہ کے لیے خواہ وہ بت ہو یا صلیب یا حضرت موسیٰ
یا حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام یا کعبہ ذبیحہ حرام ہے عام اس سے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو
یا نصرانی یا یہودی جیسا کہ امام شافعی نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اسی پر شوافع حضرات کا اتفاق
ہے اس صورت میں ذبیحہ کو حرام قرار دیا گیا ہے اور ذابح اگر مسلمان ہے تو اس کی تکفیر نہیں کی
گئی گو اس کا گناہ ہونا اپنی جگہ پر ہے فان قصد مع ذلك سے اگے دوسری صورت
بیان کی گئی ہے کہ غیر اللہ ذبح کرنے والے نے اگر نہ لبرح غیر اللہ کی تعظیم اور عبادت کا قصد
بھی کیا ہو تو یہ فعل کفر ہوگا اور ذابح جو پہلے مسلمان تھا اب مرتد ہو جائے گا۔ اور حضرت شاہ صاحب
ہی اگر مضمیت اور تعظیم غیر اللہ کا فرق واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

والفارق انه ان قد مهالياً كل
منها كان الذبح لله والمنفعة للضيف
اول للوليمة اول للربح وان لم يقدهما
ليأكل بل يدا لبعها لغيره كان
لتعظيم غير الله فيحرم وهل
يكفر قولان بزيادة وشرح
وهبانية قلت وفي صيد المنيّة
انه لا يكره ولا يكفر لانا لا ذنبي
الظن بالمسلو انه يتقرب
الى الادمي بهذا الخمر وخواه
في شرح الوهبانية عن

ان میں فرق کرنے والی چیز یہ ہے کہ اگر بجزی کو
کھانے کے لیے پیش کیا گیا تو ذبح اللہ ہوگی
اور نفع مسلمان کا یا ولیمہ یا ربح کی مدد ہوگا اور اگر
بجزی کھانے کے لیے نہ پیش کی گئی بلکہ غیر کی
نہمت میں پیش کی گئی تو یہ تعظیم غیر اللہ کے لیے
ہے جو حرام ہے اور کیا ایسا کرنے والا کافر ہوگا
اس میں دو قول ہیں جیسا کہ بزاز نے اور شرح و ہبانیہ
میں ہے اور مینیہ کے باب الصيد میں ہے
کہ نہ زور محروہ ہے اور نہ فاعل کافر ہے کیونکہ
ہم مسلمان کے خلافت یہ ہ گمانی نہیں کرتے کہ وہ
اس ذبح سے آدمی کا قریب چاہتا ہوگا اور

الذخيرة ونظمه فقال
وفاعله جهود وهو قتال كافر
وفضل واسماعيل يس يكفر -
هكذا في مطالب المؤمنين
والاشباه والنظائر وفي الحديث
لعن الله من ذبح لغير الله رواه
احمد وايضاً ملعون من ذبح لغير الله
رواه البهائم وفي عنرائب ابو عبيد
وبستان الفقه وكذا العباد
انه لا يجوز ذبح البقر والغنم
عند القبور لقوله عليه السلام
لا عقرب في الاسلام يعني عند
القبور هكذا في سنن ابى داود و
هكذا لا يجوز على البناء الجديد
وعند شرا الدار لان النسبى
صلى الله عليه وسلم منى عن
ذبايح الجن بناء على انه هو يكره
فابطل النسبى صلى الله عليه
وسلم ومنى عنه اه

(فقہ اسلامی غزیری ص ۲۱۳)

اسی طرح شرح و ہبانیہ میں ذبیحہ سے نقل
کیا ہے اور اس کو نظم بھی کیا ہے سو کہتا ہے کہ
جمود فقہاء کہ لرم فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے والا
کافر ہے اور امام فضل اور اسماعیل فرماتے ہیں
کہ کافر نہیں ہے۔ اسی طرح مطالب المؤمنین
اور الاشباہ والنظائر میں ہے اور شاہ صاحب کی حدیث
میں آتے ہیں کہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والے
پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ اور ابو داؤد
کی روایت میں ہے کہ غیر اللہ کے لیے ذبح
کرنے والا ملعون ہے اور غراب ابی عبیدہ
بتان الفقه اور کنز العباد میں ہے کہ گائے اور
بھیڑ بکری کا قبور کے پاس ذبح کرنا جائز نہیں
ہے کیونکہ حدیث میں آتے ہیں لا عقرب فی الاسلام
یعنی قبر کے پاس ذبح کرنا جائز نہیں اسی طرح
سنن ابی داؤد میں ہے اور اسی طرح نبی عمارت
اور مکان خریدنے کے موقع پر بھی ذبح جائز نہیں
ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے جنوں کے لیے ذبح کرنے سے منع
فرمایا ہے کہ اس طرح لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے
سوا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس
کاروائی کو باطل قرار دیا اور اس سے منع فرمایا۔
اس عبارت میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اگر مضمیت میں جمان کو گوشت کھلانا

مقصود ہوتا ہے اور تعظیم غیر اللہ میں اس کو گوشت دینا مقصود نہیں ہوگا گوشت کے مزے کو کوئی
دوسرے ہی اڑانا ہے اس کی صرف تعظیم ہی مقصود ہوتی ہے اس کے حرام ہونے میں تو حضرات فقہاء
کرام کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہاں ایسا کرنے والے کی تکفیر یا عدم تکفیر میں اختلاف ہے۔
جمہور فقہاء کرام اس کی تکفیر کرتے ہیں اور امام فضلؒ اور اسماعیلؒ اس کی تکفیر نہیں کرتے اب سوال
یہ ہے کہ کیا مولف مذکور اور اس کی جماعت کے نزدیک غیر اللہ کی عبادت کرنے والے کی
تکفیر میں بھی کوئی تردد یا اختلاف تھا کرام ہوتا ہے؟ یا ہو سکتا ہے؟ اور نیز کوئی مسلمان جنات
کی عبادت کا تصور بھی نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے لیکن اس عبادت میں نصرت محبت کرنی عبادت
بناتے وقت یا مکان خریدتے وقت جنات کے ضرر سے بچنے کے لیے اور ان کی خوشنودی
اور تعظیم کے لیے جانور ذبح کرنا بھی ممنوع ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنات
کی خاطر ایسے ذبیحے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس طرح ان کی تعظیم ہوتی ہے اور اسی طرح قبور
کے پاس ذبح کرنے سے بھی منع فرمایا جس میں مقصد یہ ظاہر صرف تعظیم ہے نہ کہ عبادت
غرضیکہ تعظیم غیر اللہ اور عبادت غیر اللہ کو گناہ نامی طور پر درست نہیں اور دونوں صورتوں
میں جانور حرام ہوگا ہاں عبادت کی صورت میں یہ فعل بالاتفاق کفر ہوگا اور تعظیم کی صورت میں
جمہور فقہاء کرام کے نزدیک کفر ہوگا اور بعض کفر کے فتوے سے گریز بھی کرتے ہیں ہم نے
مقتصد ص ۱۱۱ میں درمختار کے حوالے سے لکھا ہے کہ کسی بڑے آدمی کی آمد پر جو جانور ذبح کیا جاتا
ہے گو اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جائے وہ حرام ہے کیونکہ اس میں اس کی تعظیم مقصود ہے
حالانکہ کسی بھی مسلمان کے ذہن اور خیال میں کسی بڑے آدمی یا بادشاہ کی عبادت نہیں ہوتی صرف
اس کی تعظیم ہی مطلوب و مقصود ہوتی ہے مولف مذکور نے ص ۱۱۱ میں جو یہ کہا ہے کہ علامہ شامیؒ
نے تصریح کی ہے کہ محض تقرب علی وجہ العبادۃ ہے چنانچہ درمختار نے مطلقاً تقرب کا ذکر
کیا تو شامیؒ نے اس کو علی وجہ العبادت سے مقتدیہ کیا دیکھیے شامیؒ میں ہے ای علی وجہ
العبادۃ لانہ المکتوب (رد المحتار ص ۲۰۳) یعنی تقرب علی وجہ العبادۃ کیونکہ یہی کفر ہے
علامہ شامیؒ کی تصریح کے بعد بھی اگر صرف از صاحب مطلق تقرب کے وجہ کفر و شرک

ہونے پر اصرار کریں تو ایسے ہم خود شاہ صاحب کی عبارت سے ثابت کے میتے ہیں کہ کفر کا مدار
عبادت کے اعتقاد پر ہے البتہ اگر وہی عبارت نقل کی جو ہم فتاویٰ عزیزی کے حوالہ سے
ابھی اوپر نقل کر چکے ہیں اور بفضل اللہ تعالیٰ ہم علامہ شامیؒ کا پورا حوالہ اسی کتاب میں پہلے عرض
کر چکے ہیں وہاں ہی ملاحظہ کر لیا جائے۔

مولف مذکور اپنی کلمہ علمی یا کچر دی کی وجہ سے تقرب کی دو قسمیں بنا ہے ہیں ایک تقرب علی
وجہ العبادت اور ایک مطلق تقرب اول کو وہ حرام قرار دیتے ہیں اور دوم کو حلال اور طیب اور
بزرگ خویش حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارتوں کو اول قسم پر حمل کرے ہے جس کا خط کشیدہ
عبادت سے بچاں ہے مگر یہ مولف مذکور کی نادانی ہے حضرت شاہ صاحب مطلقاً تقرب
غیر اللہ کو ہی شرک قرار دیتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کے تقرب کے لیے جانور کو نامزد
کرنا ہی اس کی حرمت کے لیے کافی ہے۔ لہذا یہ کہ کوئی شخص غیر اللہ کی نامزدگی ہی سے آسب
ہو جائے تو پھر معاملہ جدا ہے حضرت شاہ صاحب اہلال کے معنی میں ذبح کے معنوم کو کہتے
ہی نہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

وَأَهْلُ رَابِعٍ حَمَلُ كِرْدَانِ خِلَافِ
لَعْنَتِ وَعَرَفِ اسْتِ ہرگز اہلال در لعنت
عرب و عَرَفِ آن دیار و آن وقت بمعنی
ذبح نیامہ در بیع شعر و بیع عبارت بلکہ
اہلال در لعنت عرب بمعنی بلند کردن آواز
و شہرت دادن است چنانچہ اہلال ہلال
استلال لفظ نو تولد و اہلال بمعنی تبلیغ
حج و غیر ذلک مستقل است و اگر کے
بگویند اہلت بلکہ ہرگز معنی ذبحت بلکہ
ختمیہ نخواہد شد نیز اگر اہل رابِعٍ حَمَلِ

اہل کو ذبح کے معنی میں بنا لعنت اور لعنت کے خلاف
ہے اہلال کا معنی لعنت عرب میں اور اس وقت
کے عرف اور اس وقت کے مجاہدہ میں ذبح کے
نہیں آیا اور نہ کسی شعر اور کسی عبارت سے یہ ثابت
ہے بلکہ اہلال کے معنی لعنت عرب میں آواز بلند
کرنے اور شہرت دینے کے ہیں چنانچہ اہلال
ہلال اور استلال نو تولد و اہلال بمعنی تبلیغ
حج و غیر وہیں مستقل ہے اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ
أَهْلَتُ بِلَدِّ لَوَّاسِ سے ہرگز ذبحت اللہ
کے معنی نہیں سمجھے جائیں گے اور نیز اگر اہل کو

کر وہ شود پس ذبح غیر اللہ مراد خواہ شد
ذبح باہم غیر اللہ از کجا نفیہ شود آمد طے
ایں مردم حاصل شود پس دریں عبادت
اہلال را معنی ذبح گرفتن باز غیر اللہ بجانے
باہم غیر اللہ ساختن قریب بحرفیت کلام الہی
میرسد او (فتاویٰ عزیزی ص ۵۶ و تفسیر عزیزی ص ۵۶)
سورہ بقرہ (

اس عبارت میں تصریح موجود ہے کہ اُھل کے معنی ہی نامزد کرنے اور شہرت دینے کے ہیں ذبح کرنے کے اور حضرت شاہ صاحب ہی تحریر فرماتے ہیں کہ

قولہ تعالیٰ وما اھل بید لغیر اللہ
یعنی دیگر آن جانور کہ آواز بر آوردہ شد و
شہرت دادہ شد در حق آن جانور کہ غیر اللہ
یعنی برائے غیر خداست خواہ آن غیر نبوت
باشد یا در حق حیث کہ بطریق بھوک بنام
او بہند خواہ بیٹے مسلط بر خانہ یا سراقہ
بدون دادن جانور از ایندائے سکتہ آسجنا
دست بردار نشود یا توپ دارواز کردن
نذہ خواہ پیرے یا پیرے را بایں وضع
جانورے نذہ مقرر کردہ دہنہاں ہمہ حرام
است و در حدیث صحیح وارد شدہ کہ ملعون
من ذبح غیر اللہ یعنی ہر کہ بذبح جانور تقرب
غیر خدا نماید ملعون است خواہ وقت ذبح

نام خدا بگیرد یا نہ زیرا کہ چون شہرت داد کہ
ایں جانور برائے فلان است ذکر نام خدا
وقت ذبح فائدہ بخود چہ آن جانور منسوب
بان غیر گشت و بخشے و در پیداشد کہ زیادہ
از خبث مراد است زیرا کہ مراد بے ذکر
نام خدا جان دادہ است و جان ایں جانور
را از ان غیر خدا قرار دادہ کشتہ اند و آن عین
شکر است و ہر گاہ ایں خبث درو سے
شہرت کرد بذر کہ نام خدا حلال نمی شود مانند
سگ و خوک کہ اگر بنام خدا نذہ بروج شود حلال
نمی گردند و کنہ ایں مسند است کہ جان را برائے
غیر جان آفرین نثار کردن درست نیست
و ماکولات و مشروبات و دیگر اموال را نیز اگر چہ
از راہ تقرب غیر اللہ دادن حرام و شرک
است (فتاویٰ عزیزی ص ۵۶ و تفسیر عزیزی ص ۵۶)

کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام سے یا نہ سے کیونکہ
جب یہ شہرت دی گئی کہ یہ جانور فلان کے
یہ ہے تو ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام
لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ وہ جانور غیر کی
طرف منسوب ہو گیا اور میں ایسی خباثت پیدا ہو گئی
جو مرد کی خباثت سے زیادہ ہے کیونکہ مرد نے
تو اللہ تعالیٰ کے نام کے بغیر جان مے دی۔ اور
اس جانور کو غیر خدا کے نام پر نامزد کر کے ذبح کیا
ہے جو عین شرک ہے اور جب تک کہ اس خباثت نے ہمیں
میں سرایت کی تو اللہ تعالیٰ کے نام سے وہ حلال
نہ ہوگا جس طرح کت اور نثریر کہ اگر ان کو بسم اللہ
پڑھ کر ذبح کریں تو حلال نہیں ہوتے اور حقیقت
اس مسند کی یہ ہے کہ جان کو جان آفرین کے سوا
کسی اور کے لیے قربان کرنا درست نہیں ہے۔ اور
ماکولات و مشروبات اور دیگر اموال کو بھی اگر چہ
غیر اللہ کے تقرب کے لیے دنیا حرام اور شرک ہے الخ

اس مفصل عبادت میں بھی حضرت شاہ صاحب نے جانور کے حرام ہونے کی علت غیر اللہ کے
نام پر جانور کو شہرت دینا اور نامزد کرنا قرار دیا ہے جس میں مطلقاً غیر اللہ کے تقرب کو ملحوظ رکھا ہے
نہ کہ علی وجہ العبادت کو اور فرماتے ہیں کہ بغیر اللہ کے نام پر نامزد کرنے اور شہرت دینے کے بعد
ذبح کے وقت وہ جانور اللہ کا نام لینے سے بھی حلال نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ۔

پس ذبح کردن بنام خدا ہمراہ شہرت دادن
با آواز بلند کردن یا بخر فلانے گا و برائے فلانے فلانے بزرگ

مَنْعَةُ فَلَانِ يَكْنَى بِسَجِّ فَائِدَةٌ نَمِي كَنْدُ وَكَوْشْتِ
اور نامزد ہے ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ
آن جانور حلال نمی گردد۔ الا
دقادی عزیز بی بی ۱۱۵ و تعمیر عزیز بی بی ۱۱۶
اُس جانور کا حلال نہ ہوگا۔

مؤلفت مذکور حضرت شاہ صاحب کی ان مفصل عبارات کو بخیر سے بار بار پڑھیں یا کسی قابل
استاد سے سمجھنے کی سعی کریں کہ حضرت شاہ صاحب نے جانور کی حرمت کی علت کس چیز کو قرار دیا
ہے؟ مطلق تقرب و تعظیم غیر اللہ کو یا تقرب علی وجہ العبادۃ کو؟ اور حضرت شاہ صاحب کی عبادت
میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ موزی جنات سے جان بچھڑانے کے لیے جانور ذبح کرنا بھی وہا
اھلک کی تفسیر میں شامل ہے حالانکہ موزی جنات کی عبادت کو فی بھی نہیں کرنا مقصد تو صرف
ان کی شر سے بچنا ہے کما لا یخفی اور نیز حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

ذبح کردن جانور بنام غیر خدا و خواہ غیر باشد
خواہ ولی خواہ شہید خواہ غیر ان حرام
است و اگر بر قصد تقرب بنام اینها
ذبح کرده باشد ذبح آن جانور هم حرام و مردار
میشود و ذبح کنندہ مرتد میشود تو بہ ازیں
فعل منع لازم است اھ (فقادی عزیز بی بی ۱۱۶)
غیر خدا کے نام پر جانور ذبح کرنا خواہ وہ غیر مومن
ہو یا ولی یا شہید یا خواہ غیر انسان ہی ہو حرام ہے
اور اگر ان کے ناموں کے تقرب کے قصد سے
جانور ذبح کیا گیا ہو تو وہ مردار جانور حرام اور مردار
ہوگا اور ذبح کرنے والا مرتد ہو جائے گا اور اس
منوع فعل سے اس کو توبہ کرنی لازم ہے۔

اس سے ثابت اور معلوم ہوا کہ جانور کی حرمت کی علت تو تقرب غیر اللہ ہے کائنات
من کا ان اور مرتد ہونا اس کا نتیجہ اور حکم ہے جیسا کہ خط کشیدہ الفاظ سے بالکل عیاں ہے۔ حضرت
شاہ صاحب خود تصریح فرماتے ہیں کہ جب تک وہ شخص اپنی اس بڑی نیت سے توبہ نہ کرے
وہ جانور حلال نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ان کا ارشاد یہ ہے۔

آر سے ذکر نام خدا براں جانور وقتے فائدہ
میدہ کہ قصد تقرب غیر خدا را از اول دور کردہ
و خلاف آن شرت و آواز دیگر دہر کہ مایزیں
اُن اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر اُس وقت فائدہ
دیتا ہے کہ غیر خدا کے تقرب کے قصد اور ارادہ کو
دل سے نکالنے اور اس کے خلاف شرت

کار برگشتیم۔
دقادی عزیز بی بی ۱۱۵ و تعمیر عزیز بی بی ۱۱۶
اور آواز اس کی بلکہ جسے کہ میں اس درمنوع کا ذائقہ
سے باز آ گیا ہوں۔

حضرت شاہ صاحب کی ایسی صاف اور واضح عبارات کی موجودگی میں انکی سابق سجاوٹوں کو منکر
طرح پہننے ذہن کے اختراعی معانی پر محمول کرنا کسی دیانت دار اور خدا خوف عالم کا کام نہیں ہے۔
الغرض حضرت شاہ صاحب مطلقاً غیر اللہ کے تقرب کو حرمت کی وجہ قرار دیتے ہیں اور اسی کو
عین شر کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرنے سے بھی وہ اس جانور کی حلت کے قائل
نہیں ہاں کھلے بندوں توبہ کرے تو جہا بات ہے۔

ایساں تک بحث اس بات پر بسنی تھی کہ حضرت شاہ صاحب مطلقاً تقرب کو
حرمت کی علت قرار دیتے ہیں اس کی دو قسمیں نہیں کرتے جیسا کہ مؤلف مذکور
نے دو قسم بنا کر پہنے اور اپنی جماعت کے پیٹ کے لیے گوشت خوردی کا سچا دروازہ ڈا رکھا ہے
ناکہ داشتہ آید بکار۔ اب ہم یہ بات عرض کرتے ہیں کہ چلیے ہم کیلیم کر لیتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب
جانور کی حرمت کی علت تقرب علی وجہ العبادۃ قرار دیتے ہیں تو پھر بھی انشاء اللہ العزیز شرح ہماری ہی
ہوگی نہ کہ مؤلف مذکور کی ہم خود حضرت شاہ صاحب سے عبادت کا معنی اور جس مقصد کے لیے عبادت
کی جاتی ہے عرض کرتے ہیں۔

عبادت کے اللہ تعالیٰ کی ذات سے منحصر ہونے
کی وجہ اختصا ص عبادت با آن ذات پاک
آنت کہ حقیقت عبادت نہایت تذل
است برائے نہایت تعظیم غیر خود چون بختیار
صا در شود پس تذل تجزی و تمخر و تعظیم
کم تر از نہایت آن عبادت نمی شود و چینیں
چوں تذل با قظرار باشد نیز در عبادت
محبوب نیست و حقیقت عبادت بالبرہتہ
یاقت آن نذر دکر برائے کے کردہ مشور
عبادت کے اللہ تعالیٰ کی ذات سے منحصر ہونے
کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ
پہنے اختیار سے اپنا انتہائی تذل اور غیر کی انتہائی
تعظیم کی جائے پس غیر اختیاری تذل اور تمسخر کا
تذل اور کم تعظیم والا تذل اس عبادت کی حد
میں شامل نہیں ہے اور اسی طرح مجبوراً تذل بھی
عبادت میں شمار نہیں ہے اور براہتہ عبادت
کی حقیقت اس کی یاقت نہیں رکھتی کہ کسی

بالا برائے کے کہ اذوائے نہایت انعام ہوں
 کس رسیدہ باشد و آن ذات نیت منکر
 ذات اولیٰ و تعالیٰ در تفسیر عزیزی سورہ بقرہ منقول
 اس عبارت میں حضرت شاہ صاحب نے عبادت کا معنی بیان کیا ہے کہ اپنے اختیار کے
 ساتھ کسی چیز کی انتہائی تعظیم کرنا اور اپنے آپ کو اس کے مقابلہ میں انتہائی کمزور سمجھنا۔ اور جس مقصد
 کے لیے عبادت کی جاتی ہے اس کا ذکر حضرت شاہ صاحب یوں کرتے ہیں کہ۔
 و نیز آنچه ماسوائی اولیٰ است مکین و فقیر
 یعنی محتاج بجناب اوست و ہر محتاج بعبادت
 نفس خود گرفتار است پس اور فائدہ بغیر
 رسانیدن بے امدد غنی مطلق نمی تواند شد و غنی
 مطلق که رافع عبادت ہر مخلوق است ہماں
 ذات مقدس است پس استحقاق عبادت
 منحصر در ذات اوست و لہذا فرمودہ اند و
 قضیٰ ربک ان لا تقبذوا الٰہا رایتا
 (تفسیر عزیزی سورہ بقرہ ص ۱۰)

اور نیز اللہ تعالیٰ کے سوا سب مکین اور فقیر ہیں جو
 اللہ تعالیٰ ہی کے محتاج ہیں اور ہر محتاج اپنے نفس
 کی حاجت میں گرفتار ہے پس اس کو جو مخلوق
 کی امداد پہنچائے بغیر کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا اور
 غنی مطلق جو تمام مخلوق کی حاجت کو پورا کرتا ہے
 صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے پس استحقاق
 عبادت اسی ہی کی ذات میں منحصر ہے اور اسی لیے
 اس نے فرمایا ہے کہ اور تمہارے رب نے حکم دیا ہے
 کہ تم اس کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو۔

اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ ساری مخلوق کا مشکل کٹا اور فریاد رس چھوڑنے صرف اللہ
 تعلق ہی ہے اور سب کائنات کا حاجت روا صرف وہی ہے اس لیے اس کے بغیر کوئی اور
 عبادت کا مستحق ہی نہیں ہے۔ اب سمجھئے کہ جو شخص غیر اللہ کا تقرب علی وجہ العبادت حاصل کرتا ہے
 تو گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو انتہائی تعظیم والا سمجھ کر اور اس کے مقابلہ میں اپنے آپ کو
 بے حد کمزور قرار دیکر اس سے حاجت طلب کرتا ہے اور یہی بات روح شریعت کے لفظ
 سے عین شرک اور خالص شرک ہے اور جب بھی کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر جانور وغیرہ کو نامرز
 کر کے اس کا تقرب علی وجہ العبادت چاہے گا تو گویا اس سے جلتی منفعت اور دفع مضرت کی

امید و بستر کی اور جانور کو اس طریقہ سے اور اس طور سے اس کی طرف منسوب کرنے ہی سے اس
 میں خجرت آگئی اور جب تک وہ اس بدارادہ سے باز نہیں آئے گا تو اس جانور کا جنت موزنیں
 ہوگا بسم اللہ کہ ذکر کرنے سے بھی وہ ملامت نہیں ہوگا جیسا کہ کتا اور خنزیر حلال نہیں ہوتا اس
 لحاظ سے بھی بالمال تقرب علی وجہ العبادت ایک ہی قسم اور فرود میں منحصر رہیگا یہ نہیں کہ اس کی دوستیں
 ہو جائیں ایک علی الوجہ عبادت ہو کہ حرام اور کفر ہو جائے اور دوسری قسم جائز ہے جیسا کہ مولف
 مذکور کا باطل دعویٰ ہے۔ باقی رہا ایصال ثواب اور کرام ضیعت وغیرہ کی صورتیں تو وہ تقرب
 کی مد میں ہرگز داخل نہیں ہیں وہ بالکل الگ ہیں تقرب غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا ہے
 چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ
 اَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا
 لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰی
 (پ ۲۲۔ الزمر۔ مکر ۱۱)

اور وہ لوگ جنہوں نے پھر لکھے ہیں اس کے لئے
 حمایتی (کرتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت اور پر جا
 نہیں کرتے مگر صرف اس لیے کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ
 کے قریب پہنچادیں درجہ میں

اور من دونہ میں صرف بت ہی شامل نہیں جیسا بعض اہل بدعت نے یہ سمجھ رکھا
 ہے اس میں پیر وغیرہ اور جنات بھی داخل ہیں جیسا کہ حضرت شاہ صاحب کی عبادت میں گزرتا
 ہے کہ غیر اللہ میں بت۔ جن۔ پیر۔ اور غیر وغیرہ بھی شامل ہیں غرضیکہ تقرب غیر اللہ سے مراد ایلی
 تقرب ہے جس سے مافوق الاسباب طریقہ پر امید و بیم والبت ہونہ کہ لغوی تقرب جیسا کہ مولف
 مذکور نے ص ۲۱ میں ذوی القربنی اور اِلَّا الصودۃ فی التشریح نقل کر کے رشتہ داروں کی قرابت
 کو مدنی لاکر مبالغہ کیا اور عوام اناس کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ موقد کبھی بھی غیر اللہ
 کے سامنے نہیں جھکتے اور نہ ان سے مافوق الاسباب طریقہ سے استعانت چاہتے ہیں۔
 موقد وہ جو غیر اللہ کے آگے نہیں جھکتے وہ پیشانی پر دارغ شرک لگوا یا نہیں کرتے
 یہ بخوان قائم کر کے مولف مذکور نے جو کچھ کہا
 شاہ عبد العزیز صاحب اور نیا شہ کے جانور

غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے ان کے خود منہ مسک کی تائید میں وافر مواد جمع کر دیا ہے چنانچہ اولیاء اللہ کو قراب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد کیے جلتے ہیں۔ ان کی حرمت یہ بے لوگ ہمیشہ شاہ صاحب کی عباراتوں سے استنباط کرتے ہیں علماء اہل سنت ان کی غلط فہمی کو بار بار رفع کر چکے ہیں لیکن یہ ضدی طائفہ ہمیشہ ان عباراتوں کو لے کر سامنے آجاتا ہے جیسے یہ عباراتیں لا جواب رہی ہوں انصاف و دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ سرفراز صاحب ان پٹے ہوئے مردوں کو آگے بڑھانے سے پہلے کچھلا حساب جیاتی کر جیتے اور اہل سنت کے علماء نے ان عبارات کے جوابات دیے ہیں ان کو پیش کر کے ان پر تبصرہ کرتے بہر حال اب چونکہ انہوں نے یہ مسلک چھپڑ ہی دیا ہے اس لیے اب ہم بھی ذرا اس پر کھل کر گفتگو کریں گے۔

(مخلصہ سیر ۲۰)

الجواب: علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے جو مسک اختیار کیا ہے وہ قرآن کریم صحیح لکھتے حضرات فقہاء کرام اور مفسرین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کا بیان کر رہے اور صحیح اسلامی مسک ہے اس کو اختراعی قرار دینا صرف اور صرف اہل بدعت ہی کا کام ہے اور انشاء اللہ العزیز یوم تسود وجوہ کے موقع پر اس کی حقیقت بالکل آشکارا ہو جائے گی اور سمجھ اللہ تعالیٰ دیر علماء حق کی طسرج حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی اس حق مسک کی تائید میں ایک خاص اور نوکھے طریقے سے تفسیر عزیزی اور فتاویٰ عزیزی وغیرہ میں کافی اور قاطعی مواد جمع کیا ہے جو بحکمہ اللہ تعالیٰ تازہ نوز لا جواب ہے بزعم خود اہل بدعت نے ان عبارات کے جو جوابات دیے ہیں وہ سورج کے سامنے وقت دوپہر ٹٹا پیرا رخ جلانے کے مترادف ہے اور کوئی عقلمند ان لایعنی اور بیہودہ جوابات سے ہرگز ہرگز مطمئن نہیں ہو سکتا خود مولف مذکور نے جو بزعم خویش اور بدعتیں غیر اس وقت اہل بدعت کے طائفہ کے وکیل اعظم بنے ہوئے ہیں یقیناً اس تصنیف کے وقت اپنے اکابر کے وہ ہوائی اور لایعنی جوابات ضرور دیکھے ہوں گے جن کا بکا وہ حوالہ دے رہے ہیں مگر انہوں نے بھی اپنی علمی پٹاری سے وہ نہیں نکالے تاکہ ان کا تانا بانا نظر آجائے اور ان جوابات کی روشنی میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس کا ستر بھی قارئین کرام سے مخفی نہیں ہے کہ کیا ہوا ہے

اعراض ہمارے ذمہ قطعاً کسی کا قرض نہیں ہے لہذا سابق حساب و سابق کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہیں کیا صحبت پڑی ہے کہ ہم ان کے بالکل بے وقت اور بے وزن اور بے جان ذرا نکل کو نقل کرتے اور پھر ان میں جان ڈالتے اور پھر ان کے رد کرنے پر قیمتی وقت صرف کرتے اور محنت میں ان پر تبصرہ کرتے کیونکہ ان کی کوئی بھی بے جان دلیل ان کے بے بنیاد و دعویٰ کو ثابت نہیں کرتی۔

نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغیاں اپنا بنایا آہ کس گش میں ہم نے آشیاں اپنا مولف مذکور لکھتے ہیں کہ سرفراز صاحب نے تفسیر عزیزی سے جو عبارات پیش کی ہیں ان کا کچھ حصہ تو اہل کے معنی سے متعلق ہے کہ اس کا معنی ذبح نہیں

بلکہ آواز دینا اور شہرت دینا ہے اور یہ کلام خارج از بحث ہے کیونکہ صدر الافاضل نے اہل کاعنی ذبح نہیں کیا۔ ہم ان کی نقل کر رہے عبارت کا وہ حصہ پیش کرتے ہیں جو موضوع سے متعلق ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ خواہ پیر محمد بنیر کے نام زندہ جانور مقرر کر دیں کہ یہ سب حرام ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو واسطے تقرب غیر اللہ کے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے (تفسیر عزیزی اردو ج ۲۸)

اور شاہ صاحب ہی تحریر فرماتے ہیں کہ اس واسطے جب شہرت کر دی کہ جانور فظاں کے واسطے ہے تو وقت ذبح کے خدا کا نام عقیدہ ہو گا الی قولہ حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جان واسطے غیر جان پیدا کرنے والوں کے نام نیا کرنا درست نہیں ہے اور کھانے پینے کی اور چیزیں اور مال بھی تقرب لغیر اللہ کے واسطے دینا حرام اور شرک ہے۔

(تفسیر عزیزی ج ۲۸)

شاہ صاحب نے اس ذبیحہ کے حرام ہونے کی دو مستقل وجہیں بیان کی ہیں۔ (۱) تقرب غیر خدا (۲) جان کو جان پیدا کرنے والے کے غیر کی طرف منسوب کرنا۔ پہلے ہم تقرب پر گفتگو کرتے ہیں۔ گزارش ہے کہ شاہ صاحب نے ذبیحہ کے حرمت کی علت اس تقرب کو قرار دیا ہے جو تقرب شرک ہو۔ چنانچہ فرمایا اور یہ عین شرک ہے اور

مطلقاً تقرب الی غیر شرک نہیں ورنہ ذوی القرنی جن سے قرابت کا تعلق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے شریک قرار پائیں اور یہ باہتہ باطل ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ذوی القرنی اور الاموۃ فی القرنی میں اللہ تعالیٰ کے شکر کا سے احسان اور موت کی تعلیم دی گئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مطلقاً تقرب الی غیر شرک نہیں بلکہ تقرب من حیث العبادۃ اشکر ہے۔

اس کے بعد مؤلف مذکور نے علامہ شامی کی عبارت ذکر کی ہے جس کا تذکرہ ہو چکا ہے پھر فتاویٰ عزیزی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہم شاہ صاحب کی عبارت سے ثابت کیے شیتے ہیں کہ کفر کا مدعا عبادت کے اعتقاد پر ہے پھر ماہ الذبیح لغیر اللہ سے لے کر فان قصد مع ذلك تعظیم المذبح لغیر اللہ والعبادۃ لہ كان ذلك كفراً فان كان الساجد مسلماً قبل ذلك صار بالذبح مسلماً (فتاویٰ عزیزی ص ۲۲) ہم عبارت نقل کر کے لکھا ہے۔ دیکھئے اس عبارت میں شاہ صاحب نے نص صریح کر دی کہ اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کے نام سے ذبح کرے تو شرک نہیں شرک تب ہو گا جب تعظیم کے ساتھ عبادت غیر اللہ کا قصد بھی کرے پس ثابت ہو گیا کہ کفر و شرک کا مدار قصد عبادت غیر اللہ ہے کیونکہ اس قصد سے وہ مرتد ہو گیا اور مرتد وقت ذبح خدا کا نام لے یا نہ لے وہ کفر اور فتنہ کی طرح حرام ہے مگر خوب یاد رکھیے کہ ذبیحہ کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مرتد کا ذبیحہ ہے چنانچہ اسی جائزہ کو کوئی مسلمان شرائط کے ساتھ ذبح کرے تو یہ خالص حلال و طیب ہے اور اس میں دتی برابر شک نہیں ہے۔ (محلہ ص ۲۱ تا ۲۱۴)

الجواب مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ بھی لکھا ہے ان کو مفید نہیں اس لیے کہ (۱) اہل کامعنی خود ان کے صدر الافاضل نے ذبح کے لیے ہیں جیسا کہ پہلے ہوا لکھ چکا ہے لہذا اس کو خدا جن روز بخت قرار دے کر جان چھڑانا اپنی جمالت کا اظہار ہے (۲) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے نزدیک غیر اللہ کے نام پر تقرب کے طور پر جانور کو نامزد کرنا ہی اس کی حرمت کی اصل وجہ ہے کما تر (۳) کیونکہ جان واسطے غیر جان پیدا کرنے والے کے دینا جائز نہیں ہے اور یہی تقرب لغیر اللہ ان کے نزدیک حرام اور شرک ہے (۴) حضرت شاہ صاحب نے حرام

ہونے کی جو دو وجہیں بیان کی ہیں یعنی تقرب غیر خدا اور جان پیدا کرنے والے کے غیر طرف منسوب کرنا اس پر بقدر ضرورت ہوا لہذا بحث پہلے عرض کی جا چکی ہے اعادہ کی حاجت نہیں۔ (۵) مؤلف مذکور نے تقرب کی جو دو قسمیں بنا کر ایک کو شرک اور دوسری کو جائز قرار دیا ہے یہ ان کی زنی جمالت ہے کیونکہ یہاں لغوی اور عرفی تقرب کی بات نہیں ہو رہی جس کے لیے انہوں نے خواہ مخواہ ذوی القرنی اور الاموۃ فی القرنی کا حوالہ دیا ہے یہاں فقہی طور پر تقرب علیٰ درجہ التعظیم اور علیٰ درجہ العبادۃ کا ذکر ہو رہا ہے خلط و سبب اہل علم کی شان کے خلاف ہے مگر جس کو صرف دجل و تبیس سے اپنی گاڑی چلانا مقصود ہو تو اس کا معاملہ ہی الگ ہے۔ مؤلف مذکور کی قارئین کرام پر یہ بڑی مہربانی اور احسان ہے کہ انہوں نے قرب کے مادہ سے قارب (چھوٹی کشتی) قربان (جماع) اور قارب (توار کا نیام) اور قارب (مشک) وغیرہ ذکر نہیں کر دیے ورنہ معاملہ طول پھیل جاتا، کیونکہ قرب کے مادہ سے یہ الفاظ بھی تو مشتق ہیں۔

(ملاحظہ ہو صراح مشک وغیرہ)

قارئین کرام نے بخوبی اندازہ لگایا ہو گا کہ مؤلف مذکور جب گوہر مرزوی بات کے جواب دینے سے لاجواب ہو جاتے ہیں اور چپ رہنا بھی گوارا نہیں کرتے کیونکہ ملال ان ہمت کہ چپ نہ مشورہ تو بالکل غیر متعلق باتیں درمیان میں لاکر ان کی اوٹ میں پناہ لیتے ہیں مگر بفضلہ تعالیٰ ملتی پھر بھی نہیں ہے۔ اور علمی تعلق اس پر سزا دہے جسکی حقیقت سب سے زیادہ نہیں ہے خودی کو ترک کر بندہ خودی بزرگ کو ہے خودی ایسے نے کی تھی بنا اسکو ملا کیا ہے؟ (۶) علامہ شامی کی مفصل عبارت اور اس کا مطلب پہلے عرض کیا جا چکا ہے (۷) فتاویٰ عزیزی کے حوالے سے نقل کردہ عبارت واصل الذبیح کا جواب اور تشریح بھی پہلے گذر چکی ہے اور اس عبارت میں تعظیم المذبح لغیر اللہ کا ذکر جدا ہے اور اول و عطف کے ساتھ جو عبارت کے لیے ہے والعبادۃ لہ لاکر جدا ہے اور حضرت شاہ صاحب دونوں صورتوں کو کفر قرار دیتے۔ تقرب کے طور پر تعظیم لغیر اللہ کو بھی اور عبارت کو بھی۔ مگر حیرت ہے کہ مؤلف مذکور نے اور عبادت کا بھی قصد کیا پر تو خط کشید کر کے قارئین کرام کے لیے اسے اُجاگر کیا ہے۔ مگر

تعلیم غیر اللہ کو بالکل پی گئے ہیں حالانکہ حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں دونوں کا صریح ذکر ہے نہ معلوم یہ کون سی دیانت ہے؟ ان کے لیے مناسب ہے کہ واؤ عطف کا مطلب بھی کسی فنی استاد سے سمجھ لیں تاکہ غمگین نہ دکھایا کریں اور علمی میدان میں رسوائی نہ ہو۔

گورہ کو قریہ بہ قریہ داغ رسوائی بلا راہ میں جو بھی بلا تیرا شا کی ہی بلا۔

(۷) ان لیا کہ حضرت شاہ صاحب تعلیم غیر اللہ اور عبادت غیر اللہ دونوں کے مرتکب کو کافر اور مشرک قرار دیتے ہیں اور اس کے ذبیحہ کو مرتد کا ذبیحہ قرار دیتے ہیں لیکن اس قصد کے بغیر محض غیر اللہ کے لیے نامزد کئے ہوئے جانور کو بھی تو حرام کہتے ہیں فکل هذا لحرام گردانج کافر نہ ہی گنہگار ہی ہی لیکن اس کا ذبیحہ بھی تو بہر کیف حرام ہے اور مؤلف مذکور نیز سے اس کو حلال و طیب قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں رتی بھر شک نہیں لاجعل ولا لاقوة الا باللہ (۸) حضرت شاہ صاحب توبہ فرماتے ہیں کہ جب ہم اپنی بد نیت سے وہ شخص توبہ نہ کرے وہ جانور حرام ہے جیسا کہ پہلے خود ان کے حوالے سے گذر چکا ہے مگر مؤلف مذکور کہتے ہیں کہ اسی جانور کو کوئی اور مسلمان شرائط کے ساتھ ذبح کرنے توبہ خالص حلال و طیب ہے الا

الغرض حضرت شاہ صاحب کا رخ کعبہ کی طرف ہے اور مؤلف مذکور کا یہاں سے مشرق کی طرف لیکن وہ پھر بھی اپنے آپ کو حضرت شاہ کا پیرو اور ان کو اپنا مصدق گردانتے ہیں ہم ان متعلق کو نہیں سمجھ سکتے یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ مؤلف مذکور نے اپنی مطلب لاری کے لیے فان قصد مع ذلک تعظیم المذبح لہ والعبادة لہ اکان ذلک کھنڈ کا معنی بھی غلط کیا ہے وہ اس کا معنی لیں کرتے ہیں۔ پس اگر ذابح نے باوجود غیر اللہ کے نام لینے کے اس کی تعلیم کی اور عبادت کا بھی قصد کیا توبہ کفر ہے انہی لفظ انہوں نے قصد کو صرف عبادت کے ساتھ مختص کر دیا ہے حالانکہ تعلیم غیر اللہ بھی قصد کے نیچے داخل صحیح معنی یہ ہے سو اگر اس نے قصد کیا اس کے ساتھ مذبح غیر اللہ کی تعلیم اور اس کی عبادت کا توبہ کفر ہوگا چونکہ مؤلف مذکور غلطی سے صرف عبادت غیر اللہ کو کفر قرار دیتے ہیں اس لیے لفظ قصد اسی کے ساتھ جوڑتے ہیں اور پھر آگے لکھتے ہیں پس ثابت ہو گیا کہ کفر و مشرک کا

مرد قصد عبادت غیر اللہ پر ہے (مفہم)

(۹) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تفسیر میں تقرب سے مراد مع قصد العبادۃ ہے الخ سوال یہ ہے کہ حرف واؤ میں اصل عطف ہے اور اس کو مع کے معنی میں لینے کی یہاں کون سی دلیل ہے؟ حضرت شاہ صاحب توفیق غیر اللہ کے لیے تقرب کے طور جانور کے نامزد کرنے کو بھی مشرک کہتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

چہ آن جانور منسوب بآن غیر گشت و جنبشہ کیونکہ وہ جانور اس غیر کی طرف منسوب ہو گیا ہے
 ودان پیدا گشت کہ زیادہ از جنبش مردار اور اس میں غیبت پیدا ہو گئی ہے جو مردار کی غیبت
 است زیادہ کہ مردار ہے ذکر نام خدا جان سے زیادہ ہے کیونکہ مردار نے تو اللہ تعالیٰ کے
 دادہ است و جان این جانور ازال غیبر نامہ کے بغیر جان دی ہے اور انہوں نے اس جانور
 قرار دادہ گشتہ اندوآن عین مشرک است اور بغیر خدا کے نام پر نامزد کرنے ذبح کیا ہے
 و تفسیر عزیزی ص ۱۱۱ سورہ بقرہ بقاوی عزیزی ص ۱۱۱ اور یہ عین مشرک ہے۔

اس عبارت میں تقرب کی نیت سے غیر اللہ کی طرف نسبت کو ہی عین مشرک قرار دیتے ہیں اور عبادت کی کوئی قید نہیں لگاتے اگر قصد عبادت کی قید مشرک کے فتویٰ کے لیے ضروری ہوتی تو یقیناً وہ اس کو کبھی نظر انداز نہ کرتے بلکہ یوں فرماتے وجان این جانور ازال غیر قرار دادہ گشتہ اند مع قصد العبادۃ اس سے ثابت ہوا کہ قصد العبادۃ اس کی قید نہیں ہے بلکہ حرف واؤ یہاں عطف کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ تقرب کے طور پر تعلیم غیر اللہ بھی کفر ہے اور غیر اللہ کی عبادت بھی کفر ہے حکم ایک ہے لیکن چیزیں دو ہیں جیسے جا زید و عمرو میں زید اور عمرو دو الگ الگ شخص ہیں لیکن آنے میں دونوں مشرک ہیں کیا ضرورت ہے اور اس کی کیا دلیل ہے کہ عمرو کو زید کا دم چھلہ بنا دیا جائے سو یہاں بھی ایسا ہی سمجھئے کہ چیزیں دو ہیں ایک تعلیم غیر اللہ جو تقرب کے طور پر ہو اور دوسری عبادت غیر اللہ اور حکم دونوں کا ایک ہے جو کفر ہے الغرض حضرت شاہ صاحب کی عبارت بالکل واضح میں ان میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے ہاں ان سے برائے نام محبت کا دعویٰ کرتے ہوئے ان کی مزین عبارتوں ہی سے کوئی نظر پھیرے تو ہمارے پاس لکھا کلام ہے؟

پھیر لیتے ہیں نظر من سے مچھلا دیتے ہیں کیا یونہی لوگ محبت کا صلہ دیتے ہیں
 مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ۔ دیکھیے مشرکین کے سوائے وغیرہ جانوروں کو
 سوائے وغیرہ جانوروں کے لیے نامزد کرتے اور یہ نامزدگی مع قصد العبادت تھی لیکن
 اس کے باوجود جب مسلمانوں نے ان جانوروں کو ذبح کر دیا تو ان کا کھانا حلال و طیب ہو گیا اور
 کفار جو ان جانوروں کو کھانے سے گریز کرتے تھے ان کی مذمت پر قرآن نازل ہوا چنانچہ
 مَا لَكُمْ اَنْ لَا تَأْكُلُوْا مِمَّا ذَكَرَ اللهُ عَلَيْهِ كِتَابُ الْعِبَادَةِ مِنْكُمْ هُوَ الَّذِي تَقْرَأُونَ فِيهِ
 اس بات پر انکار فرمایا ہے کہ ان میں کوئی ایسی بات پائی جائے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ
 کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں مثلاً بھار و سائب وغیرہ کو رکھائیں نیز یا ایہا الذین
 آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ كَمَا تَحْتِ الْمَاجِدِ حَتَّى تَكْفَى هُوَ الَّذِي تَقْرَأُونَ فِيهِ
 نے کہا کہ طیبات سے مراد بیکرہ۔ سائب وغیرہ ہیں یعنی بیکرہ وغیرہ کھاد۔ ان عبارتوں سے معلوم
 ہوا کہ جن جانوروں کو کفار بتوں کا تقرب علی وجہ العبادت حاصل کرنے کے لیے نامزد اور
 ان کے نام پر مشہور کر دیا کرتے تھے وہ جانور بھی کتے اور خنزیر کی طرح حرام نہیں ہیں بلکہ شرائط
 ذبح کے ساتھ انہیں ذبح کر دیا جائے تو حلال ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حلال نہ سمجھنے
 پر کفار کی مذمت کی ہے پس لامحالہ تفسیر عزیز میں جس جانور کو کتے اور خنزیر سے تشبیہ دی گئی
 ہے یہ وہ جانور ہے جس کو مرتد نے ذبح کر دیا ہو اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر بطور تقرب
 مع قصد العبادت کے کسی شخص نے مشہور کر دیا اور اس کو کوئی اور شخص جو مسلمان ہو وہ شرائط ذبح
 کے ساتھ ذبح کرنے سے توبلا رہے یہ حلال و طیب ہے اور اس کو حرام سمجھنا بالکل ایسا ہی ہے
 جیسا کہ زماہر جاہلیت کے کفار سائب وغیرہ کو حرام سمجھتے تھے غیر اللہ کے نام پر مع قصد
 العبادت مشہور کرنا خبیث ہے اور یہ خبیث عقیدہ کا خبیث ہے پس جس شخص کا یہ عقیدہ ہوگا
 اس کے اعتقاد میں خبیث سرائیت کر گیا جانور میں اس خبیث کے سرائیت کرنے اور اس کے
 حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لیے ہمارے نزدیک شاہ صاحب کی عبارت کا صحیح
 محل یہی ہے کہ اس خبیث عقیدہ والے شخص نے جب اس جانور کو ذبح کیا خواہ اللہ کا نام

لے کر ہی ذبح کیا ہو تو یہ جانور کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہو گیا کیونکہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے۔

(اہمقی بلغظہ ص ۲۱۳ و ص ۲۱۴)

الجواب مؤلف مذکور نے بیکرہ اور سائب وغیرہ کی غیر متعلق بحث یہاں چھیڑ کر اس کی تفسیر
 اور تشریح میں غلطی کی جو ان کے بعض بڑوں نے کی ہے ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ چند
 باتیں عرض کرتے ہیں۔

(۱) مَا أَهْلَ بِلْ لَغَيْرِ اللَّهِ كَرَبِ تَعَالَى نَعْلَمُ قَرَارِ دِيَا هُوَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى
 وَأَصْحَابُكُمْ عَلَيْكُمْ آيَةَ مَخْلُوقٍ مِنْكُمْ مِنْكُمْ كَرَبِ تَعَالَى نَعْلَمُ قَرَارِ دِيَا كَرَبِ تَعَالَى
 مَلِكُ هُوَ جِسْمٌ كَرَبِ تَعَالَى نَعْلَمُ قَرَارِ دِيَا كَرَبِ تَعَالَى نَعْلَمُ قَرَارِ دِيَا كَرَبِ تَعَالَى
 نَعْلَمُ قَرَارِ دِيَا كَرَبِ تَعَالَى نَعْلَمُ قَرَارِ دِيَا كَرَبِ تَعَالَى نَعْلَمُ قَرَارِ دِيَا كَرَبِ تَعَالَى
 اللَّهُ مِنْ بَحْرِ عِزِّهِ آيَةَ لَمَّا جَسْمٌ كَرَبِ تَعَالَى نَعْلَمُ قَرَارِ دِيَا كَرَبِ تَعَالَى
 قَرَارِ دِيَا كَرَبِ تَعَالَى نَعْلَمُ قَرَارِ دِيَا كَرَبِ تَعَالَى نَعْلَمُ قَرَارِ دِيَا كَرَبِ تَعَالَى
 ہوا کہ حلال کرنا بھی رب تعالیٰ کا کام ہے اور حرام کرنا بھی صرف اسی کا کام ہے اس میں کسی
 دوسرے کا قطعاً کوئی دخل نہیں اور یہ دونوں مکے مخصوص ہیں ان میں سے کسی ایک کو دوسرے
 پر قیاس کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور وغیرہ نے کیا ہے سراسر مردود ہے اس لیے کہ مخصوص
 مسائل میں قیاس کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے پس ان میں تعمیل حکم اسی میں ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ
 نے حرام قرار دیا ہے حرام سمجھا جائے اور جس کو حلال قرار دیا اس کو حلال گردانا جائے نیز کہ
 ان میں قیاسی مشوشے چھوڑنے چاہئیں۔

(۲) حافظ ابن کثیرہ بھار اور سائب وغیرہ کی بحث کے آخر میں وَلَيْكِنَّ السَّيِّئِينَ
 كَفَرُوا وَيُفْسِدُونَ آيَةَ كِتَابِ تَعَالَى تَعَالَى تَعَالَى تَعَالَى تَعَالَى تَعَالَى تَعَالَى

ای ما شرع اللہ هذه الاشياء ولا هي عنده قربة ولكن
 یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو مشروع اور
 جائز قرار نہیں دیا اور نہ بیکرہ اور سائب وغیرہ بنانا
 اطس كونهن افتروا ذلك وجعلوه
 اس کے نزدیک تقرب اور عبادت ہے لیکن

شرعاً لهم وقد بة يتقربون مشرکوں نے اس کا انفرادی بنا ہوا اور اپنے لیے
یہا الیہ ولین ذلک بحاصل ان کو جائز اور عبادت بنا دیا جس کے ذریعہ وہ
لہم بیل ہو وبال علیہم اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہتے ہیں اور یہ ان کو
تفسیر ابن کثیر ۲۸۰ (مشتمل) حاصل نہیں ہو سکا بلکہ یہ ان کے لیے وبال (جان) کا

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ایثار کو حرام نہیں کیا بلکہ یہ مشرکوں کی تحریم
نمودار سنت کی اپنی کاروائی ہے بجائے اس کے کہ ہم اس سلسلے میں دیگر تفسیر سے چند حوالے
نقل کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور کھمد الافاضل کے حوالہ پر ہی اکتفا کریں۔
جن کی طرف سے وکالت کے لیے وہ وقف ہیں اور ان کی ہرج اور غلط بات کو تنگی کی طرح
سیدھی اور درست ثابت کرنے کے درپے ہیں اور ان کی کتاب ترمیح البیان کے
شرہ پائے بھی قارئین کے سامنے ہیں ہمیں مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں ہے۔ ان کے
صدر الافاضل بچہ اور سابقہ وغیرہ جانوروں کے بارے میں لکھتے ہیں ۲۴۸ کہ لفظ اللہ تعالیٰ
نے ان جانوروں کو حرام نہیں کیا اس کی طرف اس کی نسبت غلط ہے ۲۴۸ جو اپنے
سرداروں کے کہنے سے ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اتنا شعور نہیں سمجھتے کہ جو چیز اللہ
اس کے رسول نے حرام نہ کی اس کو کوئی حرام نہیں کر سکتا۔ (۱۸۱ و ۱۸۲) اس عبارت میں
ان کے صدر الافاضل نے تصریح کر دی ہے کہ ان جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حرام
نہیں کیا اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرام نہ کریں
اس کو کوئی حرام نہیں کر سکتا مؤلف مذکور کا منصوص احکام کے بارے میں قیاس واجباً و
سلسلہ باطل ہے اور ان کو سود مند نہیں اور اس کو کوئی بھی ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہے۔
کون بنتا ہے بے کس کا سہارا لے دست پیر سوکھے ہوئے پتوں کو گرا دیتا ہے
(۳) علامہ ابوالسعود اور حضرت ملا جیوں حنفیہ کی تفسیر اور حوالے ہماری آئندہ میں ہیں کہ جن
جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں قرار دیا وہ کسی غیر کے حرام کرنے سے ہرگز حرام نہیں
ہوتے ان کو کھانا۔ یہ حوالے ہم سے غلات نہیں مینا کہ مؤلف مذکور نے اپنی کو تاہ فہمی سے

یہ سمجھا ہے۔

(۴) مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ جن جانوروں کو کفار بتوں کا تقرب علی وجہ العبادۃ حاصل کرنے
کے لیے نامزد اور ان کے نام پر شہور کر دیا کرتے تھے وہ جانور بھی کھتے اور خنزیر کی طرح حرام
نہیں بلکہ شرط ذبح کے ساتھ انہیں ذبح کر دیا جائے تو حلال ہیں البتہ اس کے لیے سو دہنے
اس لیے کہ یہاں غیر اللہ کے نام پر تقرب اور تعظیم کے طور پر نامزد کیے ہوئے جانور کی حرمت
کھتے اور خنزیر کی حرمت کے ساتھ جو بٹنیہ دی ہے وہ صرف خباثت کی وجہ سے حرام ہونے
میں دی ہے کہ جیسے وہ حرام ہیں ایسا ہی یہ جانور بھی حرام ہے باقی یہ فرق اپنی جگہ پر قائم ہے
کہ کھتے اور خنزیر کی حرمت لغتاً ہے اور غیر اللہ کے نام پر تقرب اور تعظیم کے طور پر نامزد کئے
ہوئے جانور کی حرمت لغتاً ہے فی نفسہ وہ جانور شرعاً باطل حلال ہے حرمت اور تقرب
غیر اللہ کی وجہ سے آئی ہے جب بھی کوئی شخص تقرب اور تعظیم غیر اللہ کی نیت سے آئے
ہو جائے اور شرائط ذبح کے ساتھ (بیان شرائط ذبح میں سے ایک شرط تو یہ بھی ہے) ذبح
کرے تو جائز ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی یہ عبارت پہلے بھی نقل کی جا چکی ہے
دوبارہ یہاں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

اگر سے ذکر نام خدا برائ جانور وقتے اہل اللہ تعالیٰ کا نام لینا اس جانور پر اس وقت
فائدہ میدہ کہ تقرب بغیر خدا از دل دور مفید ہوگا جب وہ لوگ بغیر خدا کے تقرب کو دل
کردہ و خلاف آن شہرت و آواز شہرت سے دور کریں اور اس جانور پر پہلی شہرت اور
آواز دیکر دہند کہ ما ازین کار بر گشتیم الخ آواز کے غلات اس آواز کی شہرت دیں کہ ہم
(تفسیر عزیزی اللہ) اس سابق کا دعویٰ سے باز آئے۔

اگر ایسا نہ کریں تو تقرب اور تعظیم کے طور پر غیر اللہ کے لیے نامزد کیے ہوئے جانور
پہ ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنا یا نہ پڑھنا دونوں برابر ہیں کہ وہ جانور حرام ہی ہے حضرت
شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

یعنی ہر کہ بذبح جانور تقرب بغیر خدا نماید یعنی جو شخص غیر خدا کے تقرب کے لیے جانور ذبح کئے

معاون است خواہ در وقت ذبح نام خدا
بجای دانی زیرا کہ چون شہرت داد کہ این جانور
برائے فلانی است ذکر نام خدا وقت ذبح
فائدہ نہ کرد چه آن جانور منسوب بآن غیر
گشت و نجسے و دل پیدا گشت کہ زیادہ
از خشت مردار است زیرا کہ مردار بے ذکر
نام خدا جان وارد است و جان این جانور
را از ان غیر خدا قرار دادہ گشتہ اند و آن
عین مشرک است و ہر گاہ خشت دروے
سرسیت کرد و دیگر ذکر نام خدا حلال نمی
شود مانند سگ و خوک کہ اگر بنام خدا
ذبح شود حلال نمی گردند اھ
تفسیر عزیزی ص ۱۱۱، سورۃ بقرہ
و قادی عزیزی ص ۱۱۱

الغرض اگر غیر اللہ کے لیے بطور تقرب و تعظیم کے نامزد کیے ہوئے جانور کو کبیم
پڑھ کر بھی ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہی ہے گا جیسا کہ گنا اور خنزیر نام خدا لینے سے ہرگز
حلال نہیں ہوتے جب تک کہ غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم کے مشرکانہ نظریے اور اہانت
الفاظ میں رجوع اور توبہ نہ کرے ذبح علی وجہ العبادت اور تقرب کی مخلص بحث پہلے
عرض کی جا چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے غرضیکہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام
قرار دیا ہے، اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں ایسی
کاروائی کرنے والے کو ملعون قرار دیا تو اس کو حلال قرار دینے کا کارنامہ اہل مشرک اہل عبت
کا ہی شیوہ ہو سکتا ہے کوئی مسلمان اس کی ہرگز جرات نہیں کر سکتا بجز اور سابقہ وغیرہا

کو جب اللہ تعالیٰ نے حرام قرار نہیں دیا اور نہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی حرمت
بیان کی ہے تو ان پر مک اھل بیلہ لغیر اللہ کے قطعاً حرام کو قیاس کرنے کے مولف
مذکور کو کس نے حق دیا ہے؟ اور یہ حق ان کو کہاں سے حاصل ہو گیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی حرام
کردہ اور حلال کردہ دو چیزوں کا مطنوبہ تیار کریں اور حلال و حرام کی مطنوبہ بنائیں؟ قارئین کو ہم
بجز وہی سمجھ چکے ہوں گے کہ مولف نے ذکر کرتے غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کے طور پر نام ذکر جانور
کی حرمت کے لیے ایسی چوٹی کا جتنا زور صرف کیا ہے اور بجز اور سابقہ وغیرہا پر قیاس
کرنے کی جبری جرات کا مظاہرہ کیا ہے وہ سب باطل اور مردود ہے اور سراسر بے اثر
اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(۵) مولف نے ذکر کرنے جو یہ لکھا ہے کہ پس لامحالہ تفسیر عزیزی میں جس جانور کو کتے اور خنزیر
سے تشبیہ دی گئی ہے وہ وہ جانور ہے جس کو مرتد ذبح کرے (مخلص) نرمی مطلق تسلی ہے
اس لیے کہ شاہ عبدالعزیز نے خود تفسیر عزیزی میں (حوالہ ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے) غیر اللہ
کے لیے تقرب اور تعظیم کے طور پر نامزد کیے ہوئے جانور کی کتے اور خنزیر سے جو تشبیہ دی
ہے تو وجہ تشبیہ بھی خود انہوں نے بیان کر دی ہے کہ جانور کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنے
کی وجہ سے اس میں کتے اور خنزیر کی طرح خباث پیدا ہو گئی ہے اور عین مشرک ہے تو تشبیہ
کی وجہ خباث ہے اور حکم اس کا مشرک وارد ہا ہے ارتداد کو وجہ تشبیہ ہرگز نہیں بتایا وجہ
تشبیہ حرمت و خباث ہے ہاں ایسی کاروائی کرنے والے کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ پہلے موصد
تھا تو اب مشرک ہے اگر پہلے مسلمان تھا تو اب مرتد ہے خدا تعالیٰ کرے کہ مولف مذکور کو بات
سمجھا آجائے

لطیفہ : مولف نے ذکر کے بیان سے یہ لازم آتا ہے کہ اگر خاص اور مخلص مسلمان
کتے اور خنزیر کو بنام خدا ذبح کرے تو وہ حلال ہو جائیں گے کیونکہ ان کے نزدیک غیر اللہ
کے نام پر شہرت دیا گیا جانور مخلص اس لیے حرام ہے کہ ذابح مرتد ہے اور مرتد کا ذبیحہ حرام
ہے تو اس کا مطلق نتیجہ یہ نکالنے کا کہ کتے اور خنزیر کو اگر مرتد ذبح کرے تو حرام ہاں مخلص

مسلمان ذبح کرے تو حلال لاول دلاؤۃ اللہ باللہ۔ حضرت شاہ صاحب کی عبادت میں
تصریح موجود ہے کہ تقرب بغیر اللہ ہی سے جانور میں مُردار سے بڑھ کر گئے اور خنزیر کی
طرح نجس اور پلیدی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بوقت ذبح نام خدا لینے سے رفع نہیں ہوتی
(۶) تفسیر عزیزی اور فتاویٰ عزیزی وغیرہ میں جہاں حضرت شاہ صاحب کی اپنی عبادت
ہیں ان میں کسی میں مع العبادۃ کی قید موجود نہیں ہے ان کی اپنی واضح عبادت یہ ہے۔

وہ دار کل ذلک علی قصد اور حرام ہونے کا سبب بلا غیر اللہ کے لیے
التقرب الی غیر اللہ او تعین قصد تقرب پر ہے یا (شریعت کے) ذبح
الطریق المشہور فی الذبیح من کے مشور طریقے کو بدلنے پر ہے کہ تیز آگ
استعمال الآلة المحدثہ ونحو وغیرہ نہیں استعمال کیا گیا اور اس کے مانند
ذلک۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۳۳) اور وجہ

اور جہاں عبادت کا ذکر فرماتے ہیں تو وہ یہ ہے۔

وہکذا فی کتب الشافعیۃ کما اور اسی طرح کتب شوافع میں ہے جیسا کہ ہم ذریعہ
قال النووی فی شرح صحیح نے شرح مسلم میں فرمایا پھر آگے فرمایا اگر وہ
مسلم الی قولہ فان قصد اس کے ساتھ مذکور بغیر اللہ کی تعظیم اور اسکی
مع ذلک تعظیم المذبح عبادت کا قصد کرے تو یہ کفر ہوگا۔
لغیر اللہ والعبادۃ لہ کان
ذلک کھنڈ الا (فتاویٰ عزیزی ص ۳۳)

حضرات شوافع سے اس منقولہ عبادت میں بھی والعبادۃ لہ واذا خلف کے ساتھ
مذکور ہے والعبادۃ سابق کی قید نہیں جیسا کہ مؤلف نے غلط سمجھا ہے اور یہ کفر کی وجہ ہے
نہ کہ جانور کی حرمت کی وہ تو حضرت شاہ صاحب کی عبادت میں صرف تقرب بغیر اللہ
ہی ہے۔ صرف اپنی ہی فہم و سوچ پر نازل نہ ہوں دوسروں کے دلائل بھی ٹھنڈے دل
سے ملاحظہ کریں۔

کس سوچ میں ہیں آئینہ کو آپ دیکھو میری طرف بھی دیکھئے سرکار کسب ہوا
(۷) مؤلف نے ذکر کئے ہیں کہ اور اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں (دیکھو سابقہ وغیرہ) کو حلال نہ سمجھنے
پر کفار کی مذمت کی ہے یعنی بڑھ کر مؤلف نے ذکر کیا کہ کلام کے نام پر نامزد کیے ہوئے جانوروں کو
حلال نہ سمجھنے والے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور دیگر اہل حق بھی قابل مذمت ہیں کہ گوشت
کی اس گرانی کے زمانہ میں ان کی راہ دہرتے ہیں مگر اس نکتہ پر مؤلف نے ذکر کرنے قطعاً غور کیا کہ کفار
تو اس لیے قابل مذمت ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام قرار دے کر تجربات خورشید
کی وجہ سے قابل مذمت ہیں اور ما اھل لغیب اللہ میں تقرب بغیر اللہ کے لیے نامزد کیے
ہوئے جانور کو حرام سمجھنے والے اللہ تعالیٰ کے صریح اور محکم حکم کی تعمیل کرتے ہیں، اس لیے وہ سچ
اجرا اور قابل تعریف ہیں نہ کہ قابل مذمت جیسا کہ مؤلف نے اپنی نادانی سے یہ سمجھ رکھا ہے
کہ ایسے جانور کو حلال نہ سمجھنے والے قابل مذمت ہیں۔

ساز خاموش ہے فریاد سے محروم ہیں ہم نالہ آتا ہے اگر لب پر تو معذور ہیں ہم
یہ عنوان قائم کر کے مؤلف نے ذکر کئے ہیں۔ دوسری وجہ جو شاہ صاحب نے
دوسری وجہ بیان فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بغیر اللہ کے نام پر مشور کیا ہو وہ جانور
کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہو جاتا ہے جس کے ذبح کرنے سے مقصد بغیر اللہ کو گوشت پہنچانا
مقصود نہ ہو بلکہ بغیر اللہ کو جانور کی جان اور روح پیش کرنی ہو اور یہ عمل کفر جاہلیت کے مشابہ
ہے کیونکہ کفار بھی بطور عبادت، توں کو جانور کی روح بھینٹ چھڑھاتے ہیں پس یہ غسل
کفار کے تشبیہ کی وجہ سے جین کفر و شرک ہے سرفراز صاحب نے فتاویٰ عزیزی ص ۳۳
سے شاہ صاحب کی وہ عبادت نقل کر دی جس میں انہوں نے کہا ہے جو جانور بغیر اللہ کے
نام پر برائے تقرب مشور کر دیا جائے وہ حرام ہو جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی متصلاً انہوں
نے جو حرمت کی وجہ بیان کی اس کو دیوالی کی پوریاں سمجھ کر صاف انصاف کر گئے کیونکہ اس عبادت
کو بھی ذکر کرتے تو قصر دینہ زمین پر آگرتا اور اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ جانوروں کو حرام کہنے
کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ لیجئے اب ہم آپ کے سامنے شاہ صاحب کی وہ عبادت پیش

کرتے ہیں جو مقراض لکھڑ کی تدر ہو گئی۔ اور اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جان اور روح کو غیر اللہ کے حضور میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے کھلنے پینے کی چیزوں اور دوسرے اموال کو بھی اگر قربت بغیر اللہ (مع قصد العبادۃ) دنیا حرام اور شرک ہے لیکن ان چیزوں کے مینے کا ثواب غیر اللہ کو پہنچایا جا سکتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنا ثواب دوسرے کو ملے سکتا ہے اور جانور کی جان اور روح کا آدمی مالک نہیں ہوا حتیٰ کہ وہ جان کسی کو پیش کرے نیز مال مینے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس سے نفع حاصل کریں اور اموات جب مال سے نفع نہیں حاصل کر سکتے تو اس مال کا ثواب پہنچانے کا طریقہ شریعت نے مقرر کیا تاکہ وہ اس سے نفع حاصل کریں اور جانور کی جان اور روح مینے سے کسی کو جب زندگی میں بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو مرنے کے بعد اگر کسی کو جانور کی جان دی جائے تو اس سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؛ البتہ اموات کی طرف سے قربانی کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے لیکن اس کا مطلب یہی ہے کہ جان اور روح اللہ تعالیٰ کے لیے دی جائے اور اس عمل کا ثواب اموات کو ایصال کیا جائے نیز کہ جان اموات کے لیے پیش کی جائے (فتاویٰ عزیزی ص ۵۶) شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس طویل عبادت سے ظاہر ہو گیا کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد اور مشہور کیے جاتے ہیں وہ حلال اور طیب ہیں اور کتے اور خنزیر کی طرح وہ جانور حرام ہیں جن کی جان اور روح کو غیر اللہ کو پیش کی گئی ہو اور صاحب خبیثہ سے قطعاً خارج ہے لیکن سرفراز صاحب کی خیانت پر داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے مغالطہ آفرینی کرنے کے لیے حکی دادا کے کفن پر بھی قبضی چلا دی (مغلفظ ص ۲۱۶ تا ۲۱۷)

الجواب: حضرت شاہ صاحب نے حرمیت کی جو دوسری وجہ بیان فرمائی ہے۔ حلی الناس والعین اور ہم نے تنقید متین ص ۱۵۲ میں تفسیر عزیزی ص ۲۸ مترجم اردو کے حوالہ سے حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جان واسطے غیر جان پیدا کرنے والوں کے نام نیا کرنا درست نہیں ہے الخ باقاعدہ اس کا ذکر کیا ہے اگر تعصب کی وجہ سے مولا کے نام نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور ہمارا نقل کردہ یہ حوالہ انہیں نظر نہیں آتا تو اس میں ہلکا کی قصور ہے؟

نیز ہم نے تنقید متین ص ۱۵۱ میں صاف لکھا ہے کہ ایصال ثواب کا مسئلہ صحیح اور حق ہے اور اللہ میں لکھا ہے۔ الغرض ما اھلک لیسیر اللہ بد اور نذر الگ چیز ہے اور اس کا حکم جدا ہے اور ایصال ثواب ایک مستقل شے ہے اور اس کا حکم علیحدہ ہے ہمارا اس تصریح کے بعد غور فرمائیں کہ حضرت شاہ صاحب کی طویل عبارت سے ہم پر کیا زد پڑتی ہے؟ اور اس میں کون جملہ ہائے غلط ہے؛ مولا کے ذکر کی علمی بدانتی ملاحظہ ہو کہ جو عبارت اول سے آخر تک ہماری تائید میں ہے اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں سرفراز صاحب اس کو دیوالی کی پوریاں سمجھ کر صاف مہتمم کر گئے اور عبارت مقراض لکھڑ کی نذر ہو گئی۔ اور انہوں نے مغالطہ آفرینی کرنے کے لیے پینے حکی دادا کے کفن پر قبضی چلا دی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ مولا کے ذکر کا یہ علمی فریضہ تھا کہ ہماری کتاب میں ہمارے دعویٰ کو قفل کرتے اور پھر اس طویل عبارت سے بغیر اس بیچ کے وہ جملہ بتاتے جس سے ہمارے دعویٰ پر زد پڑتی لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے اور نہ کر سکتے ہیں صرف سو قیامت زبان بول کر زیر کرنے اور دل کی بھڑاس نکالنے اور پینے، غاندہ حواریوں سے داد تحین حاصل کرنے کے خاک میں مولا کے ذکر کرنے جو یہ کہا ہے کہ اس طویل عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد اور مشہور کیے جاتے ہیں وہ حلال اور طیب ہیں الخ یہ ان کا خالص دجل اور فریب ہے کیونکہ حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں ایصال ثواب کی مد میں جانور کو نامزد اور مشہور کرنے کا کوئی لفظ نہیں ہے حضرت شاہ صاحب کے الفاظ اس سلسلہ میں یہ ہیں کہ اما ثواب ان چیز ہا لکہ عاذ بہ و صندہ بہر حال ان چیزوں کا ثواب جو خود کرنے والے میثود ازاں غیر نامتین جائز است زہرا کہ کونتا ہے دمردوں کے لیے ایصال بھی جائز ہے انشان رامیرسد کہ ثواب عمل خود بغیر خشنہ پانچ رامیرسد کہ مال خود بغیر خود بہ ہا ہر غیر کو بخش دیں مگر ان کو حق حاصل ہے کہ اپنا مال کسی کو دیں

فتاویٰ عزیزی ص ۵۶ تفسیر عزیزی ص ۲۸ بقولہ

غرضیکہ ایصال ثواب کی مد میں نہ تو حضرت شاہ صاحب جانور کی تخصیص کرتے ہیں

اور نہ نذرانگی اور شہرت کا ذکر کرتے ہیں، بلکہ عمومی لفظ چیز صاف فرماتے ہیں اور نامزد کرنے اور شہرت
 لینے کی قید وہ **وَمَا أَهْلٌ بِهِ** میں لگاتے ہیں یعنی وہ مگر ان جانور کو آوازہ بر آوردہ شد
 و شہرت دارہ شد در حق آن جانور الا **تفسیر عزیزی ص ۱۱۱** و قاضی عزیزی ص ۱۱۱) جس کا مطلب
 ان کی عبادت کے پیش نظر یہ ہے کہ ایصالِ ثواب کی صورت اور سلسلہ سے الگ
 اور جدا ہے اور جس جانور کے بارے میں وہ نامزد کرنے اور شہرت لینے کی قید لگاتے ہیں وہ
 الگ ہے اس کو تو وہ تقرب بغیر اللہ کی مدین کتے اور خنزیر کی طرح حرام قرار دیتے ہیں۔
 لیکن مؤلف مذکور پہلے دہل کے وجہ سے ایصالِ ثواب اور غیر اللہ کے نام پر نامزد کردہ جانور
 کو گڈ ڈک کے حلال و طیب قرار دیتے ہیں اور اس کو حضرت شاہ صاحب کے ذمہ لگاتے ہیں
 جو بالکل باطل ہے۔

کچھ کو کیا دوسرے کے پیوں سے کیوں عبت روسیاہ ہوتا ہے

نذرانہ ایصالِ ثواب جدا ہے | مؤلف مذکور کہتے ہیں۔ مولوی سرفراز صاحب تہذیب
 ۱۶۹ پر لکھتے ہیں۔ الغرض **مَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ**
 بد اور نذر الگ چیز ہے اور اس کا حکم جدا ہے اور ایصالِ ثواب ایک مستقل شے ہے اور
 اس کا حکم علیحدہ ہے ان کو ایک کرنا اور ایک سمجھنا حکم علی اور کو تاہ فہمی کا بجز تناک مظاهرہ ہے۔
 اہل سنت یہ نہیں کہتے کہ نذر اور ایصالِ ثواب ایک چیز ہیں البتہ یہ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ
 کے لیے نذر ماننا ایصالِ ثواب کو مستلزم ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی بھی یہ تحقیق ہے
 کہ علم اور کو تاہ فہم تو وہ شخص ہے جس کو اتحاد اور استلزام کے فرق کی بھی تمیز نہیں ہے اور
 جو پہلے معنوی آباد کی تحقیقات پر بھی نظر نہیں رکھتا دیکھئے شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ اولیاء اللہ
 کی جو نذر عوم میں مشہور اور معمول ہے اکثر فقہاء اس کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکے اور انہوں نے
 کہا کہ اگر یہ نذر بالاستقلال اس ولی کے لیے ہو تو باطل ہے اور اگر نذر اللہ کے لیے ہو تو
 دل کا ذکر ہلے مصرف کے ہو تو جائز ہے لیکن اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ علم اور مال
 خرچ کرنے کے لیے ثواب کا ہر امر سنون ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ

حدیث ام سعد سے ظاہر ہے اور اس نذر میں بھی ایصالِ ثواب مستلزم ہوتا ہے پس اس نذر کا
 حاصل یہ ہے کہ اس میں مخصوص قد کے ایصالِ ثواب کی نسبت کسی روح کی طرف کی جاتی ہے
 اور ولی کا ذکر عمل مندور کے تعیین کے لیے ہوتا ہے اور ان کے نزدیک اس نذر کا مصرف اس
 ولی کے توسلین اقارب قدوم وغیرہ ہوتے ہیں اور بلاشبہ نذر ماننے والوں کا یہی مقصود ہوتا ہے
 اور اس کا حکم یہ ہے کہ نذر صحیح ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ شریعت میں قرابت
 مقصودہ ہے ہاں اگر نذر کو (نذرانہ کو مصنفہ) حلال مشکلات بالاستقلال اعتقاد کرے یا
 شیخ غالب اعتقاد کرنا ہو تو یہ عقیدہ مفسد فی الشرک ہے لیکن یہ عقیدہ اور چیز ہے اور نذر
 اور چیز (قاضی عزیزی ص ۱۱۱) اس کلام سے ظاہر ہو گیا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے نزدیک
 اولیاء اللہ کے لیے نذر ماننا جائز ہے کیونکہ صدقہ و خیرات عبادت مقصودہ ہیں اور نذر اس
 عبادت مقصودہ کی ہوتی ہے جس کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچا جاتا ہے اور یہ شرع سے ثابت
 ہے اور نذر لادلیا کا یہ مطلب ہے کہ ثواب نذر اولیاء اللہ کے لیے ہے علی طریق عذوق المعتاد
 کا ہوشی اور بجز اللہ سے امر آقا سے زیادہ روشن ہو گیا کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کے
 لیے جو جانور نامزد کئے جاتے ہیں وہ حلال اور طیب ہیں البتہ اگر نذر اولیاء اللہ کو مستقل لفظ صرف
 بالذات سمجھتا ہو تو بسبب اعتقاد شرک کے وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبح مرتد کا ذبح ہوگا
 اور کتے اور خنزیر کی طرح حرام قرار پائے گا (بمفہم ص ۲۱۶ ص ۲۱۸ توضیح ایمان)

الجواب یہ مؤلف مذکور نے یہ بات تو باہر مجبوری تسلیم کر ہی لی ہے کہ نذر اور ایصالِ ثواب
 الگ الگ چیزیں ہیں لیکن پھر اپنی کم فہمی کی وجہ سے ان کو گڈ ڈک کے یوں کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ
 کے لیے نذر ماننا ایصالِ ثواب کو مستلزم ہے اور شاہ صاحب کی یہی تحقیق ہے اور کم فہم
 اور کو تاہ فہم وہ شخص ہے جو اتحاد اور استلزام کے فرق کی تمیز نہیں جانتا اور پہلے معنوی آباد
 کی تحقیقات پر نظر نہیں رکھتا۔

نے کیا فرمایا اور نفلت مذکور نے کیا کہا؟ تفصیل طلب یہی بات ہے سو اس کے متعلق ذیل کے فقرہ پر غور فرمائیں اور انصاف سے فرمائیں کہ اپنے معنی آبار کی تحتقات پر کسی کی نظر نہیں اور حضرت شاہ جیسے استترم سے کیا مراد ہے ہیں اور نفلت مذکور نے کم علمی اور کوتاہ فہمی سے اس سے کیا سمجھا ہے؟

(۱) نفلت مذکور نے حضرت شاہ صاحب کی عبارت و نذر اولیاء کو نقل کر دی ہے مگر اس سے قبل دو سطریں جو نفلت مذکور اور ان کی جماعت پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتی ہیں گیارہویں کالوہ مجھ کر ہضم کہلی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

منذر باب استعانت باروح طیبہ دریں ان غلط نظریات میں سے اور ح طیبہ سے است اعانت کے باب میں اس امت میں جو بہت فراوان ہے جہاں و عوام اینہا میکنند و ایشا نزار ہر ہولہے یہ ہے جس کو اس کے جاہل اور عوام کرتے ہیں عمل مستقل دانستہ اند بلا شہر شرک جلی است اور ان اور ح کو ہر معاملہ میں متعلق بلنتے ہیں بلا شک و نذر اولیاء۔ الفوقادی عزیزی ص ۱۳۱

یہ کھلا شرک ہے اور نذر اولیاء کلام الخ

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحب نے عوام اور جاہل کا یہ شکوہ کیا ہے کہ وہ ہر عمل میں اور ح طیبہ کی امداد کو مستقل سمجھتے ہیں اور یہ کھلا شرک ہے اور ہم بھی حضرات فقہاء کرام کی پیروی میں ان ہی جاہل اور عوام کا ردنا رو ہے ہیں ملاحظہ کیجئے کہ یہ کتنی ضروری اور اہم عبارت تھی جسے نفلت مذکور نے نظر انداز کر دیا ہے اور غیر سے لٹنے دوسروں کو کہتے ہیں کہ وہ اپنے بھی آبار کی تحتقات کو نظر انداز کرتے ہیں۔

(۲) اس عبارت میں حضرت شاہ صاحب جس نذر کا تذکرہ فرماتے ہیں وہ صرف ایصال ثواب کے معنی میں ہے جس میں مقصود ایصال ثواب ہے نہ کہ اپنے کسی کام کا حصول چنانچہ اسی عبارت میں ان کے الفاظ یہ ہیں۔

لیکن حقیقت این نذر آنست کہ اہار غریب کرنے اور مال بیسے کا ثواب جو میت کی میت کہ امر یست مسنون و از روئے عادت

لیکن اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ کھانا کھلانے اور مال بیسے کا ثواب جو میت کی میت کہ امر یست مسنون و از روئے عادت

درج کو ہر یہ کیا جانتے اس نذر کو مستلزم ہے

صیغہ ثابت است مثل ماورونی الصیحین
من مال ام سعدہ وغیرھا درین نذر مستلزم
میشود پس حاصل این نذر آنست کہ آن
نسبت مثلاً اہار ثواب هذا القدر الی
روح فلان و ذکر ولی برائے تعیین عمل
منذور است نہ برائے مصرف الخ

اور یہ مسنون امر ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ام سعدہ وغیرھا کے ہائے میں آیا ہے۔ پس حاصل اس نذر کا یہ ہے کہ یہ نسبت کہ مثلاً اتنی چیز کا نفلان کی روح کو ثواب پہنچانا اور ولی کا ذکر عمل منذر کی تعیین کے لیے ہے نہ کہ مصرف کے لیے

(فقادی عزیزی ص ۱۳۱)

اس عبارت میں جس نذر کا ذکر ہے وہ صرف ایصال ثواب اور اہار الثواب ہے اور اس پر وہ بطور دلیل حضرت ام سعدہ کی حدیث بخاری و مسلم کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔ جس کا مجموعہ فقہی نذر سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ اور ولی کا ذکر صرف اس لیے کرتے ہیں کہ اس چیز کا ثواب ان کے لیے ہے اور اپنے کسی کام کا اس میں ذکر نہیں اور نہ حاجت کا تذکرہ ہے تو جس شخص لے اس ایصال ثواب کا التزام کر لیا۔ اس کو پورا کرنا چاہیے اور بلا شہر ایصال ثواب ایک نیک کام ہے۔

(۳) اور اسی عبارت میں وہ تصریح فرماتے ہیں کہ اگر ولی کو مستقل طور پر مشکل کٹ یا شیخ غاف اعتقاد کر لیا تو یہ بات منجرا لى الشرک ہوگی اور اس عبارت کے اول میں انہوں نے خود تصریح فرمادی ہے کہ جاہل اور عوام ان کو مستقل طور پر ہی ایسا یقین کرتے ہیں اور نیز وہ تصریح فرماتے ہیں کہ شرک کرنے والوں کے اذعان میں غیر اللہ کے ہائے میں استقلال ہی جائزین ہے۔ چنانچہ وہ استعانت کی بحث میں لکھتے ہیں کہ غیر خدا سے استعانت کی ایک قسم وہ ہے جس میں کسی مشرک اور تومہ کے ذہن میں استقلال کا وہم بھی نہیں آتا مثلاً بھوک اور پیاس اور بیماری میں طعام اور پانی اور ادویہ سے استعانت کرنا وغیرہ پھر آگے تحریر فرماتے ہیں۔

دیا بچہ نرے است کہ تو ہم استقلال ان چیز
کا وہم مشرکین کی قوت ہر کہ میں بگڑے ہوئے

باروح دروہ حانیات فکلیہ و محضریہ یا باروح
سارہ مثل ہوانی و شیخ سدو و قدین خان و
امثال ذلک و این نوع استغانت میں شرک
است و منافی ملت عینی است۔ ملاحظہ
تفسیر عزیزی ص ۲۰۰ سورہ بقرہ

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ ارواح سے استغانت کرنے والے ان سے بالاستقلال
استغانت ہی کا خیال کرتے ہیں الغرض بالاستقلال کا یہ معنی نہیں کہ وہ نفع اور ضرر دینے میں اللہ تعالیٰ
کی طرح مستقل اور بالذات قدرت رکھتے ہیں کیونکہ جب وہ مخلوق ہیں تو ان کے لیے یہ معنی
یکے تصور ہو سکتا ہے؟ بالاستقلال کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار است
تظویض کر دیے ہیں اور وہ افعال اختیار یہ کی طرح ان میں مستقل ہیں اس کی بحث راقم الخیر کی کتاب
دل کا سرور وغیرہ میں ملاحظہ کریں۔

(۲) باقی جو نذر باطل اور ممنوع ہے اس کی تفصیل حضرت شاہ صاحب نے بڑی تفصیل
سے بیان فرمائی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ یعنی اور وہ نذر بالاجماع باطل ہے جس طرح عوام
نذر مانتے ہیں کہ ان میں سے جب کسی کی کوئی حاجت ہوتی ہے تو وہ شخص بعض صالحین کی قبر
کے پاس جاتا ہے اور اس کا پردہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھتا ہے یہ کتا ہوا کٹے میرے سید فلان
اگر تم میری حاجت پوری کر دو تو مثلاً یہ کتا ہے کہ فلان شخص کہ کہیں دوسری جگہ ہے وہ آجائے
یا یہ کتا ہے کہ فلان مریض کو صحت ہو جائے تو تمہارے لیے میری طرف سے اس قدر سونا یا
طعام یعنی کھانا یا کپڑا یا شمع یا روغون زیتون یا کوئی دوسری چیز کتا ہے کہ فلان چیز دی جاوے
گی تو یہ نذر جائز نہیں البتہ اس صورت میں نذر جائز ہوگی کہ وہ کتے کہ اللہ میں نے تیرے
لیے نذر مانی کہ اگر میرے مریض کو صحت بخشے یا اسی طرح کوئی دوسری اپنی حاجت کے
کہ اگر تو میری فلان حاجت پوری کرے تو میں اُن فقرا کو کھلاؤں گا جو فلان سید کے دروازے
پر رہتے ہیں یا اس کی مسجد کے لیے چٹائی خریدوں گا اور اس مسجد میں روشنی کرنے کے لیے

روغن زیتون خریدوں گا۔ یا اس قدر درہم ان لوگوں کو دوں گا جو اس کی خدمت میں مصروف ہوتے
ہیں اور اسی طرح کی اور جو نذر ہو کہ اس میں فقرا کا نفع ہو اور نذر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے
ہو اور شیخ کا ذکر صرف اس غرض سے ہو کہ یہ متعین ہو جائے کہ نذر کی چیز ان لوگوں کے مصرف
میں آوے گی کہ وہ لوگ نذر کے مال کے مستحق ہیں۔ مثلاً یہ کہے کہ فلان بزرگ کے رباط یا ان کی
مسجد یا جامع مسجد میں جو لوگ رہتے ہیں ان کے مصرف میں اس نذر کا مال صرف کیا جاوے گا۔

اور اس صورت میں نذر اس وجہ سے جائز ہے کہ نذر کے مال کے مستحق فقرا ہیں اور ان ہی کے
حق میں صرف کرنے کے لیے نذر میں نیت کی گئی ہے اور ایسا مال صرف فقرا کے حق میں صرف
کرنا جائز ہے اور جو غنی اور ذمی علم ہو تو صرف اُس کے علم کے لحاظ سے خاص اس کے حق
میں صرف کرنا جائز نہیں اور ایسا ہی جو غنی ہو اور عالی نسب ہو تو صرف اُس کے نسبت کی
شرافت کے لحاظ سے اس کے حق میں بھی صرف کرنا جائز نہیں اور ایسا ہی جو غنی ہو اور کسی
بزرگ کے حضور رہا کرتا ہو تو اُس کے حق میں بھی نذر کا مال صرف کرنا جائز نہیں البتہ یہ لوگ
اگر فقیر ہوں تو ان کے حق میں نذر کا مال صرف کرنا جائز ہے اور جب یہ معلوم ہوا تو جاننا

چاہیے کہ وہ درہم بالاجماع حرام ہے کہ اولیاء کے روضہ میں بھیجتے ہیں۔ اس غرض سے
کہ اُن سے تقرب حاصل ہووے اور یہ مقصود نہیں ہوتا ہے کہ وہاں جو نذر فقرا ہوتے ہیں
اُن کے مصرف میں یہ درہم آوے اور اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل ہووے
اور اکثر لوگ اس معصیت میں مبتلا ہیں۔ داخل عبارت یہ ہے واذا عرفت هذا
فما یوجب من الدراهم ونحوها وینتقل الی ضربی الخ الاولیاء
تقرباً الیہم فحرام بالاجماع ثم اَلَمْ یقصد تصرفہا فی الفقراء
الاحیاء قولاً واحداً وقد ابتلی الناس بذلک الخ القاری عزیزی ص ۱۰۰
یعنی اس میں صرف ایک ہی قول ہے کسی کا اختلاف نہیں ہے، ایسا ہی النذر الفلانی اور النذر لراقی
اور عالمگیری میں ہے اور جو غنی ہو محتاج نہ ہو اس کے لیے نذر کا مال جائز نہیں اور ایسا ہی
اس کے لیے بھی جائز نہیں جو غنی ہو اور ذمی منصب ہو خلاصہ یہ ہے کہ غنی کے لیے نذر

کامال جائز نہیں اس واسطے کہ اس پر اجماع ہے کہ نذر مخلوق کے لیے حرام ہے اور ایسی نذری منعقد نہیں ہوتی اور اس کا ایضاً واجب نہیں بلکہ ایسی نذر بلا شکر حرام ہے اور کسی بزرگ کے خادم کے لیے جائز نہیں کہ ایسی نذر کی چیز لیوے یا کھاوے یا اپنے کسی دوست کو صرف میں سے آوے البتہ اس صورت میں جائز ہے کہ وہ خادم فقیر ہو یا اس کے بچال ہو میں اور وہ فقیر ہوں اور کسب سے عاجز ہوں اور مضطر ہوں تو ان کے لیے جائز ہے کہ عام صدقے کے طور پر وہ نذر کا مال بھی لیوں اور جب نذر ماننے والے کی یہ نیت نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوئے اور نذر کا مال فقرا کے حق میں صرف کیا جاوے گا بلکہ خاص مستقل طور پر کسی بزرگ کی نیت کی تو ایسی نذر کا مال لینا فقرا کے حق میں بھی مکروہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ درجہ اور رتبت اور رتبت وغیرہ جو چیز اولیاء اللہ کے روضہ پر بھیجی جاتی ہے اس غرض سے کہ ان کا تقرب حاصل ہوئے تو وہ سب حرام ہے اور اس پر اہل اسلام کا اجماع ہے البتہ اس صورت میں جائز ہے کہ یہ نیت ہووے کہ اُس روضہ پر جو نذر فقرا کے ہیں ان کے حق میں یہ چیز صرف کی جائے گی اور خاص قبر کی نذر کی نیت نہ ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت مذکورہ کا مضمون ہے اور وہ نذر کہ اموات کے لیے مانی جاتی ہے اور جو کچھ درجہ اور رتبت اور رتبت اور اس طرح کی اور جو چیز اولیاء کرام کے روضہ پر بھیجی جاتی ہے اس غرض سے کہ ان حضرات کا تقرب حاصل ہوئے یہ سب بالا جماع باطل ہے اور حرام ہے البتہ اس صورت میں جائز ہے کہ نیت ہو کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوئے اور یہ مال فقرا کے حق میں صرف کیا جاوے اور اکثر لوگ اس محیبت میں مبتلا ہیں خصوصاً اس زمانہ میں برہمنیت مردوج ہے اور علامہ قاسم نے یہ مسئلہ (شرح دُرِّ الہماہ میں) نہایت شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا ہے اور کسی وجہ سے اہم محمولہ الہمت نے فرمایا کہ اگر علوم میرے پاس ہوتے تو میں ان کو اس امر سے منع کر دیتا اس واسطے کہ وہ لوگ جائز طور پر نذر نہیں مانتے بلکہ خلاف شرع امور کو اُس میں خلط کر دیتے ہیں یہ در مختار کے باب الصوم کے فقیر کی عبادت مذکورہ کا مضمون ہے۔ انتہی بلفظ دفع ذی عزری

۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، مترجم اردو و فارسی ص ۱۰۹ مولف مذکور انصاف اور دیانت کے ساتھ اس

عبادت کو ٹھنڈے دل کے ساتھ بار بار پڑھیں اور یہ بتائیں کہ حضرت شاہ صاحب نے مخلوق کے لیے اور اولیاء اللہ کے لیے یا ان کی قبر کے لیے نذر کو جائز حلال اور طیب کہا ہے یا بالا جماع باطل اور حرام قرار دیا ہے؟ اور کیا اس پر انہوں نے ٹھوس فقہی حوالے نقل کیے ہیں یا محض ہوائی بات فرائض ہے؟ اور کیا اس میں انہوں نے محض اولیاء اللہ کے تقرب کو ہی صحت کی علت قرار دیا ہے یا ساتھ مع العبادۃ کی قید بھی لگائی ہے؟ الغرض جس نذر کو وہ اولیاء اللہ کے لیے مانتے ہیں وہ صرف لغوی نذر ہے جس کو نذر نہ کہہ سکتے ہیں اور وہ درحقیقت محض ایصال ثواب اور اہار ثواب ہے اس میں ولی کا ذکر تو صرف اس لیے ہے کہ ان کی خالق اور سجدہ یا اس کی جامع مسجد کے فقرا کی تعین ہو جائے۔ نذر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے تقرب کے لیے ہے اور بس مولف مذکور نے حضرت شاہ صاحب کی عبارت سے عوام کو محض دھوکا دیا ہے اور ان کی مراد کو وہ نہیں سمجھے اور حضرت شاہ صاحب کی یہ مفصل عبارت ان کی ترویج کے لیے بالکل کافی اور وافی ہے اب یہ فیصلہ قارئین کرام پر ہے کہ کبھی آباء کی تحقیقات سے کون بے خبر ہے؟ حضرت شاہ صاحب نے اولیاء اللہ کے ایصال ثواب کے لیے مکہ اہل کا لفظ نہیں بولا یہ مولف مذکور کا وہل ہے کہ وہ عوام کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کے لیے جو جائز نامزد کیے جاتے ہیں وہ حلال اور طیب ہیں اور وہ بھی مکہ اہل کا مصداق ہیں ماشاء وکلا حضرت شاہ صاحب ایسا ہرگز نہیں فرماتے بلکہ وہ مذکور بالکل الگ ذکر کرتے ہیں اور وہ مکہ اہل کا مصداق یا فرد اس کو ہرگز قرار نہیں دیتے اسی طرح مولف مذکور کا یہ لکنا کہ البتہ اگر ناذر اولیاء کرام کو متعلق اور متصرف بالذات سمجھتا ہو تو بسبب اعتقاد مشرک کے وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ نہ کہ ہو جائے گا غلط فہمی کا نتیجہ ہے اس لیے کہ انہوں نے مستقل اور غیر مستقل کا معنی ہی نہیں سمجھا تاہم نذر تقرب لغیر اللہ کے لیے جانور نامزد کرنے ہی سے آدمی حضرت شاہ صاحب کے نزدیک مشرک ہو جاتا ہے اس میں عبادت وغیرہ کی کوئی قید نہیں لگاتے اور فتاویٰ عزیزی کی اس طویل عبادت میں اس کو باحوالہ واضح کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لیے جو نذر مانی جاتی ہے وہ بالا جماع باطل اور حرام ہے ان کی اتنی واضح تصریح کے ہوتے ہوئے

توفیق فرمادے کہنا کہ حضرت شاہ صاحب نذر اولیاء اللہ کو جائز اور حلال و طیب قرار دیتے ہیں ان پر خالص افتراء ہے اللہ تعالیٰ ہر ایک کو پچائے آمین۔ یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ تقرب الی الغیر سے اگر لغوی معنی مراد ہے کہ شلگھی کے سامنے کھانے کے لیے پیش کیا جائے تو یہ بھی محل نزاع نہیں ہے نزعی بات تقرب بغیر اللہ لاجل التعظیم ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب ہی لکھتے ہیں کہ
 فمتی كان اراقه الدم للتقرب الى
 غيب الله تعالى حرمت الذبيحة
 ومضى كان اراقه الدم لله تعالى
 والتقرب الى الغيب بالاكل والانتفاع
 حلت الذبيحة اه (فتاویٰ غزنی ص ۴۴)

جب خون بہا بغیر اللہ کے تقرب کے لیے
 ہو تو ذبح حرام ہوگا اور جب خون بہا صرف اللہ
 صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو اور غیر کے سامنے
 اس کو کھانے اور انتفاع کے لیے پیش کیا جائے تو
 ذبح حلال ہوگا۔

نذر میں ایصال ثواب کا پیمانہ
 ایصال ثواب کا مسئلہ خصوصاً مالی صورت میں اہل اسلام اور امت مرحومہ کے مسلم حضرات فقہاء کرام کے نزدیک ایک اجماعی حقیقت ہے۔ جس کے ثبوت پر واضح دلائل موجود ہیں بقدر ضرورت بحث وہ سنت میں موجود ہے وہاں ہی دیکھ لیں لیکن ایصال ثواب میں اپنی کسی غرض مطلب اور کام کا کوئی تعلق نہیں ہوتا صرف مرثیے کو ثواب ہی پہنچانا مقصود ہوتا ہے کہ اگر گنہگار ہے تو اللہ تعالیٰ اس نیک کام کی برکت سے اُس کی مغفرت فرمائے اور اگر نیک ہے تو اس کے مزید درجات بلند کرے اور نذر میں اپنی کسی نہ کسی غرض اور مطلب کا تعلق ہوتا ہے نادر زبان سے کہے یا دل میں نہماں رکھے اور اسی غرض اور مطلب کے حصول کے لیے وہ نذر مانتا ہے۔ علامہ ابوالفضل شباب الدین الیہ محمود آلوسی الحنفی (المتوفی ۱۲۶۰ھ) ان السَّيِّئِينَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَخْتَقُواْ ذُرِّيَّاتِهِمْ فَمِنْ حَيْثُ مَنَعْتُمْ هُمْ مِنْ تَقَرُّبِهِمْ فَمِنْ حَيْثُ مَنَعْتُمْ هُمْ مِنْ تَقَرُّبِهِمْ فَمِنْ حَيْثُ مَنَعْتُمْ هُمْ مِنْ تَقَرُّبِهِمْ فَمِنْ حَيْثُ مَنَعْتُمْ هُمْ مِنْ تَقَرُّبِهِمْ

اس میں حضرات اولیاء کرام کے پاس سے میں
 غلو کرنے والوں کی خدمت کی طرف اشارہ ہے
 جن سے وہ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو کر سختی میں

وَيُنذِرُونَ لَهُمُ السَّزَوْرَ
 وَالْعُقْلَاءَ مَنَّهُمْ يَقُولُونَ اَنَّهُمْ
 وَسَأَلْنَا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَانَّمَا
 نُنذِرُ اللّٰهَ عِزُّوْجِلْ وَيَجْعَلُ
 ثَوَابَهُ لِمَوْلٰى وَلَا يَخْفِيْ اَنَّهُمْ فِيْ
 دَعْوَاهُمْ اِلٰى شِبْهِ النَّاسِ
 بَعْدَةَ الْاَصْنَامِ الْقَائِمِيْنَ اِنَّهَا
 فَكَيْدُهُمْ لِيُقَسِّرُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى
 وَدَعْوَاهُمْ الشَّائِئَةَ لِاَبْسَ اِبْهَالُوْلَمْ
 يَطْلُبُوْا مِنْهُمُ بِذَلِكَ شَعْرًا
 مَرِيضُهُمْ اَوْ دَعَا بِيَهُمْ اَوْ غَوَى
 ذَالِكُ وَالظَّاهِرُ مِنْ حَالِمِ الْاَطْلَبِ
 وَيُرْسِدُ اِلَى ذَالِكِ اِنَّهُ لَوْ قِيْلَ
 اَنْذِرُوا لِلّٰهِ تَعَالٰى وَاجْعَلُوا ثَوَابَهُ
 لِمَوْلٰى دِيْكُمْ فَانَّهُمْ اَحْوَجُ مِنْ
 اَوْلٰئِكَ لَمْ يَفْعَلُوْا وَرَاٰتِ كَثِيْرًا
 مِنْهُمْ يَسْجُدُ عَلٰى اَعْتَابِ
 حَجَرِ قُبُوْرِ الْاَوْلِيَا وَمِنْهُمْ
 مَنْ يَثْبُتُ التَّصَرُّفَ لَهُمْ جَمِيْعًا
 فِيْ قُبُوْرِهِمْ لَكِنْهُمْ مَتَقَاوَلُوْنَ
 فِيْهِ حَسَبَ تَفَاوُتِ مَرَاتِبِهِمْ
 وَالْعُلَمَاءُ مِنْهُمْ يَحْصِرُوْنَ النَّصْرَةَ

مد مانگتے ہیں اور ان کے لیے نذر مانتے ہیں اور ان میں چالاک لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرات اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے وسائل ہیں اور ہم نذر تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مانتے ہیں ہاں اس کا ثواب ولی کے لیے کرتے ہیں اور اس میں کوئی حشر نہیں کہ وہ لوگ اپنے پیٹے دعوئی میں دیکھ نذر تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مانتے ہیں بہت پرستوں کے ساتھ زیادہ مشابہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی اس لیے پوجا کرتے ہیں کہ وہ ہیں درجہ میں اللہ تعالیٰ کے قریب کھڑے ہیں اور ان کے دستِ دعوئی ایصال ثواب میں کوئی حرج نہیں اگر وہ ان سے اس ذریعہ سے اپنے بیمار کی شفا اور اپنے کسی غائب کے لوٹانے اور اس کے مانند اور کوئی شے طلب نہ کریں اور ان کے حال سے ظاہر طلب ہی ہے اور جو چیز اس کی طرف راہنمائی کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر ان سے یہ کہا جائے کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانو اور اس کا ثواب اپنے والدین کے لیے کرو کیونکہ وہ زیادہ محتاج ہیں تو وہ ایسا نہیں کرتے اور میں نے ان میں سے بہت لوگ دیکھے کہ وہ حضرات اولیاء کرام کے گنہگاروں کی دستیوں پر سجدہ پڑھتے ہیں اور ان میں سے بعض

فی القبور فی اربعة او خمسة
 و اذا طولبوا بالدلیل قالوا ثبت
 ذلك بالكشف قاتلهم الله تعلق
 ما اجہلہم واكثر افتراءہم
 ومنہم من یزعم انہم
 یخرجون من القبور ویتشکلون
 باشکال مختلفة و علماءہم
 یقولون انما تظہر ارواحہم
 متشکلة و قطفوف حیث شئت
 و ربما تشکلت بصورة اسد
 او غزال او نحو ذلك و کل ذلك
 باطل لا اصل له فی الكتاب
 و السنة و کلام سلف الامة
 ردد المعانی ۲۱۲ و ۲۱۳
 ۱۴

ان سب کے لیے قبور میں تصرف ثابت کرتے
 ہیں۔ لیکن وہ اپنے مرتب کے لحاظ سے تصرف
 میں تفاوت ہیں۔ اور ان میں کچھ دوسرے تصرف
 فی القبور چار یا پانچ میں بند کرتے ہیں اور جب
 ان سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے تو کہتے ہیں کہ یہ
 کشف سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ ان کو قدرت
 کرے کہ کس چیز نے ان کو جہالت اور کثرت
 افتراء پر آمادہ کیا ہے اور ان میں سے بعض یہ
 خیال کرتے ہیں کہ اولیاء کرام قبروں سے نکلنے ہیں
 اور مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں اور ان میں کچھ
 دوسرے یہ کہتے ہیں کہ ان کی ارواح متشکل ہوتی ہیں
 اور جہاں چاہیں پھرتی ہیں اور کبھی شیر یا مرنی وغیرہ
 کی شکل اختیار کرتی ہیں اور یہ سب خیالات باطل
 ہیں کتاب اللہ اور سنت اور سلف امت کے کلام
 میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

تتقیحات یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں۔ فتاویٰ عزیزی سے جو ہم نے
 شاہ صاحب کی عبارات پیش کی ہیں ان کی روشنی میں اولیاء کے نام
 پر مشہور جانوروں کی جو حرمت شاہ صاحب سے منقول ہے اس کی تین وجہیں ہیں۔
 (۱) نادر اولیاء اللہ کی تعظیم مع قصد العبادت سے جانور کو ذبح کرے (۲) جانور کی جان
 اور روح اولیاء کی بھینٹ کرنے کے لیے جانور کو ذبح کرے (۳) نادر اولیاء کے مستقل
 بالذات ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو پھر ذبح کرے۔ اور ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کو ایصال ثواب
 کے لیے مندوب جانوروں کے ساتھ ناذرین کا قصد ان تینوں میں سے کسی ایک طرح بھی

نہیں ہوتا بلکہ محض ایصال ثواب کے لیے جانوروں کو اولیاء اللہ کے لیے نامزد اور مشہور کیا جاتا
 ہے اور اس کے حلال اور طیب ہونے کی خود شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے مراراً کثیراً تصریح
 کر دی ہے، بلقلم (ص ۲۱۸، ۲۱۹)

الجلاب ہم نے بھی حضرت شاہ صاحب ہی کے فتاویٰ عزیزی اور تفسیر عزیزی سے جو
 عبارات نقل کی ہیں ان کی روشنی میں یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ غیر اللہ کے لیے ہنر
 کیے ہوئے اور شہرت کیے ہوئے جانور قطعاً حرام ہیں اور مؤلف مذکور کی بیان کردہ تینوں وجہیں
 باطل ہیں اولاً اس لیے کہ حضرت شاہ صاحب کی اپنی عبارت میں مع العبادت کی کوئی
 قید موجود نہیں ہے یہ لفظ بعض شوافع حضرات کی عہدت میں واقع ہے اور اس کا مطلب
 بھی ہم پہلے واضح کر چکے ہیں اور دوسم اس لیے کہ غیر اللہ کے لیے جانور کو نامزد کرنا اور شہرت
 دینا ہی کا اہل بد لغتوں کا مصداق اور بھینٹ چرٹانے کے مترادف ہے
 اور حضرت شاہ صاحب اس کی تصریح بھی فرماتے ہیں دکھائے کہ عوام اسی طرح کرتے ہیں جو
 ناجائز ہے اور اس معصیت میں وہ مبتلا ہیں اور سوم اس لیے کہ مستقل بالذات کا معنی بھینٹ
 کے لیے مؤلف مذکور خود جمل مرکب کا شکار ہیں وہ جہالت کی وجہ سے جس کو مستقل کچھ دیکھتے
 ہیں اکثر عوام اسی کا ہی ارتکاب کرتے ہیں۔ غرضیکہ مؤلف مذکور ناذرین سے جن تین امور کی
 نفی کرتے ہیں وہ بالکل باطل ہے جیسا کہ ذکر ہوا اور نذر اولیاء اللہ کی مد میں جن جانوروں کو وہ
 نامزد اور مشہور کرتے ہیں ان کو حضرت شاہ صاحب بالاجماع باطل اور حرام قرار دیتے ہیں نہ
 یہ کہ وہ ان کو حلال اور طیب سمجھتے ہیں جیسا کہ مؤلف مذکور دھوکہ دہی کے درپے ہیں اور خود حضرت
 شاہ صاحب کی روشن عبارات اس پر دال ہیں جیسا کہ ہم متعدد عہدتیں ان کی عرض کر
 چکے ہیں۔ و فیہا کفایت لمن لہ ہدیۃ

تم زمانے کی راہ سے آئے در نہ سید صاحب راستہ دل کا
 نمونہ یا یہ سرخی جاکر مؤلف مذکور لکھتے ہیں سرفراز صاحب نے تفسیر تین ص ۱۶۹ پر
 مذکور بحث میں سجد الراقی شامی۔ عالمگیری سے فقہار کا کلام ہمیشہ کیا ہے اور بزم خلیفہ

نذر کو باطل کرنے کی کوشش کی ہے اس کے جواب میں گزارش یہ ہے کہ یہ عبارتیں مک
 سخن خبیثہ سے خارج ہیں آپ نے کجروی اور مغلط آفرینی کے لیے انہیں اس مقام پر نقل
 کیا ہے کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان کر چکے ہیں اولیاء کیسے نذر کا مطلب یہ ہے کہ اس نذر کا ثواب
 اولیاء اللہ کو پہنچایا جائے اور کجرائی۔ شامی اور عالمگیری میں حرمت کی جن وجوہات کا ذکر ہے
 ان میں سے بیان کوئی نہیں پائی جاتی اب ہم آپ کی پیش کردہ وجوہات کو ذکر کرتے ہیں۔
 (۱) مخلوق کی نذر جائز نہیں۔ الجواب، نذر مخلوق کی نہیں اللہ کی ہوتی ہے (۲) نذر لہ امت
 ہے اور میت کی ملکیت ثابت نہیں۔ جواب، اطعام یا جانور کا مالک میت کو نہیں بنایا جاتا
 بلکہ ان چیزوں کو صدقہ کیا جاتا ہے اور مالک اس کو بنایا جاتا ہے جس پر صدقہ کیا گیا ہو اور وہ
 مردہ نہیں زندہ ہے اموات کو اس صدقہ کا ثواب پہنچایا جاتا ہے (۳) یہ گمان کرنا کہ میت
 تمام امد میں اللہ کی مرضی کے بغیر تصرف کرتا ہے پس اس کا یہ اعتقاد کفر ہے جواب۔ جس
 کا یہ اعتقاد ہو وہ بے شک کافر ہے اور اس میں کسی کا نذر نہیں سرفراز صاحب نے کجروی
 سے ایک متعلق علیہ سکر کو نذر اسی بنانے کی سعی مذموم کی ہے اوپر جو تین وجہیں نقل کی ہیں ان کو شامی
 اور کجرائی نے ذکر کیا ہے عالمگیری میں حرمت کی وجہ نذر بغیر اللہ بیان کی ہے اس کا جواب ہے
 ہے کہ اس نذر متعارف سے مقصود یہ ہے کہ نذر اللہ کی ہے اور اس کا ثواب اولیاء اللہ
 کو پہنچایا جاتا ہے باقی عالمگیری نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ نذر اس وقت جائز ہوگی جب کہ نذر اللہ
 کی ہو اور شیخ کا ذکر صرف بیان مصرف کے لیے ہو۔ اولاً تو یہ ہمیں مضر نہیں کیونکہ ہم بیان
 کر چکے ہیں کہ نذر اللہ ہی کی ہوتی ہے۔ ثانیاً یہ کہ بہترین بات وہ ہے جو شاہ عبدالعزیز صاحب
 نے فتاویٰ عزیزی میں بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقت میں اس نذر کا مقصد
 اولیاء اللہ کو نذر کا ثواب پہنچانا ہے اور وہ شرعاً ثابت ہے۔ بلفظ توضیح البیان ص ۲۱۹ و ۲۲۰
 الجواب: مولف مذکور نے فقہ حنفی کی مشہور متداول اور مستند کتابوں کے صریح حوالوں سے
 جس طرح بیان پچانے کی باہکل ناکام کوشش کی ہے وہ قابل دید ہے اور اس طرح ان سے
 ان کی جان نہیں چھڑتی۔ اولاً اس لیے کہ لغوی معنی میں جس کو نذر لہ کہتے ہیں اور ایصال ثواب

پر بولا جاتا ہے اور اسی معنی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اسے اطلاق بھی کیا ہے نذر نہیں
 ہے بلکہ نذر اس نذر میں ہے جو حضرات اولیاء کرام کے تقرب کے لیے کی جاتی ہے۔
 تنقیح متین ص ۱۶۹ میں ہم نے عالمگیری کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

فما یؤخذ من الدواہم ونحوها کہ جو چیز دواہم وغیرہا کی شکل میں لی جاتی ہے
 وینتقل الی ضلع الاولیاء تقرباً اور حضرات اولیاء کرام کی قبروں کی طرف لے
 الیہم فخرام بالاجماع اہ۔ جانی جاتی ہے۔ ان کے تقرب کے لیے سودہ
 بالاجماع عزم ہے۔

اور ہم نے عالمگیری وغیرہ کی اس عبارت کی روشنی میں آگے تنقیح متین میں یہ بھی لکھا
 ہے کہ اس عبارت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضرات اولیاء کرام کے تقرب کے ارادہ
 سے جو نذر مانی جاتی ہے وہ بالاجماع عزم ہے اور اکثر عوام اس میں مبتلا ہیں الخ اور حضرت
 شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ عزیزی کی مفصل عبارت بھی پہلے عرض کی جا چکی ہے الی
 تصریحات کے ہوتے ہوئے بھی نذر فہمی و متعارف اور لغوی نذر یعنی نذر لہ و ایصال ثواب
 میں فرق نہ کرنا انتہائی جہالت ہے جس کا مولف مذکور شکار ہیں۔ وثانیاً لغوی نذر میں پہلے
 کسی کام کا مثلاً بیماری سے شفا اور کسی غائب کے واپس آجانے وغیرہ کا کوئی تذکرہ نہیں
 ہوتا اس میں صرف ایصال ثواب اور رفع درجات کا قصد ہوتا ہے بخلاف نذر متعارف
 اور نذر فہمی کے کہ اس میں پہلے کسی کام کا بھی ذکر ہوتا ہے چنانچہ عالمگیری کے حوالے سے
 ہم نے تنقیح متین میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

یاسیدی فلان ان قضیت حاجتی فلک نے میرے سردار اگر میری حاجت پوری ہوگی
 من الذہب مثلاً کذا باطل اجماع اہ۔ ترجمہ مثلاً اتنا سونا دیا جائے گا یہ نذر بالاجماع باطل ہے
 اور پہلے یا تو الہیہ بات گزر چکی ہے کہ غلط کارنا فذ نامے یا نہ لے نذر میں مطلب اور
 غرض اس کے دل میں پشمال ہوتی ہے۔ وثانیاً، مولف مذکور نے جو یہ لکھا ہے کہ اولیاء اللہ
 کے لیے نذر کا مطلب یہ ہے کہ اس نذر کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جائے الا نذر اولیاء

بقیہ ہے کیونکہ حضرات فقہاء کرام نے خود تصریح کی ہے کہ نذر اولیاء اللہ کے تقرب کے لیے بھی ہوتی ہے اور وہ بالا جملہ حرام ہے اور اکثر عوام جہالت کی وجہ سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مردہ امور میں تصرف کرنا ہے اور ایسا اعتقاد کفر ہے اور ایصالِ ثواب اور اہل ثواب کے سلسلہ میں جو نذر لہز ہوتا ہے اس میں نہ تو تقرب مقصود ہوتا ہے اور نہ کسی کے کام کرنے میں ان کا تصرف اور دخل ہوتا ہے بلکہ ان کے ساتھ ایک گونہ پھر دی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صدقہ کا ثواب ان کو دے اور ان کی شان اور درجہ بلند کرے۔

کمیثیفہ: بمؤلف مذکور نے ان المیت متصرف فی الامور دون اللہ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ میت تمام امور میں اللہ کی مرضی کے بغیر تصرف کرنا ہے الخ اور یہ ان کے مشرکانہ عقیدہ کا شاخہ ہے۔ اولاً اس لیے کہ تمام امور سے کیا مراد ہے؟ استغراق حقیقی یا غرضی؟ اگر حقیقی مراد ہے تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ کسی بھی مشرک کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ جہان کے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی تصرف کر سکتا ہے یا کرنا ہے ہاں اگر صرف اپنے تمام کاموں کا خیال ہو یعنی استغراق غرضی ہو تو یہ حقیقی ترجمہ معاملہ جدا ہے۔ ابھل وغیرہ بھی کسی مشرک کا یہ عقیدہ نہ تھا اور نہ ہے کہ کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کچھ کر سکتا ہے اکثر مشرکین کا یہی عقیدہ تھا اور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بزرگوں کو عطا کی طور پر کچھ اختیارات سے دیے ہیں اور ان کے تحت وہ کام کرتے ہیں۔ فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت ہی فرماتے ہیں۔

احد سے احمد اور احمد سے تھ کو کُن اور صبا کُن مکن حاصل ہے یا نوث

(عدالتی بخشش حصہ دوم ص ۱۰)

یہ یاد رہے کہ اردو میں لفظ میت نوث ہے نہ کہ مذکورہ مؤلف مذکور نے میت ... کہنا ہے تخریر کر کے اس کو مذکور بنا ڈالا ہے خدا کرے کہ انہیں مذکورہ نوث میں تمیز کھنے کی اہلیت نصیب ہو۔

دعا یہ ہے رہ منزل سے آشنا نکلیں یہ رہنا جو ابھی کارواں میں لگے ہیں

مؤلف مذکور نے جو یہ لکھا ہے کہ بجز اللہ اور اللہ کی مرضی میں حرمیت کی جن وجوہات کا

ذکر کیا ہے ان میں سے یہاں کوئی نہیں پائی جاتی۔ بالکل غلط ہے کیونکہ ان سب کا بل میں تصریح موجود ہے کہ اکثر عوام بزرگوں کی قبروں پر جو درہم اور شمع وغیرہ لے جاتے ہیں تو وہ تقرب کے لیے کرتے ہیں (تقریباً المیم) اور ایسی متعارف اور فہمی نذر عبادت ہے اور مخلوق کے لیے عبادت درست نہیں ہے مؤلف مذکور کم فہمی کی وجہ سے یہ بچھے بیٹھے ہیں کہ عوام چلا چلا کر کہیں کہ ہم عبادت کر رہے ہیں تو تب عبادت ہو حالانکہ ایسا کوئی بھی نہیں جو یہ کہتا ہو بات دراصل ہے کہ عوام تو صرف تقرب کا ارادہ کرتے ہیں حضرات فقہاء کرام روان پر یہ فتویٰ لگاتے ہیں کہ یہ تقرب نذر اور عبادت ہے اور مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے اور نیز عوام یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جس بزرگ کے لیے ہم نذر مانتے ہیں ان کا جس تقرب حاصل ہو جائے گا اور وہ ہم سے راضی ہو جائیں گے اور ہمارا کام خدا تعالیٰ کے لیے ہوئے جزوی اختیارات کے تحت کر دیں گے۔ یہاں فوق الاسباب سفارش کر کے کرادیں گے لہذا عوام ان کو متصرف بھی مانتے ہیں الغرض سرفراز اس کو زراعی مسئلہ نہیں بنا رہا بلکہ حضرات فقہاء کرام عوام کا لالعام کا یہ عقیدہ بنا کر ان کی تکفیر کرتے ہیں باقی جو در عالمگیری میں حرمت کی بیان کی ہے کہ وہ نذر غیر اللہ ہے اس کا جو ثواب مؤلف مذکور نے دیا ہے اس کا ہم بھی بفضلہ تعالیٰ خوب رد کر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے دہاں ہی دیکھ لیں اور یہ بات صرف عالمگیری ہی میں نہیں کہ شیخ کا ذکر صرف بیان مصرف کے لیے ہے بلکہ یہ بات البحر الرائق اور الزم الفائق وغیرہ میں بھی موجود و مذکور ہے آگے مؤلف مذکور رکھتے ہیں کہ بہترین بات وہ ہے جو شاہ عبدالعزیز نے فتاویٰ عزیزی میں بیان کی ہے ہمارا بھی اس پر صاف ہے کہ بہترین بات وہی ہے۔ جو شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزی اور تفسیر عزیزی میں بیان فرمائی ہے اور ہم صاف ان کی مفصل تجارت پہلے عرض کر چکے ہیں اور ان کی مجمل عبارات کو حامل مرد نہ سمجھیں۔ ساحل کو دیکھ دیکھ یوں مطمئن نہ ہو اکثر سینے دوہتے ہیں ساحل کے پاس ہی یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور رکھتے ہیں کہ مولوی سرفراز صاحب نے اس پر کافی زور دیا ہے کہ اصل کو ذبح پر محمول کرنا بوقت

ذبح کے ساتھ مقید کرنے کی گنجائش نہیں اب ہم مولوی سرفراز صاحب کی ترجمہ کے لیے کتب تفسیر سے چند حوالے تفویض رقم کرتے ہیں۔ روح المعانی ص ۵۵ پر وما اهل لعین اللہ بہ کے تحت ہے۔ یعنی ذبح کے وقت غیر اللہ کے لیے آواز بلند کرنا اور اہلال سے مراد یہاں اس کا ذکر کرنا ہے جس کے لیے جانور ذبح کیا جائے مثلاً لات۔ عُرْبٰی وغیرہ۔ علامہ ابو سعید فرماتے ہیں۔ غیر اللہ کے نام کو بوقت ذبح بلند کیا جائے، تفسیر بیضاوی میں ہے غیر اللہ کے نام کو بوقت ذبح بلند کیا جائے، تفسیر بیضاوی میں ہے غیر اللہ کے نام کو بوقت ذبح بلند کیا جائے جلالین میں ہے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ کمال میں ہے اور وہ جانور جس کے ذبح میں غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا، روح البیان میں ہے جس پر ذبح کے وقت آواز تبول کے لیے بلند کی گئی، مدارک میں ہے جو تبول کے لیے ذبح کیا گیا، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اشتمتہ اللغات ص ۴۹ میں وَمَا أَهْلَ لَعْنَتِ اللَّهِ بِهِ کے تحت فرماتے ہیں یعنی جو اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ احکام القرآن ص ۱۳۴ پر وَمَا أَهْلَ لَعْنَتِ اللَّهِ بِهِ کے تحت ہے اور مسلمانوں کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہمارے مولودہ ذبیح ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بجا کر جائے۔ مولوی سرفراز صاحب کے لیے عبرت کا مقام ہے جنہوں نے یہ مجبور رکھا ہے کہ ذبح کی قید بعض مفسرین نے لگائی ہے وہ انھیں کھول کر احکام القرآن کا یہ حوالہ پڑھیں اور سوچیں کہ ابو جریز تو فرما رہے ہیں کہ مسلمانوں میں اس قید کے باوجود کوئی اختلاف نہیں ہے پھر مولوی سرفراز صاحب نے اس قید سے اختلاف کر کے اپنے آپ کو کس گروہ میں شامل کر لیا ہے کہ وہ خود سوچیں مذکورہ بالا حوالوں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ صمد الافاضل کا وَمَا أَهْلَ لَعْنَتِ اللَّهِ بِهِ کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنا مجہول مفسرین کی اتباع میں ہے اور جو تبرا صدر الافاضل کی تفسیر پر مولوی سرفراز صاحب نے کیا ہے اس کا ثبوت حقیقت میں ان تمام مفسرین کی طرف راجح ہے۔ (ملاحظہ ص ۲۲۰ تا ۲۲۲ توضیح البیان)

الجواب : بجائے اس کے کہ حضرات مفسرین کرام کے ان حوالوں کا جواب ہم اپنی طرف سے

دیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ہی سے نقل کر دیں اور نقل بھی فتاویٰ عزیزی سے کر دیں تاکہ بقول مولف مذکور یہ بات صحیح ہو جائے کہ بہترین بات وہ ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزی میں بیان کی ہے۔ (اور ظاہر بات ہے کہ اپنی پسند کے جواب سے بہتر جواب اور کیا ہو سکتا ہے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ -

واما ما وقع فی البیضاوی وغیرہ من التفاسیر انہم قالوا وما اُھل بہ لعن اللہ اھل ما رفع الصوت بہ عند ذبحہ للصنم فصنبي علی ما حیرى عادة المشركين في ذلك الزمان ولذا لم يضر قوا في التفاسير القديمة بين ما ذكر اسم غير الله عليه وبين ما قصد بذبحه التقرب الى غير الله لان مشركي ذلك الزمان كانوا مخلصين في الكفر وكانوا اذا قصدوا التقرب بذبح بهيمة الى غير الله ذكروا عليها عند الذبح اسم ذلك الغير بخلاف مشركي المسلمين فانهم يخلطون بين الكفر والاسلام

جو کچھ بیضاوی وغیرہ تفسیر میں آیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ وَمَا أَهْلَ لَعْنَتِ اللَّهِ بِهِ کا مطلب یہ ہے کہ بت کے لیے ذبح کرتے وقت جو آواز بلند کیا جائے سو یہ اس بات پر مبنی ہے کہ اس زمانہ میں مشرکوں کی عادت یہ تھی کہ ذبح کرنے کے بعد اس کے نام بلند کرتے تھے، اور اسی وجہ سے پڑانی تفسیروں میں اس چیز کے بارے میں جس پر غیر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور اس چیز کے بارے میں جس کے ذبح سے غیر اللہ کے تقرب کا قصد کیا گیا ہو کوئی فرق نہیں کیا گیا کیونکہ اس زمانہ کے مشرک کفر میں مخلص تھے وہ جب کسی جانور کی ذبح سے غیر اللہ کے تقرب کا قصد کرتے تھے تو ذبح کے وقت اس پر غیر کا ذکر کرتے تھے بخلاف مسلمان مشرکوں کے کہ وہ کفر اور اسلام کو غلط مٹا کرتے ہیں سو وہ ذبح سے قصد تو تقرب لغیر اللہ کا کرتے ہیں لیکن ذبح کے

فیصدون التقرب بالذبح الی
 عنید اللہ ویذکرون اسم
 اللہ علیہا وقت الذبح فلاول
 کفر صریح والثانی کفر
 صورتہ صوة الاسلام
 وكانوا یعتقدون ان لا طریق
 للذبح الا هذا سولہ کان
 للہ اولغیر اللہ وقد یجری
 هذه العادة فی زماننا ایہ
 فانہم یشہرون ان فلاناً
 یذبح بقرة لاجل السید
 احمد کبیرہ مثلاً ذکر واسم
 اللہ علیہا عند امر السکین
 اولاً لہذا رفقاوی عزیزی (۲۳)

وقت نام اللہ تعالیٰ کالیٹے ہیں پہلی صورت
 تو صریح کفر ہے اور دوسری صورت ہے تو
 کفر مگر صورت اس کی اسلام ہی ہے اور وہ
 یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ذبح کا صرف یہی
 طریقہ ہے برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے
 ہو یا غیر اللہ کے لیے اور بلاشبہ یہی
 صورت ہمارے زمانہ میں بھی جاری ہے۔
 کیونکہ وہ تشریح تو یہی کرتے ہیں کہ فلاں مثلاً
 سید احمد کبیرہ کے لیے گائے ذبح کرنا
 ہے۔ اور اس کے گلے پر چھڑی پھیرتے
 وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیں یا نہیں۔

ہیں؛ جو کچھ ان حضرات نے فرمایا وہ حق اور صحیح ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ بوقت ذبح
 غیر اللہ کے نام لینے سے جانور حرام ہو جاتا ہے لیکن یہ صورت اسی میں منحصر نہیں اور نہ اسی کے
 ساتھ مقید ہے بلکہ یہ غیر اللہ کے لیے نامزد جانور میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن ان حضرات کے
 سامنے وہ صورت نہیں جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وغیرہ حضرات کے سامنے ہے۔
 کیونکہ پہلے مشرک اپنے مشرک میں مخلص ہوتے ہیں جو ان کے اندر ہوتا تھا سو وہی باہر ہوتا تھا
 بقول حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب مگر اب کے کلہر مشرک بڑے چالاک اور ہوشیار ہیں۔
 لیبل تو اسلام کا لگاتے ہیں مگر ان کا اندرون مشرک جیسی پمید اور نجس چیز سے بھرا ہوتا ہے۔
 وہ تقرب اولیاء اللہ کے نام پر جانور نامزد کرتے ہیں مثلاً یہ جانور شیخ احمد کبیرہ کے لیے ہے
 مگر ذبح کرتے وقت وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں اور یہ صورت اگرچہ ظاہر کے لحاظ سے
 اسلام ہے مگر حقیقت میں یہ بھی کفر ہے زندہ باد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب آپٹ ہوشیار
 قسم کے کلہر گوشتوں کی رگ جان کاٹ کر رکھ دی ہے جن کے وکیل عظیم اس وقت مولف
 مذکور بنے ہوئے ہیں۔ مولف مذکور سے گزارش ہے کہ وہ توجہ سے اس بالاعظمنوں کو پڑھیں
 جویوں گویا ہے۔

مجھ کو بھی پڑھ کتاب ہوں مضمون غلط مانا تیرے نصاب میں شامل نہیں ہوں میں
 البتہ ایک بات ضرور قابل توجہ ہے اور وہ احکام القرآن کی عبارت ہے جس کو
 مولف مذکور نے خوب زور دیکر اُجاگر کرنے کی لاجل سعی کی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان
 اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہمارے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر بوقت ذبح غیر اللہ
 کا نام پکارا جائے بلاشک اس صورت میں کسی مسلمان کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور ہم تصریح
 کر چکے ہیں کہ ہم بھی اس کے قائل ہیں یہ صورت نزاع سے بالکل خارج ہے اس لیے اس
 پر مولف مذکور کا بلاوجہ زور صرف کرنا غلام کو دھوکہ دینے اور ان کو اتبنا نے کے مترادف ہے
 ہمارا موقف یہ ہے کہ ماہل بر میں یہ صورت بھی داخل ہے۔ لیکن حرمت اسی صورت میں
 منحصر نہیں بلکہ یہ صورت بھی اس کی ایک فریب ہے جو کفر جاہلیت کے دور میں اس کا زیادہ توجہ

مولف مذکور حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت کو ٹھنڈے دل سے بار بار پڑھیں
 اور انھیں کھول کر پڑھیں اور سوچیں کہ فتاویٰ عزیزی کے اس بہترین جواب نے مولف مذکور
 کو کس گروہ میں شامل کر لیا ہے۔ وہ خود سوچیں سوچا ان کا کام ہے۔
 گستاخ کے لیے رونے سے کچھ بنتا نہیں فانی نظر میں حسن پیدا کر سنور جائیگا ویرا ز
 غرضیکہ ان حضرات مضرین کرام کا کوئی حوالہ ہمارے خلاف نہیں ہے ہم نے
 تنقید میں یہ تصریح کی ہے کہ ان بعض مضرین کرام نے عام رواج کے پیش نظر
 ذبح کے وقت غیر اللہ کے ذکر کی مشورہ صورت ذکر کر دی ہے انتہی۔ قارئین کرام ہی انصاف
 سے فرمائیں کہ ہماری اس تصریح کے ہوتے ہوئے یہ مذکورہ حوالے ہمیں کیا نقصان ٹیٹے

تھا اس لیے یہ تفسیر کر دی گئی اور پھر تیسرا القرون اور ان کے قریب کے زمانوں کے لوگ بڑے
 پختہ اور صحیح عقیدہ کے مسلمان ہوتے تھے۔ اور بقول حضرت عبدالعزیز صاحب پہلے مشرک
 چونکہ اپنے مشرک میں مخلص ہوتے تھے وہ یہی صورت مراد لیتے تھے اور اب کے کلہ گو مشرک
 نکارا اور دغا باز نہیں ان کے اندر کچھ ہوتا ہے اور باہر کچھ ہوتا ہے جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز
 صاحب نے بیان فرمایا ہے لہذا وہ جانور کو تقرب بغیر اللہ کے لیے نامزد کرتے ہیں جبلی وجہ
 سے جانور میں کٹھے اور خنزیر کی طرح خبث اور پلیدی آجاتی ہے لیکن منافقانہ انداز میں وہ
 اس جانور کو ذبح اللہ تعالیٰ کے نام پر کرتے ہیں یہ صورت بھی ما اھل پہلہ کی مد میں شامل
 ہے اور یہ صورت متعین کی نگاہ میں نہ مٹی کیونکہ اس وقت مخلص قسم کے مشرک ہوتے تھے
 منافق اور نکار قسم کے مشرک نہ تھے مگر یہ صورت تخرس اور منافقین حضرات مفسرین کرام کے
 سامنے موجود مٹی جیسا کہ عقیدتین میں ہم نے تفسیر کبیر تفسیر نیشاپوری تفسیر عزیزی۔ فتاویٰ بزازیر۔
 فتاویٰ عزیزی اور مجموعہ فتاویٰ وغیرہ کے حوالے کیے ہیں اور اسی کتاب میں اس سے قبل فتاویٰ
 عزیزی کا حوالہ درج ہو چکا ہے غرضیکہ مولف مذکور کی پیش کردہ کوئی تفسیر ہمارے خلاف نہیں اور
 وہ ہمارے پیش کردہ سب حوالوں کی زد میں پھنسے ہوئے ہیں جو رہ رہ کر بار بار انہیں دعوتِ فتح
 دیتے ہیں۔

شبیب جبرائیل کی سمجھی ہو تو ہو لیکن یہ کیا کم ہے کہ لب پر رات بھر وہ کے تیرا نام آئے گا
 مولف مذکور کا اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ہماری طرف سے پیش کردہ تمام تفاسیر کے حوالے دیتے
 پھر یہ پڑتا تو ان کے جوابات دیتے مگر انہوں نے ان تفسیروں کے حوالوں کا ذکر تک نہیں
 کیا قارئین کرام خود بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ ایسا کرنے میں کیا راز ہے؟ آخر ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ ڈالی ہے

یہ سرخی جا کر مولف مذکور نے لکھا ہے کہ صدر الافاضل کے کلام
 سرفراز کا دو ٹوکرا شہد میں سرفراز صاحب نے دوسری تحریف ان الفاظ سے کی ہے کہ
 اگر دمک اھل لغیر اللہ بپہ سے صرف بت مراد ہوں جیسا کہ دیگر اہل بدعت عموماً

اور مولوی نعیم الدین صاحب خصوصاً اس پر صریحاً (تفسیر تین مرتبہ ۱۵۴) دروغ گئی اور خیانت کی یہ
 بدترین مثال ہے جو مولوی سرفراز صاحب نے صفحہ تفسیر پر سیاہ کی ہے جس عبارت میں صدر الافاضل
 نے بتوں کا تذکرہ کیا ہے ہم سے بھی نذر رقم کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے صدر الافاضل نے فرمایا ہے
 کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے انہی اس عبارت کے علاوہ پورنی
 بحث میں کہیں بتوں کا تذکرہ نہیں ہے اگر مولوی سرفراز صاحب میں مہمت ہے تو وہ ہمیں
 عبارت میں وہ الفاظ دکھائیں کہ وَمَا اُھْلُ لَغَیْبِ اللّٰہِ بپہ سے مراد صرف بت
 ہیں اگر سرفراز صاحب کے دل میں صداقت اور ایمان کا کوئی ذرہ بھی موجود ہوتا تو کبھی یہ افتراء
 نہ کرتے کہ صدر الافاضل نے غیر اللہ کا بتوں میں حصر کر دیا ہے تو اور معانی سے اگر آپ کو کوئی
 مس ہے تو کوئی کلمہ حصر یا کوئی طریقہ حصر پیش کیجیے جس سے صدر الافاضل کے کلام میں انحصار
 ثابت ہو ورنہ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ جس طرح سے آپ ایمان سے محروم ہیں اسی
 طرح غضب الہی نے آپ کی لوح دل سے علم کے ایک ایک ذرہ کو محو کر دیا ہے آپ نے
 صدق و دیانت سے بالاتر ہو کر اور اپنی روایتی دروغ گوئی اور تحریف سے کام لے کر جس
 طرح یہ عبارت وضع کی ہے اس پر ہم آپ کے بہر حال مشکور ہیں کہ آپ نے تحریف کو صحت
 پر لا کر دنیا کے اہل نظر کو دعوت دی ہے کہ وہ سوچیں کہ جس مذہب کے سرکردہ نمائندہ کی بات
 و دیانت اور بصمت قلم کا یہ عالم ہے اس آبرو باختر مسلک کی تعلیمات کا کیا حال ہو گا؟ مولوی
 سرفراز صاحب نے عقیدہ میں قدم قدم پر تحریف و خیانت کا جال بچھا کر اس حقیقت کو واضح سے
 واضح تر کر دیا ہے کہ جس اہمت کی وہ نمائندگی کر رہے ہیں اس کی اساس ہی افتراء اور تلبیس پر رکھی
 گئی ہے اور مولوی سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ مفسرین نے جو صنم وغیرہ کی قید لگائی ہے وہ اتفاقی
 ہے تو صاحب صدر الافاضل نے کب کہا ہے کہ یہ قید احترازی ہے یا آپ کے لیے بھی کسی
 قادیان کی دمی کا دروازہ کھلا ہوا ہے جو آپ پر انہونی تحقیق تکشف کرتا رہتا ہے۔ اتنی۔

(ترشح البیان ص ۲۲۲، ۲۲۳)

الجواب: قارئین کرام نے مولف مذکور کا نہ ایمان اور جن الفاظ اور جس انداز سے انہوں نے

پنہ ماؤت دل کی بھڑاس نکالی ہے وہ دیکھ ہی لیا ہے اب جواب بھی ملاحظہ کیجئے۔ ان ہی کے صدر الافاضل یہ لکھتے ہیں۔ چوتھے وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اسی قولہ یا وہ جانور جس سے اولیاء کی اولاد کو ثواب پہنچانا منظور ہوا ان کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے مگر ذبح ان کا فقط اللہ کے نام پر ہو اس وقت کسی در سے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال و طیب ہیں۔ اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو (ص ۱۵۵) یہ تفسیر انہوں نے وَمَا أَهْلًا لِّغَيْرِ اللَّهِ بِہ کی ہے اس سے ہر ادنیٰ سمجھ والا آدمی بھی یہی سمجھ گیا کہ صدر الافاضل کے نزدیک وَمَا أَهْلًا بِہ کا مصداق ثبوت ہی ہیں اور اولیاء اللہ کے ناموں پر نامزد کیے ہوئے جانور اس سے خارج ہیں اور حصر کے الفاظ سے وہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے اگر تکلیف نہ کرنے کسی قابل اساد سے پڑھا ہوتا تو وہ حضور ان کو یہ بتاتے کہ بخوار معافی کے لحاظ سے اردو زبان میں لفظ صرف حصر کے لیے ہوتا ہے مگر انہوں نے کہ وہ دانست بلا وجہ ہمس پر پھرتے ہیں کہ ان کو بخوار معافی سے من نہیں ہے الحمد للہ تعالیٰ کہ ہم ایمان کی دولت سے بھی مالا مال ہیں اور لائق دیوبندی اسادوں سے پڑھنے کی وجہ سے دولت علم سے بھی بہرہ ور ہیں صدر الافاضل کا اولیاء کے لیے جانور کو نامزد کرنے کے ساتھ ایصال ثواب کا یہ پونہ لگانا محض عوام کو دھوکہ دینا ہے کما لا یخفی علاوہ انہیں آپ ہی کے صدر الافاضل وکلا۔

انحل۔ ۱۵ میں وَمَا أَهْلًا لِّغَيْرِ اللَّهِ بِہ (جس کا ترجمہ خانصاحب نے یہ کیا ہے۔ اور وہ جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارا گیا) کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۲۶۵ یعنی اس کو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو انتہی ظاہر ہے کہ وہ خانصاحب کے ترجمہ میں لفظ غیر خدا تشریح صرف یعنی سے بتوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور صدر الافاضل ہی مَا تَقْبُدُ هُوَ اِلَّا بِتَقْوِيْنَا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی بتوں کو انتہی اور وَيَقْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں بت انتہی حالانکہ خانصاحب معنی کرتے ہیں اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو

پر جتنے نبی گویا صدر الافاضل کے نزدیک اللہ کے سوا سے بت ہی مراد ہیں اور کوئی چیز ان کے شرک پنہ ذہن میں آتی ہی نہیں۔ ایسی تصدیقات کے ہوتے ہوئے ہم پر تمہیں واقف ہونا اور تحریف کا التزام لگانا خالص ناروا کاروائی ہے نیز مولف مذکر کا قاریان سے ہم پر وحی نازل کرنا خالص جہنمی کی کاروائی ہے ہم نے جو یہ لکھا ہے کہ غرضیکہ لفظ غیر اللہ کو صرف بتوں پر بند کر دینا اور اولیاء اللہ کے لیے جانور دل کے نامزد کرنے کو آیت کے عموم سے نکال لینا نہ صرف علمی جہالت اور خیانت ہے بلکہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے ارشاد کے مطابق کتاب اللہ کی تحریف بھی ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے تفتیہ ص ۱۶۵ کا حوالہ بالکل بجلا ہے یہ صدر الافاضل کی عبارتیں تھیں اب ان کے لیے ناز ش گزشتہ ص ۱۳۹۱ (المستوفی) کی بعض عبارتیں بھی ملاحظہ کیجئے وہ لکھتے ہیں یعنی غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا جیسے کفار عرب کا دستور تھا کہ بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے (۱۶۹ زر العرفان) نیز لکھتے ہیں کہ بتوں کے نام پر جانور ذبح کرنا فرق تھا (۲۲۳) اور لکھتے ہیں کہ۔ نیز وہ بتوں کے متعلق دھونس کی شفاعت کے قابل تھے کیونکہ وہ بتوں کو اللہ مان کر شفیع مانتے تھے۔ یعنی ان بتوں کی شفاعت نہ دینا میں نہ آخرت میں (ص ۲۲۴) اور دَعْوَا اللّٰهِ مَخْلِصِيْنَ كَلِّ الْبَدِيْنِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ یعنی صرف خدا کو پکارتے ہیں بتوں کو نہیں پکارتے۔ پھر اسی صفحہ کے آخر میں لکھتے ہیں۔ یعنی کفار آرام میں اللہ کو محو مٹھیتے ہیں اور مصیبت میں بتوں کو۔ خیال ہے کہ بوقت مصیبت اللہ کے مقبول بندوں کو مدد کے لیے پکارنا کفر نہیں قیامت کی آفت میں دعاؤں رکھنا یہ کاروائی وہاں تباہت اور مافوق الاسباب نہ ہوگی بلکہ جب سب لوگ میدان محشر میں جمع ہوں گے اور جن کی شفاعت مطلوب ہوگی تو ان کے پاس حاضر ہو کر شفاعت کرنے کی التجا کریں گے کما وَرَدَّ فِي الْحَدِيثِ - ص ۲۲۵) سب شفیع ہی کو ڈھونڈیں گے اس کی تحقیق ہماری کتاب جدار الحق اور علم القرآن میں دیکھو یہ آیت بت پرستوں کے متعلق ہے انتہی بنظم (ص ۲۲۵) اور مَا تَقْبُدُ هُوَ اِلَّا بِتَقْوِيْنَا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اور اس میں شرکین کی تردید ہے جو بت پرستی میں گرفتار تھے اس سے اولیاء اللہ کو کوئی متعلق نہیں انتہی پھر

آگے اسی صفحہ میں لکھتے ہیں کہ۔ یعنی مشرکین عرب کہتے ہیں کہ ہم ان بتوں کو اپنا خالق یا بھتیجا مانگ بھج کر نہیں پوجتے خالق یا مالک تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں مگر انہیں خالق تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھ کر رب کا قرب حاصل کرنے کے لیے انہیں پوجتے ہیں یہ ان کا شرک ہے الی قولہ یہ آیت کفار کے لیے ہے لے مسلمانوں لے انبیاء اولیاء پر نہ چکاؤ انتہی بلفظ (ص ۱۳۱)

فارغین کرام بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ من دون اللہ یا من دونہ وغیرہ کے عمومی الفاظ کو کس طرح ان کلمہ مشرکین نے صرف بتوں میں بند کر دیا ہے اور کس طرح حضرات انبیاء اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پوجا پاٹ کا چور دروازہ پھینک دیا اور کس طرح انہیں کھلا چھوڑا ہے اور دہائی یہ دیتے ہیں کہ لے مسلمانوں ان آیات کو انبیاء و اولیاء پر نہ چکاؤ کیا مولف مذکور کو پھینکے بڑوں کی یہ تحریف قرآنی نظر نہیں آئی اور کیا ان کا افتراء علی اللہ اور یہ تمسیس نگاہوں سے نہیں گزری؟ بقول آپ کے ایسے آبد و باختر مسلک کا کیا حال ہوگا؟ اور انصاف سے کہیں کہ کیا قرآن کریم کے معانی میں تحریف کرنا باجرم ہے یا بقول آپ کے صدر الافاضل کی کسی عبارت میں؟ غرضیکہ آپ کے صدر الافاضل قدسے دہلی زبان سے اور ان کے بابہ نازش گروہی صاحبیہاں بہانگ دہلی صنم کی قید کو احترازی مانتے ہیں مگر آپ ہیں کہ پھینکے اکابر کی عبارات سے بھی بالکل بے خبر اور جاہل ہیں بفضلہ تعالیٰ ہم نے من دون اللہ کی باحوالہ پوری تفسیر اپنی کتاب گذشتہ توجید میں کر دی ہے۔ اور توجید کی مزید وضاحت دل کا سرور، تبرہ النواظر اور

ازالتہ الريب وغیرہ کتابوں میں کر دی ہے انہی میں فوراً ملاحظہ کریں تاخیر نہ کریں۔

دم کا منین بھر دوسرے جان خراب میں بیٹھے ہیں لوگ عمر کا سال کیے ہوئے

غیر اللہ اور بغیر اللہ کا فرق اور
اور سرفراز صاحب کا تیسرا اثر

قرآن کریم میں جو الفاظ آئے ہیں وہ بغیر اللہ کے ہیں بغیر اللہ کے نہیں اور عربی کا قبدي طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ بغیر اللہ کا معنی یہ ہے کہ غیر خدا کے نام پر اس کو شہرت دی گئی ہو اور کسی

وہ اقرب کے طور پر نامزد ہو اگر قرآن کریم میں الفاظ بغیر اللہ کے ہوتے تو یہ تاویل ایک حد تک معنی جاسکتی تھی کہ بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کیا جائے (تفسیر ۱۹۳۰)

کاش مولوی سرفراز صاحب کو ایک مبتدی طالب جہت بھی علم اور سلیقہ ہوتا تو وہ جان

لیتے کہ ماہل بغیر اللہ بہ کا معنی ہے جس کو بغیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو اور اس غیر کو اس مالی

عبادت کا مستحق سمجھا گیا ہو اور ماہل بغیر اللہ کا معنی ہے جس کو بغیر اللہ کے ساتھ نامزد کیا گیا ہو

اب ہم پوچھتے ہیں کہ دوسرے معنی میں تفسیر ذبحہ کا کون سا داعیہ ہے اور پہلے معنی میں کون سا

مانع ہے دروغ گو را حافظہ نہ باشد ص ۱۵۲ پر تو آپ نے کہا تھا کہ ہاں بعض مفسرین نے عام

رواج کے پیش نظر ذبح کے وقت بغیر اللہ کے ذکر کی مشورہ صورت ذکر کی ہے دیکھا آپ نے

ص ۱۵۲ پر مولوی سرفراز نے قید ذبح کو مشورہ قرار دیا اور تفسیر بعد ایسی قلابازی کھائی کہ مشورہ

عند المفسرین کو بغیر مسوم بنا ڈالا اب سوچنے والے یہ نہیں سوچیں گے کہ جو بات علماء مفسرین

کے درمیان مشورہ ہو وہ کس طبقہ میں غیر مشورہ ہو سکتی ہے؟ ہم نے گذشتہ سطور میں ذبح کی قید کو

متعدد اہل تفسیر سے حدیث رقم کیا تھا ان کے علاوہ دوسری تفسیر میں بھی یہ تفسیر موجود ہے

پس اس قید کو بغیر مسوم قرار دیکر اور جماعت مفسرین سے کنارہ کش ہو کر مولوی سرفراز صاحب

نے جس طبقے میں اپنی جگہ بنائی ہے امید ہے کہ یہ امر اباب ذوق سے مخفی نہ ہوگا بلفظ۔

(توضیح البیان ص ۲۲۳ و ۲۲۱)

الجواب، ہم پہلے مفصل ذکر کر چکے ہیں کہ بغیر اللہ کے لیے اقرب اور تعظیم کے طور پر نامزد

کیا ہوا جانور وَمَا أَهْلَ لَعْنَتِ اللَّهِ بِهِ کا مصداق ہے جمہور حضرات فقہاء کرام ہ

کے نزدیک اس میں عبادت کی کوئی قید نہیں ہے اور جن شواہد حضرات نے یہ قید لگائی ہے

تو اس کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے لہذا مولف مذکور کا یہ کہنا کہ بغیر کو اس مالی عبادت کا مستحق سمجھا

گیا ہو۔ قطعاً غلط اور ایجاد بندہ ہے۔ کیونکہ حضرات فقہاء کرام کے حوالے سے پہلے یہ گذر چکا ہے

کہ کسی بڑے کی آمد پر جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں وہ حرام ہیں اگرچہ ان کو اللہ تعالیٰ کا نام لے

کر ذبح کیا گیا ہو اس لیے کہ اس کاروائی میں بغیر اللہ کی تعظیم مقصود ہے اور مقبوی طالب

علامہ فیثا پوری حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور دیگر حضرات فقہاء کرام کی بیان کردہ صورت کو بھی کس طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اب کے کلمہ گو شرک شرک میں بھی مخلص نہیں منافق ہیں بیل اسلام کا لگاتے ہیں اور اندر سے شرک کی پلید اور نجس شراب پیتے اور پلاتے ہیں ہم نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ حضرات مفسرین کرام نے جو ذبح کی قید لگائی ہے وہ غیر ممنوع ہے جیسا کہ مؤلف مذکورہ دلیل سے کام لے رہے ہیں بلکہ ہم نے یہ کہا ہے کہ حرمت کی صورت صرف اسی میں منحصر نہیں اور نہ صرف اسی سے مقید ہے اور نہ اس کی گنجائش ہے ہمارے الفاظ یہ ہیں۔
غرضیکہ وہاں اھل کو وقت ذبح کے ساتھ متیقہ کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت ہے
۱۵۲ نیز ہم نے لکھا ہے کہ جن مفسرین کرام نے ذبح کے وقت غیر اللہ مثلاً اصنام وغیرہ کا ذکر کیا ہے تو یہ اس لیے نہیں کہ وہ اھل کفر پہ لفت بیز اللہ صرف اسی میں منحصر ہے بلکہ انہوں نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق صرف ایک شق کا ذکر کر دیا ہے جو بالکل بجا ہے الخ تنقیح ص ۱۵۷۔

قارئین کرام انصاف سے فرمائیں کہ ہماری ایسی صاف عبارت کے ہوتے ہوئے مؤلف مذکورہ کا ہمیں جماعت مفسرین کی تحقیق کا مشورہ اور کنارہ کش بنانا اور اس مقبول طبقہ کے مقابلہ میں لاکھڑا کرنا کتنا بڑا ظلم اور کسی واضح بددیانتی ہے۔

سچ بات کا انکار میں کیوں کر دروں سے بت بے شک مجھے آتی ہے کبھی یاد خدا بھی کسی بھی عقلمند کو اس میں شک و شبہ نہیں ہو سکتا اور نہ اس کی گنجائش ہے کہ تحلیل و تحریم کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اس کی دیگر صفات کی طرح اس میں بھی اٹن کا کوئی شریک و شریک نہیں۔ حضرات انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حلت و حرمت کی قطعیت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور حضرات فقہاء کرام اور ائمہ مجتہدین جزئیات اور فروع کی شکل میں اس کی تشریح و تفسیر کرتے ہیں جس طرح کسی چیز کی حرمت کی دلیل مطلوب ہے اسی طرح حلت کی دلیل بھی درکار ہوتی ہے لیکن فریق مخالف کے مفسرین عظیم اور مراد آبادی صاحب کے شاگرد بھی

نے شرک و بدعت کی حیثیت میں داخل ہونے کے لیے اور من مانی کرنے کی خاطر چور دروازہ کھلا رکھا ہے چنانچہ مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں۔

یعنی اگر جانوروں کو حرام ماننے میں تم سبکے ہو تو اس حرمت کی قطعی یقینی دلیل لاؤ معلوم ہوا کہ حلت کے معنی سے دلیل نہ مانگی جائے گی دیکھو کہ دلیل تو ہے کوئی نہیں اور یوں بچارے پیٹ پر زور پڑے گی۔ مفسر (بلکہ حرمت کے معنی پر دلیل لانا لازم ہے، آج کل دہائی ہم سے ہر چیز کی حلت پر دلیل مانگتے ہیں جس سے ہم ہلہلہ قاصر ہیں۔ مفسر اور خود حرمت کی دلیل نہیں پیش کرتے) بلکہ دلائل اور براہین کا انبار لگا دیتے ہیں جس سے ہمارے اوسان خطا ہوجاتے ہیں۔ مفسر یہ اصول قرآن کے صریح خلاف ہے دیکھو کہ ان جانوروں کے حرام ماننے والوں سے دلیل مانگی۔ انتہی بغض (ص ۲۳۲) اور نیز لکھتے ہیں کہ حلال ہونے سے دلیل کی ضرورت نہیں الخ (ص ۲۳۳)

قارئین کرام! ملاحظہ کیجئے کہ اپنے علوے ماڈے کے لیے کس طرح چور دروازہ وا رکھا ہے تاکہ تیجہ ساتواں۔ دسواں۔ چہلم۔ عرس۔ میلاد۔ گیارہویں اور غیر اللہ کے لیے نامزد کیے ہوئے جانوروں کی حلت وغیر حرام مانی کاروائی کے سلسلہ میں ان سے کوئی دلیل طلب ہی نہ کرے اور ان کے پیٹ مبارک کا ہر طرف اور ہر رنگ میں خوب خوب انتظام ہونا ہے اور ان کے اتاد محترم مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی وَالطَّيِّبَاتُ مِنَ الْبَرِّ ذِئْبِ كِتَابِ تَفْسِيرِ میں لکھتے ہیں۔ مسئلہ آیت اپنے عموم پر ہے ہر کھانے کی چیز اس میں داخل ہے جس کی حرمت پر نص وارد نہ ہوئی ہو (خازن) تو جو لوگ قرآن۔ گیارہویں۔ میلاد شریف۔ بزرگوں کی فاتحہ۔ عرس مجالس شہادت وغیرہ کی شریعتی بیل کی شہرت کو ممنوع کہتے ہیں وہ اس آیت کے خلاف کر کے گنہگار ہوتے ہیں اور اس کو ممنوع کرنا اپنی رائے کو دین میں داخل کرنا ہے اور یہی بدعت و ضلالت ہے۔ بغض (خزانة العرفان ص ۲۳۳)

بغض تعالیٰ چونکہ ہم نے راہ سنت وغیرہ میں ان امور کے بدعت و ضلالت ہونے پر بالکل مبسوط بحث کر دی ہے اس لیے ہم یہاں اس پر مزید بحث نہیں کرتے بس یہاں یہی

کنا چاہتے ہیں کہ ان تمام امور کی نصوص سے ممانعت ثابت ہے اور حضرات فقہاء کرام و کا
دین کے بائے میں نہایت ہی محتاط طبقہ ان امور کو بدعت و ضلالت کہتا ہے لہذا ان امور
کی حلت کو ثابت کرنے والا نہ صرف یہ کہ گنگنا رہے بلکہ اپنے لیے شارح ہونے کا منصب
بھی ثابت کرتا ہے اور ان امور و بوجہ کو حلال کہنے اور کرنے والا محرف دین ہے اور اپنے لیے
منصب قانون سازی ثابت کرتا ہے وہ راہزن ہے رہنما نہیں اس سے بڑھ کر اور گمراہی
کیا ہو سکتی ہے؟ فہو بالذات اللہ تعالیٰ من ذلک۔

مجھے زنجیر پنا دو مجھے سولی پہ لٹکا دو مگر میں راہزن کو رہنما کہوں یہ مشکل ہے
حلت و حرمت دونوں محتاج دلیل ہیں نصوص شرعیہ سے یہ امر بالکل ثابت ہے
جو کئی اسی طرح حلت بھی بلا دلیل ثابت نہیں ہو سکتی اور اس پر ہم پہلے بھی بفضلہ تعالیٰ باحوالہ
بحث کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا كُنْتُمْ كَاذِبِينَ
الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَقَدْ
حَرَّمَ اللَّهُ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ
إِنَّ الْكَذِبَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ
الْكَذِبَ لَا يَفْلِحُونَ ۝
اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی
ہیں۔ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر
جھوٹ باندھو جسے شک جو اللہ پر جھوٹ باندھنے
میں ان کا بھلا نہ ہوگا۔
(ترجمہ از خا نصاب)

(پ ۱۴ - اسٹل ۱۵)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حلال اور حرام دونوں کا صراحتاً تذکرہ فرمایا ہے
اور اس میں یہ سبق دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر محض اپنی زبانوں سے کسی چیز کو حلال
اور حرام کہنا اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنا ہے اس سے بالکل عیاں ہو گیا کہ جس طرح حرمت
دلیل کی محتاج ہے اسی طرح حلت بھی دلیل کی محتاج ہے لہذا یہ کہنا کہ حلت کے مدعی سے
دلیل نہ مانگی جائے گی قطعاً باطل ہے اور یہ بدعت اور رسومات بد کے اجراء کیلئے چور دروازہ

ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مراد آبادی صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھ
کر ایک طرف کاروائی کی ہے کہ۔ آج کل بھی بڑے لوگ اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام بتا دیتے
ہیں جیسے میلاد شریف کی شربتی، فاقہ، گیارہویں، عرس وغیرہ ایصال ثواب کی چیزیں جن کی
حرمت شریعت میں وارد نہیں ہوئی (ان کے حرام بدعت اور مکروہ ہونے پر محسوس دلائل شرعاً
وارد ہیں دیکھئے راہ سنت وغیرہ۔ صغیر) انہیں اس آیت کے حکم سے ڈرنا چاہیے کہ ایسی
چیزوں کی نسبت یہ کہہ دینا کہ یہ شرعاً حرام ہیں اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنا ہے (مثلاً) ان امور
کی حرمت و کراہت تو دلائل قاطعہ سے ثابت ہے دراصل آیت کریمہ میں بیان کردہ حکم
سے ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو ان امور کو حلال کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں
مگر عمل اس پر کرتے ہیں کہ ان امور کو حلال کہنا اور توہین یہ رکھتے ہیں کہ لوگ انہیں بزرگ اور
خادم دین سمجھیں جو دراصل بدمذہب دین میں س

قبا پرستی کے پردے میں جو عیاشی کے رسیا ہوں
میں ایسوں کو شیون و صوفیا کہوں یہ مشکل ہے

یہ عنوان قائم کر کے مولف مذکور لکھتے ہیں کہ صدر الافاضل
مسرفراز صاحب جو تھا شبہ رحمت اللہ علیہ کے کلام پر مصنف تنقید نے جو تھا اعتراض
اس طرح کیا کہ رابعا جانور ہو یا کوئی اور شیئی جب کسی ولی اور بزرگ کے نام پر اس اعتقاد سے دی
جائے کہ اس سے جلب منفعت یا دفع مضرت ہوگی تو وہ حرام ہے۔ انتہی

یہ کلام بھی حسب سابق تحریف اور دروغ گوئی کی اپنی آپ مثال ہے صدر الافاضل
رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث میں کہیں یہ نہیں فرمایا کہ بزرگوں کے نام پر اس اعتقاد سے جانور
دیا جائے کہ جلب منفعت اور دفع مضرت ہو البتہ ایصال ثواب کے لیے جانوروں کو نامزد
کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں یا وہ جانور جس سے اولیاء اللہ کو ثواب
پہنچانا منظور ہو اس کو بغیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے مگر
ذبح ان کا فقط اللہ کے نام پر ہو اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال اور

طیب میں۔

فریقِ مخالفت کے قطب عالم مولوی رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں کہ اگر یرینت ہو کہ اس کا ثواب لوجہ اللہ کسی کو پہنچے اس میں کوئی حرج نہیں تعظیم پر ذبح سے حرام ہوتا ہے (بجوازِ تنقید ص ۱۳۲)

اور اسی حزبِ معاند کے حکیم الامت لکھتے ہیں۔

بعض لوگوں کو تغیر احمدی کی عبارت سے یہ شبہ ہو گیا ہے اس کا جواب اس کے منہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے تاویل ایصالِ ثواب کی بنا پر حاکم فرمایا ہے (بجوازِ تنقید) دیکھتے اہل تنقیص کے دو بخاری مولویوں کے کلام سے بالتحریح یہ امر ثابت ہو گیا کہ جانور کو ایصالِ ثواب کی خاطر اولیاء اللہ کے لیے نامزد کیا جائے تو یہ حلال اور طیب ہیں اور یہی بات حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے پھر یہ کیا ظلم اور صریح بیادنتی ہے کہ آپ کے اجارہ و رہبان اگر ایک بات کہیں تو وہ حق ہے اور وہی بات اگر ہم پیش کریں تو باطل۔ باقی رہا اولیاء اللہ کے تقرب کے لیے نذر ماننا تو ہم اس بارے میں اپنا مسلک اکثریہ واضح کر چکے ہیں کہ تقرب علی وجہ العبادۃ شرک ہے اور ہم ایصالِ ثواب کے قائل ہیں لہذا افضل نے اپنی اس تفسیر میں بھی ایصالِ ثواب کا ذکر کیا ہے پس اس صورت میں اس طرح نذر ماننا کرنے اللہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں نذر ماننا ہوں کہ میں فلاں جانور تیرے لیے ذبح کروں گا۔ اور پھر وہ اس نذر کا ثواب کسی شخص یا بزرگ کو پہنچائے تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، انفاس العارفين ص ۱۴۴ میں تحریر فرماتے ہیں (حضرت والد ماجد) قصبہ ڈاسنہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کو گئے رات کا وقت تھا۔ اس جگہ فرمایا کہ مخدوم ہماری دعا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کچھ کھسا کر جانا پھر حضرت بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ آدھیوں کا نشان منقطع ہو گیا۔ ساتھی اٹا گئے اس وقت ایک عورت اپنے سر پر چادری اور شیرینجی کا طبق لیے ہوئے آئی اور کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جس وقت میرا غنا دہاٹے گا۔ مخدوم اللہ دیاہ کے دربار میں بیٹھنے والوں کو پہنچا دہاٹی

وہ اسی وقت آیا میں نے اپنی نذر پوری کی۔ اللہ اکبر کیسا عجیب تناکر نظر ہے کہ اہل سنت پر نذر نیاذ کی آڑ میں شکم پروری کا الزام رکھنے والوں کے مزاج کا بذر و نیاذ کے چادری اور شیرینی کے استعارے میں بیٹھے ہیں اب مولوی سر فرزا صاحب سے پوچھئے کہ کیا یہ نذر جلبِ منفعت اور دفعِ مصرت کے اعتقاد پر مبنی نہ تھی ہم نے باقاعدہ ثبوت ہم پہنچا کر ثابت کر دیا ہے کہ آپ کے فتویٰ کی زد میں براہِ راست آپ کے اکابر آہے ہیں ہمیں گورخیر سے آپ ہمیشہ کرتے بہتے ہیں اب اپنی خبر لیجئے یا محتیدہ بدیلے یا شجرہ نسب بدیلے و ذہ حرام خوردوں کی معنوی اولاد بنئے جو آسان معلوم ہو گئے ہاتھ کر ڈالیے ہم تو آپ کی بہتری میں خوش ہیں اور ہمیشہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بہتری فرمائے آمین انتہی بلغظہ در شرح البیان ص ۲۲۴ تا ۲۲۵

الجواب: ہم نے قارئین کرام کے سامنے مزملت ذکر کی پوری عبارت نقل کی ہے تاکہ جواب کے سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے ذیل کے امور پر غور سے دھیان رکھیں۔

(۱) ایصالِ ثواب کا مسئلہ اپنی شرائط کے ساتھ اپنے مقام پر حق اور صحیح ہے اس کا کوئی منکر نہیں اور نہ اس میں کوئی نزاع ہے اس کو وہاں اھل کی بحث میں بلا تفصیل بیان کرنا بیجا و بطل ہے حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا حکیم الامت کے حوالے درست ہیں اور ہم ہی نے وہ تنقید متین میں نقل کیے ہیں اور ہمارے ہی شکار سے مولف نے استفادہ کیا ہے

(۲) اگر حضرات اولیاء اللہ کے نام پر جانوروں کا نذر کرنا تقرب کے لیے نہیں بلکہ صرف ایصالِ ثواب ہی کے لیے ہے تو اپنے ماں باپ وغیرہ اقارب کے لیے نامزدگی کیوں نہیں کی جاتی جب کہ وہ ایصالِ ثواب کے حضرات اولیاء اللہ سے زیادہ محتج ہیں؟ جاہل اور بے احتیاد آدمی بخوبی جانتا ہے کہ ماں باپ کس قماش کے تھے؟ اس لیے ان کے تقرب و تعظیم سے تو مطلب حل نہیں ہوتا لہذا حضرات اولیاء کرام کے نام پر وہ جانور وغیرہ نامزد کرنا ہے تاکہ اس طریق سے مطلب حل ہو جائے۔ فتاویٰ عزیزی اور روح المعانی کی مفصل عبارتیں پہلے گزر چکی ہیں اعادہ کی حاجت نہیں۔

(۳) خود مولف نے ذکر کے حوالے سے یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ ایصالِ ثواب اور

نذر دو الگ الگ چیزیں ہیں ہاں بقول ان کے نذر کی بعض صورتیں ایصالِ ثواب کو مستلزم ہیں لیکن بعض صورتیں حضرات فقہاء کرام کے نزدیک ایسی بھی ہیں جن میں کوئی استلزام نہیں بلکہ نذر کی وہ صورتیں بالاجماع کفر ہیں کافر

(۴) نزاحت ذکر کا یہ کہنا کہ پھر یہ کیسا عظیم اور صریح بیانی ہے کہ آپ کے اجارہ و ربان اگر ایک بات کہیں کر دے جس سے اور وہی بات اگر ہم پیش کریں تو باطل باقی رہا اولیاء اللہ کے لیے نذر ماننا تو ہم اس بارے میں اپنا مسلک مرزا کثیرہ بیان کر چکے ہیں کہ تقرب علی و درجہ العبادۃ شرک ہے اور ہم ایصالِ ثواب کے قائل ہیں الخ جمل مرکب کا پلندہ ہے کیونکہ ہمارے اجارہ و ربان بشمولیت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ایصالِ ثواب کو جائز کہتے ہیں اور تقرب و تعظیم غیر اللہ کو جائز و غیرہ کی حرمت اور خاشاک کی علت قرار دیتے ہیں اور آپ لوگ تقریباً اللہ کو ایصالِ ثواب قرار دیکر حلال و طیب قرار دیتے ہیں اور صرف تقرب علی و درجہ العبادۃ کو شرک قرار دیتے ہیں اور پہلے سوال عرض کیا جا چکا ہے کہ قدم امیر کے لیے جو جائز ذبح کیے جاتے ہیں وہ حضرات فقہاء کرام کی تصریحات سے حرام ہیں کیونکہ اس صورت میں مقصود و ضیافت نہیں ہوتی بلکہ تقرب و تعظیم مطلوب ہے حالانکہ بادشاہوں کا تقرب علی و درجہ العبادت کوئی بھی نہیں کرتا نہ ان اکثر ظالموں اور فاسقوں کو کوئی قابلِ عبادت سمجھتا ہے نہ ان کی عبادت کرتا ہے علت حرمت صرف تقرب ہے۔

(۵) بعض افعال ہی اعتقاد پر وال ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ ان کے کرنے والا جلد چلا کر یہ کہے کہ میرا یہ عقیدہ ہے اگر محض ایصالِ ثواب ہی مقصود ہو تو بقول حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اتنی مقدار میں گوشت پر اکتفا کر لی جائے اور بازر سے خرید کر مساکین میں بانٹ دیا جائے جانور کو اولیاء کرام کے نام پر نامزد کرنے والے کے دل میں اکثر یہ فتور ہوتا ہے کہ اس نامزدگی سے اس کا تقرب حاصل ہو گا اور اس طریقہ سے مطلب براری ہوگی جیسا کہ قدم امیر کے لیے جانور ذبح کرنے والا زبان سے کہتا ہے کہ تقرب و تعظیم اور تقرب چاہتا ہوں مگر اسی اس کا وہی اور حضرات فقہاء کرام نے تعظیم و تقرب ہی قرار دیا جانور کی حرمت کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ کافر

(۶) اہل حق صاف الفاظ میں یہ کہتے ہیں کہ کسی جانور کی بنام خدا قربانی کر کے اس کا ثواب کسی دلی اور بزرگ کو پہنچایا جا سکتا ہے لیکن اس میں اپنی مطلب براری کا کوئی سوال نہیں ہوتا وَمَا أَهْلَ لَعْنَتِ اللَّهِ بِهِ کی اس شقی میں اہل حق اختلاف کرتے ہیں جس میں غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب مقصود ہو وہ حرام ہے اور ایسے لوگ دنیا میں موجود تھے اور ہیں جو جانور کو غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کے لیے ذبح کرتے تھے اور کرتے ہیں چنانچہ خود فریقِ مخالف کے صدر الافاضل وَمَا ذُبِحَ عَلَى النَّصَبِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

دوسری وہ جو کسی تھان پر عبادت ذبح کیا گیا ہو جیسے کہ اہل جاہلیت کے کعبہ شریف کے گردین سوساٹھ پتھر نصب کیے تھے یہ صرف پتھر ہی نہ تھے بلکہ ان میں بنائیاں کعبہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کے مجسمے بھی تھے بھاری مسجد اور بروایت مندا احمد حضرت مریم علیہا السلام کا مجسمہ بھی تھا۔ البلیغ والنہایت مستطیع جن کی وہ عبادت کرتے تھے اور ان کے لیے ذبح کرتے تھے اور اس ذبح سے ان کی تعظیم و تقرب کی نیت کرتے تھے انتہی بلغظہ (۱۵۶) اس سے بالکل عیاں ہو گیا کہ غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرنے والوں کی نیت میں ان کی تعظیم و تقرب کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ اور یہ تعظیم اور تقرب پیغمبر پیر بزرگ اور جن وغیرہ سب کے لیے ہوتا ہے جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے حوالہ سے پہلے بیان ہو چکا ہے فریقِ مخالف کی یہ بے حد کو آہ فنی یا نہی ہٹ دھرمی ہے کہ وہ اس تقرب اور تعظیم کو پتھروں اور بتوں کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور حضرات اولیاء کرام کے نام پر تقرب و تعظیم کے لیے نامزد کیے ہوئے جانوروں کو اس سے خارج کرتے ہیں اور یوں اپنے پیٹ کے لیے کھالے پینے کا چور دروازہ کھلا چھوڑتے ہیں کیونکہ کلمہ گو مسلمانوں کو بتوں سے تو کوئی ٹکاؤ نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے کہ حضرات اولیاء کرام سے ہوتا ہے مشرکین نے بھی قمری سال کے تین سوساٹھ دنوں کے حساب سے تین سوساٹھ مذہبی اور سیاسی بزرگوں کے بت اور مجسمے کعبۃ اللہ کی دیوار میں نصب کر رکھے تھے تاکہ ہر دن انہیں نیا چڑھاوا وصول ہو سکے اور سال کا کوئی دن بھی ناخن نہ ہو یہی حال آج کے کلمہ گو

مسلمانوں کا ہے کہ کبھی کسی کا عرس رچایا جاتا ہے اور کبھی کسی کا تاکہ دوسے پیارے ہو جائیں اور تفسیر کھانے کے بیٹھ شریف کی خوب تواضع ہوتی ہے۔ ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ کعبۃ الشریح جو تین تلوں سا مٹھرت تھے وہ محض منہ اور بت ہی نہ تھے بلکہ ان لوگوں میں عظیم ترین مذہبی اور سیاسی بزرگوں کے نام پر مجھے تھے جن میں خصوصیت حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل اور حضرت مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مجھے بھی تھی کیا کہ اوپر باحوالہ بیان ہو چکا ہے مزید تحقیق کلہ نہ تھی وہ میں دیکھیں۔ یہ بات پیش نظر ہے کہ مشرکین عرب کا یہ نظریہ تھا کہ جن کے نام پر وہ تہذیبیں تھے (مذہبی عبادت ہے کھائیں) اور جنہیں سجدے وغیرہ کر کے ان کی عبادت کرتے تھے۔ وہ خالق و مالک ہیں بلکہ یہ کہتے تھے کہ وہ ہیں خدا تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارشیں کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ

مَا تَعْبُدُوهُمْ إِلَّا لِيُغْنُواكُم مِّنَ اللَّهِ زُنُفًى

اور اسی پہلو کو حضرت فقہار کرام تقرب و تعظیم اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور ارشاد خداوندی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں۔

هَؤُلَاءِ شَفَعْنَا عِنْدَ اللَّهِ

کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں اور اسی مافوق الاسباب سفارش کو حضرات فقہاء اسلام نے کفر کہہ ہے جس کی مفصل باحوالہ بحث اپنی جگہ پر مذکور ہے۔ اور آج بھی حضرات اولیاء کرام سے ایسی اندھی محبت رکھنے والے موجود ہیں الغرض تقرب تعظیم اور ایصالِ ثواب کے لیے پتھروں اور بٹوں کو ہی مختص نہیں کیا گیا جیسا کہ اہل شرک نے سمجھ رکھا ہے بلکہ ان بزرگ مبتیوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے جن کے نام پر بت بنائے گئے اور اسی میں علم لکھ کر وہ ساری عمر کوئی معنی بیان میں تھیں۔ آخری وقت میں کیا خاک نماں ہو چکے

فقہار کرام کے سامنے ہم رسالہ ضیاء حرم کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں

دیکھیں گے

چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ روایت ہے کہ شہر برون پور میں ایک مالدار اللہ تعالیٰ پر رہتا تھا وہ مذہب سے ہندو تھا مگر حضرت غوث الاعظم کا معتقد تھا اپنے آپ کو آپ کا مرید

بتا تھا اور آپ کی محبت میں ہر سال قسم قسم کے کھانچا کر علماء اور فخر اکو کھلاتا تھا جب فوت ہوا تو ہندوؤں نے اس کی چٹان کر کھیلوں کو آگ لگا دی مگر آگ نے اُس کے بال تک نہ جلانے ہندو یہ دیکھ کر طرح طرح کے مشورے کھنے لگے آخر یہ طے پایا کہ اسے پانی میں پھینک دیا جائے جب پانی میں پھینک دیا تو حضرت غوث الاعظم نے ایک بزرگ کو خواب میں فرمایا کہ فلاں ہندو میرا روحانی فرزند ہے جس کا نام مردان خدا کے نزدیک سعد اللہ ہے اسے پانی سے نکال کر غسل دو نماز جنازہ پڑھ کر دفن دو۔ انتی بنفظ (ضیاء حرم رمضان، فروری ۱۹۲۹ء ص ۱۲۱)

فقہار کرام! غور فرمائیے کہ جب ایک ہندو حضرت غوث الاعظم کی محبت میں قسم قسم کے کھانے پکا کر علماء وغیرہم کو کھلانے کی برکت سے سعد اللہ بن گیا اور حضرت سیدنا شیخ عبدالحق دجلانی کا روحانی فرزند قرار پایا کہ نہ تو اس کو کسی مسلمان نے کلہ پڑھتے اور نماز روزہ وغیرہ ادا کرتے دیکھا اور نہ کسی ہندو نے تو مسلمان کھلانے والے اگر حضرت کی محبت میں آکر گیا ہوں شریف کے قسم قسم اور لذیذ کھانے علماء وغیرہم کو کھلائیں تو ان کے سعد اللہ بننے اور روحانی فرزند کھلانے اور نجات پانے و بخشش میں کیا شک ہو سکتا ہے پھر انہیں نماز روزہ وغیرہ دین کے کاموں میں مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ محض حضرت غوث الاعظم سے تقرب پیدا کرنا بیڑا پار ہے بس صرف علماء وغیرہم کو قسم قسم کے کھانے کھلا دیں۔ ہمارے ہاں نہ تو خوابوں پر دین کا مدار ہے اور نہ کوئی ہندو کسی ولی کا روحانی فرزند بن سکتا ہے فریق ثانی جانے اور اس کا کام۔ بقول اکبر

صبر و دلیری دلیری حق پرستی اب کساں رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلمان ہو گئے

(۷) عولت مذکور نے النفس العارفين کا جو حوالہ نقل کیا ہے وہ ان کے دعویٰ سے بالکل غیر متعلق ہے کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ جانور کو ایصالِ ثواب کی خاطر اولیاء کرام کے لیے نامزد کیا جائے الخ اور اس واقعہ میں نہ ماننے والی یہ نہیں کہتی کہ چاول اور شیرینی کا طبق میں نے مخدوم اللہ دیا ہے کیونکہ وہی اور بزرگ تو مخدوم اللہ دیا ہے بلکہ وہ بقول عولت مذکور کہتی ہے کہ میں نے نذرمانی بھی کر جس وقت میرا خاندان آئے گا مخدوم

اللہ دیا کے دربار میں بیٹھے والوں کو پہنچاؤں گی التویر بیٹھنے والے نذر کا مصروف میں نہ کر ان سے جلیب منفعت اور دفع مضرت کا پہلو والبتہ ہے اور فتاویٰ عزیزی کے حوالے سے پہلے اس کے جواز کی بحوالہ مفصل بحث گزر چکی ہے۔ ہماری قلمی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فریق مخالف کے ہر فرد کو شمولیت مزاحمت ذکر دعوائے اور دلیل کی مطابقت کے سمجھنے کی توفیق بخشنے تاکہ وہ فضول بھرتی سے محفوظ رہیں۔

(۸) تولد ذکر نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی وغیرہ حضرات کو ہمارے مرموم اکابر کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ ان کی کوتاہی ہے وہ حضرات بجز اللہ تعالیٰ ہمارے بایقین اکابر ہیں اور ہندوستان کی سرزمین میں ان کے بعد آجکل ایسے اکابر پیدا ہی نہیں ہوئے۔

۷ اولیٰ ابائی غیبی بمثلہم اذا جمععت یا جابر الجاهل
مزاحمت ذکر یہ کہتے ہیں کہ آپ کے فتویٰ کی زور میں براہ راست آپ کے اکابر آئے ہیں۔ البتہ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ ہمارے اکابر ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہمیں اس پر بڑا فخر ہے کہ وہ ہمارے اکابر ہیں اور اس سے یہ بھی عیاں ہو گیا کہ وہ حضرات فریق مخالف کے اکابر نہیں ہیں اور بات بھی درحقیقت یہی ہے ہاں جب ان کی کسی عمل یا سہم عبادت سے فریق مخالف کی کسی بدعت کی تائید ہوتی ہو یا اس سے ان کے پیٹ مبارک کو کوئی رسد سہم پہنچا ہو تو پھر بادل نخواستہ وہ ان کے اکابر بن سکے ہیں۔ کیونکہ ان کے بغیر ان کی گاڑی نہیں چلتی اور پتی ہی کا نام گاڑی ہے اور یہ مقصد نہ ہو تو پھر نکلنے نزدیک معاذ اللہ تعالیٰ وہ حرام خوردوں کا ٹولہ ہے اور ہم ان کی معذری اولاد ہیں جیسا کہ تولد ذکر کے بیان سے واضح ہے۔ قارئین کرام اس کو غور سے پڑھیں عیاں راجح بیاں۔

(۹) بلاشک نذر نافر کے خیال میں جلیب منفعت اور دفع مضرت کا سبب ہوتی ہے۔ اور حقیقت جیسا کہ حدیث میں آتا ہے لایاتی ابن آدم السنذر بئشی الیریش (بخاری ۹۴۷)۔ کہ ابن آدم کے لیے نذر کچھ نہیں کر سکتی ہے ہوتا وہی جو منظور خدا ہو۔ لیکن اس طریق سے بخیل سے غریبوں کے لیے مال نکل آتا ہے اور مسلمان جب بھی نذر ماننا ہے تو خدا تعالیٰ

ہی کیلئے ماننا ہے یہاں اس واقعہ میں اس لی بی نے بھی ایسا ہی کیا ہے ہاں اُس نے اپنے خیال میں اس نذر کے مصارف دل تمین کیے ہیں کہ حضرات مخدوم اللہ دیا کے دربار میں بیٹھے والے اکابر میں اور اس طرح اُس نے ہی نذر پوری کی بیٹھنے والوں نے تو اُس نے جلیب منفعت کی امید والبتہ رکھی اور دفع مضرت کی آرزو کو تولد ذکر اللہ اکبر کا نعرہ مار کر بلاوجہ خوش ہوئے ہیں ان کا کوئی مقصد بھی کسی حوالہ سے پورا نہیں ہوا ان کے لیے تو یہ جائز و رد کرنا زیادہ مناسب ہے کہ۔

اے میرے باغ آرزو کیا ہے باغ ہائے تو

کھیاں تو گرہیں چار سو کوئی کلی کھلی نسین

یہ عنوان قائم کر کے تولد ذکر لکھتے ہیں کہ۔

سرفراز صاحب کا پانچواں شبہ

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر مولوی سرفراز صاحب کی پانچویں تحریف ملاحظہ فرمائیں۔ خامشاً مولوی نعیم الدین صاحب نے جو لکھا ہے کہ کیونکہ مَا أَهْلًا بِهِ كُرْهُهُ فَذَنْبٌ كَرِيمٌ كَرِيمٌ تَوْهًا ذَكِيَّةً شَدِيدًا كَمَا اسْتَشَارَ اس كُو للاحق ہوگا اور وہ جائز جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے موموں پر ہا ہو وہ رَا تَصَادُ كَيْتَنَةً سے حلال ہوگا یہ محض جہالت کا نتیجہ ہے اس لیے کہ یہ استشار سب مذکورہ اشعار کے ساتھ ملحق نہیں بلکہ صرف قریب کی چیزوں سے ملحق ہے مثلاً وَمَا أَكَلُ السَّبْعُ وَغَيْرِهِ اِگر سب کے ساتھ ملحق ہو تو ان میں میتہ اور خنزیر کا تذکرہ بھی ہے اور اس اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ مردار جائز جو خود بخود ہون ذبح کے مرچکا ہو وہ حرام سے مرچکا ہاں جس مردار کو تم ذبح کر لو وہ حلال ہے اور خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے ہاں مگر جس کو تم ذبح کر لو تو وہ حلال ہو جائیگا۔ ر معاذ اللہ تعالیٰ جب جانہ مردار ہو چکا ہو تو پھر ذبح کرنے سے کیونکر حلال ہو سکتا ہے؟ اور خنزیر کس طرح ذبح سے حلال ہو سکتا ہے؟

اتنی کلام عقیدہ تمین ص ۱۲۵ (دو طبع دوم ۱۳۵۵) مولوی سرفراز صاحب نے یہ جاہلانہ اعتراض کر کے صدر الافاضل کی طرف جو گند اچھا لایا ہے اس نے ان کی عاقبت کو اس طرح پلیدہ بخش بنا دیا ہے کہ وہ ذلت کی نگاہوں میں بھی رسوا ہو گئے۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے تو بالخصوص مردار اور خنزیر کو استنثار لاجح کیا اور نہ باجموم یہ فرمایا کہ تمام مذکورہ اشیاء کو استنثار لاجح ہو گا حتیٰ کہ میت اور خنزیر کو بھی لاجح استنثار لازم آئے۔ پس مولوی سرفراز صاحب نے جمالت عباد اور دروغلوئی کے پیش نظر جو صدر الافاضل کے کلام پر یہ رو کیا ہے کہ یہ استنثار سب مذکورہ اشیاء سے طہق نہیں یہ اُس وقت وارد ہوتا جب صدر الافاضل نے سب اشیاء کے ساتھ لاجح استنثار کا دعویٰ کیا ہوتا اور اگر بعض (یعنی وہا اہل بید) امور کے ساتھ استنثار کا لاجح کل کے ساتھ لاجح کو مستلزم ہے تو پھر یہ استنثار مشترک ہے کیونکہ بعض امور (وَمَا اَكَلِ السَّبِغِ) کے ساتھ لاجح استنثار تو آپ بھی مانتے ہیں۔ لیکن ہے مولوی سرفراز صاحب کو ان بعض مفسرین کی عبادت بکھنے میں غلطی ہو جو مختلف سے لیکر وَمَا اَكَلِ السَّبِغِ تک پانچ چیزوں کو استنثار لاجح کرتے ہیں اور جنہوں نے تصریح کی ہے کہ دم۔ میت۔ خنزیر اور وَمَا اَهْلَ لِعَنْبِرِ اللّٰهِ بید کو استنثار لاجح نہیں تو عرض یہ ہے کہ وَمَا اَهْلَ لِعَنْبِرِ اللّٰهِ بید کو جن مفسرین نے استنثار لاجح نہیں کیا وہ وَمَا اَهْلَ لِعَنْبِرِ اللّٰهِ پر محمول کرتے ہیں پس اِنَّ مَا ذَكَيْتُمْ لاجح کرنے کا مفاد جب مَا اَهْلَ لِعَنْبِرِ سے حاصل ہو گیا تو اب اِنَّ مَا ذَكَيْتُمْ کا لاجح کرنا محض تحصیل حاصل ہے اور یہ بات اس مضمون میں صریح ہے کہ اگر مَا اَهْلَ لِعَنْبِرِ کو ذبح پر محمول نہ کیا جائے تو اب اس کو اِنَّ مَا ذَكَيْتُمْ کا لاجح صحیح ہو گا کیونکہ علماء کی عبارات میں مضمون مخالفت معتبر ہوتا ہے۔

اب ہم آپ کے سلسلے عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ گرامی مولانا جیون رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیرات احمدیہ سے وہ کلام پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے وَمَا اَهْلَ لِعَنْبِرِ لَعْنَتُكُمْ کے لاجح نہ ہونے کی علت اہل کا معنی ذبح ہونا قرار دیا ہے ملاحظہ ہو (ہم نے مولف مذکور کے ترجمہ پر ہی اکتفا کیا ہے۔ صفحہ ۱۰۷ اور مقدمہ سے استنثار کرنا جائز نہیں یعنی مردار خون لحم خنزیر اور وَمَا اَهْلَ لِعَنْبِرِ اللّٰهِ بید سے جس طرح اس پر علامہ زاہدی نے نص قائم کیا ہے کیونکہ یہ اشیاء لہذا محرم ہیں جنہیں کسی حال میں علت لاجح نہیں

ہوتی اور قرآن میں ان کا ذکر متعدد بار بغیر استنثار کے کیا گیا ہے اور یہ اس پر کافی دلیل ہے نیز ان امور میں ذبح کا معنی غیر متصور ہے کیونکہ مردار تو بلا ذبح مر گیا اور خون کا مذبح نہ ہونا بالکل ظاہر ہے اور خنزیر مطلقاً حرام ہے پس اسے مذبح ہونے کے لیے ان مَا ذَكَيْتُمْ کے استنثار کی حاجت نہیں اور مَا اَهْلَ لِعَنْبِرِ کا معنی مَا ذَكَيْتُمْ ہے پس اسے اِنَّ مَا ذَكَيْتُمْ لاجح کر کے دوبارہ ذبح کرنا کس طرح متصور ہو سکتا ہے؟

مضمت مزاج آدمی کے لیے ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام میں ہدایت کا وافر مواد موجود ہے البتہ خواہ مخواہ کی ضد اور عناد کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ اور اگر مولوی سرفراز صاحب کو اب بھی کچھ شبہ رہ گیا ہو تو بیچے اب تفسیر روح المعانی سے مسالہ آدھی کی صریح نص پیش کرتے ہیں کہ یہاں استنثار وَمَا اَهْلَ لِعَنْبِرِ اللّٰهِ بید کی طرف راجح ہے چنانچہ علامہ آدھی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آیت میں استنثار تمام محرمات کی طرف راجح ہے سوان چیزوں کے جو ذکاۃ کو قبول نہیں کرتیں اور وہ یہ ہیں مردار۔ لحم خنزیر۔ خون اور جس کو دندے نے کھاپی لیا ہو اور اس کے کھانے کے بعد جانور زندہ نہ بچا ہو اس آیت کریمہ میں نو چیزوں کو محرمات میں شامل کیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ان میں چار کی طرف استنثار راجح نہیں ہے (۱) مردار (۲) خون (۳) لحم خنزیر اور (۴) دندے کا کھایا ہوا اور جن پانچ چیزوں کی طرف حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ نے استنثار راجح کیا ہے وہ یہ ہیں (۱) مَا اَهْلَ لِعَنْبِرِ اللّٰهِ بید (۲) صمغہ (۳) موقوذة (۴) مترویة (۵) فطیحة۔ اس حوالے سے ناظرین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ صدر الافاضل کی طرح صاحب روح المعانی، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے بھی وَمَا اَهْلَ لِعَنْبِرِ اللّٰهِ بید اِنَّ مَا ذَكَيْتُمْ کا استنثار لاجح کیا ہے اور اس لاجح پر سرفراز صاحب اس طرح برہم ہوئے ہیں۔ یہ ہے فریق مخالف کے مفسر کی قرآن دانی حقیقت یہ ہے کہ جب ان خوف خدا سے بے نیاز

ہو جائے اور بدعات کا تشبیہ انی بن جائے اور من مانی کا وہ ایوان اُڑنے تو دینی معاملات میں قدم قدم پر ٹھوکر کھانے کا اور دنیا و آخرت میں عند اللہ اور عند الناس روا ہو گا (تفتیحہ میں صفحہ ۱۴۳) اب آپ ہی سوچئے کہ ٹھوکر کوں پر ٹھوکر کریں کون کھار رہا ہے؟ اور دنیا و آخرت کی رسوائی کس کا حصہ اور مقرر ہے بجز اللہ ہم نے صدر الافاضل کے کلام سے وہ بخار و دور کر دیا ہے۔ جو سرفراز صاحب کی جرمناں جہارت اور سخی کا ذب کا حاصل تھا مقلدہ لعنت میں گرفتار گھڑی کے دامن میں سوائے کذب و افتراء کے اور ہے بھی کیا؟

جس سے وہ اہل حق کے سامنے آسکیں انتہی بلفظ (توضیح البیان ص ۲۲۴ تا ۲۳۱) الجواب بدہم نے مؤلف مذکور اور ان کے دیگر حواریوں کی طرح یہ طریق اختیار نہیں کیا کہ جواب کے لیے صرف بعض ہی عبارتوں کو لے لیا جائے اور باقی تمام باحوالہ ٹھوس جہاتوں سے لاجواب عاجز اور قاصر ہو کر انہیں شیر بادریا گیا رصویں شریفین کا لذیذ حلوہ مجھ کو مضمر کر لیا جائے تنقید میں کے اول سے لیکر آخر تک اکثر ٹھوس حوالے مؤلف مذکور کو جواب کے لیے لگا رہے ہیں اور انشاء اللہ العزیز تا قیامت لاکارتے رہیں گے جن کو تو انہوں نے عوام کے سامنے پیش کرنے کی جرات ہی کی ہے اور نہ ان کا جواب دے سکے ہیں صرف سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے تنقید میں کی بعض باتوں کو لے کر جان چھڑانے کی ناکام کوشش کی ہے لیکن قارئین کرام انعام البرحان کے چار حصوں سے بخوبی یہ اندازہ لگا چکے ہوں گے کہ مؤلف کی بڑی طرح اپنی مذہب کا روائی میں ناکام ہے ہیں اور اب تو انہوں نے جواب سے سراسر عاجز آ کر اور یقیناً قاصر ہو کر راہ فرار اختیار کر لی ہے اور انعام البرحان کا جواب دینے کے بجائے رخ ہی بدل لیا ہے اور مقام ولایت و نبوت کے نام سے کتاب کچھ کر عوام الناس کو دھوکہ دہی کی سعی کی ہے انشاء اللہ العزیز بشرط زلیت و صحت انعام البرحان کے بقیہ حصوں کی تکمیل اور مقام ولایت و نبوت کے جواب میں قارئین کرام مؤلف مذکور کی جہالت اور عاجزی کا بخوبی اندازہ لگا لیں گے کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے گو وہ طبعی طور پر اس کو پسند کریں گے کہ ان کے خلاف کچھ بھی نہ کہا جائے تاکہ ان کے علمی بھرم کی حقیقت آشکارا

نہ ہو لیکن

یہ دستور زبان ہندی ہے کیسا تیری محفل میں یہاں کربات کرنے کو ترستی ہے نہاں میں مؤلف مذکور نے اپنی طویل اور لایعنی عبارت میں بہت سی علمی ٹھوکریں کھائی ہیں جن

میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں نو چیزوں کو محرمات میں شامل کیا گیا (توضیح البیان ص ۲۳) اور ان کے صدر الافاضل لکھتے ہیں کہ گیارہ چیزوں کی حرمت کا ذکر کیا گیا (ص ۱۵۵) اور یہی بیان مفتی احمد یار خان صاحب کا ہے وہ لکھتے ہیں کہ یہاں گیارہ چیزوں کی حرمت کا ذکر فرمایا (نور العرفان ص ۱۶۹) قارئین کرام خود اندازہ کر لیں کہ جو شخص اپنے بزرگوں کی اُردو تفسیروں سے ناواقف ہو اور باوجود ناواقفیت کے ان کی طرف سے تعصب میں مبتلا ہو کر دفاع کرتا ہو وہ عربی تفسیریں سمجھنے کے اہل کب ہو سکتا ہے؟ اور ان کے سمجھنے کی استعداد اس میں کیسے آسکتی ہے؟

(۲) مؤلف مذکور پہلے تو لکھتے ہیں کہ صدر الافاضل نے (وَمَا ذَكَرْتُمْ) کی استثناء کا سبب ایشیا مذکورہ کے ساتھ حقوق کا دعوے نہیں کیا۔ جس میں وَمَا أَهْلَ لِعَنْدِ اللَّهِ بِہ بھی شامل ہو (محصلاً ص ۲۲) اور آگے لکھتے ہیں صدر الافاضل کی طرح صاحب روح المعانی حضرت علیؑ اور حضرت ابن عباسؓ نے بھی وَمَا أَهْلَ لِعَنْدِ اللَّهِ بِہ (وَمَا ذَكَرْتُمْ) کا استثناء لاحق کیا ہے (ص ۲۳ و ص ۲۴)

اور حضرات کا معاملہ تو آسان ہے کیونکہ ان کے کلام میں تعارض نہیں لیکن بقول بزرگ مذکور کے ان کے صدر الافاضل کے نظریہ میں کھلا تعارض ہے جیسا کہ کسی بھی ذی شعور سے محضی نہیں کہ استثناء کے حقوق کی لغوی بھی ہے اور اثبات بھی۔

(۳) وَمَا أَهْلَ لِعَنْدِ اللَّهِ بِہ کا اگر ذبح پر اس لیے حمل کیا جائے کہ مخلص مشرک ذبح کے وقت کھل کر اپنے معبودوں کا نام ذبح کے وقت لیتے تھے اور اسی کا ان میں رواج تھا تو بجائے کیونکہ وَمَا أَهْلَ لِعَنْدِ اللَّهِ بِہ کی ایک شے یہ بھی ہے اور بعض حضرات مفسرین کرام کے

دور میں اسی کا رواج تھا۔ کیونکہ اُس وقت کے مشرک شرک میں مخلص تھے اور انہوں نے بنا بر شرت کے اسی کا ذکر کیا ہے اور اگر یہ مراد ہو کہ مَکَ اُھْلٌ لِّمَعْنٰی مَا ذَبِحَ بِہٖ لِقَوْلِ حَضْرَتِ شَاہِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ صَاحِبِ (کھاتر) یہ قرآن کریم کی تحریف کے قریب ہے۔ معاذ اللہ تعالیٰ۔

مؤلف مذکور کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ان حضرات معضرب کرام (مثلاً امام رازی، علامہ نیشاپوری، شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب اور صفت اکیلی وغیرہ) کا تذکرہ بھی صراحت سے کرتے جن کے بعض حوالے تنقیح متین میں موجود ہیں جو مَکَ اُھْلٌ لِّمَعْنٰی مَا ذَبِحَ پر محمول نہیں کرتے بلکہ شہرت شینے اور نامزد کرنے پر محمول کرتے ہیں اور ان کے نزدیک اَلَا مَکَ ذَکِیْتُمْ کے ساتھ لاجح کرنے سے تحصیل حاصل لازم نہیں آتی، مؤلف مذکور نے ایک طرف کارروائی کیوں کی ہے اور اس کو نظر انداز کیوں کیا ہے؟

(۴) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ۔ کیونکہ علماء کی عبارت میں مضموم مخالف معتبر ہوتا ہے (۳) یہ قول ان کا بکل اور ہم سب مضموم مخالف کے عجت ہونے اور نہ ہونے میں اصول فقہ وغیر صاکی کتابوں میں غامض بحث ہے۔ علامہ فرارویؒ تو فرماتے ہیں کہ وَاذْکُرْ الْحَنْفِیَّةَ وَالْمُعْتَزِلَةَ (نبراس ص ۲۵) کہ حضرات احناف اور معتزلہ مضموم مخالف کی محبت کے منکر ہیں مگر محضی کہتے ہیں کہ سائے احناف منکر نہیں بلکہ بعض منکر ہیں کچھ بھی ہو یہ مسئلہ اختلافی ہے جو بظاہر مؤلف مذکور کو معلوم نہیں۔

(۵) حضرت عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاد محترم حضرت ملا جیون رحمہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح تفسیرات احمدیہ میں مَکَ اُھْلٌ لِّمَعْنٰی مَا ذَبِحَ نقل کیا ہے اور اس سے مراد روم۔ لحم خنزیر اور مَکَ اُھْلٌ لِّمَعْنٰی اللہ پد کو خارج کیا ہے جو بجا ہے کیونکہ باحوالہ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ مخلص مشرک ذبح کے وقت اپنے معبودوں کا نام لیتے تھے لیکن یوشیار چالاک پریٹ پرور اور منافق مشرک جانور کو نامزد کوئی کے نام پر کرتے ہیں جس میں کتے اور خنزیر سے بڑھ کر خواہش پیدا ہوجاتی ہے لیکن ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں اسی طرح حضرت ملا جیون نے مَکَ اُھْلٌ کے معنی نامزد کرنے

کے بھی کیے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

وَمَا اُھْلٌ بِہٖ لِعَنِیْرِ اللّٰهِ مَعْنَاہُ
قُرْبِحَ بِہٖ لَاسْمِ غَیْرِ اللّٰهِ مِثْلُ
اس کو غیر اللہ کے نام کی خاطر ذبح کیا جائے۔
مثلاً لات اور عزیٰ یا حضرات انبیاء کرام علیہم
الصلوات والسلام کے ناموں کی خاطر۔
(تفسیرات احمدیہ ص ۲۹)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

اَوَ لِفَسْقِ الذِّمٰی ذَبِحَ بِہٖ لَاسْمِ
غَیْرِ اللّٰهِ مِثْلُ اللّٰتِ وَالْعِزٰی
یا نافرمانی کرتے ہوئے اہل باور کو مثلاً لات اور
عزیٰ وغیرہ کے ناموں کی خاطر ذبح کیا جائے
وغیر ذلک الا (ص ۲۶۵)

دوروں جگہ موصوف لاسم غیر اللہ کا جملہ بولتے ہیں باسم غیر اللہ کا لفظ نہیں بولتے اور پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے لِعَنِیْرِ اللّٰهِ اور لِعَنِیْرِ اللّٰهِ کا فرق نقل کیا جا چکا ہے۔ حضرت ملا جیون کی پہلی عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ غیر اللہ میں صرف پتھر اور بت ہی نہیں جیسا کہ اہل بدعت اس پر مصر ہیں اور اسی کی رٹ لگاتے ہے ہیں بلکہ غیر اللہ میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی شامل اور داخل ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہم کلہ توجیہ وغیرہ میں باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ لات آدمی کا لقب تھا اور عزیٰ ایک پتھر تھی۔ الغرض حضرت ملا جیون کی نقل کردہ عبارت مؤلف مذکور کو مفید نہیں اور ہمیں کسی طعن بھی مضرب نہیں کیونکہ جس طرح اَلَا مَکَ ذَکِیْتُمْ کی استثنائے کے مَکَ اُھْلٌ بِہٖ لِقَوْلِ حَضْرَتِ شَاہِ کے لاجح نہ ہونے کی علت اُھْلٌ یعنی ما ذبح سہا سی طرح اس کا حرام لہذا نہ ہونا بھی علت ہے اور ان کی عبارت میں یہ الفاظ موجود ہیں لَٰنْ ہٰذِہُ الشِّیَاہُ حَرَامٌ لِّذٰتِہَا لَسُو یَلْحَقُنَا اٰکُلٌ فِیْ حَالِہٖنِ الْاِحْوَالِ اور ایک چیز کی متعدد اور مختلف علتیں بھی ہوتی ہیں جیسے حرارت کے لیے آگ اور سورج مؤلف مذکور کی علمیت پر بنیاد ہی تعجب ہے کہ وہ حضرت ملا جیون کی عبارت نقل کر کے اور اس کا یوں ترجمہ کر کے۔ کیونکہ یہ اشیاء لہذا حرام ہیں جنہیں کسی حال

میں حلت لاشعنی نہیں ہوتی بلکہ صرف لفظی طور پر ایک واضح علت کو نظر انداز کر کے ہیں اور طعن یوں دیتے کہ ممکن ہے مولیٰ سر فرزند صاحب کو ان بعض مفسرین کی عبارت سمجھنے میں غلطی ہو جائے اور ائمہ زہد تو معصوم ہے اور نہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نہ انہوں میں حضرات ائمہ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اصولاً کسی اور کو معصوم سمجھتا ہے لیکن جو کچھ تعالیٰ حضرات مفسرین کرام کی تعیسر اور دیگر دینی علوم کے سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے و ذلک فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔

(۶) مؤلف نے علامہ آلوسی کا جو حال حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل کیا ہے تو اس کے متعلق گزارش ہے کہ اس کے آخر میں خود انہوں نے علی نقی سے ابقائے علی ظاہرہ (اصل عبارت علی الظاہر ہے روح المعانی ص ۱۵۵) کا جملہ بھی نقل کیا ہے لیکن اس کا ترجمہ نہیں کیا اور اس کو بالکل پی گئے ہیں اہل علم ہی جانتے ہیں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ غیروہ جانیں اور ان کا کام۔ علامہ آلوسی وَمَا أَهْلُ بَيْتِهِ لِيُخْبِرُوا کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں۔

ای ما وقع متلباً به ای مذبحہ الصوت لغیر اللہ تعالیٰ واصل الالهلال عندکثیر من اهل اللغة رؤیة الهلال لکن لما جرت العادة ان یرفع الصوت بالتکبیر اذا رؤی الهلال منمتی بذلت اهلا وروح المعانی ص ۱۵۵) یعنی وہ جانور کہ اس کے ذبح سے غیر اللہ تعالیٰ کی آواز اور شہرت وابستہ ہو یعنی غیر اللہ کے لیے نامزد ہو اور اکثر اہل لغت کے نزدیک الہلال کے معنی چاند دیکھنا ہے لیکن یہ عادت جاری ہے کہ جب چاند دیکھا جاتا ہے تو تکبیر کے ساتھ آواز بلند کی جاتی ہے تو اس وجہ سے اس کو الہلال کہا جاتا ہے۔

اس عبارت میں الہلال کے لغوی معنی کو ملحوظ رکھ کر کہ شہرت اور نامزدگی کے میں وہ فرق ہے ہیں کہ جانور کی ذبح کا مقصد الصوت لغیر اللہ تعالیٰ ہو یعنی ذبح غیر اللہ کی خاطر ہو یعنی اللہ تعالیٰ کا جملہ بولتے ہیں بغیر اللہ تعالیٰ کا نہیں بولتے اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ

وَمَا أَهْلُ بَيْتِهِ لِيُخْبِرُوا اور مَا أَهْلُ بَيْتِهِ لِيُخْبِرُوا اللہ بلم ای رفع الصوت لغیر اللہ تعالیٰ عند ذبحہم واطراد بالذبح الالهلال ہذا ذکر ما یردیح لفظ کالات والعدوی کیا جا رہا ہے اور اس جگہ الہلال سے مراد ان کا ذکر کرنا ہے جس کیلئے جانور ذبح کیا جائے اور اللہ تعالیٰ (ص ۱۵۵)

اس عبارت میں بھی وہ لالت اور عجزی وغیرہ کی خاطر نامزد کر کے اور شہرت دیکھ ذبح کرنا مراد لیتے ہیں اور غیر اللہ اور ما یذبح لہ کے جملے لہستے ہیں ان تمام سوالوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ علامہ آلوسی کے نزدیک غیر اللہ کے لیے نامزد کیا ہوا اور شہرت دیا ہوا جانور وَمَا أَهْلُ بَيْتِهِ لِيُخْبِرُوا کا مصدق ہے اور یہ محرمات میں داخل اور شامل ہے اور اس کی حرمت قطعی ہے پھر شرعیہ کی کوئی ممکن ہو سکتا ہے کہ حرام قطعی بلا کسی شرط کے محض بنام خدا ذبح کرنے سے ہی حلال ہو جائے تو پھر خنزیر کا کیا قصور ہے کہ وہ حلال نہ ہو؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ غیر اللہ تعالیٰ کے لیے نامزد کیا ہوا اور شہرت دیا ہوا جانور حرام ہے ہاں اگر تم ذبح کر لو تو حلال ہے کون سلیم الحاصل اس معنی کا تصور کرنا ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کے فصیح و بلیغ کلام کا منہمک ہونا ہے؟ جو حرام ہے وہ بہر کیفیت اور بہر حال حرام ہے وہ حلال نہیں ہو سکتا اس کے حلال ہونے کی صرف وہی صورت ہے جو پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالے سے عرض کی جا چکی ہے کہ غیر اللہ کے لیے جانور کو نامزد کرنے اور شہرت دینے والا واضح الفاظ میں اپنے سابق اور باطل نظریہ سے تائب ہو جائے اور پھر اس کو بنام خدا تعالیٰ ذبح کر کے تو حلال ہو جائے گا۔

حضرت علیؑ اور حضرت ابن عباسؓ سے مؤلف نے لفظ مذکورہ کی تفسیر کی ہے اور فرمایا ہے کہ ذکور نے بول کر علامہ آلوسی جو یہ نقل کیا ہے کہ وَالذَّكَايَاتُ تَعَدُّ كِي اسْتَشَارَ شَلًا وَمَا أَهْلُ كُو عِصِي لَاحِقٌ بِهٖ تُو اس سے ان کی کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہو کہ معاذ اللہ تعالیٰ غیر اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تقرب کے لیے نامزد کیا ہوا۔ اور شہرت دیا ہوا جانور حرام ہے ہاں اگر ذبح کر لیا جائے تو حلال ہے، تو ان پر خالص افتراء

اور بتان ہے اور اللہ تعالیٰ کے صلیح و بیخ کلام پر ایک قسم کا نظم ہے اور تحریر کلام الہی ہے۔
جیسا کہ خنزیر (جو اسی عبارت میں بستور محرکات میں شامل ہے) ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتا
اگرچہ اس پر بسم اللہ بھی پڑھی جائے کیونکہ وہ حرام لذاتہ ہے اسی طرح غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب
کے لیے مشورہ اور نامزد کیا ہو جانور بھی محض ذبح سے حلال نہیں ہوتا اور اگر ان کی مراد یہ ہو کہ شرعی
طور پر اس کا تذکیہ اور ذبح ہو تو علی الرکس والعیین یہی ان حضرات کی مراد ہو سکتی ہے اور وہ
یونہی ہو سکتا ہے کہ بقول حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ایسا کرنے والا اپنے باطل نظریہ سے
باسب ہو کر اُسے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اسی کے نام پر ذبح کرے چونکہ اس جانور
کی حرمت خنزیر اور کتے کی طرح لذاتنا ہے نہیں کیونکہ فی ذاتہ وہ جانور شرعاً حلال ہے
اس کی حرمت لغیر صاحبہ کہ وہ غیر اللہ کے لیے تلمذ کیا گیا ہے جب وہ باطل نظریہ رفع
ہو جائے تو حلت لوٹ آئے گی اور شرعی تذکیہ کے قاعدہ کے مطابق اَلَا مَا ذَكَيْتُمْ كَيْسْتُمْ
اُسے لائق ہو سکتی ہے اور یہ بات محل نزاع سے خارج ہے نزاع صرف اس نکتہ میں ہے کہ
وہ جانور غیر اللہ کے لیے نامزد بھی ہو اور پھر اس کو استثنا بھی لائق ہو اور وہ اَلَا مَا ذَكَيْتُمْ
کی استثنا کے تحت حلال بھی ہو جائے جیسا کہ بظاہر نولف مذکور کا باطل دعویٰ ہے ہماری دعا ہے
کہ اللہ تعالیٰ مولف مذکور کو شرعی بارکیاں سمجھنے کی توفیق بخشے۔

فرقی مخالفت کے صدر الافاضل اور مفتی احمد یار خان صاحب
دین کی کمی اور عقل کی خامی
تفسیر میں دشکات الفاظ میں یہ لکھتے ہیں کہ حضرات اولیاء کرام کے ایصالِ ثواب کے لیے
نامزد کیا ہو یا بجز وغیرہ اور اسی طرح ویسے اور حقیقتہً کاجرا وغیرہ حلال اور طیب ہیں۔ ایصالِ ثواب
اور ولیمہ اور حقیقتہً کے بجائے وغیرہ کے حلال ہونے میں تو کسی کا بھی کوئی اختلاف اور نزاع نہیں
ہے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وَمَا اَهْلًا لِعَبِيدِ اللّٰهِ بَدَّ كَوْ صَرِيحِ الْفَاعِلِ كِ
ساتھ اِمَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ الْآيَاتِ (پت - بقدرہ - ۲۱) (دو پک - الخلل - ۱۵) اور حُرْمَتِ
عَلَيْكُمْ الْآيَاتِ (پت العاصدہ - ۱) کے تحت ذکر کر کے محرکات میں داخل کیا ہے

پھر مَا اَهْلًا كِ تفسیر میں ایصالِ ثواب۔ ولیمہ اور عقیقہ وغیرہ کے بجزوں کا ذکر یہ معنی درج ہے اس کا
مطلب تو یہ ہوا کہ حرام کی تفسیر حلال و طیب سے ہوئی، معاذ اللہ تعالیٰ دینی بصیرت سے محرومی اور
عقل کی خامی کا یہی نتیجہ ہو سکتا ہے جو بالکل عیال ہے مولف مذکور کے گذارش ہے کہ

ان مسائل میں ہے کچھ ثروت نگاہی درکار یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں
(۷) راقم اشیم نے فریق مخالفت کے مفسر یہ جو تفتیح کی ہے اور ان کی قرآن دانی پر جو گرفت
کی ہے وہ بجز اللہ تعالیٰ پر بستور باقی ہے وہ یوں کہ جو شخص لغیر اللہ اور بغیر اللہ اور لاسم
غیر اللہ اور باسم غیر اللہ کے فرق کو نہیں جانتا اور جو شخص مَا اَهْلًا كِ لغوی معنی سے ہی ناواقف
ہے اور جو شخص مَا اَهْلًا كِ کا مصداق صرف پتھر اور بت قرار دیتا ہے اور حضرات اہل کرام
اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور جنوں اور جاندار مخلوق کو اس سے خارج کرنا ہے اور جو شخص ماہل
کی تفسیر میں شہرت اور نامزد کرنے کی مشورہ تفسیر سے جو تفسیروں (مثلاً تفسیر کبیر - تفسیر نیشاپوری - تفسیر طبرانی
اور تفسیر عزیزی وغیرہ) میں مشغول ہے یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہے
اور جو شخص تقریب اور تعظیم لغیر اللہ کے واقعہ ہو کہ وہ صحت کا شئی ایصالِ ثواب قرار دیکھے۔ اور
حرام کی تفسیر حلال اور طیب سے کہتا ہے اور جو شخص ثواب کے مستحقین (مثلاً ماں باپ وغیرہ) کی
بجائے حضرات اولیاء کرام کے نام پر ہی ایصالِ ثواب کی تلقین کرتا ہے۔ جو بفضلہ تعالیٰ
ہماری ایصالِ ثواب کے محتاج ہی نہیں اور جو شخص وَمَا اَهْلًا لِعَبِيدِ اللّٰهِ كِ
حقیقتہً اور ویسے کے بجز اور دُسنے کے مساوی قرار دیتا ہو اور جو شخص مَا اَهْلًا كِ
کو وقت ذبح کے ساتھ عقیدہ کرنے پر ہی مٹھ ہو اور دوسری حق کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہو اور
جو شخص یہ حصر بیان کرتا ہو کہ اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کر کے
وقت بغیر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو (ملاحظہ ص ۱۵۵) گویا ان کے نزدیک ذبح کے وقت بغیر خدا کا نام
لینا ہی حلت کی شرط ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور جو شخص یہ کہتا ہو کہ وہابی جو ذبح
کی قید نہیں لگاتے وہ آیت کے معنی میں غلطی کرتے ہیں اور ان کا قول تمام تفسیر معتبرہ کے
مخلاف ہے (حالا نکہ اہل حق اس تفسیر کو بھی مانتے اور ملحوظ رکھتے ہیں اور شہرت اور نامزدگی کی

اور مروج لفظ بطور ہتھیار کے استعمال کرتے ہیں ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام خدائی اختیارات سے متصف ہیں اس لیے ان کے لیے ایصالِ ثواب اور نذر و منت سے ان کا اقرب حاصل ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ان کے خیال میں ان کی تمام ضرورتیں اور حاجتیں وہ پوری کر دیتے ہیں ان کے اطمینان کے حوالے تو اپنی جگہ بیان کیے جا چکے ہیں۔ ان کے دو مسلم بزرگوں کے حوالے مزید ملاحظہ فرمائیں (۱) ان کے مولانا امجد علی صاحب اپنی مشہور کتاب بہار شریعت میں لکھتے ہیں۔ تھنیدہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں تمام جہان حضور کے تحت تصرف کر دیا گیا جو چاہیں کریں جسے جو چاہیں دیں جس سے جو چاہیں واپس لیں جہان میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں تمام جہان ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں تمام آدمیوں کے مالک ہیں جو انہیں اپنا مالک نہ جانے عبادتِ سنت سے محروم ہے تمام زمین ان کی ملک ہے تمام جنت ان کی جاگیر ہے ملکوت السموات والارض حضور کے زیر فرمان جنت و نار کی سجیال دست اقدس میں سے دی گئیں رزق و خیر اور ہر قسم کی عطا میں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں دنیا و آخرت حضور کی عطا کا ایک حصہ ہے احکام شریعت حضور کے قبضہ میں کر دیے گئے ہیں کہ جس پر جو چاہیں حرام فرمائیں اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرمائیں۔ بلغظہ (بہار شریعت حصہ اول ص ۲۲)

(۲) مولف مذکور نوعمر اور محدود مطالعہ کے دلدلہ ہیں اس لیے ان کے معلومات کے لیے عرض ہے کہ ان کی جماعت میں ایک بزرگ گذرے ہیں جو اپنے دور میں ان کی جماعت کے منظرِ اعظم تصور ہوتے تھے جن کا نام نامی مولانا مولوی محمد حسرت علی صاحب تھنیدی قادری بریلوی تھانوں نے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی کی تالیف اور مفید عوام و خواص کتاب بہشتی زیور کار و لکھا ہے اس کا نام ہے اصلاح بہشتی زیور اس کی تشریح اور اعلان کے لیے یہ الفاظ اختیار کیے گئے ہیں۔ اس میں انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نیاز و تقاضے نذر و منت ماننے۔ ان سے مدد چاہنے۔ انہیں پکارنے یا رسول اللہ۔ یا علیؑ یا عترت

کئے۔ انہیں نفع و نقصان کا مختار سمجھئے۔ انہیں ہر حال کی خبر ہے۔ ان کے نام کا جانور پانے چھوڑنے، ذبح کرنے۔ ان کے نذرات پر عرس کرنے، چراغ جلانے، چادر مٹائی علوہ لگانے وغیرہ چڑھانے۔ ان کے نام کا وظیفہ کر لے۔ روزہ رکھنے۔ بازو پر پیسہ باندھنے۔ ان کی ڈوھائی مینے۔ خدائی رات کرنے۔ کسی جگر کا ادب و تعظیم طواف و سجدہ کرنے۔ کسی کے سامنے جھکے۔ کھڑکھڑا ہونے۔ عبدالجی۔ غلام رسول۔ نبی بخش، علی بخش۔ غلام محمد الدین وغیرہ نام رکھنے گئے ہیں کلابا ڈالنے۔ پڑھی پڑھنے سرہ باندھنے اور ان کی مثل بہت سی باتوں کی جو بہشتی زیور میں مذکور اور وہابیہ کے نزدیک شرک و کفر و عمام و بدعت تھیں تردید اور علاوہ ان کے بہت سے مسائل فقہ کی اصلاح و تصحیح کی گئی ہے مسلمانوں کو ضرور سے منگا کر دیکھنا اور گھر اہلوں کی گھر اہلوں سے بچنا چاہیے انہی بلغظہ (اندرونی مائیکل شمع ہدایت حصہ سوم ص ۱۰ طبع رشید المطابع بریلی)

غلام رسول اور غلام محمد الدین نام رکھنے میں راقم التیم کو تو کسی معتبر عالم کا کوئی اختلاف معلوم نہیں یہ نام جائز ہیں اس کے علاوہ کتاب کے اشتہار اور اعلان میں کفر و شرک اور بدعت و رسم مشرکین کی کون سی اصولی شق اور باقی رہ جاتی ہے جس کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو، عرفہ شریعت میں کس طرح نصوص قطعہ، احادیث صحیحہ متواترہ، اجماع امت اور حضرات فقہاء کرام کے صریح اقوال کے خلاف اسلام کے نام سے ایک مصنوعی اسلام کا خاکہ پیش کیا گیا ہے اگر یہ امور اسلام ہیں تو پھر کفر و شرک اور بدعت کس بلا کا نام ہے؟ مولف مذکور کو غصہ تھوک دینا چاہیے اور انصاف سے واضح الفاظ میں یہ بتانا چاہیے کہ کیا ان کے مسلم بزرگ کی کتاب اصلاح بہشتی زیور نے حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے نیاز و فاتحہ کے علاوہ نذر و منت ماننے اور ان سے مدد چاہنے۔ انہیں نفع و نقصان کا مختار سمجھنے۔ انہیں ہر حال کی خبر ہونے ان کے نام کا جانور پانے اور چھوڑنے اور ان کے نام پر جانور ذبح کرنے وغیرہ کو کون سی کفر پر اور شریک کاروانی کا موافقہ ہم نہیں کر دیا۔ وہ کس جرأت سے اہل حق کا مقابلہ کرتے اور ان کے منہ لکھتے ہیں اور ایصالِ ثواب کا مروج لفظ استعمال کر کے علوم اناس کو دھوکہ دے رہے ہیں اور پستے بزرگوں کے نفس الامری اور واقعی عقاید اور نظریات عوام سے مخفی رکھنے کا ادھار

کھائے بیٹھے ہیں۔ عوام الناس بیچاڑے گویا ان سے یوں گویا ہیں۔
- رابوں کی مشکلات میں کھوتے تو عسقم نہ تھا
رونا ہے اس کا ہم سر منزل بھٹک گئے

(۲) ہم پر یہ الزام کہ معاذ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرات اولیاء کرام سے عداوت ہے سفید
جھوٹ اور خالص افتراء ہے ہم تو حضرات اولیاء کرام سے دشمنی رکھنے والے کو اس حدیث
قدسی کا مصداق گردانتے ہیں من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب (بخاری ۹۲۳)
رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کو میری طرف سے
میرے ساتھ جنگ کرنے کا الٹی میٹیم ہے ہم تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے تذکرہ کو
نزول رحمت خداوندی کا سبب سمجھتے ہیں اور یہ تحقیرانہ نظریہ رکھتے ہیں کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ
کے نیک بندوں کا صحیح طور پر ذکر کیا جاتا ہے وہ ان اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔
(۳) بفضلہ تعالیٰ ہم نے بھی وَصَفَا رُزُقْنَهُمْ کی تفسیر میں تمام اہل علم ہی میں مولف
تذکرہ کے بیان کردہ بے جان دلائل کا خوب خوب پرٹ مارا ہے۔

لہذا اس مضمون کو وہاں ہی ملاحظہ فرمائیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ دعا ہے
کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان اور مسلمان کہلانے والے کو حق و باطل میں فرق و تمیز کرنے کی توفیق
بخشنے اور شرک و بدعات اور غیر اسلامی رسومات سے محفوظ رکھے آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ محمد
وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واتباعہ اجمعین

احقر

ابوالزہد محمد سرفراز

خطیب جامع مسجد گھٹڑ و صدر مدرس مدرسہ نصرتہ العلوم

گوجرانوالہ ۱۲ شوال ۱۴۰۲ھ
۱۱ جون ۱۹۸۲ء

احسن الکلام

فی

ترک القراءۃ خلف الامام (طبع سوم)

تالیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفحہ مدظلہ

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث، آثار صحابہ کرامؓ و تابعینؓ و اتباع تابعین
اور دیگر مہمور فقہانہ اور محدثین عظام سے یہ بات ثابت کی گئی ہے
کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں کسی بھی قسم کی قرأت عموماً اور سورۃ فاتحہ
کی قرأت خصوصاً ممنوع ہے اور جسی نمازوں میں تو امام کے
پیچھے قرأت کرنا تفرآن کریم، حدیث صحیح اور اجماع کے خلاف
ہے اور فی نفسہ منکر اور شاذ ہے اور جبری نمازوں میں حضرات
ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ نیز عقلی اور قیاسی دلائل سے اس مسئلہ
پر فیصلہ کن بحث کی گئی ہے اور فریق ثانی کو سکت جوابات دیئے
گئے ہیں اور اس طبع میں "خیر الکلام" اور "الاعتصام" میں کیے گئے
اعتراضات کے جوابات کو خصوصیت سے ملحوظ رکھا گیا ہے۔

ناشر:

مکتبہ صفحہ یہ نزو مدرسہ نصرتہ العلوم
گوجرانوالہ

غیر مقلدین رد میں

قابل مطالعہ کتب

● احسن الکلام فی ترکِ قرآۃ فاتحہ خلف الامام

● اطیب الکلام ملخص احسن الکلام

● طائفہ منصورہ

● عمدۃ الاثاث فی طلاقات الثلث

● رسالہ تراویح مع اردو ترجمہ ینابیع

● تحریری کیفیت مناظرہ

● نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح

ملنے کا پتہ

مکتبہ صفدیہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوہرانوالہ

مکتبہ صفدریہ نزدگھنٹہ گھر گوجرانوالہ کی مطبوعات

خزائن السنن تقریر ترمذی طبع سوگ	احسن الکلام مسئلہ فاتحہ خلف الامام کی مدلل بحث مع شرح	تسکین الصدور مسئلہ حیات النبیؐ پر مدلل بحث مع شرح	الکلام المفید مسئلہ تقلید پر مدلل بحث	ازالة الريب مسئلہ علم غیب پر مدلل بحث مع شرح
راہ سنت روایات پر اجاب کتاب	آنکھوں کی ٹھنڈک مسئلہ حاضرہ نظر پر مدلل بحث	احسان الباری بخاری شریف کی ابتدائی ابواب	طائفہ منصورہ تجارت پانچواں کروڑ کی علامت	ارشاد الشیخہ شیخہ نظریات کا مدلل جواب
درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ	عبادات اکابر اکابر عبادت پر مدلل بحث ہر عبادت کے جوابات	تبلیغ اسلام ضروریات دین پر مختصر بحث	گلدستہ توحید مسئلہ توحید کی وضاحت	دل کا سرور مسئلہ عقائد کی مدلل بحث
راہ ہدایت کرامات و معجزات کے بارے میں صحیح عقیدہ کی وضاحت	بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم صاحب مدظلہ کے حالات زندگی اور ان کے معجزات کے بارے میں	ینابیع غیر مقلد نامہ مولانا علامہ ارباب کے رسالہ قرآن مجید کا اردو ترجمہ	چراغ کی روشنی معجزات النبیؐ کے بارے میں قرآنی دلیلوں کے معجزات کے بارے میں	مسئلہ قربانی قربانی کی فضیلت اور ایسا قربانی پر مدلل بحث
تیسریت کا پس منظر جیسائیوں کے عقائد کا رد	مقالہ ختم نبوت قرآن و سنت کی روشنی میں	المسک المنصور رد توفیح البیان	حلیۃ المسلمین دائرہ صحت کا مسئلہ	توضیح المرام فی نزول صحیح علیہ السلام
آئینہ مجری سیرت پر مختصر رسالہ	شوق حدیث حجیت حدیث پر مدلل بحث	ملا علی قاری اور مسئلہ علم غیب کا حاضرہ مناظر	باب جنت بجواب راہ جنت	الکلام الخادی سادات کیلئے زکوٰۃ وغیرہ بیشکی مدلل بحث
مودودی صاحب کا غلط فتویٰ	تفریح الخواطر بجواب تجویر الخواطر	چہل مسئلہ حضرات بریلویہ	عمدۃ الاثاث تین ملاحقوں کا مسئلہ	الشہاب المبین بجواب اشہاب علم الغیب
سماع موتی چالیس دعائیں	مقالہ اہل حنیفہ صرف ایک اسلام	عکم الذکر بالبحر شوق جہاد	اخفاء الذکر ذکر آہستہ کرنا چاہیے	مولانا ارشاد الحق اثری کا مجزوہ بانہ واویلہ
مرزائی کا جنازہ اور مسلمان	انکار حدیث کے نتائج منکرین حدیث کا رد	اطیب الکلام مخلص احسن الکلام	خزائن السنن جلد دوم کتاب الطہور	جنت کے نظامے علامہ ابن تیمیہ کی کتاب جادی الارواح کا اردو ترجمہ
حمیدیہ نبیؐ کا عروج کی کتاب شہداء کا اردو ترجمہ	خزائن السنن جلد دوم کتاب الطہور	بجاری شریف غیر مقلدین کی نظر میں	غیر مقلدین کے متضاد فتوے	امام ابو حنیفہ کا عادلانہ دفاع
تین طاقتوں کے مسئلہ یہ مقالہ کا جواب مقالہ	بجاری شریف غیر مقلدین کی نظر میں	مردود فی حق الذکر والواضحہ فی شرح الکافیہ	مردود فی حق الذکر والواضحہ فی شرح الکافیہ	مردود فی حق الذکر والواضحہ فی شرح الکافیہ

مطبوعات
عمر اکادمی